سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اعلانِ نبوت سے پہلے

مسعود مفتی
منصور احمد بٹ

سیرت النبی ﷺ
اعلانِ نبوت سے پہلے

استدعا

پروردگارِ عالم کے فضل، کرم اور مہربانی سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرما دیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ (ناشر)

سیرت النبی ﷺ

اعلانِ نبوت سے پہلے

مسعود مفتی

منصور احمد بٹ

(ایوارڈ برائے حسنِ کارکردگی وصدارتی ایوارڈ یافتہ)

علم وعرفان پبلشرز

34۔اردو بازار لاہور فون:7352332

نام کتاب .... سیرت النبی ﷺ اعلانِ نبوت سے پہلے

مصنف .... مسعود مفتی، منصور احمد بٹ

پروف ریڈنگ .... محمد نواز صابر

ناشر .... گل فراز احمد

علم و عرفان پبلشرز، لاہور

مطبع .... زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور

سن اشاعت .... ستمبر 2007ء

قیمت .... -/400 روپے

☆......ملنے کے پتے......☆

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اُردو بازار، لاہور فون: 7352332-7232336

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اُردو بازار لاہور

فون: 7223584 موبائل: 0300-4125230

فہرست

حرفِ محبت

ہزاروں درود اور سلام ہوں، اس رحمتِ عالم ﷺ پر جو کہ باعث تکوینِ کائنات اور افضل الانبیاء ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے بابرکت وجود نے اس کائنات کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔ صدیوں سے قعرِ مذلت میں گرے ہوئے انسان کو انسانیت کے بلند و بالا مقام پر سرفراز کیا، اور قیامت تک کے لیے ہر زمان اور ہر مکان پر اپنی عظیم شخصیت کے پائندہ و تابندہ نقوش ثبت کر دیئے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کسی فردِ واحد کی سیرت نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی تاریخی طاقت کی داستان ہے، جو غارِ حرا سے لے کر غارِ ثور تک، حرمِ کعبہ سے لے کر طائف کے بازار تک، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک، مسجد کی شب بسری سے لے کر میدان جنگ تک، متمکن بر سریرِ نبوت سے لے کر پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے خندق کھودنے تک، بھیڑ بکریاں چرانے سے لے کر آسمانوں کی سیر کرنے تک، افق تا افق، کراں تا کراں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ ایک چمن کا چمن ہے بے آب و گیاہ، صحراؤں کے درمیان ایک نخلستان ہے، رضوانِ جنت ہے۔ جس کے ایک ایک پھول اور ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی کی زندگی مرقوم ہے۔ وہ قافلۂ بہاراں وقت کی جس سرزمین سے گزرا ہے۔ اس کے ایک ایک ذرے پر نکہت کی مہریں ثبت کر گیا ہے۔

اللہ کا ذکر عبادت ہے' اور اللہ کے حبیب ﷺ کا ذکر بھی عبادت ہے' کیونکہ خود اللہ اور اس کے فرشتے حضور ﷺ کی مدح و ثناء کرتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ زبانیں جو محبوب رب اللعالمین کے ذکر سے تر ہیں۔ اللہ نے خود اپنی محبت اور اپنے حبیب ﷺ کے مقام کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا ہے:

''ہم مکہ کی قسم اس لیے کھاتے ہیں کہ آپ ﷺ اس شہر میں رہتے ہیں۔''(سورہ البلد)

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

''پس جس کی قدوسیت اور جبروتیت کا یہ مرتبہ ہو، اس کی یاد میں جتنی گھڑیاں کٹ جائیں، اس کے عشق میں جتنے آنسو بہہ جائیں۔ اس کی محبت میں جتنی آہیں نکل جائیں۔ اس کی مدح وثناء میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، انسانیت کا حاصل، روح کی سعادت دل کی طہارت اور زندگی کی پاکیزگی ہے۔''

پس مبارک ہیں وہ دل جنہوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لیے رب السموات والارض کے محبوب ﷺ کو چنا، اور کیا پاک ومطہر ہیں وہ زبانیں جو سید المرسلین اور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی مدح وثناء میں زمزمہ سنج ہیں۔ انہوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لیے اس کی محبوبیت کو دیکھا جسے خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے ممتاز کیا ہے اور ان کی زبانوں نے اس کی مدح وثناء کی، جس کی مدح وثناء خود خدا کی زبان نے کی، اس کے ملائکہ وقدوسیوں کی زبان اور کائناتِ ارض کی تمام پاک روحوں اور سعید ہستیوں کی زبان ان کی شریک وہمنوا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان ومال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔

ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے'' انہیں خوشخبری دے دو، ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی۔ اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔''

(سورہ البقرہ: ۱۵۵۔۱۵۷)

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر پہلی وحی اتاری:

''پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔

پڑھو۔ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔

جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا

انسان کو وہ علم جسے وہ نہ جانتا تھا۔" (سورہ العلق: ۱۔۵)

کس کی مجال ہے کہ جو خلاصہء کائنات، فخرِ موجودات ﷺ کی مدحت سرائی اور سیرت نگاری کا حق ادا کر سکے۔ یہ غلط دعویٰ نہ کسی زبان سے نکل کر فضا میں پھیلا، اور نہ کسی قلم نے اسے صفحہء قرطاس پر ثبت کیا۔ اس بارگاہِ اقدس میں جس نے بھی لب کشائی کی تو اس کا مقصد حصولِ سعادت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

قلم کی کیا مجال کہ اس بحرِ ناپیدا کنار کی وسعتوں کو چھو سکے، ممکن ہی نہیں کہ ذہن اور عقل دماغ اس شہِ شاہان ﷺ کی عظمتوں کا احاطہ کر سکے، ہم مجبور و عاجز انسان اس عظیم ذات کے نعلین مبارک تک بھی پہنچ جائیں تو بڑی بات ہے، مگر اس کے لیے بھی ولیوں کی بصیرت اور بصارت درکار ہے۔ سینکڑوں برس گزر گئے، بڑے بڑے غواص اور مردِ میدان میں آئے، لیکن اس گہرے سمندر کی پاتال میں اترنے کی چاہ میں دنیا سے گزر گئے۔ جسے یہ دعویٰ ہو کہ اس پُر نور شخصیت ﷺ کے مقدس حصار میں داخل ہو سکا ہو۔ آفتاب کی کرنیں دور ہی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہیں۔ اس سراجاً منیراً کی طرف نظر بھر کر دیکھنا کسے نصیب ہو سکا ہے۔ ہم جو کہ عالی شان ذات ﷺ کی محبت کے اسیر ہیں۔ محبوب ﷺ کو پانے کی تمنا میں جی کو ہلکان کرتے ہیں۔ دید کی خواہش میں دل کو بے نور کر لیتے ہیں۔ سفرِ محبت میں پاؤں لہولہان کر لیتے ہیں۔ زمانہ کی گرم ہواؤں سے اپنے آپ کو جھلسا لیتے ہیں لیکن محبوب ﷺ کی وصال کی منزل سے اکثر پرے ہی رہتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو سکا

یاد کیجئے وہ وقت، عرش پر انتظامات ہو رہے ہیں، خدائے بزرگ و برتر صحراؤں کے عین درمیان گلاب اگانے والا ہے۔ جس کی سرور آفریں خوشبو سے مشامِ جانِ جہاں کو معطر ہونا ہے مگر ابرہہ اپنے فیل لے کر کعبہ کو تاراج کرنے آن پہنچتا ہے۔ بیت اللہ سے کچھ دور عبدالمطلب کے اونٹ اس کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ عبدالمطلب کو خبر ہوتی ہے تو فوراً اونٹ چھڑوانے ابرہہ کے پاس جا پہنچتے ہیں۔ ابرہہ چونک اٹھتا ہے۔

"یہ کیسا شخص ہے جسے کعبہ سے زیادہ اپنے اونٹوں کی فکر دامن گیر ہے۔"

ابرہہ کہتا ہے:۔

"عبدالمطلب کعبہ کی خیر مناؤ۔ اونٹ تو معمولی شے ہیں۔"

عبدالمطلب کہتے ہیں:

کوئی غیبی اشارہ موجود ہے۔ کعبہ کا پاسبان تو اللہ ہے، کعبہ کا مالک ازل سے
اپنے گھر کی حفاظت کرتا آیا ہے وہ آج بھی زندہ ہے اور ابد تک رہے گا، میں تو
صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔
مجھے صرف اپنے اونٹوں کی حفاظت کرنا ہے لہٰذا اونٹوں کی بازیابی کے لیے آیا ہوں۔"
عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس آجاتے ہیں، اور کعبہ کی حفاظت کے لیے خدا
آجاتا ہے۔

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا،
کیا اس نے تدبیروں کو ناکام نہیں کر دیا۔ اور ان پر پرندے بھیجے جھنڈ کے جھنڈ
جوان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے اور انہیں کر دیا کھائے ہوئے بھوسے کی
طرح"۔ (سورہ الفیل)

رب کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو عدم سے وجود میں لانے سے پہلے دنیا والوں پر
واضح کر دیا:

"کعبہ کو ویران کرنے والے سن لیں کہ اس گھر کو قیامت تک آباد کرنے کا فیصلہ
آسمان پر ہو چکا ہے۔ وہ اس مقدس گھر کو تاراج نہیں ہونے دے گا کہ اس شاہِ
لولاک ﷺ کی سجدہ گاہ بننا ہے اور اس حوالہ سے رہتی دنیا تک کے فرزندانِ
توحید کا مرکزِ نگاہ بننا ہے۔"

اور پھر ۱۲ ربیع الاول کو آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں چاند اتر آتا ہے
صحرا کی قسمت بدل جاتی ہے، ہر طرف نور ہی نور بکھر جاتا ہے۔

انسانی عقل قدرت کے فیصلوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کہاں محمد ﷺ اور کہاں حلیمہ
سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر، بنی سعد کا یہ گھرانہ قحط کے ہاتھوں مفلوک الحالی کا شکار تھا۔ یہاں
تک کہ بکریوں کے تھنوں میں دودھ تک سوکھ گیا تھا۔ پھر کیا ہوا۔ اس مبارک قدم کی برکت نے ہر
طرف شادابیاں بکھیر دیں۔ سوکھی اور بنجر کھیتیاں، لہلہا اٹھیں اور بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے۔
حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کیا خبر تھی کہ اس کی گدڑی میں کیسا لعل پل رہا ہے۔
قدرت نے اس کے دل میں آپ ﷺ کے لیے بے پناہ محبت بھر دی تھی۔ اس نے کبھی آپ ﷺ
کو خود سے الگ نہ ہونے دیا۔

خدا کو اپنے محبوب ﷺ کی کوئی تکلیف گوارہ نہ تھی۔ مکہ کی شدید دھوپ اور گری تپتی ہوئی ریت، مگر اس محبت پر قربان جایئے کہ ابر کے ایک ٹکڑے کو حکم دیا:

"تو نے میرے محبوب ﷺ پر سایہ فگن رہنا ہے۔"

آپ ﷺ جدھر تشریف لے جاتے، ابر کا یہ ٹکڑا ساتھ ساتھ چلتا۔

حضور ﷺ کی مبارک زندگی کا سفر جاری ہے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رضاعت کا حق ادا کر دیا' اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنہیں عین جوانی میں بیوگی کا صدمہ جھیلنا پڑا تھا اپنے نورِ نظر اور لختِ جگر کو دیکھ کر جیتی تھیں، عمر مبارک چھ سال ہوئی تو والدہ ماجدہ کے ساتھ والد محترم کی قبر کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یثرب میں مدفون تھے۔ قریباً ایک ماہ بعد واپسی ہوئی تو راستے میں ہی پیاری ماں ساتھ چھوڑ گئیں۔

غور کیجئے، چھ سال کا بچہ ماں کی جدائی، آپ ﷺ کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ اتنے بڑے حادثہ نے آپ ﷺ کے معصوم دل پر کتنا گہرا زخم لگایا ہوگا۔ پیدا ہوئے تو والد کا سایہ سر پر نہ تھا۔ اب والدہ کی جدائی کے بعد یہ دوہری یتیمی۔

مکہ پہنچے تو دادا نے اس دُرِ یتیم ﷺ کو اپنے سایہ محبت میں لے لیا، لیکن یہ ساتھ بھی زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ آپ ﷺ آٹھ برس کے ہوئے تو دادا بھی چل بسے۔ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لال پھر تنہا رہ گیا مگر نہیں، ربِ کعبہ کے ہوتے ہوئے وہ اکیلا کیسے رہ سکتا تھا۔ خدا کا سایہ آپ ﷺ کے سر پر تھا۔ دنیا کے سارے سہارے عارضی ہوتے ہیں یہ حقیقت آپ ﷺ کے بچپن ہی میں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی۔ دادا نے اپنے بیٹے ابو طالب کو وصیت کر دی تھی:

"سنو! یہ گوہر تمہارے حوالے کر رہا ہوں، اسے جان سے بڑھ کر عزیز رکھنا۔"

ابو طالب نے تادمِ مرگ اس وصیت کی لاج رکھی۔

ابو طالب کے ساتھ آپ ﷺ نے ایک طویل عرصہ گزارا۔ عربوں کے عام چلن سے آپ ﷺ کو کوئی علاقہ نہ تھا۔ بچپن اور لڑکپن کی سرحدیں عبور کر کے جوانی میں قدم رکھا تو زندگی کے انداز ہی نرالے تھے۔ اہل عرب آپ ﷺ کو دیکھتے تھے تو حیران ہوتے تھے۔ اپنی راست بازی اور دیانت داری کے سبب صادق اور امین کا لقب پایا۔ غور وفکر اور جستجوئے حق کا عمل اپنی شدت کو پہنچ چکا تھا۔ غارِ حرا میں جبیں سجدہ ریز تھی، نگاہیں آسمان پر تھیں اور کان کسی غیبی آواز کے

منتظر، اور پھر ایک روز غارِ حرا کسی غیبی نور سے روشن ہوگئی۔

اور اقرا باسم ربک الذی خلق کے الفاظ گونج اٹھے۔ جبرائیل امین اللہ کا پیغام لے کر غارِ حرا میں اترے اور نبوت کا بار آپ ﷺ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ اس غیر متوقع صورت حال سے آپ ﷺ پریشان ہوگئے۔ جسم مبارک پر لرزہ طاری تھا۔ اسی حالت میں غارِ حرا سے نیچے اترے، گھر پہنچے تو اپنی شریک حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"مجھے چادر اوڑھا دو۔ مجھے چادر اوڑھا دو۔"

آپ ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوڑی آئیں اور ساری روداد سن کر کہنے لگیں:

"آپ ﷺ فکر کیوں کرتے ہیں، اللہ آپ ﷺ کو رسوا نہیں کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمادیا تھا۔

غارِ حرا کی خلوتوں کے بعد سرزمین مکہ کی جلوتیں تھیں، جس کے گلی کوچوں میں آپ ﷺ پیغامِ حق لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ اک چراغ کیا جلا سو چراغ جل گئے، اور پھر چراغ سے چراغ جلنے لگے۔ صدیوں کی ظلمتوں اور اندھیروں میں یک لخت نور کی کرنیں جاگیں تو ایک طوفان آ گیا۔ اہل مکہ کو اپنے مصنوعی اور خود تراشیدہ خداؤں کا مستقبل خطرے میں نظر آنے لگا۔ بڑے بڑے سردار سر جوڑ کر بیٹھے' اور اپنے خداؤں کی ناموس بچانے کے لیے مشورے کرنے لگے۔

اہل ایمان میں اضافہ ہونے لگا تو نوبت ہاتھا پائی تک آ پہنچی۔ لعن طعن، گالی گلوچ، تمسخر و استہزاء کا سلسلہ شروع ہوگیا' لیکن حق پرستوں کے اس قافلے کو روکنا آسان کام نہ تھا۔ کفار کی سختیاں اور مظالم شروع ہوگئے۔ حبشہ کی جانب ہجرت ہوئی، مکہ چھوڑنا پڑا۔ سب کچھ ہوا، مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

حق و باطل کے معرکے بپا ہوئے۔ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ خیبر، غزوہ حنین ہر میدان میں باطل کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا' اور پھر ایسا وقت آیا۔

آپ ﷺ دس ہزار قدوسیوں کے جلو میں فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے تو ظالموں کے سرنگوں ہوگئے۔ بڑے بڑے سردار اپنی موت کے منتظر تھے' لیکن اس مجسمہء خلق عظیم ﷺ اور رحمت دو جہاں ﷺ نے اعلان فرمادیا:

"کسی کو کچھ نہ کہا جائے۔"

کافروں کے اذیت ناک مظالم کے زخم تازہ تھے، لیکن اپنے زخموں کو چھپا لیا اور عام معافی کا اعلان کر دیا، یہ کیسا انقلاب تھا، یہ کیسی فتح تھی، لہو کی ایک بوند بھی نہ ٹپکی، تاریخ اس عظیم انقلاب کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب میں رسول برحق ﷺ کی بعثت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی کے واقعات کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ ہمیں کتب سیَر میں بعثت سے پہلے کی زندگی کے متعلق بہت کم واقعات ملتے ہیں اور جو واقعات ہیں، وہ بھی کسی ایک کتاب میں مربوط نہیں، کہیں کہیں چیدہ چیدہ واقعات ملتے ہیں۔

اس سلسلے میں کئی کتب کی اوراق گردانی کرنا پڑی، اس وسیع چمن زار میں سے گل چینی کرنا پڑی، ان گلوں کی رنگینی اور مہک سدا بہار ہے۔ ان کی نسیم عطر بیز سے آج بھی فضا معطر ہے۔
رسول برحق ﷺ کی بعثت سے قبل چالیس سالہ معصوم زندگی بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اس زندگی میں آپ ﷺ نے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، یہی وہ دور تھا جب لوگ آپ ﷺ کو الصادق اور الامین ﷺ کے نام سے پکارتے تھے۔
زیرِ مطالعہ کتاب میں کہیں کہیں اسلوب نگارش میں واقعاتی انداز کو چھوتا ہوا گزرا ہوں، تاکہ لطف کی محفل برقرار رہے، تاہم واقعات اپنی اسناد کے ساتھ موجود ہیں۔
امید ہے آپ اس کتاب سے عشق رسول کریم ﷺ کے محبت بھرے ذکر سے اپنے دل کو مزید منور کریں گے' اور اس سے آپ کے سوز و گداز کی بھٹی گرم رہے گی۔
آخر میں اس کتاب کے تمام قارئین سے التماس ہے کہ وہ کتاب کے مطالعہ سے پہلے میرے والدین کی مغفرت کے لئے دعائے خیر کریں' اور ان کی ارواح کے لیے فاتحہ ایصال کریں۔ یہ میرا ہر قاری پر قرض ہے اور ہر قاری اس قرض کی ادائیگی کے بعد کتاب ہذا کا مطالعہ کرے۔

مسعود مفتی

منصور احمد بٹ

۞۞۞

عرب کی حالت قبل از اسلام

لفظ عرب کی تحقیق

اعراب، عربی زبان میں زور آور کو کہتے ہیں، یعنی وہ جس کی زبان فصیح و بلیغ ہو، اس لفظ سے عرب نکلا۔ اس ملک کے لوگوں کو اپنی زبان پر اس درجہ ناز تھا کہ خود کو عرب (زبان آور) اور اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو عجم (ژولیدہ بیان) کہا کرتے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ عرب، عبرانی لفظ "عربا" سے مشتق ہے، جس کے معنی ریگستان ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "عرابہ" اس کی اصل ہے۔ یعنی گندم گوں، یہ اہل ملک کی رنگت کی طرف اشارہ ہے۔ کسی نے عرب کہلائے جانے کی یہ وجہ لکھی ہے:

"اس کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا۔ ملک اس کے نام سے موسوم ہوا"۔

کچھ لوگ اس ملک کا پہلا نام ہی "عربتہ" بتلاتے ہیں، جو بعد میں عرب ہو گیا۔

ناقابلِ کاشت وادی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں لاکر چھوڑا تو قرآن مجید نے اس علاقہ کو وادی غیر ذی زرع (ناقابل زراعت وادی) فرمایا۔ یہ اس سرزمین کی مجموعی طبعی کیفیت کی طرف اشارہ تھا۔ قدیم تاریخ میں ۱۰۰۰ قبل مسیح یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ ہی سے یہ ملک عرب کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

حدود اربعہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب دنیا سے الگ تھلگ ایک جزیرہ نما تھا' حالانکہ قدرت نے تین بڑے براعظموں، ایشیاء، یورپ اور افریقہ میں اسے مرکزی حیثیت دی ہے اس کے جنوب میں بہت بڑا سمندر بحر ہند ہے۔ شمال میں عراق اور شام کا علاقہ ہے۔ جو اس وقت ایرانی اور رومی عملداری میں تھا۔ مشرق میں خلیج فارس اور دریائے دجلہ وفرات سے لگا ہوا ملک ایران، دولت کسریٰ کہلاتا تھا۔ مغرب میں بحیرہ قلزم کی لمبی کھاڑی ہے، جس کے بعد براعظم افریقہ واقع ہے۔

عرب کے تینوں طرف سمندر کے ساحلی علاقے سرسبز وشاداب ہیں، شمال سے جنوب تک ایک سلسلہ کوہ پھیلا ہے، جسے جبل السراۃ کہتے ہیں، شمال میں یہ شام اور فلسطین کے پہاڑوں سے جاملتا ہے، اس سلسلہ کو جگہ جگہ سے وادیاں (وسیع نالے) قطع کرتی ہیں، جن کا بارش کا پانی مغرب میں سمندر میں گرتا ہے، اور مشرق میں یہ ریگستانوں میں جذب ہوتا ہے۔ درمیان میں صحرا ہی صحرا ہے۔ لق ودق اور ناقابل عبور۔ ریت کے تودے کے تودے ادھر سے ادھر ایسے لہراتے ہیں' جیسے سمندر میں طوفانی موجیں، جنوب مشرق میں واقع بڑا صحرا ''الربع الخالی'' اور وسطی ''صحرائے نفوذ'' کہلاتا ہے۔

عرب کا کل رقبہ ۱۲۱۹۷۴۸ مربع میل ہے۔ طول ۱۵۰۰ اور عرض ۸۰۰ میل ہے۔ جزیرہ نمائے عرب میں تقریباً ۳۴ ۱/۲ درجہ طول البلد مشرقی سے تقریباً ۶۰ درجہ مشرقی تک اور ۱۲ ۱/۲ درجہ عرض البلد شمالی سے ۳۲ درجہ شمالی تک پھیلا ہوا ہے۔ آج کل آبادی ۱/۲ ا کروڑ ہے۔

جغرافیائی تقسیم

قدیم زمانہ میں جغرافیائی اور طبعی اعتبار سے ملک عرب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، عرب عراق اور عرب شام اس میں شامل نہیں تھے۔

(۱) تہامہ (۲) نجد (۳) حجاز (۴) یمن

عرب کا مغربی حصہ پست ہے' اور یہاں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے تہامہ کہتے ہیں۔ مشرقی حصہ کی سطح بلند ہے، اسی لیے وہ نجد (بلند) کہلاتا ہے۔ تہامہ اور نجد کے وسط میں جس

میں پہاڑ بھی شامل ہیں۔ حجاز یعنی درمیانی حصہ ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں نے تہامہ اور حجاز کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ جزیرہ نما کی مغربی ساحلی پٹی کو تہامہ اور غور (پست زمین) اور پہاڑیوں کو حجاز لکھا ہے۔ عروض کے ذیل میں تمام مشرقی حصہ شمار کیا ہے۔ عرب کے بڑے صحرا اور ریگستانوں میں صحرائے ربع الخالی، الذہنا، النفوذ، اور بادیہ الشام شامل ہیں۔

(۱) عروض

اس خطہ ملک میں خلیج فارس پر واقع عمان، الاحساء (بحرین) حدود عراق تک اور نجد کے نیچے کا علاقہ یمامہ شامل ہیں، عمان کا ساحلی علاقہ سرسبز وشاداب اور آباد ہے۔ اس کے پہاڑ معدنیات سے مالا مال ہیں، خاص طور پر سیسہ اور تانبا بکثرت پایا جاتا ہے۔ وادیاں زرخیز اور قابل کاشت ہیں، جنگلوں میں خوشبودار لکڑی پائی جاتی ہے، یہاں کے گھوڑے، گائے اور بکریاں مشہور ہیں۔

الاحساء جس کا دوسرا نام بحرین ہے۔ یہ بھی علاقہ ساحلی ہے اس کے ساحل اور متصل جزیرے موتیوں کے مخزن ہیں۔ بیش قیمت موتی بڑی تعداد میں نکالے جاتے ہیں، اب یہاں تیل کے چشمے بھی نکل آئے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ علاقہ سلطنت کسریٰ کے قبضے میں تھا۔ ایرانیوں کے نائب جو عراق (حیرہ) میں حکمران تھے، ان کی طرف سے یہاں کی حکومت مناذرہ خاندان کو دی گئی۔ ۶ ھ میں یہاں کا حاکم منذر بن ساویٰ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر اپنی رعایا کے ساتھ ایمان لے آیا۔ یمامہ کے علاقہ میں سخت دشوار گزار ٹیلے ہیں، اس کا وہ حصہ جو نجد سے ملا ہوا ہے، ہرا بھرا اور آباد ہے۔ اس کے جنوب میں صحرائے ربع الخالی ہے شمال میں نجد ہے، قدیم عمارتوں اور قلعوں کے آثار زمانہ اسلام تک باقی تھے۔ یہاں کے قبیلہ بنو حنیفہ نے ۸ ھ میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، مسیلمہ کذاب دعویدار نبوت یہیں کا سردار تھا۔ جس سے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں زبردست جنگ ہوئی، اور اس ملعون نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں شکست کھائی۔

(۲) نجد

یہ وسط کا سرسبز شاداب، عمدہ زمین والا سطح مرتفع ہے۔ سطح سمندر سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے،

تین اطراف سے بے آب و گیاہ صحراؤں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے آزاد اور بیرونی اثرات سے محفوظ رہنے کی یہی وجہ ہے۔ یہاں کی آبادی آج بھی محفوظ، بلا اختلاط اور قدیم عرب کا نمونہ ہے عربی شاعری کا باوا آدم مہلہل اسی خاک سے اٹھا تھا۔ وادیوں اور پہاڑوں کے درمیان زراعت بھی ہوتی ہے۔ چراگاہ بکثرت ہیں، یہاں کے گھوڑے اور اونٹ خوبصورت اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ پھولوں کے لیے بھی مشہور ہے۔ عہد قدیم میں کندہ خاندان کی حکومت تھی، جس کا آخری شہزادہ امروالقیس عرب کا ملک الشعراء بنا۔ قبیلہ ہوازن جہاں اللہ کے آخری رسول ﷺ نے بچپن میں پرورش پائی تھی، اس کے مغرب میں آباد تھا، ظہور اسلام کے وقت یہاں قبیلہ غطفان آباد تھا، جو شروع ہی سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا، ۳ ھ میں غزوہ انمار اور ۴ ھ میں غزوہ ذات الرقاع ان ہی کی سرکوبی کے لیے پیش آئے۔

(۳) حجاز

اس کا نام حجاز اس لیے بھی رکھا گیا ہے کہ یہ پہاڑی سلسلہ ہے جو تہامہ کو نجد سے الگ کر دیتا ہے۔ حجاز بحیرہ قلزم کے ساحل پر شمالاً جنوباً مستطیل شکل میں پہاڑوں سے گھرا علاقہ ہے۔ اس میں ایسے قطعات بھی ہیں جن کے پتھر سیاہ کھنگر کی طرح ہیں۔ ان کو عربی میں حرہ اور لابہ کہتے ہیں۔ یہ سطح سمندر سے کافی بلند ہے ان کی تعداد سو تک شمار کی گئی ہے۔

حرہ ایسے بھربھرے پتھر ہوتے ہیں، گویا انہیں آگ میں جلا دیا گیا ہے، یہ سیاہ سنگستان حوران کے مشرق سے ہو کر بڑھتے بڑھتے مدینہ تک پھیلتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ مدینہ خود دو حروں کے درمیان واقع ہے، یہ حرے زیادہ تر تبوک اور مکہ کے درمیان واقع ہیں۔

سلسلہ جبال السراۃ کو توریت میں سلسلہ کوہ فاراں کا نام دیا گیا ہے۔ سرزمین حجاز میں جابجا ریت کے انبار دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں سرسبز ٹیلے بھی نظر آتے ہیں۔ یہی زیادہ تر عرب قبائل کے مسکن ہیں۔ بستیوں کے اردگرد ان کے کھیت ہوتے ہیں، ٹیلوں کی نشیبی زمین پر اناج، میوہ، گھاس اور چارہ پیدا ہوتا ہے، ریگستانی علاقوں میں قدرتی چشموں سے نخلستان آباد ہیں، ساحلی علاقہ سرسبز، شاداب اور بہت آباد ہے۔ دامن کوہ میں چشمے جاری ہیں، باغ، کھیتیاں اور کہیں کہیں جنگل بھی ہیں، حجاز کا بڑا ساحلی شہر اور بندرگاہ جدہ ہے۔ مینبوع مدینہ کی گودی ہے جدہ

کا قدیم نام شعیبہ ہے۔

مکہ

حجاز کا زیادہ حصہ بنجر اور بے آب و گیاہ ہے، جسے قرآن نے ''وادیٔ غیر ذی زرع'' کہا ہے۔ اس میں بکہ یا مکہ واقع ہے۔ جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہیں روئے زمین پر پہلی بار اللہ کا گھر تعمیر ہوا، اس گھر کی نہ چھت تھی، نہ دہلیز نہ دروازہ، بس ایک چہار دیواری تھی جو طول میں ۳۲ عرض میں ۲۲ اور بلندی میں ۹ گز تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے لوگ اس کے حج کے لیے دور دراز سے آنے لگے، زمانہ قدیم میں یمن کے حمیری بادشاہ اسد تبع نے سب سے پہلے اس پر غلاف چڑھایا، ہر دور میں اس کا تقدس برقرار رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اڑھائی ہزار سال پہلے ہی سے یہ شام اور یمن کی تجارتی شاہراہ پر ایک منزل تھی، کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد کچھ عرب قبائل یہیں بس گئے، اور حج و زیارت کا رواج پڑنے لگا تو آہستہ آہستہ مکہ ایک بڑا شہر اور تجارتی مرکز بن گیا، بنو اسماعیل میں سے یہاں قصیٰ نے اپنی ریاست قائم کر دی جو قریش کے جد اعلیٰ ہیں۔

مکہ میں سب سے پہلی عمارت تعمیر کرنے والے کا نام سعید بن عمر تھا، قدیم عربی میں قریش کے معنی ''تاجر'' کے ہیں۔ بنی قریش کے بڑے بڑے تجارتی کارواں جو پانچ سو سے ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ موسم گرما میں ملک شام اور مصر کی طرف اور سردیوں میں ملک یمن مال تجارت لے جاتے۔ صنعاء اور مآرب کے بازاروں، عدن اور عمان کی بندرگاہوں میں حبشہ جنوبی ہند اور جزائر ہند سے درآمد شدہ قیمتی اور خوشبودار مسالہ جات وافر مقدار میں قریش کے ذریعے ہی سے تمام عرب میں پہنچتی تھیں۔

وہ بصریٰ اور دمشق کے تجارتی میلوں سے اناج، کپڑے، برتن، ہتھیار، اسلحہ، عطر، تیل، زیور، خشک و تر میوے اور دیگر ضروریات کا سامان خرید کر لاتے، اس کے بدلے جانوروں کی کھالیں، اون، روغنِ بلسان، لوبان، گوند، قیمتی پتھر اور گھوڑے فروخت کرتے اور بے حد منافع کماتے۔

عرب کے باشندے، سامی قوم

عرب قوم کو سامی اقوام (Semetic) یا بنوسام کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے، مورخین اور علمائے انساب (Genealogist) کا اس معاملہ پر اختلاف ہے کہ یہ نسلی (Racial) تقسیم ہے یا لسانی (Linguistic)

نسلی نظریہ: قدیم علماء اور مورخین یہ مانتے آئے ہیں کہ عرب سام کی اولاد ہیں، جو حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند تھے۔ اس نسلی نظریہ کے مطابق انسانی آبادی حضرت نوح علیہ السلام کے تین فرزندوں سام، حام اور یافث سے چلی۔

لسانی نظریہ: جب کہ جدید علماء اور ماہرین کا خیال ہے کہ عرب لوگوں کو سامی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سامی زبان، عربی بولتے ہیں، ماہرین لسانیات کے مطابق سامی زبانوں کے خاندان میں عربی سب سے جدید اور ترقی یافتہ زبان ہے۔ اس لسانی خاندان میں جو اہم ترین زبانیں شامل ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) اشوری (۲) بیبلونی (۳) عبرانی (۴) آرامی

(۵) عربی (۶) حبشی

سامی قوم کا اصل وطن

سامی نسلوں کے اصل وطن کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف رہا ہے، جس کے سبب ان کے تین اہم نظریات ہیں۔

(۱) اول وہ لوگ ہیں، جو سامی اور حامی لوگوں کے درمیان وسیع لسانی رشتہ داری کی بنا پر یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا اصل وطن مشرقی افریقہ تھا۔

(۲) دوم وہ مورخین ہیں جو تورات و انجیل کی آیات سے متاثر ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ جزیرہ عراق (Mesopotamia) ان کا اصل وطن تھا۔

(۳) سوم سب سے مقبول دل پسندیدہ نظریہ یہ ہے کہ جزیرہ عرب سامی لوگوں کا اصل وطن تھا، اور اس میں بھی سب سے پہلے جنوبی عرب کا ساحلی علاقہ۔

ان تینوں میں آخری نظریہ آج کل زیادہ مقبول اور صحیح سمجھا جاتا ہے، کیونکہ پہلے دو

نظریات میں خاصا جھول ہے۔ جزیرہ عراق کو سامی وطن اصلی ماننے میں یہ قباحت ہے کہ اس میں پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دریاؤں کے کنارے کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں نے اپنا علاقہ چھوڑ کر بدویانہ زندگی اور صحرا نشینی اختیار کر لی، یہ تہذیبی ترقی کے اصول کے خلاف ہے، کیونکہ پہلے منظم زندگی بدوی تہذیب ہوتی ہے۔ پھر وہ ترقی کر کے کاشتکاری پر مبنی تہذیب بنتی ہے۔ دوسرے نظریہ میں بھی بہت سے مسائل ہیں اس بناء پر آخری نظریہ صحیح سمجھا جاتا ہے۔

سامی لوگوں کا پھیلاؤ

جزیرہ نمائے عرب میں رہنے اور سکونت کے لائق اس کے ساحلی مقامات یا پٹیاں ہیں۔ خاص کر جنوبی پٹی جو زیادہ چوڑی ہے۔ وہاں ایک خاص حد تک ہی آبادی رہ سکتی ہے۔ جب آبادی ایک خاص حد سے بڑھی، اور اس کے وسائل آبادی کی ضروریات پوری نہ کر سکے تو فاضل آبادی نے دوسرے قابل رہائش علاقوں کا رخ کیا۔ ایک طرف سمندر سے اور دوسری طرف صحرا سے گھرے ہوئے ہونے کے سبب لوگ صرف مغربی پٹی کے ذریعہ ہی دوسرے علاقوں کو جا سکتے تھے' اور بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اس راستے پر وہ شمالی عرب کے قابل رہائش علاقوں سینا کی پٹی اور مصر کے دریائے نیل کی وادی تک مختلف اوقات میں پھیل گئے۔ سامی آبادی نے مختلف اوقات اور زمانوں میں شمال کی جانب مختلف ہجرتیں کیں یا نقل وطن کیا۔

(۱) ۳۵۰۰ ق م میں ان کا پہلا نقل وطن ہوا۔ وہ شمالی مغربی پٹی یا مشرقی افریقہ کے راستے مصر کی حامی قوم پر جا پڑے، اور ان سے مل کر تاریخ کی وہ مصری قوم بنائی، جو سامی اور حامی مخلوط قوم ہے۔ مصری تہذیب نے انسان کو کئی چیزیں دیں، ان میں پتھروں پر مبنی فن تعمیر اور شمسی تقویم ہے۔

(۲) اس زمانہ میں جنوبی عرب کے سامیوں نے ایک نقل مکانی کی۔ انہوں نے شمالی علاقوں کے لیے مشرقی راہ اختیار کی' اور دریائے دجلہ کی وادی میں جا بسے، جہاں پہلے سے ایک زیادہ متمدن قوم سومیری آباد تھی، سامیوں نے سومیری قوم سے مستقل رہائش خاص کر مکانات بنا کر رہنے کا سلیقہ سیکھا، ان سے کھیتی باڑی اور لکھنے کے فن سیکھے سومیری قوم سامی لوگ تھے۔ ان دونوں اقوام کی نسل سے بیبلونی قوم پیدا ہوئی، جس

نے مصریوں کے ساتھ مل کر انسانی تہذیب کی ایک اہم بنیاد رکھی۔ انہوں نے فن تعمیر میں محراب (Arch) اور صندوق نما چھتوں (Vaulf) کا گر سیکھا، اور ساتھ ہی پہیوں والی گاڑی اور تولنے کے باٹ بنائے اور ناپنے کا طریقہ سکھایا۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تین ہزار سال قبل سامیوں کا دوسرا نقل وطن ہوا، جس نے ہلال اخضر نامی وادیوں کے اموری لوگوں کو جنم دیا، اموریوں میں کنعانی اور ساحلوں کے یونانی فونیقی شامل تھے۔ ان فونیقیوں نے دنیا میں پہلی بار لکھنے کے لیے حروف تہجی کے نظام کو ایجاد کیا، جس میں ہر حرف یا آواز کے بائیس نشانات تھے۔ یہ دنیا کی عظیم ترین ایجاد سمجھی جاتی ہے، جس نے انسانی تہذیب کو خاص ترقی سے ہمکنار کیا۔

(۴) ۱۵۰۰ ق م اور ۱۲۰۰ ق م کے درمیان عبرانی لوگ جنوبی شام اور فلسطین پہنچے جبکہ آرامی یا شامی لوگ شمال میں جا بسے تھے۔ عبرانیوں نے دنیا میں پہلی بار توحید الٰہی کا واضح عقیدہ اور حقیقت پیش کی، اور یہی عقیدہ توحید اسلام، عیسائیت اور تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہے۔

(۵) ۵۰۰ ق م کے قریب نبطیوں (Nabataens) نے جزیرہ سینا کے مشرق میں اپنی سلطنت قائم کرلی، اور شاندار عمارتیں تعمیر کیں، جن میں اب بھی بہت سی بطراء (Petra) میں موجود ہیں۔ یہ ان کی تہذیب وتمدن کے عروج کا زمانہ تھا۔

متاعِ سخن

مکہ میں جبل عرفات کے پیچھے عکاظ میں ہر سال تجارتی میلہ لگتا تھا، قبائل کے سردار بھی جمع ہوتے اور آپس میں معاہدات کی شرائط طے کرتے۔ دور دور سے تاجر مال لاتے۔ میلے کے دنوں میں بڑی چہل پہل ہو جاتی، تجارت کے ساتھ ساتھ شعروشاعری، خطابت اور فنون حرب کے مقابلے بھی ہوتے ہیں، سخن فہمی اور شاعری گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ ان کی شاعری ان کے صحراؤں کی طرح وسیع، پہاڑوں کی مانند عظیم، بدویانہ زندگی کی طرح سادہ اور بے تکلف تھی، انہوں نے اپنے اونٹوں کی رفتار سے اپنے اشعار کے اوزان بنائے تھے۔ اپنی بادیہ پیمائی کے تذکروں۔ قبائلی تفاخر، وادیوں اور صحراؤں کے قصوں، شجاعت کے تذکروں سے شعروں میں رنگ بھرتے۔

اہل قبیلہ اپنے شعراء کی شہسواروں اور جنگجوؤں سے بھی زیادہ قدر کرتے۔ انہیں قبیلہ کی عزت و آبرو کا نگہبان، حسب نسب کا محافظ اور آباؤ اجداد کے کارناموں کا زندہ رکھنے والا سمجھتے، جب کسی قبیلہ میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہوتا تو دوسرے قبائل کے لوگ آ کر مبارکباد دیتے۔ ان کی شاعری کی کل کائنات فخرِ نسب، اظہارِ عشق اور اعلانِ جنگ تھی۔ قبیلہ قبیلہ میں شاعر موجود تھے، اس لیے ہر شخص کی زبان ایسی منجھ گئی تھی کہ اہل عرب دوسروں کو اپنا ہم سر نہ سمجھتے، اس زمانے میں شعرا کا وہی مقام تھا جو ہمارے معاشرہ میں اخبارات کا ہے۔

عکاظ کے اجتماع میں مختلف قبائل کے شاعر اور خطیب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ شاعروں میں جس کا کلام شرف قبولیت حاصل کرتا، اس کے فن کا اعتراف اس طرح کیا جاتا کہ ریشمی کپڑے پر قصیدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا جاتا۔ دور جاہلیت کے عربی ادب میں خاص طور پر سات قصیدوں نے اتنی مقبولیت پائی کہ آج بھی عربی میں ان کا تذکرہ ''سبع معلقات'' کے نام سے کیا جاتا ہے۔ ''المعلقات السبعہ'' آج بھی اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے قدیم عربی ادب میں بلند مرتبت ہیں۔

ان سات شاعروں کے نام جن کے کلام کو عربی ادب میں لافانی شہرت نصیب ہوئی اور جن کے قصائد در کعبہ سے لٹکا گئے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) امرؤ القیس بن حجر الکندی
(۲) طرفہ بن العبد البکری
(۳) زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی
(۴) عنترہ شداد العبسی
(۵) عمرو بن کلثوم التغلبی
(۶) لبید بن ربیعہ العامری
(۷) حارث بن حلوہ الیشکری بکری

ان میں حضرت لبید بن ربیعہ عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا، اور قرآن کی فصاحت و بلاغت سے متاثر ہو کر اپنے قبیلہ جعفر بن کلاب کے وفد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور متاعِ سخن کے ساتھ دولت ایمان بھی پائی۔ اس

زمانے میں ان کی حیثیت بڑی ممتاز تھی، عہد جاہلیت اور اسلام سے ملے ہوئے دور میں ان کا شمار سحر بیان اور مایہ ناز شاعروں کے زمرے میں ہوتا۔

طبقات الشعراء میں مشہور ناقدِ شعر ابو عبداللہ بن سلام جمحی نے لکھا ہے کہ ان کے ہم عصر نامور شعراء ان کے فن کمال کا اعتراف اس طرح کرتے تھے کہ بعض شعر سن کر سر بسجود ہو جاتے۔ نامور شاعر فرزدق نے لبید عامری کا ایک شعر سنا تو بے اختیار سجدہ میں گر گیا۔ جب اس کے اس اضطراری فعل کی وجہ دریافت کی گئی تو کہا:

''جس طرح لوگ قرآن کریم کے مقام سجدہ کو پہچانتے ہیں۔ میں شاعری کا مقام سجود جانتا ہوں۔''

اس شعر کا مفہوم تھا:

''نور کے سیلاب نے ٹیلوں کو اس طرح صاف کر دیا گویا کہ وہ ٹیلے کتاب کے صفحات ہیں جن کے متن کو قلم نے درست کیا ہو۔''

لبید عامری کا ایک شعر رسول اللہ ﷺ نے بے حد پسند فرمایا جس کا مطلب تھا:

''ہر انسان کو اپنی کوششوں کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جبکہ نتائج خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے۔ یاد رکھو وہ چیز باطل ہے جو اللہ سے دور ہو گی''

شاعری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالیشان ہے۔

''شعر وہ کلام ہے جس کا اچھا اچھا اور برا برا ہے''۔

ایک اور ارشاد پاک ہے:

''بے شک شعر میں حکمت پوشیدہ ہے''۔

شاعر پر طاری ہونے والی الہامی کیفیت حکمت ہی کا ایک روپ ہے۔

میلے ٹھیلے

ملک عرب گو کسی سیاسی وحدت کے تابع نہ تھا، لیکن تجارتی میلوں سے ایک معاشی اور اقتصادی وحدت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تجارتی میلے ٹھیلے کچھ اس طرح ہوتے تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب پر محیط ہوتے۔ ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

''شام و حجاز کے مابین دومتہ الجندل میں ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو میلہ شروع

ہوتا۔ مکہ سے قریش اپنا سامان تجارت لے کر جاتے اس کے بعد تاجر بحرین میں میلہ مشقر میں پورا جمادی الثانی گزارتے۔ ان میں ایران کے تاجر بھی شریک ہوتے۔ یہاں سے تجار عمان کی بندرگاہ صحار میں پانچ دن کے لیے جمع ہوتے۔ پھر اس کی دوسری بندرگاہ دَبا میں آخر رجب تک میلہ کا اہتمام ہوتا۔ یہاں جہازوں میں بیٹھ کر سندھ، ہند اور چین کے تاجر آتے۔ اس کے بعد یہ میلہ مہرہ کے شہر ''شحر'' میں وسط شعبان میں لگتا۔ یکم رمضان سے ۲۰ دن کے لیے عدن میں میلہ بھرتا۔ عدن عطریات کے لیے بہت مشہور تھا۔ یہاں اس کی بہت فروخت ہوتی۔ رمضان کے آخر میں پندرہ دن سب صنعاء میں تجارت کرتے۔ وسط ذیقعدہ سے آخر ماہ تک دو جگہ یکساں میلہ لگتا۔ حضرموت میں رابیہ پر مکہ کے قریب عکاظ میں تاجر بٹ جاتے۔ ذی الحجہ میں حج کا موسم آتا تو ذی المجاز اور منیٰ میں میلہ لگتا، عکاظ، ذی المجاز اور منیٰ کے میلے بہت بڑے ہوتے۔ چونکہ حج کے لیے بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوتے۔ ان میلوں میں اس لیے بھی شرکت زیادہ ہوتی کہ قدیم سے چار ماہ یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب محفوظ اور محترم مہینے قرار دیئے گئے تھے۔ ہر طرف امن ہوتا اس لیے تعداد زیادہ ہوتی۔ حج کے بعد دسویں محرم سے خیبر اور یمامہ میں میلے لگتے۔ خیبر سے تاجر اذرح اور بصریٰ کے میلوں میں شرکت کرتے، اس طرح سال بھر میں تمام عرب کے ساحلی مقامات کا تجارتی دورہ مکمل ہو جاتا اور چیزیں ادھر سے ادھر پہنچتی رہتیں اور یوں تمام سال خرید و فروخت کا ایک سلسلہ قائم رہتا۔ بیت اللہ کے علاوہ مکہ کو پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے مقام ولادت بننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ مکہ سے ۷۰ میل کی مسافت پر باغوں کا شہر، پرفضا مرغزار طائف ہے، یہاں بنی ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ حجاز کا دوسرا بڑا شہر یثرب (مدینہ) تھا۔ جس کی قسمت میں مدینۃ النبی ﷺ بننا تھا۔ یہ مکہ سے ۲۷۰ میل کی مسافت پر ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا دار الہجرت اور ابدی آرام گاہ ہے، یہاں آباد قبائل میں اوس اور خزرج دو ممتاز قبیلے تھے۔ ان کے علاوہ یہودی بھی کثرت سے آباد تھے۔ جن کی

اپنی جدا بستیاں تھیں۔

(۴) یمن

یمن بڑا شاداب ملک ہے۔ عرب میں سب سے زیادہ بارش تقریباً ۲۰ انچ سالانہ یہیں ہوتی ہے سب سے اونچے پہاڑ جن کی بلندی ۱۳ سے ۱۴ ہزار فٹ ہے اسی حصہ میں ہیں۔

یمن کا علاقہ کئی چھوٹے چھوٹے حلقوں میں تقسیم تھا۔ جس میں حضرموت، بلاد الاحقاف نجران اور صنعاء شامل ہیں، قوم سبا کا مسکن شہر مارب تھا۔ جہاں سیلِ عرم کا حادثہ ہوا۔ نجران وہی مقام ہے جہاں اصحاب الاخدود کو زندہ جلا دیا گیا تھا، کہتے ہیں کہ یہ بت پرست بادشاہ تھا، وہ اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ دہکائی اور لوگوں کو جمع کر کے حکم دیا:

''بتوں کو سجدہ کرو''۔

جس نے انکار کیا، پکڑ کر اسے آگ میں جھونک دیا، وہ ظلم کر ہی رہا تھا کہ خود اس کے امراء آگ کی لپیٹ میں آگئے، اور سب کے سب جل کر بھسم ہوگئے، عربی میں خندق کو اخدود بھی کہتے ہیں، قدیم قوم عاد کا مسکن ریگستان الاحقاف ہی تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام کا مزار حضرموت کے علاقہ میں تھا، یمن جس کا پایہ تخت صنعاء تھا، قدیم ہی سے بہت مشہور اور بہت متمدن ملک تھا۔ بہت سرسبز، شاداب اور گنجان آباد تھا۔ اہل یمن نے زراعت کے لیے بڑے بڑے بند بنائے تھے، جس میں سے سد مارب کا قرآن میں ذکر ہے، سیلِ عرم اس کے ٹوٹنے سے پیش آیا تھا۔ پہاڑوں میں جواہر اور معدنیات کے ذخائر ہیں۔ ڈھلوانوں پر قہوہ کی کاشت ہوتی ہے۔ خوشبو دار لکڑی، عود، لوبان، اور عطریات کے لیے شروع سے مشہور ہے۔ قبل از اسلام اور بعد از اسلام علم کا گہوارہ رہا۔ ملک یمن میں معین، سبا اور حمیریوں کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئیں۔ آثار اور کھنڈرات سے آج بھی ان کے فن تعمیر اور عظیم تمدنی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل یہاں پہلے حبشی پھر ایرانی گورنر حکمران تھے۔ جو تقریباً نیم خود مختار حیثیت رکھتے تھے۔

نجران میں عیسائیوں کا عظیم الشان کلیسا بھی تھا، جو عربوں میں کعبہ نجران کے نام سے

مشہور تھا۔ صنعاء میں ابرہتہ الاشرم نے بھی ایک عالیشان کلیسا بنایا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کلیسا کو وہی روحانی عظمت حاصل ہو جائے جیسے کعبہ کو تھی۔ چنانچہ اس نے اہل عرب کو مجبور کیا کہ وہ مناسک حج اس کلیسا میں ادا کریں۔ یہ بات اہل عرب کو ناگوار گزری۔ چنانچہ ایک جوشیلے عرب نے کلیسا کو بے حرمت کیا۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو سخت مشتعل ہوگیا، اس نے سوچا کہ جب تک کعبہ کو منہدم نہیں کیا جاتا، اس کلیسا کو وہ عظمت اور مرکزیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس نے ہاتھیوں کی فوج لے کر بیت اللہ کو گرا دینا چاہا۔ اس وقت قریش کے سردار رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔ سورہ الفیل میں اس واقعہ کا ذکر ہے، یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے ۴۰ تا ۵۵ دن پہلے پیش آیا۔ اگلے باب میں اس واقعہ کا بتفصیل ذکر کیا جائے گا۔

باشندے

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، عرب میں بسنے والی اقوام نسلی اعتبار سے سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جو طوفان نوح سے ایک سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے' اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ عرب سامی النسل ہیں۔ امم سامیہ میں جن اقوام کا نام آتا ہے۔ ان میں بابلی، اشوری، عبرانی، فنیقی آرامی اور حبشی شامل ہیں بعد میں جب یہ اقوام گروہوں میں بٹ گئی تو ان میں سے بابلی اور اشوری عراق میں آباد ہوئے، فنیقی سوریا میں جابسے، عبرانی فلسطین میں منتقل ہوگئے۔ حبشی حبشہ میں جاگزیں ہوئے، سامی نسل کے عرب قحطان اور عدنانی گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ قحطان یمن سے عمان تک کے علاقے میں پھلے پھولے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے کئی پشتوں بعد ایک مشہور شخصیت عدنان ہوئے۔ وہ عربوں کی باقی رہنے والی تمام نسلوں کے مورث اعلیٰ ہیں۔ حجاز میں آباد لوگ عدنانی کہلاتے ہیں۔

عرب کے قدیم باشندوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) عرب بائدہ

وہ قدیم نسل ہے جو تاریخی دور سے پہلے ہی فنا ہوگئی۔ اقوام عاد و ثمود جن کا قرآن میں تذکرہ ہے ان کا تعلق ان ہی سے تھا۔ اب بابل، مصر، یمن اور عراق کے آثار قدیمہ سے انکشافات ہو رہے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال پہلے ان لوگوں نے بڑی

سلطنتیں قائم کی تھیں۔ بابل اور اشور کے قدیمی تمدن کے یہی لوگ بانی تھے۔ ان کے مشہور قبائل ثمود، طسیم، جدلیس اور جرہم ہیں۔

(۲) عرب عاربہ

یہ یعرب بن قحطان کی نسل سے ہیں، عرب کی قدیم تاریخ ان ہی پر مشتمل ہے، یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد ہو گئے، انہوں نے حکومت اور تمدن کے اعتبار سے بڑی ترقی کی۔ حمیر بن سبا نے منظم حکومت کی بنیاد ڈالی، انہوں نے بڑے عالیشان محلات، بند اور عمارتیں بنوائیں جن کے کھنڈرات اب بھی باقی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ملکہ بلقیس اسی خاندان سبا سے تھیں، ان میں بنو حضر موت، بنو سبا، حمیرہ کہلان وغیرہ نے صدیوں حکومت کی۔ شہر مارب کا عظیم الشان بند تین پہاڑوں کے درمیان میں تعمیر کیا گیا تھا، جہاں بہت سے چشموں کا پانی آ کر جمع ہو جاتا تھا، ایک بار پانی کے زور سے بند ٹوٹ گیا اور بڑی تباہی پھیلی، اکثر خاندان یہاں سے بھاگ کر دور دراز کے علاقوں میں آباد ہوئے۔ ان میں آزد میں سے ثعلبہ اپنے قبیلے کے ساتھ یثرب (مدینہ) میں آباد ہوا، ان ہی کی اولاد اوس اور خزرج تھے۔ آزد کا دوسرا شخص حارث بن عمرو جو خزاعہ کے نام سے مشہور تھا، اس نے مکہ پر قبضہ کر کے بنی جرہم کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ آزد میں سے نصر، تہامہ میں آباد ہوا، اس کی اولاد میں متعدد قبائل ہوئے۔ عمرو ازدی کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف نکل گیا۔ دوسرا بیٹا جفنہ شام کی طرف نکل گیا، اور غسان نامی چشمہ کے قریب بس گیا، اس نے سرحدی قبائل پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ جو ملوک غسان کہلاتے ہیں کہلان میں سے لخم کا قبیلہ عراق میں آباد ہوا۔ ملوک حیرہ ان ہی کی نسل سے تھے۔ قبیلہ طے کے لوگ یثرب (مدینہ) کے شمال مشرق میں جبل سلما اور جبل اجبا کے درمیان آباد ہوئے، بعد میں یہ قضا کی ایک شاخ بن گئے۔ نجد کی شمالی سرحد پر کلب آباد ہوئے۔ البتہ حمیر، کندہ اور مذحج یمن میں جمے رہے۔

(۳) عرب متعربہ

یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں، جو آگے چل کر بنو عدنانی کہلانے لگے۔ ۱۹۱۱ ق م کے لگ بھگ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حکم الٰہی سے اپنی دوسری بیوی حضرت

ہاجرہ اور شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس وادی غیر ذی زرع میں چھوڑا تھا، انہیں پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی دی اور واپس جانے لگے۔

حضرت ہاجرہ نے پوچھا:

"کیا آپ اللہ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

"ہاں میں اللہ کے حکم سے ایسا کر رہا ہوں"۔

حضرت ہاجرہ بولیں:

"پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔"

جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا تو ان کا بھوک اور پیاس سے برا حال ہوا۔ تلاش آب میں بچے کو وادی میں چھوڑ کر صفا کی پہاڑی پر جاتیں، پانی کے آثار نہیں پاتیں تو بے قرار ہو کر بچے کے پاس آتیں پھر دوڑ کر مروہ کی پہاڑی پر چڑھ جاتیں۔ اس کی بلندی سے دیکھتی کہیں پانی کے نشان ہیں سات پھیروں کے بعد بچے کے پاس آئیں تو فرشتہ کی آواز آئی، حضرت جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں اپنی ایڑی ماری، وہاں ایک چشمہ پھوٹا اور زمین سے پانی ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے زم زم (ٹھہر ٹھہر) کہہ کر اس کے اطراف باڑ باندھی اور آس پاس پھیلنے سے روک دیا۔

چشمہء آبِ بقا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالیشان ہے:

"اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم کرے، اگر وہ زم زم کے پانی کو نہ روکتیں اور اس کے چاروں اطراف باڑھ نہ لگاتیں تو آج زم زم ایک زبردست بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔"

پانی کی تلاش میں خانہ بدوش بنو جرہم کے لوگ یہاں آباد ہوئے، اور حضرت ہاجرہ کی اجازت سے یہاں بس گئے، تقریباً چار ہزار سال قبل یہ چشمہ جاری ہوا تھا، کچھ صدیاں گزرنے کے بعد اس کے سوتے خشک ہو گئے، اور پانی کچھ عرصہ کے لیے بند ہو گیا:

بنو جرہم کو جب مکہ سے نکالا گیا تو انہوں نے کنواں پاٹ کر نام و نشان مٹا دیا، خواب

میں اشارہ پا کر رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اسے دوبارہ کھولا۔ وہ دن اور آج کا دن کہ پانی کبھی ختم نہ ہوا۔

۲۹۷ھ بمطابق ۹۰۹ء میں اچانک پانی کی سطح بلند ہوئی اور کنواں ابلنے لگا، یہاں تک کہ سیلاب کی شکل اختیار کر گیا، زم زم کا اتنا عرصہ جاری رہنا اور کروڑوں انسانوں کا ہزاروں برس سے سیراب ہونا ایک معجزہ سے کم نہیں۔

چاہ زم زم کی گہرائی کوئی ۶۷ گز بتائی جاتی ہے۔ آج کل اس کی پانی کی سطح ۱۷ گز پر ہے۔ خلیفہ منصورا ور ہارون الرشید کے عہد میں اس کی صفائی کی گئی۔ موجودہ سعودی حکومت نے چند سال پیشتر جدید مشینری سے اس کی صفائی کی فرمانروا شاہ خالد کے حکم سے دو غوطہ غوروں کی خدمات حاصل کی گئی، یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی انسان اس چشمے کے اندر داخل ہوا۔ نگران انجینئر یحییٰ کوشک نے بتایا:

”چشمے کے اندر پتھر کی چٹانوں سے پانی پھوٹتا ہے، ایک بڑی چٹان پر ”باذن اللہ“ لکھا ہے۔ ان چٹانوں پر رنگ برنگی مٹی کی قدرتی تہیں جمی ہوئی ہیں، جس سے قدرتی طور پر پانی کی فلٹریشن ہوتی ہے۔“

پانی کا ذائقہ بالکل نمکین نہیں بلکہ کسی قدر میٹھا ہے، کچھ کچھ چکناہٹ بھی ہوتی ہے، اس طرح ذائقہ خوشگوار ہے ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہے۔ ایک مصری ڈاکٹر نے سائنٹیفک اصولوں پر زم زم کا کیمیاوی تجزیہ کیا اور اس کے بے شمار فوائد بیان کیے۔ یہ پانی نہ سڑتا ہے اور نہ خراب ہوتا ہے۔

اس پانی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں:

(۱) دنیا میں بہترین پانی زم زم کا ہے۔

(۲) زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے گا، اللہ اس ارادہ کو پورا کرے گا۔

(۳) زم زم کا پانی پیٹ بھرنے والی غذا ہے، اور بیماری کے لیے شفاء ہے۔

(۴) جہنم کی آگ اور زم زم کا پانی دونوں انسان کے شکم میں جمع نہیں ہو سکتے۔

❁❁❁

پہلا وہ گھر خدا کا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

"یارسول اللہ ﷺ! روئے زمین پر سب سے پہلی کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟"

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے فرمایا:

"مسجد حرام۔"

اس کے بعد ارشاد ہوا۔

"مسجد اقصیٰ"۔

پھر پوچھا:

یارسول اللہ ﷺ! ان دونوں کے درمیان کتنے سال کا فاصلہ ہے؟"

پیغمبر حق ﷺ نے جواب دیا:

"چالیس سال کا"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"آسمانوں کی تخلیق سے پہلے عرش الٰہی پانی پر تھا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا نے پانی کو دھکیل دیا تو ایک خشفہ (آبی بوٹی) قبہ کی مانند ابھرا، یہی کعبہ کی جگہ ہے اس کے نیچے زمین پھیلا دی، پہاڑوں کے میخ گاڑے، مکہ کا جبل بوقبیس پہلا پہاڑ ہے۔"

صادق و مصدوق ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اس شہر کو اللہ نے حرمت والا بنایا، جس دن ارض وسماء کی تخلیق ہوئی اور اب بھی اس کی حرمت بدستور قائم ہے''۔

عرش الٰہی کے نیچے ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ''بیت المعمور'' ہے روزانہ ستر ہزار نئے فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔فرشتوں کو حکم ہوا:

اس کے عین نیچے میرا ایک گھر تیار کرو تا کہ زمینی مخلوق بھی طواف کرے''۔

جب حضرت آدم وحوا علیہم الصلوٰۃ والسلام زمین پر اتارے گئے تو حکم آیا:

''میری عبادت کے لیے ایک گھر تعمیر کرو''۔

حضرت آدم علیہ السلام جگہ کی تلاش کرتے کرتے مکہ پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نشاندہی کی، حضرت آدم علیہ السلام نے اس جگہ بیت اللہ کی بنیاد رکھی۔حضرت شیث علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر ثانی کی ،جس کا حضرت نوح علیہ السلام نے حج کیا،طوفان میں یہ عمارت ڈھ گئی اور صدیاں بیت گئیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا تو وہ شام سے مکہ آئے، اور تیس سالہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ حکم سنایا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک ٹیلہ بتایا جسے کھودا گیا تو ''بیت عتیق'' (پرانے گھر) کی بنیادیں نظر آئیں،سورہ البقرہ میں ہے:

''اور جب ابراہیم واسماعیل علیہ السلام اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے''۔

اس طرح قرآن نے ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے گھر کی ایجاد کی نہیں بلکہ تجدید وتطہیر کی نسبت کی ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''کرہ ارضی جنوب میں ۴۰ درجہ اور شمال میں ۸۰ درجہ عرض البلاد تک آباد ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ اور نصف ۶۰ ہے، ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال سے نکالیں تو ۲۰ اور ۶۰ سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تو ۲۰ درجہ شمال ہے۔مکہ ۲۱½ درجہ شمالی پر آباد ہے۔جسم میں ناف بھی عین وسط میں نہیں ہوتی اس طرح مکہ ناف زمین دنیا کا وسط اور ام القریٰ (بستیوں کی اصل) ہے''۔

بظاہر یہ عمارت مکعب نما ہے، اسی لیے کعبہ کہلائی یعنی چوکھونٹا، دراصل اس کا نقشہ ایک باقاعدہ مستطیل کا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے پتھروں سے جوڑ کر بنایا۔ اس میں کوئی گارا استعمال نہیں کیا۔ مزدور کی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر ڈھوتے اور معمار کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں جماتے۔ دیواریں اونچا کرنے کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر لے کر آئے، جس پر کھڑے ہو کر دیواریں مزید بلند کی گئیں۔ روایت ہے:

”یہ پتھر آپ ہی آپ بلند اور پست ہوتا تھا“۔

اس پر معمار حرم کے پاؤں کے گہرے نشان آج تک موجود ہیں، جو مقام ابراہیم کہلاتا ہے۔ آغاز طواف کے نشان کے طور پر جو پتھر لگایا گیا، وہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اتارا گیا تھا۔ طوفان نوح میں جبل بوقبیس میں محفوظ رہا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالیشان ہے:

”حجر اسود جنت سے آیا ہے، یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے“۔

۳۰ سینٹی میٹر کا بیضوی، غیر منظم، چمکدار، سیاہ سرخی مائل پتھر ہے، کعبہ میں آگ لگنے سے حجر اسود کے تین ٹکڑے ہو گئے، خلیفہ ہارون الرشید نے آر پار سوراخ کر کے چاندی بھروادی۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے شرک کے نشانات مٹا کر کعبہ کو غسل دیا۔ اس کے بعد ہر سال غسل کعبہ کی سنت جاری ہو گئی، یمن کے بادشاہ نے سب سے پہلے مکمل غلاف کعبہ پر چڑھایا، قریش ۱۰ محرم یوم عاشورہ کو روزہ رکھتے اور غلاف کعبہ بدلتے، فتح مکہ کے دن سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

”آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے، اور اب ہم اس پر غلاف چڑھائیں گے“۔

صاحب قرآن ﷺ نے فرمایا:

”مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے“۔

مسجد حرام کعبہ کو محیط ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حدود حرم پر پتھر نصب کئے۔

اخبار مکہ میں ارزنی کا بیان ہے:

”خانہ کعبہ کی دس بار تعمیر ہوئی“۔

(۱) تعمیر ملائکہ (۲) تعمیر آدمؑ (۳) تعمیر شیثؑ (۴) تعمیر ابراہیمؑ (۵) تعمیر عمالقہ (۶) تعمیر جرہم (۷) تعمیر قریش (۸) تعمیر عبداللہ بن زبیرؓ (۹) تعمیر حجاج بن یوسف (۱۰) تعمیر سلطان مراد بن سلطان احمد ۱۰۳۹ھ جواب تک قائم ہے۔

نسلِ خلیل

حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو بنی جرہم میں عمارہ بنت سعید سے پھر رعلہ بنت مضاض سے شادی ہوئی۔ ان سے بارہ بیٹے ہوئے، جن میں دو بیٹوں نابت اور قیدار نے بڑا نام پیدا کیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ نے ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا، انہیں مقام حجر میں دفن کیا گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر میزاب رحمت تلے رکن اور خانہ کعبہ کے درمیان ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت نے کعبہ کی تولیت سنبھالی۔ ان کے مرنے پر مضاض بن عمرو جرہمی نے اس پر قبضہ کرلیا، اس زمانہ میں کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہت کے مترادف تھی۔ بنی جرہم کے بعد قبیلہ خزاعہ اس پر قابض ہوگیا، ان کے دور میں بیت اللہ بت خانہ بن گیا۔

ہر قبیلہ کا بت جدا تھا

کہتے ہیں کہ اس قبیلہ کا ایک سردار عمرو بن لحی ایک مرتبہ شام گیا جہاں عمالقہ کی حکومت تھی، یہ لوگ بت پرست تھے، عمرو بن لحی نے ایک بت جس کا نام ہبل تھا وہاں سے لاکر کعبہ کی چھت کے عین بیچ میں نصب کر دیا۔ یہ بت انسان کی شکل کا تھا، اور سرخ سنگ عقیق سے بنایا گیا تھا۔ اس طرح مرکز واحدنیت، شرک اور بت پرستی کی آماجگاہ بن گئی۔ طائف میں لات کی پرستش ہوتی تھی، جو بت نہیں بلکہ پتھر کی ایک مربع چٹان تھی، مکہ کے قریب نخلہ میں عزیٰ دیوی کی پوجا ہونے لگی، یثرب (مدینہ) اوس وخزرج کے قبائل (منات) کی پرستش کرتے تھے، ان کے علاوہ وڈ سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی بت بھی پوجے جاتے تھے۔ ود ایک نہایت قوی ہیکل انسان کا بت تھا۔ جس کے جسم پر تہبند، چادر، بازو پر کمان، کمر میں تلوار اور ہاتھ میں نیزہ تھا، جس پر پرچم لہرا رہا تھا، یہ مقام عدرہ پر نصب تھا۔

بنی ہذیل کے بت کا نام سواع تھا، جو ینبع کے قریب تھا، مضری قبائل اس کی پرستش

کرتے تھے، بنی مذحج اور اہل جرش نے اپنے بت کا نام یعوث اور بنی خیوان نے یعوق رکھا تھا، ان کو اہل یمن بھی اپنا دیوتا سمجھتے تھے۔ بنی حمیر نے نسر کا بت تراشا تھا، یہودی مذہب اختیار کرنے سے پہلے وہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ اساف اور نائلہ کے بت چاہ زمزم پر براجمان تھے۔ بت پرستی کا یہ دور کئی صدیوں پر محیط ہے۔

اہل عرب ان بتوں اور پتھروں کی تعظیم اور عبادت ان کو قادر مطلق سمجھ کر نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ انہیں خدا کے قریب کر دیں گے، خالق، رازق، حیات و موت کا مالک تو اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔

بت پرستوں کے علاوہ مکہ میں کچھ موحد بھی تھے۔ جو خود کو دین حنیف کا پیرو کہتے تھے۔ ستارہ پرست، صابی، مجوسی، نصرانی اور یہودی مذہب کے ماننے والے بھی عرب کے مختلف حصوں میں آباد تھے۔

حرم کے خدمت گار

کعبہ کی تولیت کا منصب بدستور بنی خزاعہ ہی کے پاس رہا۔ بالآخر بنو اسماعیل میں وہ تاریخی شخصیت پیدا ہوئی جو عدنان کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی نسل سے فہر ہیں جن کا لقب قریش تھا۔ (قدیم عربی میں قریش کے معنی ''تاجر'' کے ہیں)

اہل حجاز وہیل مچھلی کو بھی قریش کہتے تھے، جو سمندر کا سب سے بڑا جانور ہے۔ فہر اور ان کی اولاد چونکہ عرب کے تمام قبائل میں طاقتور تھے، اس لیے یہی ان کا بھی نام پڑ گیا۔ یمن کے بادشاہ حسان نے جب مکہ پر حملہ کیا تو فہر اسے شکست دے کر شہرت پا گئے۔

بنی قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی

شہری ریاست

بنی قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز فہر کے زمانے سے ہوتا ہے۔ بڑے عالی مرتبت، غیور اور بلند حوصلہ انسان تھے۔ انہوں نے بنو کنانہ کی مدد سے خزاعہ سے اپنا آبائی منصب تولیت کعبہ واپس لیا اور انہیں حرم سے نکال باہر کیا۔

منتشر قریشی قبائل کو مکہ میں جمع کیا اور ان کی تنظیم کر کے چھوٹی سے جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی دار الندوہ قائم کیا۔ جہاں بنی قریش کے سردار مشورہ کرتے تھے۔ سہولت کی خاطر انہوں نے انتظامی امور بنی قریش کے دس خاندانوں میں تقسیم کر دیئے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) بنی ہاشم

شعبہ سقایہ اور عمارہ یعنی زائرین کعبہ کے لیے خورد ونوش کی ذمہ داری یہ کام بنی ہاشم کے سرداروں کے سپرد تھا۔ عبد المطلب کے بعد ان کے بیٹوں میں زبیر، ابو طالب اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے ذمہ دار ہوئے۔

(۲) بنی امیہ

امور افواج میں یعنی لوائے قومی، ''عقاب'' کو اٹھانے اور جنگ کی صورت میں سپہ سالاری کے فرائض حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے وقت حضرت ابو سفیان اسی منصب پر فائز تھے۔

(۳) بنی نوفل

امور رفادہ اس شاخ کے سپرد تھے، غرباء کی نگرانی اوران کی مدد، وقت بعثت یہ فرائض حارث بن عامر انجام دے رہے تھے۔

(۴) بنی الدار

اس قبیلہ میں امور حجابت یعنی کعبہ کو زائرین کے لیے کھولنا اور بند کرنا، کلید کعبہ کی حفاظت کا کام تھا۔ بعثت کے وقت عثمان بن ابی طلحہ ذمہ دار تھے۔

(۵) بنی اسد

شعبہ مشاورت یعنی اہم امور میں صلاح ومشورہ سے امور طے کرنا۔ دارالندوہ کے انتظامات بھی اس خاندان سے متعلق تھے۔ جہاں قریش کی لڑکیاں بھی بیاہی جاتی تھیں۔ یزید بن زمعہ صدر خاندان تھا اور شعبہ مشاورت کا ذمہ دار۔

(۶) بنی تیم

امور قصاص ودیت اس خاندان کے سپرد تھے۔ خون بہا کا تعین، ضمانت، فوجداری مقدمات اور تاوانِ جنگ بالفاظ دیگر محکمہ انصاف وعدل' اس کے سربراہ وقتِ بعثت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۷) بنی مخزوم

امور جنگ میں سے قبہ یعنی فوجی کیمپ کا نظام۔ وقت بعثت یہ کام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ تھا اور اعنہ یعنی سواروں کے دستہ کی سپہ سالاری، بعثت کے وقت ابو جہل (عمر بن ہشام) اعنہ کے منصب کا حامل تھا۔ قبہ اور اعنہ دونوں اہم عہدے بنی مخزوم کے پاس تھے۔

(۸) بنی عدی

اس قبیلہ میں امور سفارت یعنی دیگر قبائل وممالک میں بنی قریش کی نمائندگی کے ؛ الغرض ، تھے۔ بعثت کے وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذمہ دار تھے۔

(۹) بنی جمح

امور ایسار یعنی بتوں سے استخارہ کی خدمت، ظہور اسلام کے وقت ان امور کا نگران صفوان بن امیہ تھا۔

(۱۰) بنی سہم

امور اموال المجرہ یعنی بتوں کے چڑھاوے پر نگرانی، یعنی محکمہ مال وخزانہ، وقت بعثت یہ کام حارث بن قیس سرانجام دے رہا تھا۔ عمرو بن العاص بھی اسی قبیلہ سے تھے، جنھوں نے نجاشی کے دربار میں مسلمان مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔

عسکری نظام

قریش کا عسکری نظام چار حصوں میں منقسم تھا۔

(۱) عقاب۔ قومی نشان کی علمبرداری کا منصب

(۲) قبہ۔ فوجی کیمپ کا انتظام اور دیکھ بھال

(۳) اعنہ۔ فوج کی سپہ سالاری

(۴) سفارت۔ قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت۔

عدالتی نظام

عدالتی نظام چار عہدوں پر مشتمل تھا۔

(۱) حکومت (۲) اشناق (۳) مشورہ (۴) ندوہ

حکومت، یعنی مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ جس کے ذمہ دار بنو سہم تھے۔ کبھی کبھی یہ مقدمات قریش اور دیگر قبائل کے درمیان ہوتے۔ عہد جاہلیت کے ممتاز قاضیوں میں ہاشم بن عبد مناف، ابولہب بن عبدالمطلب، عاص بن وائل، قیس بن ساعدہ اور امیہ بن ابی صلت کے نام ملتے ہیں۔

(۱) اشناق۔ یعنی جرمانہ، خون بہا اور مالی تاوان کی نگرانی بنو تیم سے متعلق تھی۔

(۲) مشورہ۔ یعنی اہم امور میں تمام قریشی قبائل سے مشورت کا کام، بنو اسد کو تفویض تھا۔

(۳) حکومتہ۔ یعنی مقدمات کا فیصلہ بنو سہم کے سپرد تھا۔ حارث بن قیس نگران تھا۔

(۴) ندوہ۔ دارالندوہ کے انتظامات بنو عبدالدار کے سپرد تھے۔ یہ قریش کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔

مذہبی، عدالتی اور عسکری کل چودہ عہدے دس قبائل میں تقسیم ہو گئے تھے، تمام اجتماعی فیصلے دارالندوہ میں ہوتے تھے۔

مذہبی نظام

مذہبی نظام بڑا منظم تھا، چونکہ حج کے لیے اطراف و اکناف سے ہزاروں لوگ جمع ہوتے تھے۔ بہت کچھ نقد و جنس بتوں پر چڑھایا جاتا، اس کے انتظام کے لیے چھ عہدے تھے۔

(۱) عمارہ۔ کعبہ کی نگرانی اور دیکھ بھال۔ یہ بنو ہاشم کے ذمہ تھی۔

(۲) سقایہ۔ زمانہ حج میں زائرین کو پانی فراہم کرنا، یہ کام بھی بنو ہاشم کے تفویض تھا۔

(۳) رفادہ۔ حجاج کے لیے کھانا پکانا، غرباء کی خاطر مدارت یہ کام بنو نوفل کے سپرد تھا۔

(۴) سدانہ۔ کعبہ کی دربانی اور کلید برداری، چونکہ چہار دیواری میں نذرانہ ہوتا۔ اس کے ذمہ دار بنو عبدالدار تھے۔

(۵) ایسار۔ خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تیروں سے استخارہ، یہ کام بنو جمح کے لوگ انجام دیتے تھے۔ یہ بے پیکان کے تیر ہوتے، جس پر ہاں یا نہیں لکھا ہوتا۔

(۶) اموال حجرہ۔ بتوں پر چڑھاوے، اوقاف، نقد و جنس کا انتظام اور نگرانی بنو سہم کرتے تھے۔

سیاسی نظام

بعثت سے پہلے سیاسی حیثیت سے پورا عرب نراج کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ مختلف قبائل کی اپنے اپنے علاقہ پر حکمرانی تھی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول کارفرما تھا۔ یمن کا علاقہ پہلے حبشہ پھر ایرانی عملداری میں آیا، حتیٰ کہ ۶۳۴ء میں مجاہدین اسلام کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس وقت کا ایرانی گورنر باذان رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا۔ بحرین سے کنار فرات تک کا علاقہ عراق عرب کہلاتا تھا۔

اس کے والی مناذرہ اکاسرۂ ایران کی سرپرستی میں یہاں حکومت کرتے تھے۔ ان کا پایہ تخت حیرہ تھا۔ ان کے آخری حکمران منذر بن نعمان نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں شکست کھائی۔

شام میں آلِ غسان حکمران تھے۔ اس سے ملحقہ علاقہ فلسطین پھر قیصر روم کے زیر تسلط تھا۔ آخری حکمران جبلہ بن ایہم ۱۶ھ میں حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا۔ بعد میں مرتد ہوا اور عیسائی بن کر قسطنطنیہ میں ہرقل سے جا ملا۔ بحرین کے حکمران کسرائے ایران کے زیرنگیں تھے۔

بود و باش

عرب میں جہاں شادابی ہے وہاں آبادی ہے۔ ورنہ لوگ دانہ و پانی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ زیادہ تر حصہ غیر آباد اور بے آب و گیاہ ہے۔ جگہ جگہ پہاڑ ہیں۔ اس میں سے چشمے پھوٹتے ہیں۔ پانی کی وجہ سے کھجور اور ببول کے درخت کے جھنڈ ہیں جنہیں نخلستان کہتے ہیں۔ بدو لوگوں نے جہاں پانی کا چشمہ دیکھا وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ تنبو تان لیے اور آسمان تلے بسیرا کرنے لگے۔ بھیڑ بکریاں، گھوڑے اور اونٹ ان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان ہی کا دودھ، گوشت یا پھر خرما ان کی غذا ہے۔ جانوروں کے چمڑے سے خیمے تیار کرتے اور ان کی لمبی اون کات کر لباس بنتے تھے۔ مینگنیاں جلانے کے کام آتی تھیں۔ ان کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار اونٹوں پر تھا۔ بدوی اس کی پشت پر دشوار گزار ریگستانوں میں سفر کرتے تھے۔

پیشہ اور بود و باش کے لحاظ سے عرب کے باشندے دو طرح کے تھے۔ حضری (شہری) بدوی یا اعرابی (خانہ بدوش) مکہ، یمن، جدہ، طائف، یثرب کی آبادی حضری تھی، ان کے علاوہ زیادہ تر لوگ بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضری عربوں میں تمدن تھا۔ تجارت و زراعت پیشہ تھے۔ ان کے شادی بیاہ کے طریقے متعین تھے۔ شعر و شاعری اور خطابت کا اعلیٰ ذوق رکھتے۔ خانگی زندگی میں عورتوں میں برتری رکھتے تھے۔ مہمان نواز تھے۔

بدوی عرب صحرائی زندگی کے عادی تھے۔ غذا اور چارہ کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتے خیموں میں رہتے تھے۔ مویشی پالتے، دلیر، شجاع، مہمان نواز اور وعدے کے پکے تھے' لیکن

فطرت جنگ جویانہ بلکہ جرائم پیشہ تھی۔ رہزنی کو دلیروں کی نشانی سمجھتے تھے۔ اس لیے اکثر اپنی اولاد کو درندوں کے نام سے پکارتے۔ جیسے اسد، کلب، ذئب، حفص۔

مسافرانہ زندگی کی وجہ سے ان میں آزادی، عصبیت، بربریت، انتقام اور جنگ وجدال کا دور دورہ تھا۔

اخلاقی گراوٹ

ان خوبیوں سے ہٹ کر اخلاقی برائیوں میں بھی مبتلا تھے۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی، سود خوری کے عادی تھے۔ بیویوں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماں بیٹے کے حرم میں آ جاتی۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے، لڑکیوں کی پیدائش کو نحس جانتے۔ انہیں زندہ دفن کر دیتے۔ کینہ پروری اور انتقام کو فرض جانتے۔ انتقامی لڑائیاں برس ہا برس جاری رہتیں، رمل، جوتشی اور کاہنوں پر یقین رکھتے۔ تیروں کے ذریعے فال نکالتے۔ بتوں کو اپنا حاجت روا جانتے اور ان کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے۔ ان پر انسانی بھینٹ چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اخلاقی پستی کی ردائے ظلمت سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ انسان اشرف المخلوقات کے مقام سے گر کر جانور سے بھی بدتر ہو چکا تھا۔

مکہ اور قریش کا مقامِ خاص

جنوبی عرب میں شہروں، قصبوں اور متمدن مرکزوں کا ارتقاء کئی صدیوں پہلے ہوا، اسی طرح شمال کی بادشاہتوں کے زمانے میں کئی شہر بڑے ترقی یافتہ تھے، مگر مرکزی اور وسطی عرب میں آبادکاری کافی دیر سے شروع ہوئی، مکہ مکرمہ میں اللہ کا گھر، کعبہ روز ازل سے موجود تھا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر نو ہونے کے بعد ہر زمانے میں اس کی عمارت موجود رہی مگر مکہ مدتوں شہر نہ بن سکا۔ کعبہ کے پہلے متولی اور نگہبان اور مکہ کے پہلے باسی بنوجرہم تھے۔ جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر کے ایک مستقل آبادی کی شکل دے دی تھی۔ کعبہ کے ساتھ ساتھ چاہ زمزم کا بھی اس میں بڑا حصہ تھا' کہ پانی زندگی کی جان تھا، مگر اس کے بعد بھی مدتوں تک مکہ خیموں ہی کا شہر رہا۔ بستی نہ بن سکا۔

شہر مکہ کی تعمیر

مکہ مکرمہ کو شہر بنانے اور باقاعدہ مکانات تعمیر کرنے کا سہرا قریش کے ایک سردار قصی بن کلاب کو جاتا ہے۔ وہ پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں گزرے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیسویں یا چالیسویں نسل میں اس قبیلہ کے جد امجد عدنان ہوئے، اور ان کی دسویں نسل میں فہر ہوئے، جن کا خاندان بنو فہر کہلوایا اور پھر وہ قریش کے نام سے موسوم ہوا، قریش کے معنی پر اختلاف ہے، علماء نے اس کے پندرہ معنی بتائے ہیں جن میں سب سے مشہور ہے۔ اتحاد و جمع

کرنے والا، بعض لوگوں نے سب کو کھا جانے والا غالب رہنے والا بھی بتائے ہیں۔ قریش کا پہلا لقب فہر کو یا ان کے دادا نضر کو ملا تھا۔ ان کی آٹھویں نسل میں قصی بن کلاب ہوئے۔

مکہ اور قریش

قصی بن کلاب بڑے اوصاف کے مالک اور فطری قائد تھے۔ انہوں نے قریش کے تمام خانوادوں اور خاندانوں کو متحد کیا، اور اپنے وسیع اثرات کے تحت ان کو کعبہ کے اردگرد مکانوں میں بسایا، کچھ قریشی خانوادے اور خاندان کعبہ کے بالکل پڑوس میں بسائے گئے، ان کا مجموعی نام ''قریش البطائح'' پڑا۔ ان میں قصی کے خاندان کے علاوہ بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جمح اور بنو سہم اہم تھے۔ کچھ قریشی خاندانوں کو کعبہ کے اندرونی حلقہ کے باہر ذرا فاصلہ پر بسایا گیا۔ ان کا امتیازی نشان ''قریش الظواہر'' رکھا گیا۔ ان میں بنو لوئیؔ اور بنو فہر تھے۔ ان کی سکونت و رہائش سے ان کے سماجی مقام اور قبائلی وقار کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

تاریخ مکہ

مقدس شہر مکہ مکرمہ کی مختصر سیاسی تاریخ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا خاندان ان کی سسرال، بنو جرہم کے ساتھ مکہ کے اقتدار پر قابض رہا۔ بعد میں بنو خزاعہ اور بنو بکر نے مکہ کی سیاست پر قبضہ کرلیا، اور کعبہ کی تولیت سمیت کئی مناصب پر قبضہ کرلیا، بنو صوفہ کے پاس ایک عہدہ، اجازہ رہ گیا، خزاعہ کے پاس حجابہ، سدانہ، سقایہ، رفادہ اور قیادہ کے اہم مناصب چلے گئے اور وہ صحیح معنوں میں مکہ کے سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے۔

قریش کے خاندان کے پاس کوئی طاقت وقوت نہ تھی، اگرچہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی جانشین تھے۔ قصی بن کلاب مکہ سے دور شامی سرحد کے قریب اپنے ننہالی قبیلہ بنو عذرہ میں پلے بڑھے اور جوان ہو کر اپنے آبائی وطن مکہ پہنچے۔

انہوں نے پہلے خزاعی سردار حلیل بن حبشہ کی بیٹی حُبّیٰ سے شادی کر کے مکہ کی سیاست میں اثر و رسوخ حاصل کیا، پھر اپنے ماموؤں کے خاندان بنو عذرہ کی مدد سے مکہ کی سیاست و اقتدار کو پوری طرح سے حاصل کر کے بنو خزاعہ کو نکال باہر کیا اور قریش کے خاندانوں کی حکومت قائم کردی۔

سیاستِ مکہ

اس میں شک نہیں کہ قصیٰ بن کلاب مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے اور بااثر سردار تھے، لیکن وہ بادشاہ یا مالک کل نہ تھے۔ وہ مکہ کی سیاست دوسرے سرداروں کے تعاون و اشتراک سے چلاتے تھے۔ ان کے پاس کل پانچ مناصب تھے۔ جن میں ایک کا اضافہ انہوں نے خود کیا۔ انہوں نے مشورہ اور ملاقات کے لیے ایک عمارت بنائی جس کا نام ''دارالندوہ'' رکھا۔ شہر قبیلہ اور ملک کے معاملات پر تمام اہم سرداروں اور منصب داروں سے صلاح ومشورہ اس مجلس میں سب کے اتفاق سے کیا جاتا تھا۔ اس گھر کا انتظام بھی انہیں کے پاس تھا۔

باقی عہدوں میں سفارہ اور منافرہ بنو عدی کے پاس تھا، قبہ اور اعنہ بنومخزوم کے پاس تھا۔ دیت ومغارم بنو تیم، ازلام وایسار بنو جمح اور اموال بنوسہم کے پاس تھے۔ اس طرح مکہ میں دراصل اشرافیہ حکومت (Oligarcy) یعنی قریش کے اشراف کی حکومت قائم تھی۔ جن میں بہرحال قصیٰ کو امتیاز وشرف حاصل تھا، اور وہ مکہ مکرمہ اور قریش کے سب سے بڑے سردار تھے۔

قریشی مناصب

مکہ کی سیاسی حکومت اور قبائلی نظام میں یہ عہدے ہر خاندان میں اسی طرح ہر ایک خاندان کے سرداروں کے پاس منتقل ہوتے رہے۔ زیادہ مشہور روایت کے مطابق قصیٰ بن کلاب نے اپنی موت کے وقت اپنے پانچوں عہدے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو دے دیئے تھے' اور پانچ بیٹوں کو محروم کر دیا تھا بعد میں قصیٰ کے دوسرے بیٹے عبدمناف کے فرزندوں نے عبدالدار کے بیٹوں سے لڑ کر دو عہدے حاصل کیے' لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

تاریخ مکہ کے مصنف ازرقی کا بیان زیادہ صحیح ہے:

''قصیٰ نے اپنے چھ عہدوں میں سے تین عبدالدار کو دیئے تھے اور تین عبدمناف کو باقی بیٹے چھوٹے یا نااہل تھے، اس لیے ان کو کچھ نہیں دیا، عبدالدار کو حجابہ، سدانہ لواء اور دارالندوہ دیئے، جبکہ عبدمناف کو سقایہ، رفادہ، اور قیادہ، پھر یہ عہدے قصی کے دونوں فرزندوں کے خاندانوں میں چلتے رہے، جیسے کہ دوسرے چلتے رہے تھے۔

عبد مناف نے اپنی موت کے وقت سقایہ اور رفادہ اپنے چھوٹے بیٹے ہاشم کو دیئے اور قیادہ کا اہم عہدہ بڑے بیٹے عبد شمس کو۔ عبد شمس نے اپنے بیٹے امیہ کو جانشین بنایا، اور امیہ کے بعد اس کا بڑا بیٹا حرب قیادہ کا منصب دار تھا، اور حرب سے وہ ان کے بڑے بیٹے ابوسفیان کو منتقل ہوا، جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر قیادہ کے عہدہ دار تھے۔

دوسری طرف رفادہ اور سقایہ کے عہدوں کی منتقلی اتنی سیدھی نہیں رہی تھی۔ ہاشم کے انتقال کے وقت ان کے تمام فرزند چھوٹے تھے۔ اس لیے سقایہ ان کے بھائی مطلب کو ملا اور رفادہ دوسرے بھائی نوفل کو۔ پھر رفادہ پہلے تو نوفل ہی کے خاندان میں رہا۔ پھر وہ اور ندوہ دونوں بنو اسد کے حکیم بن حزام نے خرید لیے۔

سقایہ مطلب سے ان کے بھتیجے اور ہاشم کے فرزند عبدالمطلب کو ملا، اور ان کے بعد ان کے بڑے فرزند زبیر کو ملا۔ زبیر کے بعد ان کے بھائی ابوطالب کو اور انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی عباس کے حوالے کر دیا۔ پھر وہ انہی کے خاندان میں چلتا رہا، عہد نبوی ﷺ میں ان عہدوں، ان کے عہدیداروں اور ان کے خاندانوں کی جدول یہ ہے۔

نمبر	منصب	منصب دار	خاندان	منصب کا مفہوم
1	حجابہ اسدانہ	عثمان بن طلحہ	بنو عبدالدار	کعبہ کی تولیت، کلید کعبہ ان کے پاس رہتی تھی
2	دارالندوہ	حکیم بن حزام	بنو عبدالدار/ بنو اسد	قومی مجلس دارالندوہ کی تولیت
3	لواء	عامر بن ہاشم	بنو عبدالدار	جنگ و امن میں قریشی پرچم اٹھانے اور رکھنے کا عہدہ دار
4	رفادہ //	حارث بن عامر حکیم بن حزام	بنو نوفل بنو اسد	کعبہ کے حاجیوں اور زائروں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا
5	سقایہ	عباس بن عبدالمطلب	بنو ہاشم	حاجیوں اور زائروں کے لیے پانی کا انتظام کرنا
6	مشورہ	یزید بن ربیعۃ الاسود	بنو اسد	قومی مشورہ کا انتظام اور مجلس کی صدارت

7	دیت ومغارم	ابوبکرؓ بن قحافہ	بنو تیم	قصاص و دیت اور جرمانوں کا فیصلہ کرنا
8	قیادہ	ابوسفیان بن حرب	بنو امیہ	جنگ و امن میں قریشی افواج کے قائد و کمانڈار
9	قبہ/اعنہ //	ولید بن مغیرہ خالد بن ولیدؓ	بنو مخزومی //	جنگ میں شہسوار فوج کی قیادت اور خیموں کا انتظام
10	سفارۃ ومنافرہ	عمرؓ بن الخطاب	بنو عدی	قبائل سے معاملہ طے کرنا اور سفارت کاری
11	ازلام و ایسار	صفوان بن امیہ	بنو جمح	فال کے تیروں کے متولی اور فال نکالنے کے نگراں
12	اموال	حارث بن قیس	بنو سہم	کعبہ میں بتوں کے چڑھاوے کے مال کی حفاظت وتولیت

سیاست مکہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ صرف عہدے دار ہی کاروبار حکومت و انتظام نہیں چلاتے تھے بلکہ متعدد دیگر سردار بھی اثر انداز ہوتے تھے، بلکہ سچ یہ ہے کہ عہدے تو نسبتاً نوجوانوں کو دیئے جاتے تھے' اور بزرگ اور اقتدار کے اصل مالک سردار ان سے بلند ہوتے تھے۔ عہد نبوی ﷺ کے قریب جن قریشی سرداروں کا سکہ چلتا تھا، اور جن کے مشورہ اور فیصلہ کے بغیر کوئی اہم قومی یا قبائلی کام نہیں انجام پاسکتا تھا۔ ان میں اہم ترین سردار یہ تھے۔

(۱) زبیر بن عبدالمطلب (۲) ابوطالب بن عبدالمطلب

(۳) ابولہب بن عبدالمطلب (بنوہاشم) (۴) عتبہ بن ربیعہ

(۵) شیبہ بن ربیعہ (بنوعبدشمس) (۶) ابواحیحہ

(۷) سعید بن العاص (۸) عقبہ بن ابی معیط

(۹) ابوسفیان بن حرب (بنوامیہ) (۱۰) ولید بن مغیرہ

(۱۱) حکیم عمر بن ہشام (ابوجہل) بنومخزوم (۱۲) عبداللہ بن جدعان (بنوتیم)

(۱۳) العاص بن وائل (بنوسہم) (۱۴) حکیم بن حزام

(۱۵) العاص بن ہاشم (۱۶) ابوالبختری (بنواسد)

(۱۷) امیہ بن خلف (۱۸) ابی بن خلف (بنوجمح)

(۱۹) اخنس بن شریق ثقفی (۲۰) عاص بن وائل

(۲۱) حارث بن قیس (بنوسہم) (۲۲) اسود بن عبدیغوث (زہرہ)

(۲۳) سہیل بن عمرو (بنوعامر بن لوی)

اس کے علاوہ اور دیگر شیوخ تھے، دراصل تمام سرداروں کی مشترکہ حکومت مکہ میں قائم تھی۔ ان میں سے بعض سردار اپنے اوصاف وخصوصیات کی بنا پر نمایاں وموثر مقام حاصل کر لیتے تھے اور یہی اشرافیہ تھی۔

اقتصادی حالت اور تجارت

مکہ مکرمہ کی اقتصادی حالت زیادہ تر تجارت پر مبنی تھی، وہاں کچھ دستکاریاں اور مزدوری پر مبنی پیشے بھی تھے لیکن اقتصادی خوشحالی کا دار ومدار تجارت پر تھا۔ یہ تجارت مقامی بھی تھی، جس میں پھیری والے، دوکاندار اور مختلف شہری حصے دار تھے۔ یہ تجارت ملک گیر بھی تھی کہ ملک کے مختلف اطراف سے طرح طرح کے تاجر آتے اور اہل مکہ کے لیے سامان ضرورت لاتے تھے، جبکہ مکی تاجر عرب کے مختلف حصوں میں جاتے اور ان کے بازاروں میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ شہر کے تمام بڑے اور حوصلہ مند تاجر بین الاقوامی تجارت میں بھی حصہ لیتے تھے۔

موسم گرما میں شام اور موسم سرما میں یمن کے تجارتی سفر کرتے تھے، وہ بعض اور ممالک سے بھی تجارت کرتے تھے۔ ان میں حبشہ، عراق اور مصر شامل تھے۔ ملکی تجارت کو فروغ دینے میں دو چیزوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ اول خانہ کعبہ کی موجودگی جس کی زیارت وحج کے لیے سال بھر زائرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

دوم مکہ دونوں بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں، مغربی ومشرقی کے سنگم پر واقع تھا۔ بین الاقوامی تجارت کو فروغ دینے میں اور لوگوں کے علاوہ بنوعبد مناف یعنی عبد شمس، ہاشم اور نوفل اور عبدالمطلب نے بڑا حصہ لیا اور بالترتیب حبشہ، شام، ایران، اور یمن کے ممالک سے تجارتی تعلقات مستحکم کیے، اور ان کی حکومتوں سے قریشی تجار کے لیے مراعات حاصل کیں۔

شام اور یمن سے تجارت کرنے والوں میں کچھ اہم تاجر یہ تھے۔

عبد شمس، ہاشم، امیہ، زبیر، ابوطالب، ابوسفیان، عباس، حکیم بن حزام، ابوجہل، حارث بن نضر۔

رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شامی سفر سے واپسی پر مدینہ میں وفات پائی تھی۔

مکہ کی تجارت دو طرح سے کی جاتی تھی، عام طور سے تاجر اپنا مال لے کر خود بازاروں

میں جاتے تھے اور خرید و فروخت کیا کرتے تھے، دوسرا طریقہ شراکت یا اجارہ کا تھا، جس میں مالدار تاجر اپنا مال کسی حوصلہ مند یا باصلاحیت تاجر کو دے کر بھیجتے تھے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے تھے۔ نفع میں شراکت معاہدہ پر مبنی تھی، بہت سے بے مال تاجر سود پر مالدار تاجروں سے سامان یا رقم قرض لیتے تھے۔ اس کی وجہ سے سودی کاروبار مکہ میں بہت پھیلا۔

سودی کاروبار کرنے والوں میں عاص بن وائل سہمی، ولید بن مغیرہ مخزومی، عبدالمطلب بن ہاشم ہاشمی، عباس بن عبدالمطلب ہاشمی، عثمان بن عفان اموی کے نام آتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل کی وجہ سے بڑے تاجروں اور قابل اعتماد لوگوں کے گھر بنک بھی بن گئے تھے۔ جہاں لوگ اپنا مال واسباب حفاظت کے لیے رکھتے تھے۔ اموی خاندان کے ایک سردار عمرو بن امیہ اسی سبب سے الامین کہلاتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو بعثت سے قبل الامین کا خطاب مل چکا تھا۔

مکہ کی تجارت میں ہر چھوٹا بڑا شریک تھا، جو نہیں جاسکتا تھا، وہ اپنا مال دوسرے تاجر کو دے دیتا تھا۔ اس میں معمولی دستکار اور عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ مکہ کے بڑے تاجر گھرانے اسی تجارت کے سبب بہت مالدار ہو گئے تھے۔ خوشحالی اور مال کے ساتھ ان میں کئی خرابیاں بھی پیدا ہو گئی تھیں۔ جیسے غرور، اکڑ، غریبوں سے نفرت وحقارت، عیش پسندی وغیرہ۔

قریش کی زرعی جائیدادیں

مکہ مکرمہ میں تو زراعت نہیں ہوتی تھی، لیکن مکہ کے قریب طائف کی وادی میں ہوتی تھی۔ دولت کے آنے کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ مکہ کے بڑے بڑے تاجروں نے اس وادی میں بڑے چھوٹے باغات لگائے، جن میں کھجور، انگور جیسے پھل پیدا ہوتے تھے۔ شہد کے چھتے لگائے جاتے تھے' اس کے علاوہ بعض اور زرعی کاروبار کیے جاتے تھے، ان زرعی جائیدادوں سے ان کو بہت آمدنی ہوتی تھی۔

مکہ کے جن تاجروں کی اس وادی طائف میں ایسی جائیدادیں تھیں، ان میں ولید بن مغیرہ مخزومی، عاص بن وائل سہمی، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اموی، عثمان بن عفان اموی اور عبدالمطلب ہاشمی اور ان کے بعض فرزند بہت ممتاز تھے۔ ایک اموی سردار ابو احیحہ اور سعید بن عاص کے کئی باغات اور جائیدادیں تھیں، اور وہ مکہ کے مالدارترین اور معززترین سردار گنے جاتے تھے۔

عسکری قوت

دولت کے ساتھ ساتھ مکہ کے قریش پورے عرب میں خاص کر وسطی علاقے میں سب سے بڑی فوجی طاقت بھی تھے۔ ان کی اور ان کے حلیفوں کی افواج سب سے بڑی، تعداد میں زیادہ، اسلحہ سے لیس، تجربہ کار اور ماہر فن تھیں، ان کا مقابل کوئی نہ تھا، اور گزشتہ پانچ سو سال سے وہ کسی سے نہ ہارے تھے، ان کی کوئی ایسی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ جیسی آج کل ہوتی ہے۔ بلکہ قبیلہ کے تمام جنگ کے قابل مرد فوجی خدمات انجام دیتے تھے، اور جنگ کے وقت سب نکل کھڑے ہوتے تھے۔

بدو قبائل میں عرب کا طریقہ جنگ اَلْکَرُّوَ الْفَرُّ (حملہ کرنا اور پلٹ جانا اور پھر حملہ کرنا) تھا۔ وہ باقاعدہ جم کر نہیں لڑتے تھے' لیکن شہری اور خاص کر قریشی قبائل نے منظم جنگ کا طریقہ تَعْبِیَۃ (صف بنا کر جنگ لڑنے کا طریقہ) Pitched Battle ایرانیوں سے سیکھ لیا تھا۔ ان کی فوج پانچ حصوں میں منقسم ہوتی تھی۔

(۱) مقدمہ (Vanguard)

(۲) قلب (Centre Guard)

(۳) میمنہ (Right Wing)

(۴) میسرہ (Lift Wing)

(۵) موخرہ/ساقہ (Rear Guard)

اسی بنا پر اس کو الخمیس (پانچ بازوؤں والی) کہا جاتا تھا۔

ہر بازو پر علمبردار (لواء والے افسر) ہوتے تھے اور ان کے کمانڈر بھی۔ زیادہ تر فوج پیدل (Infantry) ہوتی تھی، لیکن کچھ حصہ شہسوار (Cavalry) بھی ہوتا تھا، ایک دستہ تیر اندازوں کا خاص ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ تلوار، ڈھال، نیزہ، خنجر اور تیر کمان ہر سپاہی کے پاس ہوتے تھے۔ پوری فوج کا ایک مرکزی قائد ہوتا تھا۔ جو فوج کو لڑاتا تھا' اور سب افسر اس کے ماتحت ہوتے تھے۔

قریشی اوصاف

قریش کی اصل طاقت اس بناء پر تھی کہ وہ شہرِ الٰہی کے باسی اور کعبہ کے متولی تھے۔ اس

لیے پورے عرب میں ان کا احترام و تقدس قائم تھا۔ وہ اگرچہ بت پرست اور مظاہر پرست تھے۔ تاہم ان میں دین ابراہیمی کا کچھ حصہ باقی تھا۔ حج کرانے کے باعث ان کی دھاک پورے عرب پر بیٹھی تھی۔ پھر ان کی دولت و تجارت اور فوجی طاقت نے ان کو مزید طاقت ور وقار بخش دیا تھا۔

قریش کے دو اہم اوصاف تھے۔

ایک ان کا باہمی اتحاد و تعاون، دوسرے ان کے حلم و عفو۔ وہ خاندانی اور انفرادی جھگڑوں کے باوجود متحد رہتے تھے۔ خاص کر دشمن کے آگے۔ ان میں تنظیم و محبت بہت تھی' اور ان کا دل بھی بہت بڑا تھا۔ وہ درگزر سے کام لیتے تھے' اور خطرات سے بچتے تھے مگر بہادر بھی تھے اور موقعہ آجاتا تو جان پر کھیل جاتے۔ ان کے انہی اوصاف کی بناء پر پورا عرب ان کا احترام کرتا تھا' اور انہی کے سبب ان میں آخری نبی ﷺ پیدا ہوئے۔

عرب میں بت پرستی کی ابتداء

عرب میں بت پرستی کی بنیاد کس طرح اور کب پڑی، اس کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے نزار بن معبد کی اولاد کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

نزار بن معبد اور اس کی اولاد

نزار بن معبد کے چار فرزند تھے۔

مضر بن نزار، ربیعہ بن نزار، انمار بن نزار، ایاد بن نزار۔

مضر اور ایاد کی والدہ سودہ بنت عک بن عدن تھی، اور ربیعہ وانمار کی ماں کا نام شقیقہ بنت عک بن عدنان تھا۔ پھر مضر کے دو بیٹے ہوئے۔ الیاس بن مضر اور عیلان بن مضر، اوران کی والدہ قبیلہ جرہم سے تھی۔ پھر الیاس کے تین بیٹے ہوئے۔ مدرکہ بن الیاس، طابخہ بن الیاس، قمعہ بن الیاس، ان کی والدہ کا نام خندف تھا، جو یمن کی رہنے والی تھی، اور بقول ابن ہشام۔

"خندب بنت عمران بن حاف بن قضاعہ ہے۔"

ابن اسحاق کہتا ہے:

"مدرکہ کا اصل نام عامر تھا، اور طابخہ کا اصلی نام عمرو تھا، طابخہ اور مدرکہ رکھے جانے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک روز عامر اور عمرو اپنے اونٹوں کو چرا رہے تھے، اس حالت میں انہوں نے شکار کیا، اس کو پکانے بیٹھ گئے تو کسی دشمن نے اونٹوں پر حملہ کر دیا، یہ دیکھ کر عامر نے عمرو سے کہا:

''تو اونٹوں کو بچا کر لاتا ہے یا شکار پکاتا ہے''۔

عمرو نے کہا:

''میں شکار بھونتا ہوں''۔

چنانچہ عامر جا کر اونٹوں کو بچالایا، جب شام کے وقت باپ کے پاس آ کر وہ قصہ بیان کیا تو اس نے عامر کو کہہ دیا:

''تو مدرکہ (پکڑنے والا)

اور عمرو سے کہا:

''تو طابخہ (پکانے والا) ہے''۔

اس وقت سے ان کا نام مدرکہ اور طابخہ پڑ گیا۔

الیاس کے تیسرے بیٹے قمعہ سے ایک لڑکا لحی پیدا ہوا اور لحی سے عمرو، اور عمرو سے خزاعہ پیدا ہوا، یہی عمرو وہ شخص ہے جس نے عرب میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی۔

عرب کا پہلا بت پرست

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ ﷺ، اکثم بن جون خزاعی سے کہہ رہے تھے۔

''اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خذف کو دیکھا ہے کہ اس کی انتڑیاں آگ میں گھسیٹی جاتی تھی، میں اس میں اور تم میں نہایت جسمانی مشابہت دیکھتا ہوں''۔

یہ سن کر حضرت اکثم بن جون خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''یا رسول اللہ ﷺ! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی مشابہت مجھے نقصان پہنچا دے''۔

اللہ کے نبی برحق ﷺ نے فرمایا:

''نہیں، تو مومن ہے اور وہ کافر تھا''۔

عمرو بن لحی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا، اور بتوں کو نصب کیا اور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی حمایت کی۔

بعض اہل علم سے روایت ہے:

''عمرو بن لحی مکہ سے کسی ضرورت کے تحت شام کی طرف گیا، جب بلقاء کی زمین میں ایک مقام مآب پر پہنچا، تو وہ وہاں کے باشندوں کو جو عمالیق کہلاتے تھے، بتوں کی پرستش کرتے پایا'':

بعض اصحاب نے کہا ہے:

''یہ عملاق یا عملیق بن لاوز بن سام بن نوح کی اولاد سے تھا۔''

عمرو نے ان سے پوچھا:

''یہ کیسے بت ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔''

انہوں نے کہا:

''یہ ایسے بت ہیں کہ ہم ان سے بارش کی درخواست کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے اور جب ان سے مدد مانگتے ہیں تو یہ ہمیں مدد دے دیتے ہیں۔''

عمرو بن لحی نے کہا:

''کیا آپ ان میں سے ایک بت مجھے نہیں دے سکتے کہ میں اس کو عرب میں لے جاؤں تا کہ وہاں کے لوگ بھی ان کی عبادت کریں۔''

انہوں نے اسے ایک بت دے دیا، جس کا نام ہبل تھا۔ اس نے اسے مکہ میں لا کر نصب کر دیا، اور لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم کا حکم دیا۔

جب اول ہی اول مکہ میں بنی اسماعیل کے درمیان پتھروں کی عبادت شروع ہوئی تو ان کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص سفر میں جاتا تو پتھر کو اپنے ساتھ لے جاتا، اور اس کو اپنی حاجات کا وسیلہ خیال کرتا اور جہاں جا کر قیام کرتا وہاں اس کو نصب کرتا اور اس کے گرد طواف کرتا اور اس کی تعظیم و تکریم کرتا، لیکن بعد میں جب ان پتھروں کو اٹھانے سے تکلیف محسوس ہونے لگی تو ان کو ساتھ لے جانا چھوڑ دیا، وہ جہاں جاتے وہاں کسی پتھر کو لے کر اس کے گرد طواف کی رسوم ادا کر لیتے، اس حال پر کئی نسلیں گزر گئیں، یہاں تک کہ اخیر نسلوں کا اسی بت پرستی پر پورا اعتقاد ہو گیا، اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اصل دین کو بھول گئے۔ صرف چند باتیں ابراہیمی مناسک کی مثل تعظیم بیت اللہ، طواف خانہ کعبہ، حج و عمرہ عرفہ میں کھڑے ہونا مزدلفہ میں ٹھہرنا، قربانی حج کا احرام باندھنا، ان میں باقی تھیں، اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت

کے وقت قبیلہ کنانہ اور قریش احرام کے وقت کہا کرتے تھے۔

"یاالٰہی ہم بہ دل و جان سے تیری خدمت میں حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے جس کا تو مالک ہے اور ان چیزوں کا بھی تو ہی مالک ہے جن کا وہ مالک ہے۔"

گویا اللہ کی توحید کا اظہار بھی کرتے تھے، پھر اپنے بتوں کو بھی اس میں داخل کر دیتے تھے، اور اس کی ملکیت بھی خدا کے قبضے میں سمجھتے تھے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"ان میں سے اکثر اللہ پر اس حال میں ایمان لاتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔"

بعض مشہور بت

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی، جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دی ہے:

"کہتے ہیں کہ اپنے معبودوں کو مت چھوڑو (بالخصوص) ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو ترک نہ کرو (اور ان رئیسوں نے) بہتوں کو بہکا دیا"۔

(سورہ نوح: ۲۳۔۲۴)

اور وہ لوگ جو ان پانچ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے چنانچہ ان میں ایک قبیلہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر تھا، جو مقام رہاط میں سواع کی عبادت کیا کرتا تھا، اور کلب میں دبرۃ بن قضاعۃ مقام دومۃ الجندل میں ود کی پرستش کیا کرتا تھا، یہ کلب بن دبرۃ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعۃ ہے، اور قبیلہ انعم لحی سے اور اہل جرش میں یغوث کی پرستش کیا کرتا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ لحی بن ادو بن مالک بن مذحج بن ادو ہے، اور قبیلہ خیوان نے جو ہمدان کی اولاد میں سے ہے، ارض ہمدان میں یعوق کو معبود بنایا ہوا ہے۔

ہمدان کا نام اوسلہ بن زید بن ارسلہ بن الخیار ہے۔ اور ذوالکلاع یا ذوالکراع بن حمیر نے ارض حمیر میں نسر کو خدا کا درجہ دے رکھا تھا' اور قبیلہ خولان کا ایک اور بت تھا، جس کا نام عمیانس تھا، وہ لوگ اس بت کے لیے اپنے مویشیوں اور کھیتوں سے حصہ نکالا کرتے تھے، اور

ساتھ ہی خدا کا حصہ بھی مقرر کیا کرتے تھے، اگر چہ کبھی عمیانس کے حصہ میں کمی آجاتی تو خدا کے حصے سے نکال کر اسے پورا کر دیتے، اور اگر خدا کے حصے میں کمی واقع ہو جاتی تو عمیانس کے حصے سے کم نہ کرتے انہیں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"انہوں نے اپنے کھیتوں اور مویشیوں میں سے جن کو اللہ پیدا کرتا ہے اپنے شرکاء (بتوں) کے واسطے حصہ مقرر کر رکھا ہے، پس اپنے خیال کے موافق کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے واسطے ہے اور حصہ ہمارے بتوں کا ہے، پس جو حصہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ہوتا وہ تو خدا کی طرف پہنچتا نہیں۔ اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ ان کے بتوں کو پہنچ جاتا۔" (سورہ الانعام: ۱۳۶)

یہ حکم اور یہ خیال ان کا نہایت ہی برا ہے۔ ملکان بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی اولاد کا ایک بت تھا، جس کا نام سعد تھا، وہ ایک لمبا پتھر تھا، ایک جنگل میں پڑا رہتا تھا، ایک دفعہ ملکان کی اولاد سے ایک شخص اپنے بیمار اونٹ کو اس بت سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس لایا، اونٹ نے جب بت کو دیکھا تو بھاگ گیا، اس پر وہ ملکانی بت پر بہت خفا ہوا، اور ایک پتھر اس پر دے مارا اور کہا:

"اے بے برکت، تو نے میرا اونٹ بھگا دیا"۔

پھر وہ اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا، جب اس کو پالیا تو یہ اشعار بت کی مذمت میں کہے۔

"ہم سعد کے پاس آئے کہ ہمارے بچھڑے ہوئے دوستوں کو جمع کر دے گا،
اس کم بخت نے تو اور بھی تفریق کرا دی پس ہمارا سعد سے کوئی تعلق نہیں ہے،
آخر سعد زین کے جنگل کا ایک پتھر ہی ہے۔ جس میں ہدایت و گمراہی کی طاقت نہیں ہے۔"

قبیلہ دوس میں عمرو بن حممتہ الدوسی کا ایک بت تھا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

یہ دوس بن عدکان بن عبداللہ زہران بن کعب بن الحارث بن کعب بن عبداللہ بن زہران بن الاسد بن الغوث ہے۔

قریش کا ایک بت تھا، جس کا نام ہبل تھا، جو انہوں نے کعبہ کے درمیان ایک کنوئیں پر نصب کیا ہوا تھا، اس کا حال بھی آگے چل کر آئے گا۔

چاہ زمزم پر اساف اور نائلہ کی عبادت کرتے تھے، اور اس کے سامنے قربانیاں کرتے تھے، اساف مرد اور نائلہ عورت کا نام ہے، اساف کے باپ کا نام نعمی ہے اور نائلہ دیک کی بیٹی تھی، ان دونوں نے خانہ کعبہ میں بے حیائی صادر ہوئی، جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر کا بنا دیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم سنتی رہی ہیں اساف اور نائلہ قبیلے جرہم کے ایک مرد اور عورت کا نام تھا، جنہوں نے کعبہ میں بدکاری کی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا دیا تھا۔''

عرب میں ہر ایک قبیلے نے اپنے اپنے گھر میں بت رکھے تھے، جس کی وہ عبادت کرتے تھے، اور جب کوئی شخص ان میں سے سفر کا ارادہ کیا کرتا تھا، تو سواری کے وقت اپنے گھر کے بت کو ہاتھ لگاتا تھا، اور یہ کام سب سے آخر میں کیا کرتا تھا، پھر جب اپنے سفر سے واپس آتا تھا تو سب سے پہلے اسے مسح کرتا تھا، یہ حالت اس وقت تک رہی جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو توحید کا منادی کرنے والا بنا کر مبعوث کیا اور قریش کہنے لگے:

''اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی خدا قرار دے دیا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔''

اہل عرب نے خانہ کعبہ کے ساتھ بتوں کے گھر بنائے تھے، جن کی وہ خانہ کعبہ کی طرح تعظیم کرتے تھے، اور ان پر مجاور اور دربان مقرر کیے ہوئے تھے، اور ان کے سامنے ہدیے پیش کرتے تھے، اور خانہ کعبہ کی طرح ان کا طواف کرتے تھے، اور ان کے سامنے قربانیاں کرتے تھے، باوجود اس کے کہ کعبہ کی فضیلت ان سے زیادہ سمجھتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ خانہ کعبہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے، اور یہ ان کی مسجد ہے۔

قریش اور بنی کنانہ کا ایک بت تھا جس کا نام عزیٰ تھا، اور اس کے مجاور اور دربان شیبان بنو سلیم کی اولاد تھی، جو بنی ہاشم کی فریق مخالف تھی اور خاص کر ابو طالب کی۔ یہ سلیم بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان ہے اور قبیلہ ثقیف کا ایک بت تھا جو طائف میں رکھا ہوا تھا، جس کا نام لات تھا، اور اس کے مجاور اور دربان معتب بنی ثقیف کی اولاد تھی، اور قبیلے اوس و خزرج کا ایک بت تھا، جس کو منات کہتے تھے، یہ بت دریا کے کنارے پر مدینہ کے قریب رکھا ہوا تھا، یہ وہی بت ہے جس کے گرانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور

بعض لوگوں کے بقول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تھا۔

فلس نامی ایک بت بنی طَیّی اور ان لوگوں کا تھا جو بنی طیی کے دونوں پہاڑوں کے پاس رہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اس بت کو گرانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تھا، جنہوں نے اس بت کو گرایا، اور اس میں سے دو تلواریں پائیں جن میں سے ایک کا نام رسوب تھا، اور دوسرے کا نام مخذم تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دونوں تلواریں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بخش دیں، پس وہی دو تلواریں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھیں۔''

قبیلہ حمیر اور اہل یمن کا ایک بت تھا، جس کا نام رئام تھا، اور قبیلہ ربیعہ بن کعب بن سعد بن زید بن مناۃ بن تمیم کی اولاد کا ایک بت خانہ تھا، جس کا نام وضا تھا۔

قبیلہ بکر وتغلب اولاد وائل اور اولاد ایاد کے لیے سنداد میں ایک بت خانہ تھا، جس کا نام ذوالکعبات تھا۔

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام بت

مشرکین کا قاعدہ تھا کہ جو اونٹنی دس مادہ بچے پے در پے جن لیتی تھی، اور اس کے درمیان کوئی نر بچہ پیدا نہ ہوا ہوتا تھا تو وہ اس کو آزاد کر دیتے تھے، پھر اس پر نہ تو سواری کرتے تھے اور نہ ان کے بال کترتے تھے اور اس کا دودھ بھی سوائے مہمان کے کسی کو نہیں پلاتے تھے۔ ایسی اونٹنی کو سائبہ کہا کرتے تھے۔ اگر یہ اونٹنی اس حالت میں کوئی مادہ جنتی تو اس کا کان چیر کر اس کو بھی ماں کے ساتھ چھوڑ دیتے، اور اس پر بھی سواری نہ کرتے، نہ اس کے بال کترتے، نہ اس کا دودھ مہمان کے علاوہ کسی کو پلاتے، اس کا نام بحیرہ ہوتا تھا، اور جب کوئی بکری پانچ حمل میں دس مادہ بچے مسلسل جنتی تھی تو اس کو وصیلہ کہتے تھے، (یعنی اپنے کمال کو پہنچ گئی) اس کے بعد اگر وہ کوئی بچہ جنتی تھی تو اس کو صرف اس کے مرد کھا سکتے تھے، عورتوں کے لیے اس کا گوشت کھانا حرام خیال کیا جاتا تھا، مگر مردہ گوشت میں مرد اور عورت مساوی خیال کیے جاتے تھے۔

نیز ان کا دستور تھا کہ جب کسی اونٹ سے دس مادہ بچے مسلسل جنوائے جاتے تو اس کو آزاد کر دیتے اور اس پر سواری کرنا اور اس کے بالوں کو کاٹنا حرام خیال کرتے اور اس سے کسی قسم کا

فائدہ نہ اٹھاتے۔

ابن اسحاق کہتا ہے:

''اہل عرب بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے، جس کا کان چیر ڈالتے تھے اور اس پر سواری نہ کرتے تھے، نہ اس کے بال کترتے تھے، اور اس کا دودھ یا تو کوئی مہمان پی سکتا تھا یا صدقہ کر دیا جاتا تھا، یا ان کے معبودوں کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا، سائبہ کی یہ حقیقت تھی کہ جب کوئی ان میں سے بیمار ہو جاتا یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو نذر مانتا کہ اگر وہ اس مصیبت سے رہا ہو جائے تو اونٹنی کو آزاد کر دے گا، پھر جب اس کی مراد پوری ہو جاتی، تو اپنے معبود کے نام پر کوئی اونٹنی یا اونٹ آزاد کر دیتا، اور اس سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھاتا تھا، اور وصیلہ اس بکری کو کہتے ہیں جو ایک حمل سے دو بچے جنتی اور ان میں سے ایک مادہ ہوتا اور دوسرا نر، تو مادہ کو اپنے معبود کے لیے رکھ دیتے اور نر کو اپنے لیے مگر اس کو بھی آزاد کر دیتے اور اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھاتے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رسول مبعوث کیا تو ان باتوں کو آیات ذیل نازل کرنے سے حلال کر دیا اور فرمایا:

''بحیرہ۔ سائبہ، وصیلہ اور حام میں سے کوئی چیز بھی خدا نے نہیں ٹھہرائی ہے۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ اللہ پر جھوٹ کہہ کر افترا کرتے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر لوگ سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔''

نیز فرمایا:

''مشرک کہتے ہیں کہ ان چار چوپایوں کے پیٹ میں سے جو زندہ بچ نکلے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے۔ ہماری عورتوں کے حلال نہیں۔ اگر وہ مردہ ہو تو پھر سب شریک ہیں (کیسی جہالت کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں) قریب ہے کہ خدا انہیں ان کی (بے اصل) تقسیموں کی سزا دے۔ بے شک وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے۔'' (سورہ الانعام:۱۳۹)

''اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجئے، کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو روزی اللہ

تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کی ہے تم نے محض (اٹکل پچو سے) ان میں سے بعض کو حرام ٹھہرایا، بعض کو حلال سمجھ لیا ہے، آپ پوچھیں (یہ جو تم نے حلال و حرام کا حکم لگایا تو) کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے، یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔" (سورہ یونس: ۵۹)

"چار پایوں میں (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) آٹھ قسمیں پیدا کیں بھیڑ میں سے دو قسم (یعنی نر اور مادہ) اور بکری کی دو قسمیں (نر اور مادہ) اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے پوچھیں خدا نے ان میں سے کس جانور کو حرام کیا ہے؟ دونوں قسموں کے نروں کو یا مادہ کو یا پھر اس بچے کو جسے دونوں قسموں کی مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے علم کے ساتھ اس کا جواب دو۔
اور اسی طرح اونٹ میں سے دو قسمیں ہیں اور گائے میں سے دو قسمیں (یعنی نر اور مادہ) آپ ان سے پوچھیں کیا ان میں سے نر کو حرام کر دیا ہے یا مادہ کو یا ان کو جو ان دونوں کی مادہ اپنے پیٹ میں لیے ہوتی ہے۔ (تم جو کسی علم اور بنیاد کے بغیر خدا کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہو) کیا تم اس وقت خدا کے پاس حاضر تھے جو اس نے تمہیں اس بارے میں حکم دیا تھا؟ پھر بتلاؤ، اس آدمی سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہوگا، جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے خدا پر افترا پردازی کرے اور اس کے پاس کوئی علم نہ ہو، بلاشبہ خدا ان لوگوں پر (کامیابی) کی راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں۔" (سورہ الانعام: ۱۴۳-۱۴۴)

آباؤ اجداد......حسب نسب

بنوخزاعہ

قبیلہ خزاعہ اپنے آپ کو بنوعمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن اسد بن غوث کی اولاد بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں:

''ہماری ماں کا نام خذف تھا۔''

اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں:

''خزاعہ بنو حارثہ بن عمرو بن عامر کی اولاد سے ہیں۔''

خزاعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ عمرو بن عامر کی اولاد سے جدا ہو گئے۔ جبکہ یہ یمن سے شام کی طرف آ رہے تھے اور مرالظہران ہی میں ٹھہر گئے تھے، اور عمرو بن عامر کی اولاد کے ساتھ شام میں نہیں گئے تھے۔

اس بیان میں ابن اسحاق کا بیان ہے:

''مدرکہ بن الیاس کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ خزیمہ بن مدرکہ اور ہذیل بن مدرکہ اوران کی والدہ قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت تھی، پھر خزیمہ بن مدرکہ کے چار بیٹے ہوئے، کنانہ بن خزیمہ اور اسد بن خزیمہ، اسد بن خزیمہ اور ہون بن خزیمہ، اور کنانہ کی ماں عدانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان بن مضر تھی، پھر کنانہ بن خزیمہ کے چار اولادیں ہوئیں۔ نضر بن کنانہ، مالک بن کنانہ، عبدمناف بن کنانہ، اور

ملکان بن کنانہ، نضر بن کنانہ کی ماں تو برہ بنت مُر بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر تھی، اور باقی فرزند ایک دوسری عورت سے تھے، نضر اور مالک اور ملکان کی ماں برہ بنت مر تھی، اور عبد منات کی ماں ہالہ بنت سوید بن عظریف سے تھی۔
ازدشنوہ عبداللہ بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نضر بن الاسد بن الغوث کا نام ہے۔ ان کا یہ نام اس سبب سے رکھا گیا تھا کہ شنان عداوت کو کہتے ہیں، اوران کی آپس میں عداوت تھی۔"

قریش

نضر ہی قریش ہیں، اور جو لوگ ان کی اولاد سے ہوئے، وہ قریشی کہلاتے ہیں، اور جوان کی اولاد سے نہیں ہیں وہ قریشی نہیں کہلاتے، اور بعض کہتے ہیں:

"فہر بن مالک قریش ہیں، اور جوان کی اولاد سے ہیں قریشی ہیں، اور جوان کی اولاد سے نہیں ہیں۔ وہ قریشی نہیں کہلاتے۔"

قریش کو قریش اس سبب سے کہتے ہیں کہ قریش تقرش سے ماخوذ ہے، اور تقرش کے معنی کسب اور تجارت کے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں:

"تقرش کے معنی جمع ہونے کے ہیں۔ چونکہ قریش متفرق ہونے کے بعد مجتمع ہوئے تھے، اسی سبب سے قریشی کہلانے لگے۔"

پھر نضر بن کنانہ سے دو شخص پیدا ہوئے۔

مالک بن نضر

مالک بن نضر اور یخلد بن نضر، مالک کی والدہ عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان تھی، ہم یہ نہیں جانتے کہ یخلد کی ماں بھی یہی تھی یا کوئی اور تھی، مالک بن نضر کے ہاں فہر بن مالک پیدا ہوئے اور ان کی ماں جندلہ بنت حارث بن مضاض الجرہمی تھی۔

پھر فہر بن مالک کے چار بیٹے ہوئے۔ غالب بن فہر، محارب بن فہر، حارث بن فہر اور اسد بن فہر اور ان کی ماں لیلیٰ بنت سعد بن ہذیل بن مدرکہ تھی۔

غالب بن فہر

پھر غالب بن فہر کے دو بیٹے ہوئے، لوی بن غالب اور قیم بن غالب، اور ان دونوں کی ماں سلمٰی بنت عمرو الخزاعی تھی، اور یتم بن غالب کی اولاد کو بنو الادرم کہتے ہیں، قیس بن غالب کی ماں سلمٰی بنت کعب بن عمرو الخزاعی تھی، اور یہی سلمٰی لویؔ اور قیم غالب کے دونوں بیٹوں کی ماں ہے۔

لویؔ بن غالب

پھر لویؔ بن غالب کی چار اولادیں ہوئیں، کعب بن لویؔ، عامر بن لویؔ، عوف بن لویؔ اور سامہ بن لویؔ۔ چنانچہ کعب اور عامر اور سامہ کی ماں مادیہ بنت کعب بن القین بن جسر قبیلہ قضاعہ میں سے تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حارث بن لویؔ کا ایک بیٹا ہے، جس کی اولاد کو بنی جشم بن حارث کہتے ہیں، اور یہ لوگ قبیلہ ربیعہ کی شاخ ہزان میں مشہور ہیں۔

سعد بن لویؔ کا ایک بیٹا ہے، اس کی پرورش کرنے والی عورت کا نام نبانہ تھا، اسی کے نام پر اس کی اولاد بنی نبانہ کہلاتی ہے۔ قبیلہ ربیعہ کی شاخ بنی شیبان بن ثعلبہ بن عکامہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ہیں اور یہ نبانہ قبیلہ بن قین بن جسر بن شیع اللہ یا سیع اللہ بن اسد بن وبرہ بن ثعلبہ بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ میں سے تھی۔

بعض کہتے ہیں:

''نبانہ بنت غر بن قاسط ربیعہ میں سے تھی۔''

اور بعض کہتے ہیں:

''نبانہ بنت جرم بن ربان بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھی۔''

اور لوئی بن غالب کا ایک بیٹا خزیمہ بھی تھا، جس کی اولاد بنی عائذہ کہلاتی ہے، اور عائذہ یمن کی ایک عورت ہے، اور یہ بنی عبید بن خزیمہ بن لویؔ کی ماں ہے، اور لویؔ کی سب بیٹیوں کی ماں سوائے عامر بن لویؔ کے مادیہ بنت کعب بن قین بن جسر ہے، اور عامر بن لویؔ کی ماں مختیہ بنت شیبان بن عارب بن فہر ہے۔''

اور بعض کہتے ہیں:

''لیلٰی بنت شیبان بن محارب بن فہر ہے۔''

سامہ بن لوئ

سامہ بن لوئ عمان چلا گیا تھا اور وہیں رہتا تھا۔

لوگ کہتے ہیں:

”عامر بن لوئ نے ان کو نکال دیا تھا، کیونکہ ان کی آپس میں جنگ ہوئی تھی، اور سامہ نے عامر کی آنکھ پھوڑ ڈالی تھی، اور پھر عامر کے خوف سے عمان کی طرف چلا گیا تھا، ایک روز سامہ اپنی اونٹنی پر سوار کہیں جا رہا تھا کہ یکایک اونٹنی نے ایک درخت پر چرنے کے لیے منہ ڈالا، اور فوراً ہی ایک سانپ نے اس کے منہ پر کاٹ کھایا، سانپ کے کاٹتے ہی اونٹنی گری، اور سامہ کو بھی سانپ نے ڈس لیا، جب سامہ نے دیکھا کہ اب موت قریب ہے تو اس نے چند شعر کہے، جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

”اے لوئ کے بیٹے تو نے موت کے خوف سے بہت سے پیالے ایسے لنڈھائے جن کا تو لنڈھانے والا نہ تھا۔“

سامہ کی اولاد میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور سامہ بن لوئ کی اولاد سے اپنا تعلق ظاہر کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وہی سامہ جو شاعر تھا۔“

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! شاید آپ ﷺ نے اس کا شعر سنا ہوگا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

”ہاں“۔

عوف بن لوئ

عوف بن لوئ قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ سفر کو چلا، یہاں تک کہ جب غطفان بن سعدان بن قیس بن عیلان کی زمین میں پہنچا تو منزل پر پہنچنے پر اس کو دیر ہوگئی، اور اس کے ساتھی

اس سے پہلے پہنچ گئے، اور پھر اسے چھوڑ کر پہلے ہی آگے چل دیئے، اور اس کو ثعلبہ بن سعد بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان نے روک لیا اور اپنا بھائی بنالیا، اور وہیں اس کی شادی کر دی، جس سے اس کی اولاد اس ملک میں پھیلی۔

کعب بن لویٔ

کعب بن لویٔ کے تین بیٹے ہوئے، مرہ بن کعب، عدی بن کعب اور ہصیص بن کعب، اوران کی ماں کا نام وحشیہ بنت شیبان بن محارب بن فہر بن مالک بن نضر ہے۔

مرہ بن کعب

مرّہ بن کعب کے تین بیٹے ہوئے، کلاب بن مرہ، تیم بن مرہ اور یقظہ بن مرہ، کلاب بن مرہ کی ماں تو ہند بنت سریر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ ہے، یقظہ بارقیہ کی ماں، یمن کے قبیلہ بنی اسد کی شاخ بارق میں سے، اور کہا جاتا ہے کہ یہی عورت تیم کی ماں بھی تھی۔

بارق وہ لوگ کہلاتے ہیں، جو عدی بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امری القیس بن ثعلبہ بن مازن بن الاسد بن غوث کی اولاد ہیں، اور قبیلہ ازدشنوءہ میں سے تھے اور بارق ان کو اسی سبب سے کہتے ہیں کہ یہ برق کے پیرو تھے۔

کلاب بن مرہ

کلاب بن مرہ کے دو بیٹے پیدا ہوئے، قصی بن کلاب اور زہرہ بن کلاب اوران دونوں کی ماں فاطمہ بنت سعد بن سہیل یمن کے قبیلہ خثعم سے تھی، اور یہ لوگ بنی وائل بن بکر بن عبدمنات بن کنانہ کے حلیف تھے۔

خثعم کو خثعمہ الاسد اور خثعمہ الازد بھی کہتے ہیں، اور خثعمہ بن یشکر بن مبشر بن کلب بن دھمان بن نضر بن زہران بن حارث بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نضر بن اسد بن الغوث ہے۔

بعض کہتے ہیں:

> ''خثعمہ بن یشکر بن شبر بن صعب بن نضر بن زہران بن اسد بن غوث ہے، اور ان کو بنی جدرہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ عامر بن عمرو بن خزیمہ بن خثعمہ نے حرث بن مضاض جرہمی کی بیٹی سے شادی کی تھی، اور جرہم کے لوگ کعبہ کے خادم تھے،

چنانچہ عامر نے ان کے ساتھ کعبہ کی ایک دیوار بنوائی، اس دن سے لوگ ان کو جادر یعنی دیوار بنانے والے کہنے لگے، اور ان کی اولاد جدرہ کہلاتی ہے۔"

کلاب کی بیٹی سعد اور سعید کی ماں ہے، جو سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوئ کے دونوں بیٹے ہیں، اور ان کی ماں فاطمہ بنت سعد بن سہل ہے۔

قصی بن کلاب

قصی بن کلاب کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ عبد مناف بن قصی، عبد الدار بن قصی، عبد العزیٰ بن قصی اور تخمر بن قصی، اور ان سب کی ماں حبیٰ بنت حلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی ہے۔

عبد مناف

عبد مناف کی چار اولادیں ہوئیں۔

ہاشم بن عبد مناف، عبد الشمس بن عبد مناف اور مطلب بن عبد مناف، اور ان تینوں کی ماں عاتکہ بنت قرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہشہ بن سلیم بن منصور بن عکرمہ ہے، اور چوتھا بیٹا نوفل بن مناف ہے اور اس کی ماں واقدہ بنت عمرو مازنیہ ہے، اور مازن بن منصور عکرمہ ہے۔ ابوعمرو اور نماضر، قلابہ، حیہ، ریطہ، ام الاخثم اور ام سفیان یہ سب عبد مناف کی اولاد ہیں ابوعمرو اور ریطہ کی ماں ثقیف کی ایک عورت تھی، اور باقی تمام لڑکیوں کی ماں عاتکہ بنت قرہ بن ہلال تھی اور یہی ہاشم بن عبد مناف کی ماں بھی تھی، اور اس کی ماں صفیہ بنت حوزہ بن عمرو بن سلول بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن تھی، اور صفیہ کی ماں عائذ اللہ بن سعد العشیرہ بن مذحج کی بیٹی تھی۔

ہاشم بن عبد مناف

ہاشم بن عبد مناف کے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

عبد المطلب بن ہاشم، اسد بن ہاشم، اباصیفی بن ہاشم اور نضلہ بن ہاشم، جبکہ بیٹیوں کے نام یہ ہیں۔ شفاء بنت ہاشم، خالدہ بنت ہاشم، ضعیفہ بنت ہاشم، رقیہ بنت ہاشم اور حیہ بنت ہاشم عبد المطلب اور حیہ کی ماں تو سلمیٰ بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار ہے، اور نجار کا نام تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر ہے

اور اس کی ماں عمیرہ بنت صخر بن حارث بن ثعلبہ بن مازن بن نجار ہے، اور عمیرہ کی ماں کا نام سلمٰی ہے بنت عبدالاشہل نجاریہ اور اسد بن ہاشم کی ماں قیلہ ہے۔ بنت عامر بن مالک خزاعی اور ابی صیفی اور رحیہ کی ماں ہند ہے۔ بنت عمرو بن ثعلبہ الخزرجیہ اور نضلہ اور شفاء کی ماں قضاعہ میں سے ایک عورت تھی، اور خالدہ اور ضعیفہ کی ماں واقدہ بنت ابی عدی المازنیہ تھی۔

آل عبدالمطلب بن ہاشم

عبدالمطلب بن ہاشم کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔

بیٹوں کے نام عباسؓ، حمزہؓ، عبداللہؓ ابو طالب (جن کا نام عبدمناف تھا) زبیر، حارث، حجل، مقوم، ضرار اور ابولہب (جس کا نام عبدالعزیٰ تھا)

اور بیٹیوں کے نام یہ تھے۔

صفیہ، ام حکیم البیضا، عاتکہ، امیمہ، اروی اور برۃ

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ضرار کی ماں نُتَیلہ بنت جناب بن کلیب بن مالک بن عمرو بن عامر بن زید مناۃ بن عامر بن سعد بن خزرج بن تیم اللات بن نمر بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار۔

اور بعض اس طرح کہتے ہیں:

افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ، حمزہ، مسقوم اور حجل جن کا کثرت خیر اور تونگری کے سبب سے غیداق لقب تھا، اور صفیہ کی ماں ہالہ تھی، بنت وہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ اور عبداللہؓ، ابوطالب اور صفیہؓ کے سوا تمام بیٹیوں کی ماں فاطمہ تھی، بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر اور فاطمہ کی ماں کا نام صخرہ ہے، بنت عبد بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب اور صخرہ کی ماں کا نام تخمر بنت عبد قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب ہے، اور حرث بن عبدالمطلب کی ماں سمرا تھی، بنت جندب بن جحیر بن رئاب بن حبیب بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ اور ابولہب کی ماں لبنیٰ بنت ہاجر بن عبدمناف بن ضاطر بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی تھی۔

حضرت عبداللہؓ بن عبدالمطلب

عبداللہؓ بن عبدالمطلب کے ہاں اللہ کے آخری رسول ﷺ پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ خاتون ہیں۔ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن بھی کلاب بن مرہ بن کعب اور حضرت آمنہؓ کی والدہ کا نام برہ تھا۔ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب اور برہ کی ماں ام حبیب تھیں۔ بنت اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب اور ام حبیب کی ماں برہ بنت عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر ہے۔

رسول اللہ ﷺ ازروئے حسب نسب، ماں اور باپ دونوں کی طرف سے تمام اولاد آدم میں افضل واشرف ہیں۔

آبِ زمزم اور قریش

ایک روز حضرت عبدالمطلب بن ہاشم حجرہ میں سو رہے تھے کہ ان کو خواب میں کسی نے چاہ زمزم کو جسے پہلے قوم جرہم نے مکہ سے سفر کرتے وقت پاٹ دیا تھا، کھودنے کا حکم دیا۔

یہ کنواں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے برآمد کیا تھا۔ بچپن میں آپ علیہ السلام سخت پیاسے ہوئے تھے اور آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ ہاتھ میں چھاگل لیے ہوئے صفا پہاڑ پر کھڑی تھیں، اور پانی کے لیے اللہ سے دعا کر رہی تھیں، پھر کوہ مروہ پر آئیں اور دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حکم الٰہی سے ایڑی کو زمین پر مارا تھا، اور زمین میں سے چشمہ بہہ نکلا۔ اب ذرا اس واقعہ کی تفصیل کی طرف آتے ہیں۔

ہجرت فلسطین کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سارہ اور ان کی خادمہ حضرت ہاجرہؒ بھی آپؑ کے ہمراہ تھیں۔ مصر سے آپ بہت سے اونٹ اور مال و متاع ساتھ لائے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی، حضرت سارہ اس وجہ سے غمگین رہتی تھیں۔ اب تو عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی تھیں جہاں بچوں کی امید نہیں رہتی۔ یہ عمر یاس تھی۔ اس لیے آپ نے اپنی خادمہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ھبہ کر دی کہ وہ ان سے اولاد پیدا کریں۔ حضرت ہاجرہ بہت وفادار، فرمانبردار اور امانتدار خاتون تھیں۔

حضرت سارہ نے سوچا کہ ممکن ہے کہ ہاجرہ کے ہاں بچہ ہو جائے تو میاں بیوی کی زندگی میں روشنی بھر دے اور تنہائی اور وحشت میں خوشی و مسرت کے دیئے روشن کر دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا، اور ہاجرہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرزند کے لیے دعا کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا اور ان کو تسلی دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

"اے تمام جہانوں کے پروردگار! میں بے اولاد ہوں، تو مجھے ایک فرزند عطا فرما، تاکہ میرا کوئی وارث ہو۔"

یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پیدا ہو جانا حضرت سارہ پر بے حد شاق گزرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اور بڑی بیوی، قدیم سے گھر کی مالکہ، ہاجرہ چھوٹی بیوی اور ان کی خدمت گزار، یہ سب باتیں تھیں جنہوں نے بشری تقاضے کے پیش نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کو حضرت سارہ کے لیے سوہان روح بنا دیا تھا۔ اس لیے حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اصرار کیا:

"ہاجرہ اور اس کا بچہ میری نگاہ کے سامنے عذر ہیں، ان کو علیحدہ کسی جگہ لے جائیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اصرار بے حد ناگوار گزرا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلع فرمایا:

"ہاجرہ، اسماعیل اور تیرے لیے مصلحت اسی میں ہے، کہ سارہ جو کچھ کہتی ہے اس کو مان لے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے، ہاجرہ اور اسماعیل کو ساتھ لیا، اور ارشاد خداوندی اور ہدایت الٰہی کی رہنمائی میں چل پڑے۔ اس سواری کی حدی خوان عنایت ربانی تھی۔ یہ مختصر مگر مقدس قافلہ کئی دن تک سفر کرتا رہا۔ راستہ پر پیچ اور لمبا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سواری وہاں آ کر رک گئی، جہاں اب بیت اللہ شریف کی عمارت ہے۔ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام اس بے آب و گیاہ میدان میں اترے، اور

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اس ویرانے میں چھوڑ دیا، کمزور عورت اور ایک چھوٹا سا معصوم بچہ ہاتھ میں کچھ نہیں، نہ کھانے کے لیے کھانا اور نہ پینے کے لیے پانی' صرف ایک تھیلی میں تھوڑا سا کھانا ہے اور مشک میں تھوڑا سا پانی۔ اگر ان کے پاس کچھ تھا تو دولت ایمان تھی جس سے ان کے دل آباد تھے۔ انہیں کسی چیز کی کوئی پرواہ بھی نہ تھی، کیونکہ دل عشق الٰہی کی آماجگاہ بن چکے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو لے کر وہاں پہنچے جہاں آج کعبہ ہے۔ اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی، اور پانی کا بھی نام و نشان نہ تھا، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں، اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہو گئے حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں:

"اے ابراہیم! تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیئے نہ آدم ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس و غم خوار"۔

حضرت ہاجرہ برابر یہ کہتی جا رہی تھیں، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے، آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا:

"کیا تیرے خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے؟"

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

"ہاں، یہ خدا کے حکم سے ہے"۔

حضرت ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں:

"اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا"۔

اور پھر واپس لوٹ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے ٹیلہ پر ایسی جگہ پہنچے کہ ان کے اہل و عیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے' تو اس جانب جہاں کعبہ ہے رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

"اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔

اے ہمارے رب! اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز پس نرم کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں

سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ (سورہ ابراہیم: ۳۷)

حضرت ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا، اور صبر وجمیل سے کام لیا، جو کچھ پاس تھا اسے تناول فرماتی رہیں، اور مشک کے پانی سے پیاس بجھاتی رہیں۔ یہاں تک کہ تھیلے میں جو تھوڑی سی خوراک تھی وہ ختم ہوگئی اور مشک میں بھی پانی نہ رہا۔

بچہ بھی سارا دن بھوکا پیاسا رہا، جب حالت دگرگوں ہونے لگی، اور بچہ بے تاب ہونے لگا تو ہاجرہ اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تا کہ اس حالت زار میں اس کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آجائے یا کہیں پانی ہی نظر آجائے، مگر کچھ نظر نہ آیا۔ پھر بچے کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں، اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں، اور وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا، تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی سے بچے کے پاس آ گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا۔

آخر میں جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی چونکیں، اور دل میں کہنے لگیں:

"شاید کوئی پکار رہا ہے"

کان لگایا تو پھر آواز آئی۔

حضرت ہاجرہ کہنے لگیں:

"اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ"

حضرت جبرائیل سامنے آئے، انہوں نے اپنا پَر اس جگہ مارا جہاں زمزم ہے، اس جگہ سے پانی ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے یہ دیکھا تو پانی کے چاروں طرف باڑھ بنانے لگیں، مگر پانی مسلسل ابلتا رہا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالیشان ہے:

"اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہ السلام پر رحم کرے، اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چاروں طرف باڑھ نہ لگا دیتیں، تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا"۔

ایک روایت میں اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے:

"زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پاؤں کی ٹھوکروں سے جاری ہوا"۔

یہ چشمہ بیئر زمزم کے نام سے مشہور ہے یہ چشمہ قیامت تک جاری رہے گا۔
چشمہ پھوٹتے ہی پرندوں کے غول کے غول کھچے چلے آئے، اور اس کے ارد گرد منڈلانے لگے، اور حلقہ باندھ کر اڑنے لگے۔ بنی جرہم کا قبیلہ اس جگہ کے قریب کہیں سفر کر رہا تھا، انہوں نے پرندوں کو اترتے اور حلقہ بنا کر منڈلاتے دیکھا وہ سمجھ گئے کہ یہاں پانی ضرور ہے۔ انہوں نے ایک آدمی کو بھیجا کہ جا کر پتہ کرے کہ پانی کہاں ہے؟ اور انہیں صورت حال سے آگاہ کرے۔

جب وہ آدمی چشمہ کے قریب پہنچا تو پانی موجود تھا، دوڑتا ہوا گیا، اور جا کر اپنے قبیلے کے لوگوں کو خوشخبری دی۔ لوگ بہت خوش ہوئے اور یکے بعد دیگرے چشمہ پر پہنچ گئے۔

قبیلہ جرہم اور آب زمزم

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو ان کے بعد ان کے فرزند ثابت بن اسماعیل کعبہ کے متولی ہوئے، پھر ان کے بعد مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوئے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ثابت بن اسماعیل کی اولاد کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی تھا، اور جرہم اور قطوراً یمن سے آ کر مکہ میں آباد ہوئے تھے، اور یہ دونوں چچا زاد بھائی تھے جرہم کا سردار مضاض بن عمرو تھا، اور قطوراً کا سردار سمیدع تھا۔
جب یہ لوگ مکہ میں پہنچے تو ایک سرسبز شاداب جگہ دیکھ کر وہیں ٹھہر گئے، جرہم نے تو مقام قعیقان جو مکہ کی اوپر کی جانب ہے، نزول کیا اور سمیدع نے مقام قطوراً میں جو مکہ کے نشیبی جانب میں ہے قیام کیا۔ پھر جو شخص مکہ کی بلند جانب سے مکہ میں آتا اس سے سمیدع عشر لیتا، اور جو نشیبی جانب سے آتا اس سے مضاض عشر لیتا تھا، اور ان کی آپس میں اس قدر شدید عداوت تھی کہ ایک دوسرے سے ملاقات نہ کرتے تھے، اور اسی عداوت کے باعث ان میں جنگ بھی واقع ہوئی، اور بنو اسماعیل بھی اس جنگ میں مضاض ہی کے شریک تھے، ادھر سے مضاض اپنے تیر اندازوں اور شمشیر بازوں کو لے کر چلا، اور ادھر سے سمیدع اپنی فوج کو لے کر آیا، یہاں تک کہ مقام فاضح میں ان کا سخت مقابلہ ہوا سمیدع اس جنگ میں کام آ گیا اور مضاض کو فتح نصیب ہوئی۔

پھر دونوں اقوام میں صلح ہوگئی اور سب نے مضاض کو اپنا بااختیار بادشاہ تسلیم کرلیا، مضاض نے جس وقت مکہ کی سلطنت ہاتھ میں لی تو اس نے ایک عالیشان جلسہ کیا، اور اونٹوں کی قربانیاں کر کے تمام اہل مکہ کی دعوت کی۔

یہ جنگ جو سمیدع اور مضاض کے مابین ہوئی مورخین کے نزدیک مکہ میں پہلا فساد تھا، پھر اولاد اسماعیل کو اللہ تعالیٰ نے مکہ میں خوب پھیلایا اور ان کے ماموؤں بنی جرہم میں جو مکہ کے متولی اور حاکم تھے، اور اس بارے میں بنی اسماعیل ان سے کچھ جھگڑا نہ کرتے تھے۔ محض ان کی قرابت داری اور بزرگی اور کعبہ کی عظمت وحرمت کے خیال سے تاکہ وہاں جنگ وجدل اور قتل و قتال نہ ہو، پھر جب مکہ میں اولاد اسماعیل کی گنجائش نہ رہی تب یہ شہروں میں منتشر ہوئے، اور جس قوم سے جاکر لڑے اس پر غالب آئے۔ پھر جرہم نے کعبہ میں ظلم کرنا شروع کیا، بہت سی ناجائز باتوں کو جائز کرلیا، اور جو مسافر آتا اس پر ظلم کرتے اور خاص خانہ کعبہ کے لیے جو نذر نیاز آتی خود اس کو اپنے کام میں لے آتے۔

بنو بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ اور غبشان نے جو خزاعہ میں سے تھے، جرہم کی یہ کارروائیاں دیکھیں سب ان سے جنگ کے لیے تیار ہوئے، اور ان کو پیغام جنگ دے کر اس قدر ان سے لڑے کہ آخر ان کو بھاگتے ہی بن آئی، اور بنو بکر اور غبشان نے ان پر غالب ہو کر ان کو وہاں سے نکال باہر کیا۔

زمانہ جاہلیت میں مکہ کے اندر یہ تاثیر تھی کہ کوئی ظالم وہاں نہ ٹھہر سکتا تھا، جو شخص اس میں ظلم شروع کرتا اس کو مکہ اپنے اندر سے نکال دیتا، چنانچہ اسی سبب سے اس کا نام نامہ ہوگیا تھا، اور جو بادشاہ اس کی بے حرمتی کا ارادہ کرتا فوراً ہلاک ہو جاتا۔

کہتے ہیں کہ مکہ کو مکہ اس لیے کہتے ہیں کہ جب ظالم اس میں ظلم کرتے تو ان کی گردنیں ٹوٹ جاتی ہیں ایک دوسری روایت یہ ہے۔

"بکہ مکہ کے میدان کا نام ہے، اور بکہ اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ لوگوں کا اس میں زبردست اجتماع ہوتا ہے"۔

عمرو بن حرب بن مضاض جرہمی نے چلتے وقت حجر اسود اور کعبہ کے پردے چاہ زمزم میں ڈال کر اس کو بند کر دیا اور یمن کی طرف چلے گئے، اور مکہ مکرمہ کی مفارقت اور جدائی کا بہت

بڑا داغ سینے پر لے گئے۔

بنی خزاعہ اور مکہ

جرہم کے جلا وطن کرنے کے بعد بنی غبشان جو قبیلہ خزاعہ میں سے تھے، کعبہ کے متولی ہوئے، عمرو بن حارث غبشانی ان کا سردار تھا، اور قریش ان دنوں اپنی قوموں کے اندر متفرق رہتے تھے۔ کعبہ کی تولیت خزاعہ کے اندر یکے بعد دیگرے چلی آتی تھی، یہاں تک کہ ان کا آخری جانشین حُلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی ہوا۔

قصی بن کلاب نے اس کی بیٹی حُبیؓ بنت حُلیل کو اپنا پیغام دیا، اس نے بخوشی خاطر ان سے شادی کر لی، چنانچہ قصی کے ہاں اس بیوی سے چار فرزند پیدا ہوئے، عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدا، پھر جب قصی کے مال و اولاد نے ترقی کی اور قوم کے اندر بھی ان کو عزت اور شرف حاصل ہوا، اور حلیل ان کے خسر نے وفات پائی، تب انہوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کعبہ کی تولیت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے، نہ بنی بکر نہ خزاعہ، کیونکہ قریش خاص حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، تب قصی نے بنی کنانہ اور قریش سے اس سلسلے میں گفتگو کی:

"بنی خزاعہ اور بنی بکر کو مکہ سے خارج کیا جائے"۔

بنی کنانہ اور قریش اس بات میں متفق ہو گئے۔

ایک روایت یہ ہے:

"بنی عذرہ میں سے ایک شخص ربیعہ بن حرام مکہ آیا، اور اس نے فاطمہ بنت سعد بن سہل سے نکاح کیا، اور فاطمہ کے اس وقت دو بیٹے ایک زہرہ، ہوشیار اور دوسرا قصی، شیر خوار موجود تھے، اور ان دونوں کو بھی ربیعہ بن حرام اپنے ساتھ لے گیا، پھر فاطمہ یعنی قصی کی ماں کے ہاں ربیعہ بن حرام سے رزاح پیدا ہوا، اس کے بعد جب قصی سن تمیز کو پہنچا تب مکہ آ کر انہوں نے بود و باش اختیار کی، اور اپنی قوم یعنی بنی کنانہ اور قریش کو اپنی اس دلی آرزو یعنی تولیت خانہ کعبہ کی طرف بلایا، سب نے قبول کیا، پھر اس نے اپنی ماں شریک بھائی رزاح کو اپنی مدد کے لیے بلایا، وہ اپنے تمام بھائیوں یعنی حن بن ربیعہ، محمود بن ربیعہ، اور جہمہ بن ربیعہ کو جو فاطمہ کے سوا دوسری ماں سے تھے لے کر مکہ میں آ گیا، اور

بنی قضاعہ میں سے جو لوگ حج کے لیے آئے تھے، وہ سب بھی قصی کی امداد کے لیے تیار ہو گئے۔"

اور قبیلہ خزاعہ کے لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید حلیل بن حبشیہ نے تولیت کعبہ کی اپنے داماد کو وصیت کر دی ہے اور کہا ہے کہ تم اس کے مستحق ہو، تم ہی متولی رہو۔

یہ روایت ہم نے ان لوگوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنی، واللہ! کون سی روایت درست ہے۔

قصی بن کلاب اور تولیت کعبہ

رزاح قصی بن کلاب کی مدد کو پہنچ چکا تھا۔

بنی صوفہ اپنے دستور کے مطابق تولیت کعبہ کی خدمت میں مصروف تھے کہ قصی بن کلاب نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آ کر ان کی مزاحمت کی اور کہا:

"ان امور تولیت کے ہم تم سے زیادہ مستحق ہیں۔"

بنی صوفہ ان سے جنگ و مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے، اس جنگ میں فریقین کے بہت سے آدمی مقتول ہوئے، اس جنگ میں بنی صوفہ کو شکست ہوئی، اور قصی بن کلاب کو فتح و غلبہ نصیب ہوا، بنی صوفہ کا تمام مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا، پھر اس کے بعد بنی بکر اور بنی خزاعہ کو یہ خیال ہوا کہ قصی بن کلاب ہم سے بھی ہماری خدمتیں چھین لے گا، جیسے کہ بنی صوفہ سے ان کی خدمت چھین لی، چنانچہ اسی اندیشہ سے وہ بھی برسر جنگ ہوئے، اور بے حد جنگ و جدال اور قتل و قتال کے بعد وہ صلح پر مجبور ہو کر اس بات کے متلاشی ہوئے کہ عرب کا کوئی معزز آدمی ان کی قصی بن کلاب سے صلح کرا دے، چنانچہ کافی تلاش و بسیار کے بعد یعمر بن عوف بن کعب بن عامر بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ کو انہوں نے حاکم مقرر کیا، مگر اس حاکم نے یہ فیصلہ کیا:

"قصی بن کلاب کعبہ کی تولیت کا بنی خزاعہ سے زیادہ حقدار ہے اور جس قدر لوگ بنی خزاعہ اور بنی بکر کے قصی بن کلاب نے اور اس کے لشکر نے قتل کیے ہیں ان کے خون بہا کے یہ حق دار نہیں ہیں اور نہ اس کے قتل کی ان سے باز پرس ہے، اور جس قدر لوگ قریش اور بنی کنانہ اور قضاعہ میں سے بنی بکر کے قصی بن کلاب نے اور اس کے لشکر نے قتل کیے ہیں۔ ان کے خون بہا کے یہ

حقدار نہیں ہیں۔ بنی بکر اور خزاعہ نے قتل کیے ہیں ان کا خون بہا ان کے ذمہ واجب الادا ہے، اور قصی بن کلاب کے لیے خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت خالی کردی جائے۔ اس کی بابت کسی کو ان سے پرخاش نہ رکھنی چاہیے۔"

جب قصی بن کلاب بیت اللہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت پر مسلط ہوگئے تو انہوں نے تمام اطراف سے اپنی قوم کو بلا کر مکہ میں آباد کیا، اور اہل مکہ کو جن چیزوں کے وہ مالک تھے، ان کا مالک رکھا اور جو خدمتیں ان کے سپرد تھیں، ان پر انہیں قائم رہنے دیا۔ چنانچہ بنی صفوان، بنی عدوان، بنی مناۃ اور بنی مرہ بن عوف جس خدمت پر متعین تھے، اسی پر قائم رہے، اور ان کا سبب یہ تھا کہ قصی بن کلاب ان لوگوں کی خدمتوں پر قائم رہنے پر دین ہی میں شامل سمجھتے تھے، اور ان کے نزدیک ان لوگوں کا ان کی خدمت سے معزول کرنا جائز نہ تھا، یہاں تک کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب امور کو باطل اور نیست و نابود کردیا۔

قصی بن کلاب بن کعب بن لوئ میں سے پہلے شخص تھے، جن کو حکومت نصیب ہوئی، اور ان کی تمام قوم نے ان کی اطاعت اختیار کی، اور خانہ کعبہ کی کل خدمات مثل حجابہ، سقایہ، رفادہ، ندوہ اور لواان کے تصرف میں آئیں، اور انہوں نے مکہ کی بلند جانب میں اپنی سکونت اختیار کی، اور اپنی قوم کے لیے مکہ کے چار حصے کردیئے اور ہر قبیلہ کے لیے اس میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔

پھر لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ قریش اپنے گھروں میں حرم کے درخت قطع کرنے سے ڈرتے ہیں، قصی نے جب یہ سنا تو خود اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کا درخت کاٹ ڈالا، اور قریش نے بھی اس بات کو سن کر مبارک سمجھا اور ان کی تقلید کرنے لگے، پھر تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ قریش کے اندر ہر ایک شادی بیاہ کی تقریب اور کوئی قصہ قضیہ یا لڑائی جھگڑا اپنے یا بیگانوں سے ایسا نہ ہوتا تھا جو قصی بن کلاب کے بغیر مشورہ ہوتا، اور جب کسی جنگ کا موقع ہوتا تو قصی بن کلاب اپنے ہاتھ سے ان کو جھنڈا بنا کر دیتے تھے اور یہ بھی قاعدہ تھا کہ قریش کی جب کوئی لڑکی بالغ ہوتی تو قصی بن کلاب کے مکان میں لاکر اس کی پہلی اوڑھنی پھاڑ ڈالتے تھے اور نئی اوڑھنی پہنا کر اس کے گھر لے جاتے تھے۔ القصہ مختصر قصی بن کلاب کے اقوال و افعال ان کی حیات اور ممات کے بعد ان کی قوم کے اندر قوانین مذہب کے جاری تھے، اور نہایت خوشی کے ساتھ ان کی پیروی کی

جاتی تھی، قصی بن کلاب نے ایک عالیشان مکان بنایا تھا اور اس کا نام دارالندوہ رکھا تھا، اور اس کا دروازہ خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ اسی مکان میں قریش کے تمام امور کا فیصلہ ہوتا تھا۔

جب قصی بن کلاب ان امور سے فارغ ہوگئے تب ان کا ماں شریک بھائی رزاح بن ربیعہ اپنی قوم کے ساتھ اپنے ملک کی طرف رخصت ہوگیا، اور وہاں بہ فراغت زندگانی بسر کرنے لگا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد میں برکت عنایت فرمائی، چنانچہ قبیلہ بنی عذرہ اب انہیں کی اولاد میں سے موجود ہے اور جب رزاح بن ربیعہ اپنے وطن مالوف میں آکر سکونت پذیر ہوا تو اس کے اور بنی ہند بن زید اور بنی حوتکہ بن اسلم کے درمیان میں جو بنی قضاعہ میں سے دو قبیلے تھے کچھ اختلاف ہوگیا، رزاح بن ربیعہ نے ان دونوں قبائل کو ایسا خوف زدہ کیا اور دھمکایا کہ یہ دونوں قبائل وہاں سے شہر بدر ہوکر یمن میں جابسے، چنانچہ اب بھی وہ یمن میں موجود ہیں۔

جب قصی بن کلاب کا زمانہ پیرانہ سالی کا آیا، اور ان کے اعضاء رقیق اور کمزور ہوگئے، تب انہوں نے اپنے فرزند عبدالدار سے کہا:

> ''اے میرے فرزند! میں تجھ کو قوم کا سردار بناتا ہوں، بغیر تیرے دروازہ کھولے کوئی شخص کعبہ میں داخل نہ ہوسکے گا، اور تو ہی قریش کے لیے ہر جنگ کے لیے علم تیار کرے گا، اور مکہ کا ہر شخص تیرے ہی پانی پلانے سے زمزم کا پانی پیئے گا، اور حاجیوں میں سے ہر ایک تیرا ہی کھانا کھائے گا، اور قریش کوئی کام تیرے مشورہ کے بغیر نہ کریں گے، ہر ایک فیصلہ تیرے ہی مکان میں ہوا کرے گا۔''

اور پھر قصی بن کلاب نے بیت اللہ شریف کی تمام خدمتیں یعنی حجابہ! لواء، سقایہ اور رفادہ سب اپنے فرزند عبدالدار کے سپرد کردیں، اور رفادہ کا یہ دستور تھا کہ قصی بن کلاب نے تمام قریش پر ایک رقم سالانہ خراج کے مقرر کی تھی، اور ایام حج میں اس رقم کو وصول کرکے اس سے کھانا پکا کر حاجیوں کو کھلایا جاتا تھا، اور جب اس رسم کو قصی بن کلاب نے ابتداء کی تھی، اس وقت تمام قریش کو جمع کرکے کہا:

> ''اے معشر قریش! تم خدا کے پڑوسی اور اہل بیت اور اہل حرم ہو، اور حاجی خدا کے مہمان ہیں، اور اس کے گھر کی زیارت کرنے والے ہیں، اور یہ مہمان اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ تم ان سے بخاطر مدارت پیش آؤ، تم پر فرض ہے

کہ ان ایام حج میں دعوت و مہمانی کرو، جب تک وہ تمہارے پاس سے رخصت نہ ہو جائیں۔“

قریش نے اس حکم کو بسرو چشم قبول کیا، اور ہر شخص اپنے اپنے گھر سے اس کارِ خیر کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق لا کر جمع کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک کثیر رقم جمع ہو جاتی تھی، پھر قصی بن کلاب کے تمام انتظام سے اس کا کھانا پک کر ان ایام میں جبکہ حاجی منیٰ میں مقیم ہوتے ہیں، ان پر تقسیم کیا جاتا تھا پھر یہی رسم قصی بن کلاب کے بعد ظہورِ اسلام تک جاری رہی' اور اسلام میں بھی یہ طریقہ قائم رہا، چنانچہ آج تک موجود ہے' اور سلطان کی طرف سے ہر سال جو کھانا مساکین کو تقسیم کیا جاتا ہے، یہ اسی قدیم رسم کے مطابق ہے۔

قصی بن کلاب نے اپنی حیات ہی میں اپنی قوم کے تمام اختیارات جو ان کے ہاتھ میں تھے، اپنے فرزند عبدالدار کے سپرد کر دیئے تھے' اور قصی بن کلاب وہ شخص تھے کہ جو کام یہ کرتے تھے ان کی کوئی مخالفت نہ کرتا تھا اور نہ ان کا کوئی حکم رد کیا جاتا تھا۔

وفات قصی اور اختلاف قریش

قصی بن کلاب کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک ان کی اولاد میں بلا نزاع خانہ کعبہ کی تمام خدمتیں رہیں' مکہ کی جو زمینیں انہوں نے اپنی قوم میں تقسیم کی تھیں، اس پر وہ قابض و متصرف رہے، اور ان کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے۔

پھر بنی عبد مناف میں سے ہاشم اور مطلب اور نوفل نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عبدالدار سے تمام خدمتیں چھین لینی چاہئیں، جو کہ قصی بن کلاب نے اپنے فرزند عبدالدار کے سپرد کی تھیں، اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم اپنے چچا زادوں یعنی بنی عبدالدار سے افضل اور اشرف ہیں، چنانچہ اس وقت سے قریش میں تفرقہ پڑا، کچھ لوگ بنی عبدالدار کو اس کے لیے مناسب سمجھتے تھے، کیونکہ قصی بن کلاب نے خود عبدالدار کو اس کام کے لیے منتخب کیا تھا۔ بنی عبد مناف میں اس وقت سرکردہ عبد شمس بن عبد مناف تھا، کیونکہ یہی شخص ان میں زیادہ عمر رسیدہ تھا، اور عبدالدار کا سرِ گروہ عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار تھا، اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تیم بن مرہ بن کعب اور بنی حارث بن فہر بن مالک بن نضر بن عبد مناف کے ساتھ تھے۔

بنی مخزوم بن یقظہ بن مرہ اور بنی سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب اور بنی جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب اور بنی عدی بن کعب بنی عبدالدار کے ساتھ تھے، اور عامر بن لوئی اور محارب بن فہر فریقین میں سے کسی کے ساتھ نہ تھے، یہ دونوں سے جدا ہوگئے تھے، بنی عبدالدار کے جس قدر ساتھی تھے، انہوں نے ان کی امداد اور اعانت پر قسم کھائی، اور بنی عبد مناف کے جس قدر ساتھی تھے انہوں نے ان کی یاری پر قسم کھائی اور عہد کیا:

''ہم اپنے ساتھیوں کی مدد ترک نہ کریں گے۔''

بنی عبد مناف نے ایک بڑا برتن عطر سے بھر کر اپنے دوستوں کے سامنے پیش کیا بعض لوگ کہتے ہیں:

''عطر سے بھرا وہ برتن عبد مناف کی کسی عورت نے بھیجا تھا۔''

بہر حال عطر سے بھرا وہ برتن سب دوستوں اور مددگاروں کے سامنے لا کر مسجد الحرام میں کعبۃ اللہ کے پاس رکھا گیا، اور سب نے اس میں اپنے ہاتھ تر کر کے وہ خوشبو لگائی اور عہد کیا، اور پھر اس عہد کی پختگی کے لیے خانہ کعبہ پر ہاتھ رکھے' اور اس دن سے عداوت کی بنیاد ان قبائل میں قائم ہوگئی، اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو برا کہنے لگا، چنانچہ بنی عبد مناف بنی سہم کی عیب جوئی کرتے تھے، اور بنی اسد بنی عبدالدار کو برا بھلا کہتے تھے۔

پھر جب یہ سب قبائل جنگ و جدال کے لیے تیار ہوگئے تو یکا یک ان میں صلح کی گفتگو ہونے لگی، اور یہ بات قرار پائی کہ سقایہ اور رفادہ بنی عبد مناف کے سپرد کر دیں، اور حجابہ اور لواء اور ندوہ بنی عبدالدار ہی میں بدستور پہلے کی طرح قائم رہیں۔

بنی عبدالدار نے اس بات کو تسلیم کر لیا، اور فریقین مطمئن ہوگئے، اور جن لوگوں نے امداد پر قسمیں کھائی تھیں، وہ اپنی قسموں پر ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ اللہ نے اسلام کو ظاہر فرما دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

''زمانہ جاہلیت کی (اتفاق اور امداد پر) جو معاہدے تھے اسلام نے ان کو پختہ اور مضبوط کر دیا ہے''۔

رفادہ اور سقایہ ہاشم کی تولیت میں

رفادہ اور سقایہ ہاشم بن عبد مناف کی تولیت میں آنے کا سبب یہ واقعہ ہوا کہ عبد شمس

اکثر سفر میں رہتے تھے، اور مکہ میں ان کا قیام بہت کم ہوتا تھا، وہ زیادہ سفر میں اس لیے رہتے تھے کہ وہ تنگ دست اور کثیر العیال تھے، اور ان کے بھائی ہاشم دولت مند تھے، انہیں سفر کی چنداں ضرورت نہ ہوتی تھی' چنانچہ ان کا یہ دستور تھا کہ جب حج کا موسم آتا تو یہ قریش میں اس طرح وعظ کہتے:

"اے معشر قریش! تم خدا کے پڑوسی اور اس کے اہل بیت ہو، اور تمہارے پاس ان ایام میں کعبہ کی زیارت کرنے والے اور اس کے حاجی آتے ہیں' وہ خدا کے مہمان ہیں' اور اسی سبب سے وہ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کا احترام کیا جائے' پس تم کو لازم ہے کہ جو کچھ تم ان کی مہمانی کے لیے کھانا وغیرہ مہیا کر سکتے ہو وہ کرو، قسم ہے خدا کی اگر میرے پاس اس قدر مال ہوتا جو ان کی دعوت مہمانی کو کفایت کرتا تو میں ہرگز تم لوگوں کو اس کی تکلیف نہ دیتا۔"

اس وعظ سے متاثر ہو کر قریش میں سے ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق لا کر ان کے پاس جمع کرتا، اور یہ اس مال کو حاجیوں کی مہمانی میں خرچ کرتے۔

ہاشم کی شخصیت

ہاشم ہی وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے قریش کے لیے دو سفر مقرر کیے، ایک رحلۃ الشتاء اور ایک رحلۃ الصیف، اس کی طرف سورہ القریش میں اشارہ ہے، اور ہاشم ہی نے سب سے پہلے حاجیوں کو کھانا کھلایا جو ثرید کہلاتا ہے، ان کا اصل نام عمرو تھا، ہاشم ان کو اس لیے کہنے لگے کہ یہ مکہ میں اپنی قوم کو چورا روٹیاں کھلاتے تھے۔

ہاشم کا انتقال شام کے مقام غزہ میں ہوا، جہاں وہ بغرض تجارت گئے ہوئے تھے۔

مطلب بن عبد مناف

ہاشم کے بعد سقایہ اور رفادہ، مطلب بن عبد مناف کو تفویض ہوئے، جو عبد شمس کے چھوٹے بھائی تھے، قریش ہاشم کے جود و کرم کے سبب سے ان کو فیض کہتے تھے، اور یہ ساری قوم میں شریف اور بزرگ مانے جاتے تھے۔

ہاشم نے مدینہ میں آ کر سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کی تھی' اور یہ عورت قبیلہ بنی النجار میں سے تھی، اور ہاشم سے پہلے اس کا خاوند احیحۃ بن الجلاح بن الحریش تھا۔

الحریش کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

حریش بن ججحجی بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس، اور سلمٰی کے ہاں احیحہ سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا تھا، اور یہ عورت ایسی تھی کہ اپنے شرف اور بزرگی کے گھمنڈ پر کسی مرد کو خاطر میں نہ لاتی تھی، اور جب کسی سے شادی کرتی تھی تو اس شرط پر کہ جب اس کو منظور ہوگا، اس مرد سے علیحدگی اختیار کرے گی، اور ہر کام میں خود مختار رہے گی۔

شیبہ (عبدالمطلب)

پھر ہاشم سے بھی اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام اس نے شیبہ رکھا، شیبہ ان کا نام اس سبب سے رکھا گیا تھا کہ ان کے سر میں پیدائشی چند سفید بال تھے، اور بالوں کی سفیدی کو عربی میں شیب کہتے ہیں۔ شیبہ کی کنیت ان کے بڑے بیٹے کے نام پر ابوالحارث تھی۔

ہاشم ایک عرصہ وہاں رہ کر بیوی اور بیٹے کو چھوڑ کر مکہ چلے آئے، پھر بمقام غزہ ملک شام میں ان کا انتقال ہوا، شیبہ جب اپنی ماں سلمٰی کے پاس رہتے ہوئے جوان ہوئے تو ان کے چچا مطلب ان کو لینے کے لیے مدینہ آئے، سلمٰی نے اپنے فرزند کو ان کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا۔

مطلب نے کہا:

"جب تک تم میرے بھتیجے کو روانہ نہ کرو گی، میں ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا، ہم لوگ اپنی قوم میں نہایت عزت دار اور معزز ہیں، اور اپنی قوم اور شہر کے تمام انتظامات ہم ہی کو کرنے پڑتے ہیں، یہ ہمارا فرزند غیر قوم میں مسافرانہ رہتا ہے اس کا اپنی قوم میں رہنا اس کے لیے نہایت ہی مناسب اور بہتر ہے۔"

مطلب نے اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں اس قبیل سے کہیں، اور پھر شیبہ سے کہا:

"تمہیں میرے ساتھ چلنے سے کیا انکار ہے۔"

شیبہ نے عرض کیا:

"میں ہر طرح سے آپ کا مطیع اور فرمانبردار ہوں، مگر میں اپنی والدہ کی اجازت بھی ہر کام میں ضروری سمجھتا ہوں۔"

آخر سلمٰی نے اپنے فرزند شیبہ کو مطلب کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی، اور مطلب اپنے ساتھ اونٹ پر شیبہ کو سوار کرا کے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، جس وقت یہ مکہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے شیبہ کو ان کی پشت پر سوار دیکھا تو کہنے لگے:

''مطلب نے غلام خریدا ہے، اس کو اپنے ساتھ لائے ہیں۔''

جب مطلب نے یہ گفتگو سنی تو فرمایا:

''تم کو خرابی ہو، تم نہیں جانتے کہ یہ میرا بھتیجا شیبہ ہے اس کو میں اس کی ماں کے پاس سے لایا ہوں، یہ میرا غلام نہیں ہے۔''

مگر اس روز سے عام طور پر شیبہ کا نام عبدالمطلب ہی مشہور ہو گیا۔

عبدمناف کا اصل نام مغیرہ تھا، اور ان کی اولاد میں سے پہلا وہ شخص جو سفر میں فوت ہوا وہ ہاشم ہے، جس نے مقام غزہ ملک شام میں وصال پایا۔

مطلب کے بعد عبدالمطلب بن ہاشم سقایہ اور رفادہ کے متولی ہوئے، اور اپنے بزرگوں کی طرح تمام اختیارات بحسن وخوبی انجام کو پہنچائے۔ اور ساری قوم میں وہ عزت وشرف حاصل کیا، جو ان کے بزرگوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا، تمام قوم ان کی مطیع اور محب تھی، اور ان کی تعظیم وتکریم اپنی سعادت سمجھتی تھی۔

چاہ زمزم کا دریافت کرنا

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قبیلہ جرہم کے لوگ مکہ سے جاتے وقت چاہ زمزم کو مٹی سے پر کر کے زمین کے برابر کر گئے تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے زمانہ میں اس کو کھود کر نکالا۔

عبدالمطلب کہتے ہیں:

''میں رات کو سو رہا تھا کہ خواب میں مجھ سے ایک شخص نے کہا''۔

''طیبہ کو کھودو''۔

میں نے کہا:

''طیبہ کیا چیز ہے؟''

وہ شخص بغیر جواب دیئے چلا گیا، پھر دوسرے روز جب میں سویا، وہ شخص خواب میں آیا، اور کہا:

''برہ کو کھودو''۔

میں نے کہا:

''برہ کیا چیز ہے؟''

وہ شخص بغیر جواب دیئے چلا گیا، پھر تیسرے روز جب میں سویا، وہ شخص خواب میں آیا اور کہا:

''مضنونہ کو کھودو۔''

میں نے کہا:

''مضنونہ کیا ہے؟''

وہ شخص جواب دیئے بغیر چلا گیا، پھر چوتھے روز جب میں سویا، پھر وہ شخص خواب میں آیا اور کہا؛

''زمزم کو کھودو''۔

میں نے کہا:

''زمزم کیا ہے؟''

اس نے کہا:

''زمزم ایک چشمہ ہے جس کا پانی کبھی کم نہیں ہوگا، اور اسے کھودنے میں تمہیں زیادہ مشقت نہیں کرنا پڑے گی، وہ اس جگہ ہے جہاں تم لوگ قربانیاں کرتے ہو، اور وہیں چیونٹیوں کے بل بھی ہیں، اور تم صبح کو ایک کوا وہاں چونچ سے زمین کریدتا دیکھو گے۔''

جب اس غیبی شخص نے ان کو زمزم کا پورا پتہ اور نشان بتا دیا، تو صبح ہوتے ہی عبدالمطلب کدال اور پھاوڑہ لے کر وہاں پہنچ گئے، انہوں نے اپنے فرزند حارث کو بھی ساتھ لیا، اس وقت سوائے حارث کے اور کوئی بیٹا ان کے ہاں نہ تھا، دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کھودنا شروع کیا، یہاں تک کہ قلیل عرصہ میں یہ تہہ تک پہنچ گئے اور پانی کی آمد نمودار ہوئی۔

عبدالمطلب نے اسے دیکھ کر بڑے زور سے تکبیر کہی، جس پر قریش نے جان لیا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں، اس پر وہ آئے اور کہنے لگے:

''اے عبدالمطلب! یہ ہمارے باپ اسماعیل (علیہ السلام) کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے، تم ہم کو اپنے ساتھ شریک کرلو۔''

عبدالمطلب نے کہا:

''یہ نہیں ہوسکتا، یہ خاص میرے لیے ہے، تمہارا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے۔''

قریش نے کہا:

''جب تک تم ہمیں حصہ نہ دو گے، ہم تم کو نہ چھوڑیں گے، بلکہ تم سے جھگڑا کریں گے''۔

عبدالمطلب نے کہا:

''اچھا تم کوئی پنچ مقرر کرو جو ہمارا فیصلہ کرے''۔

انہوں نے کہا:

''ہم بنی سعد میں سے ہذیم کاہنہ کو جو سرحد ملک شام میں رہتی ہے، پنچ مقرر کرتے ہیں''۔

عبدالمطلب نے کہا:

''مجھے منظور ہے اس کے پاس چلو''۔

چنانچہ عبدالمطلب اور قریش کے ہر قبیلہ میں سے ایک ایک دو دو آدمی سوار ہو کر کاہنہ کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں جنگل اور پہاڑ اور غار بہت تھے، اور راستہ نہایت مخدوش تھا، جب یہ قافلہ اس جنگل میں پہنچا تو پانی ان کے پاس ختم ہوگیا، اور پیاس کے مارے ان کی جان پر بن آئی، جن لوگوں کے پاس پانی تھا ان سے مانگا، انہوں نے دینے سے صاف انکار کر دیا، اور کہا:

''ہم تم کو پانی پلا کر خود پیاسے مریں، یہ کون سی عقل مندی ہے۔''

عبدالمطلب نے جب قوم کی یہ حالت دیکھی تو کہا:

''اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟''

انہوں نے کہا:

''ہم تمہاری رائے کے مطیع ہیں جو تم حکم کرو۔''

عبدالمطلب نے فرمایا:

''میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ تم سب اپنے اپنے لیے ایک گڑھا کھودو، پھر جو شخص پیاس کی شدت سے مر جائے اسے اس گڑھے میں دبا دو، یہاں تک کہ آخر میں ایک شخص رہ جائے گا جسے کوئی دبانے والا نہ ہوگا، پس ایک شخص کی

لاش کا ضائع ہونا، سارے قافلے کی لاشوں کے ضائع ہونے سے بہتر ہے۔"

سب نے کہا:

"ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔"

پھر ہر ایک شخص اپنے لیے قبر کھودنے میں مصروف ہوگیا، یہاں تک کہ جب اس کام سے فارغ ہوگئے تب بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے، عبدالمطلب نے فرمایا:

"اس طرح بیٹھے رہنا تو خود اپنے ہاتھوں سے اپنی جان گنوانا ہے، ادھر ادھر پھر کر دیکھو شاید کہیں سے اللہ تعالیٰ پانی پہنچا دے۔"

اس پر سب لوگ کھڑے ہوئے، اور جو قریش ان کے ساتھ تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ اب کیا کرتے ہیں کہ اتنے میں عبدالمطلب اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آئے، اونٹنی جس وقت کھڑی ہوئی، اس کے پاؤں کے نیچے سے ایک چشمہ نہایت شیریں اور عمدہ پانی کا ظاہر ہوا۔

عبدالمطلب نے اس کو دیکھ کر تکبیر کہی، سب ساتھی بھی ان کے ساتھ تکبیر کہنے لگے، اور اتر کر ان سب نے پانی پیا، اور اپنی ساری مشکیں بھر لیں، پھر اور جو قریش کے قبائل ان کے ساتھ تھے، جنہوں نے ان کو پانی نہ پلایا تھا، ان کو بھی بلا کر پانی پلایا اور ان کی مشکیں بھر دادیں۔

قریش کہنے لگے:

"اے عبدالمطلب! بس ہمارا تمہارا فیصلہ ہوگیا، قسم ہے خدا کی اب ہم تم سے زمزم کے متعلق ہرگز مخاصمت نہ کریں گے، بے شک جس خدا نے تم کو اس ویران جنگل میں یہ چشمہ عنایت کیا، اس نے تم کو زمزم بھی عنایت کیا ہے، پس وہ تم ہی کو مبارک ہو۔"

اور پھر سب کے سب وہیں سے چلے آئے، اس کاہنہ کے پاس نہ گئے۔

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، جو حضرت عبدالمطلب کے پوتے تھے۔

ایک اور شخص کی روایت اس باب میں اس طرح ہے:

"جب عبدالمطلب کو خواب میں زمزم کے کھودنے کا حکم ہوا، تو انہوں نے قریش پر یہ حکم ظاہر کیا، قریش نے کہا"۔

"کیا تم کو وہ مقام بتلایا گیا ہے؟ جہاں زمزم ہے۔"

عبدالمطلب نے کہا:

"یہ تو نہیں بتلایا گیا۔"

قریش نے کہا:

"تم پھر خواب میں انتظار کرو، یہ تمہارا خواب رحمانی ہے، تو ضرور پھر تم کو اس کا حکم ہوگا، اور وہ مقام بھی بتلایا جائے گا، اور اگر شیطانی ہے تو اب نہ دکھائی دے گا۔"

چنانچہ عبدالمطلب سوئے تو پھر ان کو بشارت ہوئی۔

"اے عبدالمطلب! تم زمزم کھودو، اس کے کھودنے میں تم شرمندہ نہ ہوگے، وہ تمارے بزرگ باپ کی میراث ہے اور تم وہ پانی حاجیوں کو پلاؤ گے۔"

عبدالمطلب نے اس ہاتف غیبی سے کہا:

"زمزم کا کون سا مقام ہے جہاں میں کھودوں"۔

ان سے کہا گیا:

"دونوں بتوں کے درمیان میں جس جگہ چونٹیوں کے بل ہیں، اور کل اس جگہ ایک کوا زمین پر ٹھونگیں مارتا ہوگا۔"

عبدالمطلب اس بشارت کے سنتے ہی صبح کے وقت کدال لے کر اپنے فرزند حارث کے ہمراہ اس مقام پر آئے تو دیکھا کہ واقعی وہاں ایک کوا زمین کرید رہا ہے، اور چونٹیوں کے بل بھی وہاں تھے، اور یہ جگہ اساف اور نائلہ دو بتوں کے درمیان میں تھی، جس کی قریش پرستش کیا کرتے تھے، عبدالمطلب کے فرزند حارث نے کھدائی شروع کی، قریش مزاحم ہوئے اور کہا:

"ہم تم کو دونوں بتوں کے درمیان کھودنے نہ دیں گے، یہاں ہم قربانیاں کرتے ہیں"۔

عبدالمطلب نے اپنے فرزند سے کہا:

"تم کدال مجھے دو، میں کھودتا ہوں اور میں ہرگز ان کی تہدید و تخویف سے کام کو نہ روکوں گا جس کا مجھے عالم بالا سے حکم ہو چکا ہے۔"

قریش نے جب عبدالمطلب کی یہ سرگرمی دیکھی تو خاموش ہوگئے، اور انہوں نے جان لیا کہ یہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں گے عبدالمطلب کو کھودتے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ

پانی نمودار ہوا، اور عبدالمطلب نے تکبیر کہی، اور جان لیا کہ بے شک یہ بشارت میری سچی تھی، اور سونے کے دوہت، بہت سی تلواریں اور زرہیں برآمد ہوئیں جو قبیلہ جرہم کے لوگ اس کنویں میں ڈال کر اس کو بند کر گئے تھے۔ اب ان چیزوں کو دیکھ کر قریش کہنے لگے:

"اے عبدالمطلب! اس میں ہمارا بھی حصہ ہے"۔

عبدالمطلب نے کہا:

"ہرگز نہیں، تمہارا کچھ نہیں ہے، مگر میں ایک انصاف کی بات کہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ دو پیالے میں کعبہ کی طرف سے رکھتا ہوں، اور دو اپنی طرف سے اور دو تمہاری طرف سے پھر ہم ان پر قرعہ ڈالتے ہیں، جس کا قرعہ نکل آئے یہ مال اس کا ہے۔"

سب قریش اس پر رضامند ہو گئے، اور عبدالمطلب نے کعبہ کی طرف سے دو زرد پیالے اور اپنی طرف سے دو سیاہ پیالے اور قریش کی طرف سے دو سفید پیالے ہبل بت کے پاس رکھے، یہ بت زمانہء جاہلیت میں سب سے بڑا بت سمجھا جاتا تھا، اور خاص خانہ کعبہ کے اندر رکھا جاتا تھا، اور اس بات کو ابوسفیان بن حرب نے احد میں اس طرح پکارا تھا:

"اِعْلُ هُبَلُ (اے ہبل اپنا دین غالب کر)"

غرضیکہ قرعہ ڈالنے والا قرعہ اندازی میں مصروف ہوا اور عبدالمطلب ذکر الٰہی میں مشغول ہوئے۔ سونے کی دونوں غزالوں پر تو کعبہ کا قرعہ نکلا، اور تلواروں اور زرہوں پر عبدالمطلب کا قرعہ برآمد ہوا، اور قریش کے لیے کسی چیز پر قرعہ نہ نکلا، اور عبدالمطلب نے وہ سونا کعبہ کے دروازے پر لگوا دیا۔

کہتے ہیں، کعبہ پر سب سے پہلے یہ سونا لگا ہے، اور عبدالمطلب زمزم کا پانی تمام حاجیوں کو پلانے لگے۔"

مکہ کے دیگر کنوئیں

قریش نے زمزم کے نکلنے سے پہلے مکہ میں بہت سے کنوئیں کھدوائے تھے، چنانچہ عبدشمس بن مناف نے بیضا کے قریب جہاں محمد بن یوسف کا مکان ہے، ایک کنواں طویٰ نامی کھودا

تھا، اور ہاشم بن عبدمناف نے بھی مقام مستنذر کے قریب شعب ابی طالب کے منہ پر ایک کنواں کھودا تھا۔

کہتے ہیں:

''اس کنوئیں کو انہوں نے لوگوں کے لیے عام کر دیا تھا، اس کا نام بذر تھا، اور یہ کوہ خذمہ کے کنارے پر تھا۔''

مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف نے بھی ایک کنواں سجلہ نامی کھودا تھا، جس میں سے لوگ اب بھی پانی بھرتے ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں:

''یہ کنواں مطعم بن عدی نے اسد بن ہاشم سے خریدا تھا۔''

اور بنی ہاشم یہ کہتے ہیں:

''اسد نے یہ کنواں مطعم کو بخش دیا تھا، کیونکہ جب زمزم نکل آیا تو پھر ان کو اور کنوئیں کی ضرورت نہ رہی۔''

ایک کنواں امیہ بن عبدشمس نے اپنے لیے حفر نامی کھودا تھا، اور بنی اسد نے بھی ایک کنواں کھودا تھا، جو بیئر بنی اسد کہلاتا ہے، اور بنی عبدالدار نے جو کنواں کھودا تھا، اس کا نام ام حراد ہے اور بنی جمح کے کنوئیں کو سنبلہ کہا جاتا ہے، اور یہی خلف بن وہب کا کنواں ہے، اور بنو سہم نے اپنے کنوئیں کا نام غمر رکھا، جس کو بیئر سہم کہتے ہیں۔

اور بہت سے پرانے کنویں ٹوٹے پھوٹے مکہ کے باہر بھی تھے۔ مرہ بن کعب اور کلاب بن مرہ سے پہلے زمانہ میں جن میں سے قریش کے پہلے بزرگان پانی پیا کرتے تھے۔ چنانچہ منجملہ ان کے ایک کنواں رُم تھا۔ اس کو مرہ بن کعب بن لوئی نے بنایا تھا، اور ایک کنواں بنی کلاب بن مرہ کا خم نامی تھا۔

جب سے زمزم برآمد ہوا سب کنوئیں اس کے آگے گرد ہوگئے، اور سب اس کی طرف رجوع ہوئے کیونکہ یہ مسجد الحرام کے اندر واقع ہے، اور سب کنوؤں پر اس کی فضیلت ظاہر ہے، کیونکہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام کا کنواں ہے اور اس کنوئیں کے دستیاب ہونے سے بنی عبدمناف قریش پر فخر کرنے لگے۔

نسب مبارک

مکہ میں آبادی کا آغاز حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوا، اللہ کے آخری رسول ﷺ عرب کے معزز قبیلہ قریش کی سب سے زیادہ مقتدر شاخ بنی ہاشم سے ہیں۔

مورخین عرب کا اس پر اتفاق ہے:

''رسول اللہ ﷺ، حضرت اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں''۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ کا نسب مبارک درج ذیل ہے:

''محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔''

رسول اللہ ﷺ سے عدنان تک اکیس نام آتے ہیں، درج بالا تمام ناموں سے تمام مورخین متفق ہیں۔

عدنان سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک سلسلہ نسب کے بارے میں تاریخ دان جو نام بیان کرتے ہیں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے ان ناموں کی تفصیل سے گریز کیا جا رہا ہے، جن کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے۔

اس اختلاف کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"نسب بیان کرنے والوں نے غلط بیانی کی ہے۔"

آپ ﷺ نے اپنے سلسلہ نسب کے بارے میں صرف اس قدر ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے کنانہ کو ممتاز بنایا، اور کنانہ میں سے قریش کو عزت و عظمت بخشی، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو امتیاز عطا فرمایا، اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔"

فہر کا لقب قریش تھا۔

فہر سے قبیلہ قریش چلا، اور نبی آخر الزمان ﷺ کا خانوادہ اپنے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے خانوادہ ہاشمی کے نام سے معروف ہوا۔

نورانی سفر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

"یارسول اللہ ﷺ! مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی شے پیدا کی۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی (ﷺ) کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔"

اس حدیث پاک سے ثابت ہوگیا کہ سب سے پہلے اللہ رب العزت کے نور میں سے رسول برحق ﷺ کا نور بنا اور پھر دوسری چیزیں۔

نور محمد ﷺ کے نور سے فیض یاب ہونے والے پہلے بشر حضرت آدم علیہ السلام تھے یہی وہ نور تھا' جس کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ ہوا، یہی وہ مبارک نور تھا، جس کے طفیل آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، اور حضرت آدم علیہ السلام اس زمین پر پہلے پیغمبر قرار پائے۔

مختلف واسطوں اور سلسلوں سے ہوتا ہوا یہ مقدس نور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں منتقل ہوا، اور پھر آپ علیہ السلام کے وسیلہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مبارک پیشانی پر چمکا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہت پیار کرتے تھے، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنا بیٹا، اپنے جگر کا ٹکڑا ہونے کی وجہ سے چاہتے تھے، بلکہ اس لیے کہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام میں نور محمدی ﷺ کی جھلک دیکھ لی تھی، اور صرف اسی نور اطہر کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔

قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

''اے ایمان والو! تم اپنے مال، دولت اور اولاد سے آزمائے جاؤ گے''۔

(سورہ التغابن: ۱۵)

یہی کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم ہوا، یہ حکم پورا کرنے کے لیے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر گھر سے روانہ ہوئے۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کا تذکرہ کچھ یوں ہے:

''اور پھر جب وہ اس کے ہمراہ چلنے لگا تو کہا، بیٹا! بلاشبہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا، ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے کریں آپ اِن شاء اللہ تعالیٰ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ (سورہ الصّٰفّٰت: ۱۰۲)

اس قربانی والے واقعہ سے اللہ تعالیٰ کا تین باتیں ثابت کرنا مقصود تھا۔

(۱) اس کے خاص بندے اور پیغمبر دنیاوی چیزوں کی آزمائش سے نہیں گھبراتے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کی آزمائش پر پورے اترے۔

(۲) جس نیک ہستی میں نور محمدی ﷺ ظہور پاتا ہے اس کی حفاظت رب رحیم خود کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ نور اگلی ہستی کو منتقل ہو جاتا ہے۔

(۳) جس ہستی میں اس نور منیر کا ظہور ہوتا ہے، یا ہونا ہوتا ہے، وہ ہستی شروع ہی سے بڑے نیک اوصاف کی مالک ہوتی ہے۔

شرافت، صداقت، امانت، دیانت، شجاعت، ادب سب کچھ اس ہستی میں موجود ہوتا

ہے نور محمدی ﷺ مختلف واسطوں سے ہوتا ہوا حضرت عبدالمطلب تک پہنچا، جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے، ان کے بارے میں روایت ہے:

''حضرت عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی، اور رسول اللہ ﷺ کا نور مبارک ان کی پیشانی پر چمکتا تھا، جب مکہ میں قحط ہوتا تو اہل مکہ حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر رب کریم کا قرب ڈھونڈتے اور بارش کی دعا کرواتے، تو اللہ تعالیٰ نور محمدی ﷺ کی برکت سے بارش فرما دیتے۔''

خانہ کعبہ کے تعلق سے حضرت عبدالمطلب کے ساتھ ایک اہم واقعہ پیش آیا:

''ایک مرتبہ حضرت عبدالمطلب حرم پاک کے اس حصے میں سو رہے تھے، جو حطیم کہلاتا ہے کہ کسی نے خواب میں ان کو زم زم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا، اور جگہ کی نشاندہی بھی کر دی گئی۔''

اس واقعہ کا ذکر باب گذشتہ میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسر مضاض بن عمرو جرہمی مکہ کے والی مقرر ہوئے تو خانہ کعبہ کا انتظام قبیلہ جرہم نے سنبھال لیا، دن اور سال گزرنے لگے، بنو خزاعہ نے بنو جرہم کو مکہ سے نکال کر اقتدار سنبھال لیا، بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کا کنواں پاٹ دیا تھا، اور کنوئیں کے نشانات بھی مٹا دیئے تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے بیدار ہونے کے بعد کھدائی شروع کر دی، کھدائی کے دوران جب زمزم کا کنواں نمودار ہو گیا' اور وہاں سے سونے کے دو بت اور تلواریں برآمد ہوئیں تو قریش نے مطالبہ کیا:

''اس میں ہمارا حصہ بھی شامل کرو۔''

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

''میں ایسا نہیں کر سکتا، میں اس کام کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں۔''

لیکن قریش اپنے مطالبہ سے باز نہ آئے، اور انہوں نے جھگڑا شروع کر دیا۔

آخر ایک کاہنہ کے پاس جانا طے ہوا، لوگ مکہ سے روانہ بھی ہوئے لیکن راستہ میں ایسی علامات کا ظہور ہوا، جن سے لوگ سمجھ گئے کہ اس پر حضرت عبدالمطلب کا حق ہے، وہ لوگ راستہ

ہی سے واپس آ گئے باب گذشتہ میں اس کا ذکر تفصیل سے کر دیا گیا ہے۔

اس موقع پر حضرت عبدالمطلب نے نذر مانی۔

"اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا کیے تو میں ایک بیٹے کو قرب الٰہی کے لیے کعبہ کے پاس قربان کر دوں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلب کو دس بیٹے عطا کیے۔

حضرت عبدالمطلب کے بعد نور محمدی ﷺ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے والد محترم کو منتقل ہوا۔ سب بیٹوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سب سے زیادہ خوبصورت، پاکدامن اور چہیتے تھے، حضرت عبدالمطلب نے بیٹوں کو اپنی منت سے آگاہ کیا تو سب نے بات مان لی۔ حضرت عبدالمطلب نے قسمت کے تیروں پر سب بیٹوں کے نام لکھے، تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا گیا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نکلا۔

حضرت عبدالمطلب اپنے پیارے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ذبح کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے، رشتہ دار خصوصاً حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ننھیال والے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی، اور ابو طالب آڑے آئے، عبدالمطلب نے کہا:

"تب میں اپنی نذر کا کیا کروں؟"

سب نے مشورہ دیا:

"کسی حرافہ (غیب کی باتیں بتانے والی عورت) کے پاس جا کر اس کا حل دریافت کریں۔"

حضرت عبدالمطلب ایک حرافہ کے پاس گئے اس نے کہا:

"عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کریں، اگر عبداللہ کے نام قرعہ نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں۔ اس طرح اونٹ بڑھاتے جائیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں، یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے، اور اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو اونٹ قربان کر دیئے جائیں۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی، لیکن

قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نکلا، اس کے بعد دس دس اونٹ بڑھاتے گئے، اور قرعہ اندازی کرتے گئے، مگر قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ہی نکلتا رہا، جب سو اونٹ پورے ہوگئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔

قرعہ اندازی کے دوران حضرت عبدالمطلب تمام وقت اللہ تعالیٰ سے بہتری کی دعا مانگتے رہے، جب سو اونٹوں کے نام قرعہ نکلا تو وہاں موجود تمام لوگوں نے کہا:

''اے بردار قریش! اب آپ اپنے رب کی رضامندی کو پہنچ گئے۔''

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

''نہیں، یہاں تک کہ تین مرتبہ اونٹوں پر ہی قرعہ نکلے۔''

حضرت عبدالمطلب کھڑے مسلسل دعا میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ مسلسل تین بار اونٹوں پر قرعہ نکل آیا۔

اب حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدلے سو اونٹ ذبح کیے اور وہیں چھوڑ دیئے، کسی انسان یا جانور کے لیے گوشت کے حصول کے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

اس واقعہ سے پہلے عرب میں خون بہا (دیت) کی مقدار دس اونٹ تھی، مگر اس واقعہ کے بعد سو اونٹ کر دی گئی، اسلام نے بھی دیت کی مقدار سو اونٹ برقرار رہنے دی۔

جب یمن کا حاکم ابرہۃ الاشرم خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے مکہ مکرمہ پر چڑھ آیا تو حضرت عبدالمطلب قریش کے چند آدمی ساتھ لے کر مکہ کے ایک پہاڑ پر چڑھے۔ اس وقت نور مبارک حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر ہلال کی طرح نمودار ہو کر خوب روشن ہوگیا تو اس موقع پر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا:

''مجھے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی خود حفاظت کرے گا، اور ہم لوگ غالب رہیں گے۔''

حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ ابرہہ کے لشکر والے پکڑ کر لے گئے تھے، اور جب حضرت عبدالمطلب اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے ابرہہ کے پاس گئے تو ابرہہ ان کی صورت دیکھتے ہی تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر بیٹھ کر حضرت عبدالمطلب کو اپنے پاس بٹھایا۔

یہ سب اس نور پاک کی عظمت تھی، جو رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے چہرے سے نمایاں تھی۔

نور محمدی ﷺ کی ایسی عظمت اور برکت تھی کہ اس کی وجہ سے بادشاہ تک بھی عزت و احترام سے پیش آئے۔

سواونٹوں کی قربانی کے واقعہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی والے واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قدرت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ان کے پیارے بیٹے کی قربانی کا تقاضا کیا اور حضرت عبدالمطلب پر بھی ان کے محبوب ترین بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانی کی آزمائش آپڑی، بفضل خدا دونوں اپنے اپنے امتحان میں پورا اترے۔

اس سوال کا جواب کہ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنا پیار کیوں کرتے تھے، اس کا جواب بھی وہی ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں دیا گیا، یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر نور محمدی ﷺ ظہور پاچکا تھا' اور حضرت عبدالمطلب کی نگاہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی مبارک پر اس نور مبارک کا جلوہ دیکھ چکی تھیں، اسی وجہ سے حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔

اب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی نور محمدی ﷺ کی وجہ سے روشن رہتی تھی۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کی غرض سے مدینہ (یثرب) جارہے تھے تو راستے میں ایک عورت سے آمنا سامنا ہوا، وہ عورت توریت اور انجیل کی عالم تھی، اس نے جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر نور محمدی ﷺ چمکتا ہوا دیکھا تو اس نے خواہش کی:

"کاش! یہ مبارک نور مجھے منتقل ہو جائے"۔

اس نے یہ سوچ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کا اظہار کیا، لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"میرا نکاح جہاں ہونا قرار پایا ہے میں وہیں شادی کروں گا۔"

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے، لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ نور محمدی ﷺ واقعی بہت مقدس اور عظیم نعمت ہے، جس کو پالینے کی خواہش غیر مسلم عورت نے بھی کی، لیکن قانون قدرت ہے کہ جو چیز جس کے نصیب میں ہو یا جو جس قابل ہوتا ہے اس کو ملتی ہے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دیندار، باکردار، شریف، عزت دار، اور اعلیٰ گھرانے کی خاتون تھیں، آپ اس مقدس نور کو رکھنے کے قابل تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہی اپنے محبوب ﷺ کے نور کا امانتدار بنایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ سے نکاح ہوا، اور اس طرح نور محمدی ﷺ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منتقل ہوا۔

عظمتِ عبدالمطلب

ہاشم کے بیٹے شیبہ جنہیں ان کے چچا مطلب نے پالا تھا، عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوئے، حضرت عبدالمطلب نہایت خوبصورت اور پروقار شخص تھے، رعب اور دبدبہ کی وجہ سے آپ کے چہرے پر شان وشوکت نمایاں رہتی تھی، ناموری، سرداری، فیاضی، قوی ہمدردی، دینداری اور بیت اللہ کی خدمت میں حضرت عبدالمطلب اس مقام پر پہنچے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد آپ کے آباؤ اجداد میں کوئی ایسے مقام والا نظر نہیں آتا۔

آپ نے چاہ زمزم کو دریافت کر کے نئے سرے سے تعمیر کروایا، تاریخ کی کتب میں حضرت عبدالمطلب کی شان کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے، ان کی شان اس سے بھی بلند ہے۔

ان کے زمانے کا ایک مشہور واقعہ ''اصحاب الفیل'' ہے، اس واقعہ کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس واقعہ کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے، اگرچہ یہ واقعہ بیت اللہ کی حفاظت سے متعلق ہے، لیکن اس سے حضرت عبدالمطلب کی دانائی، جرأت، اظہار اور توحید پرستی کا پتہ چل جاتا ہے۔

یہاں اس واقعہ کو مختصراً دہراتے ہیں:

''یمن کے دارالحکومت صنعاً میں وہاں کے حکمران ابرہتہ الاشرام نے ایک کلیسا تعمیر کروایا ابرہہ نے اہل عرب کو حج کی غرض سے اس کلیسا میں عبادت کے لیے

آنے کی دعوت دی، مگر ہزار کوشش کے باوجود بھی جب لوگ کلیسا کی طرف عبادت کے لیے راغب و متوجہ نہ ہوئے تو اس پر ابرہہ سخت برہم ہوا، اور ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لے کر خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے نکل کھڑا ہوا، اس کے لشکر میں تیرہ ہاتھی بھی تھے، مگر انسانی تدبیریں خدائی حکم سے کہاں ٹکرا سکتی ہیں۔

ابرہہ چاہتا تھا کہ اللہ کے گھر کو گرا دیا جائے، لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا آخرکار ابرہہ کا لشکر ہاتھیوں سمیت مکہ آن پہنچا، وہاں ابرہہ کے ساتھیوں نے حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ پکڑ لیے۔ حضرت عبدالمطلب ان کی واپسی کے لیے ابرہہ کے پاس گئے۔

جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو اس کا دل آپ کی عظمت سے متاثر ہوا، ابرہہ خود تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا، اور حضرت عبدالمطلب کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا اور آنے کا مقصد پوچھا۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

"آپ کے لشکری میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں، مجھے وہ اونٹ واپس کیے جائیں۔"

ابرہہ نے کہا:

"آپ مجھ سے اونٹوں کے بارے میں تو بات کرتے ہیں، اور اس کا خیال نہیں آیا جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دینی مرکز ہے، اور جسے میں گرانے کے لیے آیا ہوں آپ خانہ کعبہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کر رہے۔"

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

"میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے اونٹوں کی بات کر رہا ہوں، خانہ کعبہ کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔"

ابرہہ نے حیرت سے پوچھا:

"کیا وہ خانہ کعبہ کو گرنے سے بچا لے گا؟"

حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا:

"وہ جانے اور آپ جانیں"۔

ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔ حضرت عبدالمطلب نے واپس آ کر قریش کو صورت حال سے آگاہ کیا، اور لشکر کی غارت گری سے بچاؤ کے لیے اہل مکہ کو پہاڑوں کی بلندیوں اور گھاٹیوں میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔

اس کے بعد قریش کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت عبدالمطلب نے خانہ کعبہ میں آ کر بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر نہایت دردمندی سے دعا کی:

"یااللہ! بندہ اپنی سواری کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے حرم پاک کے مال و متاع کی حفاظت فرما، ان کی صلیب اور ان کی قوتیں کل صبح تیری قوتوں پر غالب نہ ہو جائیں۔

اے خدا! مجھے تیرے سوا کسی کی آس امید نہیں۔"

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب اور دیگر لوگ اپنے بچاؤ کے لیے پہاڑوں پر چلے گئے، جب صبح ہوئی تو ابرہہ نے مکہ شہر میں داخل ہونے کی تیاریاں شروع کی، لیکن جب ہاتھیوں کا رخ کعبۃ اللہ کی طرف کیا جاتا تو وہ بیٹھ جاتے، اور جب یمن کی طرف کرتے تو اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیتے، ہاتھی والے آنکس مارتے، اٹھانے کی کوشش کرتے، لیکن ہاتھی حرم شریف کی طرف قدم نہ بڑھاتے، ابھی وہ اسی کشمکش میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جدہ کے سمندر کی طرف سے عجیب قسم کے پرندے بھیجے، جن کی چونچوں اور پنجوں میں چھوٹے کنکر تھے، پرندے لشکر والوں پر یہ کنکر برساتے، اور جس جس کو وہ کنکر لگتے اس کے جسم کے اعضاء جواب دے جاتے، یہ حالت دیکھ کر لشکر میں بھگدڑ مچ گئی لوگ بھاگنے لگے، بہت سے ہلاک ہوئے، ابرہہ کا حال سب سے برا ہوا، اور وہ صنعاء جا کر بہت اذیت ناک موت سے مرا۔

ہاتھی والوں کا بہت برا حشر ہوا، وہ پوری دنیا کے لیے نشان عبرت بن گئے۔ قرآن پاک میں اس واقعہ کا ذکر سورہ الفیل میں ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے خانہ کعبہ میں جا کر حرم شریف کی حفاظت سے متعلق جو دعا مانگی

وہ قبول تو ہوئی، لیکن اس سے ہمیں حضرت عبدالمطلب کے اعتقاد، ایمان اور بزرگی کا علم ہوتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب پکے توحید پرست تھے، ایک خدا سے مانگنے کے قائل تھے، انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر بتوں سے نہیں مانگا بلکہ ایک خدا سے مانگا، انہوں نے ابرہہ کو بھی یقین کے ساتھ کہا تھا۔

"اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا"۔

آپ کے یہ الفاظ من وعن پورے ہوئے۔

پھر حرم شریف میں آ کر بھی رب رحیم کو پکارا، اسی سے فریاد کی:

"اے اللہ اپنے گھر کی حفاظت فرما"

ہر پیغمبر کی جتنی بھی امت ہوتی ہے، اس میں پیدا ہونے والے نیک بندے مسلمان کہلاتے ہیں۔ رسول برحق پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے دادا بھی دین کی سمجھ رکھتے تھے، اور اس وقت کے دین کو "دین ابراہیمی" کہا جاتا تھا۔ وہ لوگ اسی دین ابراہیمی کے تحت نکاح کرتے وقت حق مہر مقرر کرتے، اس دین میں بھی توحید کی تعلیم دی جاتی تھی۔

قصہ المختصر رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد سب کے سب توحید پرست تھے۔ ایک خدا کو ماننے والے، برائیوں سے بچنے والے اور دین ابراہیمی پر چلنے والے تھے۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنی قوم میں اس قدر شرف واعزاز حاصل کیا کہ ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی اس مقام کو نہ پہنچ سکا، قوم نے انہیں دل سے چاہا، اور ان کی عزت اور قدر کی۔

اصحاب الفیل

کعبہ میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے، اس کے علاوہ مکہ آنے والی دیگر اقوام اور قبائل کے مذہبی آثار بھی کعبہ میں موجود تھے، تاکہ وہاں پہنچنے کے بعد ہر کوئی اپنے مخصوص خدا کی پرستش کر سکے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی تصاویر بھی وہاں موجود تھیں۔

حرم کا مطلب ہے محفوظ علاقہ، اور کعبہ ایسے مقام پر واقع تھا جسے ہم اپنی زبان میں ایک بے طرف علاقہ کہہ سکتے ہیں، اس زمانے میں بھی کسی کو اجازت نہیں تھی کہ حدود حرم میں کسی دوسرے سے تنازعہ کرے اور آج بھی ایسا ہی ہے۔ یہاں تک کہ جب دو خونی دشمن حرم میں داخل ہو جاتے تو انہیں عارضی طور پر ہی سہی دشمنی اور عداوت کو فراموش کرنا پڑتا تھا۔

وہ مسافر اور کاروان جو چاہے کہیں سے بھی آتے انہیں حرم میں داخل ہونے کے بعد اپنے مخصوص خداؤں کی پرستش کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی، تاہم ہر قوم اور قبیلے کا اپنا ایک علیحدہ حجرہ یا علاقہ ہوتا تھا، جہاں وہ اپنے خدا کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

جب جزیرۃ العرب کے جنوب میں واقع ملک حبشہ (آج کا یمن) کے نائب السلطنت (گورنر) ابرہتہ الاشرام نے خانہ کعبہ کو مٹانے کا عزم کیا تو وہ ایک طویل راستہ طے کرنے کے بعد مکہ کے نزدیک پہنچا' لیکن اس سے پہلے ایک چھوٹے شہر میں داخل ہوا جس کا نام طائف تھا، جو آج بھی موجود ہے۔

اہل طائف نے ابرہہ کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور ابرہہ سے کہا:

"تجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ تو جیسے بھی چاہے خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے، لیکن تجھ سے ہماری درخواست ہے کہ وہاں پر موجود ہمارے خداؤں کے حجرے کو ویران مت کرنا۔"

ابرہہ نے بظاہر ان کی درخواست قبول کر لی۔

ابرہتہ الاشرام گورنر یمن نے صنعاء میں ایک قلعہ بنوایا اور اس قلعہ میں ایک ایسا شاندار کلیسا بنوایا کہ اس زمانے میں روئے زمین پر کوئی گرجا اس کا ثانی نہیں تھا، پھر اس نے نجاشی کو خط لکھا۔

"اے آقائے نامدار! میں نے آپ کی خاطر ایک گرجا بنوایا ہے کہ آپ سے پہلے کسی بادشاہ نے نہیں بنوایا تھا، اور میرا ارادہ ہے کہ لوگوں کو حج مکہ سے باز رکھ کر اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔"

جب ابرہہ کا یہ خط نجاشی کے پاس پہنچا، اور اہل عرب جو نجاشی کی رعیت تھی، ان کو یہ حال معلوم ہوا تو ایک شخص جو قبیلہ فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حرث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی اولاد میں سے تھا، اسے بڑا رنج پہنچا۔ یہ شخص اس خاندان میں سے تھا جو زمانہ جاہلیت میں حرام مہینوں کو اپنی مرضی کے مطابق بدل دیا کرتے تھے، ایک مہینہ حرام کو حلال سمجھ کر اس میں لڑائیاں لڑتے اور ایک سال اس کو حرام بنا کر دوسرے کو حلال بنا لیتے۔

جس شخص نے سب سے پہلے عرب میں یہ طریقہ ایجاد کیا تھا، اس کا نام حذیفہ بن عبد بن فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حرث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ ہے۔ اس کے بعد حذیفہ کا بیٹا عباد اس کام پر قائم ہوا۔ اس کے بعد عباد کا بیٹا قلع اور قلع کے بعد اس کا بیٹا امیتہ اور امیتہ کے بعد اس کا بیٹا عوف اور عوف کے بعد اس کا بیٹا ابوثمامہ جنادۃ اس کام پر قائم رہا، یہاں تک کہ اسلام کا زمانہ آ گیا، اور زمانہ اسلام میں جو لوگ حرام مہینوں میں تاخیر روا رکھتے تھے، ان کا سردار یہی ابوثمامہ بن عوف تھا، اور غیرت کی تاب نہ لا کر اس گرجا میں جو ابرہتہ الاشرام نے تعمیر کروایا تھا، جا کر اس کے اندر پاخانہ کر دیا اور اپنے وطن بھاگ آیا۔

ابرہہ کو خبر ہوئی، اس نے دریافت کیا یہ کس نے کیا ہے، جب اسے معلوم ہوا کہ یہ کسی

ایسے شخص کا کام ہے جو اہل عرب میں سے بیت اللہ کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہے۔

اس سے ابرہۃ الاشرام کے تن بدن میں آگ لگ گئی، وہ غصے سے بے قابو ہو گیا، اور اس نے کہا:

"بخدا! اب میں بیت اللہ کو مسمار و منہدم کیے بغیر چین نہ لوں گا۔"

یہ عزم صمیم کر کے اہل حبش کو جو اس کا لشکر تھا حکم دیا:

"بیت اللہ کی طرف چلنے کی تیاری کرو"۔

فوج روانہ ہو گئی، ان کے ساتھ ایک مست ہاتھی بھی تھا جو معرکہ میں کام آیا کرتا تھا، اس ہاتھی کا نام محمود تھا۔

اہل عرب کو جب پتہ چلا کہ ابرہۃ الاشرام ایک لشکر جرار کے ساتھ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے آ رہا ہے تو وہ گھبرا اٹھے اور کہنے لگے:

"اگر چہ ہم اس کے مقابلہ میں کمزور ہیں، اس سے جنگ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں، مگر پھر بھی اس کو روکنا اور مداخلت کرنا ہمارا فرض ہے۔"

چنانچہ ایک شخص ذونفر نامی اشراف یمن کی اولاد میں سے تھا، اس نے ابرہہ کا مقابلہ کیا، اور اہل عرب میں سے ان کو بھی جو اس کی امداد کے لیے تیار ہوئے ساتھ ملا لیا، ذونفر کو ابرہہ کے مقابلے میں شکست ہوئی، اور وہ اسیر ہو کر ابرہہ کے سامنے لایا گیا، ابرہہ نے ذونفر کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

ذونفر نے کہا:

"اے بادشاہ مجھے قتل نہ کر، ممکن ہے میری زندگی آپ کے حق میں بہ نسبت میری موت کے مفید ہو"۔

ابرہہ کو یہ بات پسند آئی، اس نے اسے اپنے پاس قید رکھا، پھر وہاں سے آگے بڑھا، جب ارض خثعم میں پہنچا تو ایک شخص نفیل بن حبیب خثعم کے دو قبائل شہران اور ناہس کو ساتھ لے کر ابرہہ کے سامنے آیا، مگر اسے بھی شکست فاش ہوئی، اور وہ بھی اسیر ہو کر ابرہہ کے سامنے لایا گیا جب ابرہہ نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا تو اس نے کہا:

"اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر، میں آپ کو عرب کی زمین تک پہنچانے کے لیے

رہنمائی کروں گا اور یہ دونوں میرے قبائل شہران اور ناہس آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے ساتھ ہوں گے۔"

ابرہہ نے اسے بھی معاف کر دیا اور اسے ساتھ لے کر طائف آ پہنچا۔ یہاں مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن سعد بن عوف بن ثقیف نے اپنے لوگوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا مگر لوگوں نے کہا:

"ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

وہ سب ابرہہ کے پاس گئے اور کہا:

"اے بادشاہ! ہم آپ کے غلام ہیں، اور آپ کے برخلاف نہیں کر سکتے، جس گھر کو آپ برباد کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ گھر نہیں ہے جو طائف میں ہے، وہ تو مکہ میں ہے۔"

(اللات طائف میں ان لوگوں کا ایک معبد تھا جس میں لات کا بت رکھا ہوا تھا)

اور ہم آپ کے ساتھ ایک شخص کر دیتے ہیں جو آپ کو اس کا نشان مکہ میں بتا دے گا"

یہ شرط قرار پا گئی، اور انہوں نے ابورغال کو اس کام کے لیے ابرہہ کے ساتھ کر دیا، جب مقام مغمس پر پہنچے تو ابورغال مر گیا، اور عربوں نے اس کی غداری کے باعث اس کی قبر پر پتھر برسائے، عرب لوگ مقام مغمس میں جس قبر کو پتھر مارا کرتے تھے وہ اسی ابورغال کی قبر ہے۔

ابرہہ نے مغمس میں ڈیرے ڈال دیئے، اور ایک حبشی آدمی کو جس کا نام اسود بن مقصود تھا، گھوڑے پر سوار کر کے مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔ وہ مکہ میں جا کر قریش اور قبائل عرب کے بہت سے اموال و اسباب لوٹ لایا، اسی لوٹ میں عبدالمطلب بن ہاشم (رسول اللہ ﷺ کے دادا) کے دو سو اونٹ بھی تھے۔

عبدالمطلب اس وقت قبیلہ قریش کے سردار تھے۔ قریش، کنانہ اور ہذیل قبائل عرب نے ابرہہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا، پھر یہ خیال کر کے کہ ہم اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابرہتہ الاشرام نے حناطہ حمیری کو مکہ بھیجا اور کہا:

''مکہ میں جا کر ان کے سردار سے کہو کہ بادشاہ کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے نہیں آیا، میرا ارادہ صرف خانہ کعبہ کو گرانا ہے اگر تم اس کام میں میری مزاحمت نہ کرو تو میں خونریزی نہیں کروں گا۔''

ابرہتہ الاشرام نے حناطہ سے مزید کہا:

''اگر سردار مکہ اس بات کو مان جائے تو اس کو میرے پاس لے آنا۔''

جب حناطہ حمیری مکہ میں داخل ہوا تو کسی سے دریافت کیا:

''یہاں کا سردار کون ہے؟''

لوگوں نے حناطہ حمیری کو بتلایا:

''ہمارے سردار عبدالمطلب ہیں''۔

چنانچہ حناطہ حمیری نے ان کے پاس جا کر ابرہتہ الاشرام کا سارا پیغام کہہ سنایا۔

عبدالمطلب نے ابرہتہ الاشرام کا پیغام سن کر جواب دیا:

''ہم لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے، اور نہ ہی ہمیں اس کے مقابلے کی طاقت ہے، یہ خدا کا گھر ہے اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے، اگر خدا کو اپنے گھر کی حفاظت منظور ہوگی تو اس کو روک دے گا ورنہ چھوڑ دے گا، ہمارا اس معاملہ میں کچھ دخل نہیں ہے۔''

حناطہ حمیری نے کہا:

''تم میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلو۔''

حضرت عبدالمطلب اس کے ساتھ چل دیئے' اور ان کے ہمراہ چند لڑکے بھی تھے، جب عبدالمطلب ابرہہ کے لشکر میں آئے تو انہوں نے دریافت کیا:

ذونضر کہاں ہے:

ذونضر ابرہہ کے پاس محبوس تھا، اور وہ عبدالمطلب کا دوست تھا۔

ملاقات ہونے پر حضرت عبدالمطلب نے ذونضر سے کہا:

''اے دوست! اس مصیبت سے جو مجھ پر نازل ہوئی ہے، رہائی پانے کی کیا

تدبیر ہو سکتی ہے کیا تم اس معاملے میں میری کچھ سفارش کر سکتے ہو۔"

ذونفر نے کہا:

"میں قیدی ہوں، جسے شام و سحر قتل کیے جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ میں آپ کی کیا سفارش کر سکتا ہوں، ہاں محمود ہاتھی کا سائیس جس کا نام انیس ہے میرا دوست ہے، اس کے پاس میں آپ کو بھیج دیتا ہوں، وہ آپ کو بادشاہ کے پاس لے جا کر پرزور سفارش کر دے گا۔"

چنانچہ وہ حضرت عبدالمطلب کو سائیس کے پاس لے گیا اور کہا:

"یہ قریش کے سردار اور اہل مکہ کی آنکھ کی پتلی عبدالمطلب ہیں، یہ غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، پہاڑوں کے جانوروں کی حفاظت کرتے ہیں، بادشاہ ابرہہ نے ان کے دوسو اونٹ پکڑ لیے ہیں، تم ان کو بادشاہ کے پاس لے جاؤ، اور جہاں تک ممکن ہو ان کی سفارش کرو۔"

انیس نے کہا:

"جیسا تم کہتے ہو میں ویسا ہی کروں گا، تم فکر نہ کرو۔"

انیس حضرت عبدالمطلب کو بادشاہ کے پاس لے گیا، اور بادشاہ سے کہا:

"عالی جاہ! عبدالمطلب شریف مکہ اور سردار قریش آپ کے دروازے پر کھڑے ہیں، اور آپ سے کچھ التجا کرنا چاہتے ہیں۔"

ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کو آنے کی اجازت دے دی، جب ابرہہ نے انہیں دیکھا تو اس کے دل میں حضرت عبدالمطلب کا رعب طاری ہو گیا، اور وہ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے دل سے مجبور ہو گیا، کیونکہ عبدالمطلب انتہائی خوبرو اور وجیہہ آدمی تھے۔ ابرہہ نے انہیں نیچے بٹھانا گوارہ نہ کیا، ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اتر کر حضرت عبدالمطلب کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا، پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا:

"ان کا مدعا دریافت کرو، یہ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

ترجمان نے حضرت عبدالمطلب سے دریافت کر کے بتایا:

"یہ اپنے دوسو اونٹ واپس کیے جانے کی التماس کر رہے ہیں۔"

یہ سن کر ابرہہ بڑا حیران ہوا اور اس نے ترجمان سے کہا:

"ان سے کہو، بادشاہ کہتا ہے کہ تمہاری اس درخواست سے بڑا حیران ہوا ہوں کہ تم اپنے اونٹوں کی واپسی کی خواہش کر رہے ہو، لیکن اس گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے ہو، جو تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کا دینی مرکز ہے اور جسے گرانے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔"

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

"مجھے اس گھر سے کچھ واسطہ نہیں، جو اس گھر کا مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا، میں تو اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے ان کے واپس کیے جانے کی التجا کر رہا ہوں۔"

ابرہہ نے یہ معقول جواب سن کر حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔

حضرت عبدالمطلب نے مکہ واپس آ کر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر دی، اور انہیں مشورہ دیا:۔

"ہم ابرہہ کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے، بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کے غاروں میں جا کر روپوش ہو جائیں۔"

پھر حضرت عبدالمطلب نے جاتے وقت قریش کے چند افراد کو ساتھ لیا، اور خانہ کعبہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر ابرہہ اور اس کے لشکر کے حق میں بددعا کی، اور پھر قریش کے ساتھ پہاڑوں میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے، اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں مکہ کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

ادھر سے ابرہہ نے صبح کے وقت مکہ پر چڑھائی کر دی، اور خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے وہ اپنے ساتھ جس ہاتھی کو لے کر آیا تھا، اس کا نام محمود تھا، جب ہاتھی خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے تیار ہو گیا تو نفیل نے ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا:

"اے محمود! بیٹھ جا، جہاں سے آیا ہے اس طرف لوٹ جا، کیونکہ تو بلد حرام میں ہے۔"

نفیل نے یہ کہہ کر ہاتھی محمود کا کان چھوڑ دیا، ہاتھی فوراً بیٹھ گیا، اور نفیل بن حبیب بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

ہاتھی کے مہاوت نے جب یہ دیکھا تو اس نے ہاتھی کو مارا تا کہ وہ کھڑا ہو جائے، مگر ہاتھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ مہاوت نے اسے اٹھانے کے لیے اس کے سر پر آنکس مارا، مگر وہ پھر بھی نہ اٹھا۔

مہاوت نے ہاتھی کا رخ یمن کی طرف کر دیا، ہاتھی اٹھ کر دوڑنے لگا، پھر شام کی طرف اس کا رخ پھیرا وہ پھر بھی چلنے لگا، پھر مشرق کی طرف اس کا منہ پھیرا ادھر بھی وہ ایسا ہی دوڑا لیکن جب مکہ کی طرف اس کا رخ کیا تو وہ پھر بیٹھ گیا۔

اتنے میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جانب سے پرندوں کا ایک لشکر بھیج دیا، اور ہر پرندے کے پاس تین کنکریاں تھیں، دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں، ابابیلوں کے اس لشکر نے ابرہہ کے لشکر پر اس زور کی سنگ باری کی کہ ابرہہ کی فوج بدحواس ہو کر بھاگنے لگی، وہ کنکریاں گو چھوٹی چھوٹی تھیں مگر قہرِ الٰہی کے پتھر تھے، پرندے جب ان کنکریوں کو گراتے تو سنگ ریزے فیل سواروں کے خود کو توڑ کر سر سے نکل کر جسم کو چیر کر ہاتھی کے بدن کو چھیدتے ہوئے زمین پر گرتے تھے۔

ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا تھا جو اس کنکری سے ہلاک کیا گیا۔

ابرہہ کا لشکر بدحواس ہو کر خوف سے لرزتا ہوا بھاگنے لگا وہ جس راستے سے آئے تھے اسی راستے پر دوڑنے لگے، اور وہ نفیل بن حبیب کو تلاش کرنے لگے، جو انہیں راستے سے یہاں لایا تھا تا کہ وہ ان کو یمن کا راستہ بتا دے، مگر اب نفیل کہاں تھا؟

نفیل تو پہاڑوں پر ان کی درگت ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”اے بدکردار و اب کہاں بھاگتے ہو خدا کا قہر تمہاری تلاش میں ہے۔

ابرہہ مغلوب ہو چکا، ہرگز غالب نہیں ہوگا۔“

ابرہہ کا لشکر گرتا پڑتا ذلیل و خوار ہوتا ہوا ہلاک ہو گیا، اور ابرہہ کے جسم میں ایک بیماری نمودار ہوئی، جس سے اس کی پوریاں تک جھڑ گئیں، اس کو اسی حالت میں اٹھا کر صنعاء تک لے گئے آخر اس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔

اسی سال عرب میں چیچک کی وبا نمودار ہوئی، اور اسی سال حرمل حنظل اور آک کے درخت پیدا ہوئے۔

اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کرتے ہوئے سورہ الفیل میں بیان

کیا ہے' اور اسی نعمت کے اظہار کے لیے سورہ الفیل اتاری گئی۔

سورہ الفیل میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے:۔

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (۱)

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَهُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۵ (۲) لا

وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۵ (۳) لا

تَرۡمِیۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ (۴) لا

فَجَعَلَهُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ۵ (۵) ع

''اے محبوب کیا تم نے دیکھا تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا کیا ان کا داؤں تباہی میں نہ ڈالا اور ان پر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے تو انہیں کر ڈالا جیسے کھائی کھیتی کی پتی۔'' (سورۃ الفیل)

جب ابرہہ کا لشکر ذلیل و خوار ہو کر ہلاک ہو گیا، اور اہل حبشہ خائب و خاسر ہو کر مکہ سے واپس چلے گئے اور پھر وہ راستے میں ہی دم توڑ گئے' تو اہل عرب کے دل میں قبیلہ قریش کی عظمت متمکن ہو گئی اور کہنے لگے:

''قریش اہل اللہ ہیں اللہ نے ان کے دشمن کو ذلیل کیا ہے''۔

اور ان کے حق میں اشعار مدحیہ کہنے لگے، جن سے وہ حالات معلوم ہوتے ہیں جو ابرہہ اور اس کے لشکر پر وارد ہوئے تھے۔

عالی مرتبت والدین

رسول اللہ ﷺ کے والدین گرامی پاکدامن، نیک شریف النفس تھے، وہی نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ تک جتنے بھی والدین سلسلہ نسب میں موجود ہیں، وہ سب کے سب پاکباز، شریف اور دیندار تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سید المرسلین ﷺ تک جس قدر پیغمبر ہوئے، کسی نے بھی ان کے نسب مطہر میں شک نہیں کیا، صرف یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہ السلام پر تہمت لگائی تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت مریم علیہ السلام کی پاکدامنی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی کیفیت کو بیان فرمایا اور یہود پر لعنت فرمائی۔

سید الصادقین ﷺ کے ماں باپ، دادا، دادی اور ان کے آباء سے متعلق کہیں نہیں آیا کہ وہ برائیوں میں مبتلا رہے ہوں۔ تاریخ کی کتب میں بھی ان کی شرافت، دیانت اور صداقت کے گن گائے ہیں۔

بابِ گذشتہ میں نورِ محمدی ﷺ کا تذکرہ آچکا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب نورِ محمدی ﷺ حضور ﷺ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا تو کیا اس بابرکت اور پاک نعمت کے ذریعے وہ سب بھی پاک نہیں ہوں گے؟ یقیناً وہ پاک صاف تھے۔ اس طرح یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ حضور ﷺ کے والدین گرامی نورِ محمدی ﷺ کے امانتدار تھے، اور یہ ہی ان کی پاکبازی اور دینداری

کی سب سے بڑی دلیل ہے، اس سے بھی بڑھ کر ان کی پاکبازی کا ثبوت یہ ہے کہ رب کریم کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ وہ ماں باپ ہیں کہ جن میں سے نبی آخر الزمان ﷺ پیدا ہوں گے، اور ایسا ہی ہوا۔

ایک موقع پر قیصر روم نے جب ابوسفیان سے نبی مطہر ﷺ کے نسب کے متعلق یہ سوال کیا:

''ان کا نسب کیسا ہے؟''

ابوسفیان نے جواب دیا:

''وہ ہم سب میں نسب والا ہے۔''

حسب ونسب اور خاندانی شرافت میں کوئی رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر نہیں۔

قیصر روم نے کہا:

''یہ بھی ایک علامت ہے، پیغمبر ہمیشہ شریف خاندان سے ہی ہوتے ہیں۔''

اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم بھی آپ ﷺ کے اعلیٰ حسب ونسب کے قائل تھے۔ یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا مالک ہے، کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کو کس خاندان میں پیدا کرنا ہے' اور کیا اسے اپنے محبوب ﷺ کے آباؤ اجداد کے بارے میں فکر نہ تھا، یقیناً تھا بلکہ اس سے بڑھ کر فکر کس کو ہوسکتا تھا، اسی لیے حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں بھی یہی فیصلہ تھا کہ میرے پیارے محبوب ﷺ کے والدین ہونے کا شرف یہ ہستیاں حاصل کریں گی، اور انہیں بزرگی اور عزت سے نوازا۔

جب منافقین نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی اور پاکیزگی کے متعلق ارشاد فرمایا:

''جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے، اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لیے اچھا ہے، ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا ان کے لیے اتنا وبال ہے اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا، جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کہا یہ صریح طوفان ہے یہ اپنی بات کے چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہ لا سکے

تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔" (النور: ۱۱ تا ۱۳)

جب اللہ کریم کو پیغمبر حق ﷺ کی بیویوں کی پاکدامنی اور پاکیزگی کا اتنا خیال تھا تو کیا وہ چاہے گا کہ وہ اپنے پیارے محبوب ﷺ کے ماں، باپ، دادا، دادی کو برائی میں پڑنے دے؟ نہیں۔

رب العالمین نے سلسلہ نسب میں شامل تمام افراد کو پاک دامن رکھا، اپنی حفاظت میں رکھا اور انہیں اپنے دین سے نوازا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبدالمطلب کی چھ بیویوں سے دس بیٹے (بعض مورخین کے نزدیک بارہ بیٹے) اور چھ بیٹیاں تھیں، ابو طالب، زبیر، عبدالکعبہ اور عبداللہ یہ چار بیٹے ایک ہی بیوی سے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ماں باپ کے سب سے پیارے بیٹے تھے، اس پیار کی وجہ بھی وہی نور تھا، جو آباؤ اجداد سے منتقل ہو کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک پیشانی پر چمکا تھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا، آپ عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ کی صاحبزادی تھیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ خوبصورت اور پاکدامن تھے، اور ذبیح اللہ کہلاتے تھے، اس کی وجہ حضرت عبدالمطلب کی نذر اور سو اونٹ قربان کرنے کا واقعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

"میں دو ذبیحوں کی اولاد ہوں، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے میرے والد حضرت عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایک شریف زادے کی طرح امانت، دیانت، صداقت، شرافت تمام خوبیاں موجود تھیں، اتنے خوبصورت کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے، خوب سیرت اتنے کہ بڑے بڑے خاندان حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا داماد بنانا چاہتے تھے۔ کردار کی پاکیزگی اور اخلاق کی بلندی ایسی تھی کہ کافروں نے بھی آپ کی شان کو تسلیم کیا۔

حضرت عبدالمطلب سے جب قریش نے زمزم کے متعلق جھگڑا کیا تو انہوں نے نذر مانی:

''اگر میرے ہاں دس لڑکے ہوئے، اور وہ جوان بھی ہوئے تو میں ان میں سے ایک کو خاص اللہ کے لیے کعبہ کے پاس ذبح کروں گا۔''

چنانچہ جب ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہو کر جوان ہوئے تو انہوں نے اپنی نذر کا اپنے بیٹوں سے ذکر کیا، اور انہوں نے خیال کیا کہ ان کے بیٹے اس بات سے انکار کر دیں گے، مگر ان سب نے اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا اور کہا:

''ہم موجود ہیں جس طرح چاہیں آپ کریں۔''

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

''تم پر لازم ہے کہ ایک ایک تیر قرعہ کا لے لو، اور اس پر اپنا نام لکھ دو پھر میرے پاس لے آؤ۔''

حضرت عبدالمطلب کے سب بیٹوں نے ایسا ہی کیا، اب عبدالمطلب ان کو لے کر کعبہ کے اندر ہبل کے پاس آئے۔ ہبل کعبہ کے اندر اس تہہ خانہ پر رکھا ہوا تھا، جس میں کعبہ کی نذر ڈالی جاتی تھی، اور ہبل کے پاس سات تیر رکھے تھے۔ جن میں سے ایک خون بہا کے متعلق تھا کہ اس کو کون اپنے ذمہ لے، جب اس قسم کا تنازعہ ہوتا تو ان قرعوں کو ڈال کر دیکھتے، جس کے نام پر وہ خون بہا والا قرعہ نکلتا، اس کے ذمہ میں خون بہا کیا جاتا، اور ایک تیر پر نعم لکھا تھا، یعنی یہی کام اچھا ہے، اس کو کرو، ایک پر لا لکھا تھا، یعنی اس کو نہ کرو، جب کسی کام میں متردد ہوتے تو قرعہ ڈالتے۔ اگر نعم کا قرعہ نکلتا اس کام کو کرتے اگر لا کا قرعہ نکلتا تو اس کام کو نہ کرتے۔

ایک تیر پر ینکم اور ایک پر ملصق اور ایک پر مِنْ غِیْرُ کُمْ لکھا تھا، یعنی جب کسی کے نسب میں شک ہوتا، اور اس بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی کہ یہ شخص ہمارے قبیلے سے ہے یا نہیں، چنانچہ ان قرعوں سے معلوم کرتے، اگر ینکم کا قرعہ نکلتا تو سمجھتے یہ ہمارے قبیلے کا ہے اور اگر من غیر کم کا قرعہ نکلتا تو سمجھتے کہ ہم میں سے نہیں ہے، اور اگر مُلْصَق کا قرعہ نکلتا تو اس حالت پر رہنے دیتے، اور اپنے نسب میں شریک نہ کرتے، اور نکاح یا منگنی کے لیے بھی قرعہ ڈالتے، جیسا قرعہ نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔

اس قرعہ اندازی کا یہ طریقہ تھا کہ جو شخص حاجت مند ہوتا، وہ سو درہم اور اونٹ لا کر اس

قرعہ انداز کو جو ہبل کا خادم خاص تھا، اس کو نذر کرتا اور اس شخص کو جس کے متعلق دریافت کرنا ہوتا تھا، بت کے آگے کر کے سب بہ عجز و نیازمندی سے عرض کرتے:

''اے ہمارے معبود! یہ فلاں بن فلاں حاضر ہے، اور ہم نے اس کے ساتھ ایسا اور ایسا ارادہ کیا ہے، تو حق کو ظاہر کر دے۔''

پھر قرعہ انداز سے کہتے:

''قرعہ ڈال''۔

وہ قرعہ ڈالتا، اور جیسا قرعہ نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے، چنانچہ حضرت عبدالمطلب بھی اپنے سب فرزندوں کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے، اور قرعہ انداز سے کہا:

''میرے ان فرزندوں میں قرعہ ڈالو''۔

انہوں نے اپنی نذر کا مال بھی اس سے بیان کیا:

عبدالمطلب کے فرزندوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے چھوٹے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے سب فرزندوں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سب سے زیادہ محبت تھی، جس وقت قرعہ انداز، قرعہ اندازی میں مشغول ہوا تو حضرت عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر خدا سے دعا میں مصروف ہوئے، پھر یہ رجز پڑھنے لگے:

''میں نے اپنے رب سے عہد کیا ہے، اور میں اپنے عہد کو پورا کروں گا۔ بخدا کسی چیز کی ایسی حمد نہیں کی جاتی جس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کی جاتی ہے، جب وہ میرا مولا ہے میں اس کا بندہ ہوں، اور اس کے لیے میں نے نذر مانی ہے تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی نذر کو مسترد کردوں، پھر مجھے زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں۔''

چنانچہ قدرت الٰہی سے قرعہ حضرت عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے ہاتھ میں چھری لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے صحنِ کعبہ میں ذبح کرنے کے لیے لائے، قریش نے سنا تو چاروں اطراف سے ان کے گرد جمع ہو گئے، اور کہنے لگے:

''اے عبدالمطلب! کیا تم اپنے اس فرزند کو ذبح کرو گے جو چاند سے زیادہ

خوبصورت اور پھول سے زیادہ نرم ہے، ہم عبداللہ کو ہرگز ہرگز ذبح نہیں ہونے دیں گے۔"

حضرت عبدالمطلب پرعزم تھے، وہ سرداران قریش کی مداخلت کو بے سود قرار دے رہے تھے۔

لوگ کہنے لگے:

"اگر یہ رسم تمہارے گھر سے چل نکلی تو آئندہ اسے روکنا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی، لوگ اپنے بیٹوں کو لاکر ذبح کیا کریں گے، پھر نوع انسان کی بقا دشوار ہوگی۔"

مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ نے کہا:

"قسم ہے خدا کی اے عبدالمطلب! تم اس کو ہرگز ذبح نہیں کرسکتے، اگر اس کا فدیہ ہمارے مالوں سے لینا ممکن ہو تو ہم دینے کو تیار ہیں۔"

قریش اور عبدالمطلب کے فرزندوں نے کہا:

"آپ ہرگز عبداللہ کو ذبح نہ کریں، بلکہ یثرب میں جاکر الحجر کی کاہنہ سے اس مسئلے کا حل دریافت کریں، اور جو کچھ وہ کہے اس کے مطابق عمل کریں، اگر وہ کہے کہ اپنے فرزند کو ذبح کردو تو بڑے شوق سے آپ عبداللہ کو ذبح کردیں، اور اگر وہ کہے کہ ذبح نہ کریں تو پھر آپ ہرگز ذبح نہ کریں۔"

عبدالمطلب یہ سن کر نرم پڑ گئے، وہ قریش کے چندلوگوں کو لے کر یثرب روانہ ہوگئے یثرب آکر معلوم ہوا کہ وہ کاہنہ خیبر میں ہے۔ چنانچہ یہ سب لوگ خیبر میں اس کے پاس گئے اور اس سے اپنا مدعا بیان کیا:

کاہنہ نے کہا:

"منت دوسری طرح بھی پوری کی جاسکتی ہے۔ تم لوگ دس اونٹ اور عبداللہ کو لے کر کعبہ میں جاؤ، اور ان دونوں چیزوں پر قرعہ ڈالو، اگر قرعہ اونٹوں پر نکلے تو اونٹوں کو ذبح کرو، اور عبداللہ کی جان بخشی کرو، اور اگر عبداللہ پر نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دو، اور اس طرح کرتے جاؤ، یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام نکلے،

بس جان لینا کہ ہمارا پروردگار اس فدیہ سے راضی ہو گیا۔"

وہ لوگ کاہنہ کا فتویٰ سن کر مکہ واپس آئے، اور ایسا ہی کیا:

دس اونٹ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے، قرعہ ڈالا، وہ قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نکلا، دس اونٹ انہوں نے اور بڑھا دیئے، یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو کر دی گئی تو اس بار قرعہ اونٹوں پر نکل آیا۔

سب خوش ہو گئے اور کہنے لگے:

"ہمارا پروردگار اس مقدار فدیہ سے راضی ہو گیا۔"

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

"میں ہنوز متردد ہوں، میری ابھی تشفی نہیں ہوئی ہے، پھر قرعہ ڈالو۔"

پھر قرعہ ڈالا، تب بھی اونٹوں کے نام قرعہ نکلا، اس طرح تین بار کیا گیا، اور ہر بار قرعہ اونٹوں کے نام نکلا، چنانچہ سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے، اس طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان بچ گئی۔"

فتح مکہ کے موقع پر رحمۃ اللعالمین ﷺ کے سامنے کفار مکہ کو قیدی بنا کر پیش کیا گیا تو محسن انسانیت ﷺ نے پوچھا:

"اے اہل مکہ! تمہارا کیا خیال ہے، میں تم سے کیسا سلوک کروں گا؟"

انہوں نے یک زبان ہو کر کہا:

"بھلائی، کیونکہ آپ ﷺ صاحب کرم ہیں، اور صاحب کرم بھائی عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بیٹے ہیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کم عمری ہی میں اپنی پاکبازی، سخاوت اور نیکی کی وجہ سے مشہور تھے، اور اتنے مقبول ہو چکے تھے کہ اپنے وصال کے ساٹھ سال بعد بھی لوگ اپنی معافی کے لیے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل عالیہ کو سفارش بنا کر لائے، غرضیکہ کوئی وجہ تو تھی کہ لوگ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خوش اخلاق محبوب خاص و عام اور فراخ دل تھے۔

نیک باپ کے سعادت مند بیٹے تھے۔

قربانی والے واقعہ ہی کو لیجئے! جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تمام بیٹوں کو لے چلے اور ان سے ذکر کیا:

''میں تم میں سے ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر سب بیٹوں نے سر جھکا لیا۔

پھر جب بار بار حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام قرعہ نکلتا رہا۔ یہ اصل میں ان کے صبر و سعادت کی انتہا تھی، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت دیکھئے کہ خاموشی سے سر جھکائے با ادب فرزند کی طرح فیصلے کا انتظار کرتے رہے، آپ نے اس وقت کسی قسم کی بزدلی، ہچکچاہٹ، بے ادبی، غصہ یا پریشانی کا اظہار نہ کیا، بلکہ نہایت اطمینان اور سکون سے سب کچھ دیکھتے رہے، پھر جو ہوا وہ خدا کی طرف سے ہی تھا، لیکن اس قربانی والے واقعہ سے آپ کے بلند حوصلہ، سعادت مندی اور عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے، اور اس طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادت مندی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سعادت مندی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہؓ سے نکاح کی خواہش

سو اونٹوں کی قربانی کے بعد حضرت عبدالمطلب، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے جا رہے تھے کہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر میں سے ایک عورت جو ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔

اس عورت نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نورانی چہرے کو دیکھ کر کہا:

''اے عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہاں جا رہے ہو؟''

''میں اپنے والد کے ساتھ جا رہا ہوں۔''

اس عورت نے کہا:

''جس قدر اونٹ تمہاری طرف سے ذبح کیے گئے ہیں، اسی قدر میں تمہاری نذر کرتی ہوں، تم مجھ سے شادی کر لو۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میں اپنے والد کا مطیع اور فرمانبردار ہوں، ان کی خواہش اور مرضی کے خلاف

کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

حضرت آمنہؓ سے نکاح

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت عبدالمطلب کو اب آپ کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی، آپ چاہتے تھے کہ اپنے اس خوبرو بیٹے کی شادی کی خوشی منائیں، اور اس کے لیے ایسی دلہن بیاہ کر لائیں جو اپنی نظیر آپ ہو۔

حضرت عبدالمطلب کی حقیقت نگاہ قبیلہ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی صاحبزادی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر پڑی، اور آپ انہیں اپنی بہو بنانے کے لیے بے قرار ہو گئے۔

آپ وہب بن عبد مناف کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی:

"اے سردار بنو زہرہ! آپ میرے بیٹے عبداللہ کے لیے اپنی نور نظر آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا رشتہ منظور کر لیں۔"

بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف نے بنو ہاشم کے سردار حضرت عبدالمطلب کی درخواست کو بسر و چشم قبول فرما لیا، اس رشتہ ازدواج پر وہب بن عبد مناف کی خوشی کی انتہا نہ تھی، کیونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتے کے لیے کئی خاندان خواہش مند تھے۔

یہ رشتہ طے پا جانے کے بعد نکاح کی تقریب انجام پذیر ہوئی۔

قریش کی سب عورتوں میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نسب اور فضیلت میں افضل تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ برہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب تھیں، اور برہ کی والدہ یعنی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نانی ام حبیب بنت اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب تھیں اور ام حبیب کی والدہ برہ بنت عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر تھیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے بعد جب دوبارہ بنی اسد کی اس عورت سے ملے جس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کی درخواست کی تھی، اور آپ نے اسے رد کر دیا تھا۔

اس عورت نے آپ کو دیکھا تو پوچھا:

''اے عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم اتنے دن کہاں رہے ہو؟''

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میں نے آمنہ بنت وہب سے شادی کر لی ہے۔''

یہ سن کر اس عورت نے کہا:

''واللہ! میں کوئی بدکار عورت نہ تھی، میں نے آپ کی پیشانی پر ایسا نور دیکھا تھا، جسے میں نے چاہا کہ یہ مجھے منتقل ہو جاتا، لیکن خدا نے اسے ہی دیا، جسے وہ دینا چاہتا تھا۔''

حضور ﷺ ایامِ حمل میں

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی ہوگئی، اور ان کو اپنے گھر میں لا کر خلوت میں ان سے ملے تو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور ﷺ کا حمل مبارک ہوا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر اس عورت کے پاس تشریف لائے، جس نے آپ سے شادی کی درخواست کی تھی، وہ عورت خاموش بیٹھی رہی آج اس نے کچھ نہ کہا تھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''کیا بات ہے تم آج مجھ سے وہ باتیں نہیں کہہ رہی جو کل کہی تھیں۔''

اس عورت نے کہا:

''کل جو نور کرامت ظہور آپ کی پیشانی پر جلوہ گر تھا آج نہیں ہے۔ اس لیے اب میری آپ سے کوئی حاجت نہیں ہے۔''

اس عورت نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جو نصرانی ہو گئے تھے، اور آسمانی کتابوں پر انہیں عبور حاصل تھا، اور وہ ان کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ان سے سن رکھا تھا۔

''اس امت میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے۔''

اس لیے اس عورت نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کی خواہش کی تھی کہ وہ نبی ﷺ میرے بطن سے پیدا ہو۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حاملہ ہوئیں تو بیان کرتی ہیں:

''میرے پاس خواب میں ایک شخص آیا، اس نے کہا:

''اے آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا!) تم رسول خدا ﷺ کے ساتھ حاملہ ہوئی جو تاجدار دو عالم ﷺ ہیں، جب وہ زمین پر قدم رنجہ فرمائیں تم یہ الفاظ کہنا:

''میں اس مولود مسعود کو ذات واحد کی پناہ میں دیتی ہوں، تاکہ ہر حاسد کے شر سے محفوظ رہے۔''

''اور ان کا نام محمد ﷺ رکھنا''

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایام حمل میں دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا، جس کی روشنی میں ان کو شام اور بصریٰ کے محل دکھائی دیئے۔

شادی کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تجارت کے لیے ملک شام کی طرف گیے، اور واپسی کے وقت مدینہ میں انہوں نے قیام فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب کے حکم کے مطابق مدینہ میں کھجوروں کا سودا کر کے واپس آنا تھا۔

عبداللہؓ کا انتظار

سردار قریش حضرت عبدالمطلب ، کئی روز سے اپنے چہیتے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے ،وہ مکہ سے باہر بے آب وگیاہ پہاڑیوں میں نظریں جمائے کھڑے رہتے اور قافلے کی آمد کے منتظر رہتے۔ سورج مشرق سے طلوع ہوتا، پھر نصف النہار پر آ کر رک جاتا، پھر آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکنے لگتا، اور پھر تھکا ماندہ مغرب میں روپوش ہو جاتا۔

یہ روز کا معمول تھا، سورج طلوع ہوتا اور غروب ہوتا رہا، مگر حضرت عبدالمطلب کے لخت جگر کا روشن چہرہ انہیں نظر نہ آتا، بڑھاپے سے بھرے چہرے پر تھکن کے آثار نمودار ہو جاتے۔ وہ جھکے جھکے، تھکے اور بوجھل قدموں سے واپسی کا سفر طے کرتے، دوسری طرف حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکان سے باہر آتیں اور شمال کی جانب سے آنے والے راستے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر لیتیں۔ انہیں اپنے رفیق حیات کا انتظار تھا، دیکھتے دیکھتے وہ راستہ غبار آلود ہوتا ہوا تاریکیوں میں ڈوبنے لگتا، مگر ان کے دل کی قندیل روشن نہ ہوتی، ان کا یہ معمول روز کا تھا۔

جب سردار قریش حضرت عبدالمطلب نظریں جھکائے بوجھل قدموں سے واپس آتے تو ان کے دل کی کلی بھی مرجھا جاتی، آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی، اور پھر انتظار کا ایک نیا دن شروع ہو جاتا۔

حضرت عبدالمطلب دروازے پر آ کر بہو کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے، وہ انتظار کی اس کیفیت کو سمجھ سکتے تھے، کرب کی وہ گھڑیاں گزارنا محال تھا، ان سے انتظار کی یہ شدت دیکھی نہ جارہی تھی، ان کا اپنا دل بھی تو لہولہو ہو رہا تھا، آنکھوں میں نمی بہنے کے لیے مچلتی تھی، مگر وہ ضبط کے بندھن سے اسے روکے ہوئے تھے۔ اگر ضبط کا یہ بندھن ٹوٹ جاتا تو آنسوؤں کے اس طوفان میں سب کچھ بہہ جاتا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تسلی دیتے ہوئے حضرت عبدالمطلب کہتے:

"بیٹی! آج بھی کوئی نہیں آیا، آج بھی کسی قافلے کے آثار دکھائی نہیں دیئے، تم حوصلہ رکھو، اللہ نے چاہا تو کل ضرور ہمارا عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہمارے پاس ہوگا، قافلے نے راستے میں کہیں لمبا پڑاؤ ڈال لیا ہوگا۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چند یوم سے حضرت عبدالمطلب کی ڈھارس اور امید سے بھرپور یہ باتیں سن کر خاموش ہو جاتیں۔ ان کا دل ریزہ ریزہ ہوا چاہتا تھا۔

دن گزرتے جارہے تھے، مگر قافلے کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔

ایک روز سردار قریش صحن کعبہ میں اپنی مسند پر آرام فرمارہے تھے۔ ان کی آنکھ لگ گئی، انہوں نے دیکھا، ایک ننھا سا درخت ہے، یہ درخت دیکھتے ہی دیکھتے بڑھتے ہوئے آسمان کو چھونے لگا ہے۔ پھر یہ درخت پھیلنے لگتا ہے۔ مشرق ومغرب پر محیط ہو جاتا ہے، اس درخت سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں ساری دنیا اس درخت کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ وہ درخت کبھی آنکھوں سے روپوش ہو جاتا ہے، اور کبھی دعوت نظارہ دیتا ہے۔

پھر انہوں نے دیکھا، قریش کی ایک جماعت اس درخت کی ٹہنیوں سے لٹک رہی ہے اور قریش کی ایک دوسری جماعت اس درخت کے درپے آزار ہے۔ وہ اسے کاٹنے کے لیے دوڑتی ہے۔ اتنے میں ایک خوبرو اور شکیل جوان اس جماعت کے قریب آتا ہے اور انہیں وہاں سے بھگا دیتا ہے۔

حضرت عبدالمطلب آگے بڑھتے ہیں، اس درخت کا پھل توڑنا چاہتے ہیں تاکہ اس کا ذائقہ چکھ سکیں یہ دیکھ کر وہ نوجوان ان سے کہتا ہے:

"اے سردار قریش! اس کا پھل آپ کے لیے نہیں، آپ کا اس میں کوئی حصہ

نہیں، اس کا پھل تو ان کی قسمت میں ہے، جو اس درخت کی شاخوں سے لٹک رہے ہیں۔"

اسی دوران حضرت عبدالمطلب کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ بیدار ہو کر اٹھ بیٹھتے ہیں، خواب کے مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ وہ حیران ہیں کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔ پریشانی ان کے چہرے پر ہویدا ہونے لگتی ہے۔ وہ فوراً ایک کاہنہ کے پاس جاتے ہیں، اور اس سے اپنا خواب بیان کرتے ہیں وہ کاہنہ خواب کی تفصیل سنتی ہے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوتے ہیں، وہ غور سے حضرت عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھنے لگتی ہے، پھر کچھ دیر سوچتی ہے اور کہتی ہے:

"اگر آپ نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے، تو یہ بڑا مبارک ہے۔ تمہاری نسل سے ایک ایسی ہستی کا ظہور ہوگا جس کی حکمرانی مشرق و مغرب اور شمال سے جنوب تک چاروں اطراف ہوگی، مگر تم اس کو نہ دیکھ سکو گے۔"

حضرت عبدالمطلب تعبیر سن کر گھر واپس آ جاتے ہیں۔

دن اپنی رفتار سے بھاگتے جاتے ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار انہیں اور بوجھل کر دیتا ہے۔ وہ صبح سے شام تک مکہ کے باہر اپنے بیٹے کی آمد کے منتظر رہتے ہیں۔ سورج روز ہی امید اور آس کی ایک نئی کرن لے کر طلوع ہوتا، اور حسرت و یاس کی کرنیں لیے غروب ہو جاتا۔ حضرت عبدالمطلب روزانہ تھکے تھکے قدموں سے چلتے ہوئے گھر واپس لوٹ آتے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلے کی آمد کی منتظر رہتیں۔ وہ سر اٹھائے مکہ کے پہاڑوں کی طرف دیکھتی رہتیں کہ شاید قافلے کے دھندلے سے آثار نمودار ہوں۔ دور گرد اڑے اور ان کے رفیق حیات اس قافلے سے ہنستے مسکراتے نمودار ہوں۔ کبھی کبھی وہ تصور کی آنکھ سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قافلے کے ساتھ شاداں و سرور کشاں کشاں آتے ہوئے دیکھتیں۔ اسی کشمکش میں دن گزرتے رہے۔ آس اور امید کے دیئے ٹمٹمانے لگے۔

ایک دن عبدالمطلب مکہ سے باہر پہاڑوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں دور گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ ان کا دل خوشی سے جھوم اٹھا، یقیناً یہ کسی قافلے کی آمد کے آثار تھے۔ ہوسکتا ہے یہ وہی قافلہ ہو جس میں ان کے جگر کے ٹکڑے عبداللہ آ رہے ہوں۔

قافلہ قریب سے قریب تر آتا جارہا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی، وہ قافلے کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے، قافلہ قریب آ گیا، یہ قریش ہی کا قافلہ تھا، مسافروں کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔

حضرت عبدالمطلب کی بے چین نگاہیں، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کررہی تھیں، مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اتنے میں ایک سوار اونٹ سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا، وہ حضرت عبدالمطلب کے قریب آیا، حضرت عبدالمطلب بھی بے چینی سے اس کی طرف بڑھے۔

سوار نے حضرت عبدالمطلب کو سلام کیا۔

حضرت عبدالمطلب نے بے چین ہو کر سوار سے پوچھا:

"عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہاں ہے؟"

نوجوان نے جواب دیا:

"اے سردار! واپسی پر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے ساتھ تھے، یثرب پہنچتے ہی انہیں تیز بخار نے آلیا، نقاہت کی وجہ سے وہ چل نہیں سکتے تھے۔ کمزوری بڑھ گئی تھی، اس لیے وہ اپنے ننھیال میں رک گئے ہیں، ٹھیک ہوتے ہی آجائیں گے، آپ پریشان نہ ہوں۔"

سردار قریش عبدالمطلب سر جھکائے وہاں سے چلے آتے ہیں، دل بجھا بجھا سا ہے، وہ اپنے نور نظر کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔ مکان کے دروازے پر حسب معمول حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سر جھکائے کھڑی ہیں۔ وہ آج پھر حضرت عبدالمطلب کو اکیلے دیکھ کر مرجھا سی جاتی ہیں۔

حضرت عبدالمطلب ان کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"بیٹی قافلہ تو آ گیا ہے، مگر عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نہیں آیا، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، شاید بخار نے آلیا ہے، تم فکر نہ کرو، انشاء اللہ وہ جلد ٹھیک ہو جائے گا، پھر وہ واپس آئے گا، تم حوصلہ رکھو میں ابھی حارث کو یثرب بھیجتا ہوں، وہ اسے اپنے ساتھ لے آئے گا۔"

حضرت عبدالمطلب کی باتیں سن کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پریشان ہو جاتی

ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری کا سن کر وہ فکرمند ہو جاتی ہیں۔

''عبداللہ بیمار ہیں، انہیں میری تیمارداری کی ضرورت ہوگی، مجھے اس وقت ان کے پاس ہونا چاہیے۔''

وہ دل ہی دل میں سوچنے لگیں۔

آنکھوں میں نمی بڑھنے لگی، وہ سر جھکائے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

''عبداللہ بیمار ہیں، میرے خدا میں کیا کروں، عبداللہ، عبداللہ۔''

ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ سسکیاں لبوں پر آنے کے لیے مچلنے لگیں، مگر حلق میں آ کر ہی وہ دم توڑ گئیں۔ انہوں نے ضبط کی مالا ٹوٹنے نہ دی تھی۔ صبر کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔

تقدیر الٰہی اپنا کام کر گئی، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے، اور ایک ماہ بیمار رہ کر وفات پا گئے، آپ کی وفات سے سب کو شدید صدمہ ہوا، لیکن حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو قیامت ٹوٹی اس کا اندازہ وہی کر سکتی تھیں، رسول اللہ ﷺ ابھی شکم مادر میں ہی تھے کہ سایہ عاطفت سر سے اٹھا لیا گیا کہ اللہ کے محبوب ﷺ یتیم پیدا ہونے والے تھے۔

حضرت عبدالمطلب یہ سن کر غمزدہ ہو گئے، لاڈلے بیٹے کے انتقال کا صدمہ بے حد ہوا، خانہ کعبہ میں تشریف لائے، طواف شروع کیا، رات بھر بیت اللہ کا طواف کرتے رہے۔

حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں:

''میں نے طواف کے وقت نورانی چہرے اور ہر طرف نور ہی نور دیکھا۔''

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

''سید کائنات ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک، اور حضرت حوا سے لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک طیب وطاہر ﷺ کا نسب شریف شرک وکفر کی آلودگی سے پاک وصاف رہا۔ جب اللہ جل جلالہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو حبیب پاک ﷺ کے نور پاک کو ان کی پشت مبارک میں بطور ودیعت رکھا، اس نور کے انوار ان کی پیشانی میں یوں نمایاں تھے، جیسے آسمان

پر آفتاب اور اندھیری رات میں چاند چمکتا ہے، اور ان سے یہ عہد لیا گیا:

"یہ نور پاک پشتوں سے پاک رحموں تک منتقل ہوا کرے"۔

یہاں تک کہ حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ نبی پاک سیاح افلاک ﷺ کا معجزہ ہے کہ حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ آپ سے پہلے اور بعد میں ایک بطن سے ہمیشہ جوڑا (لڑکا، لڑکی) پیدا ہوتا رہا، اور مختلف جوڑوں میں پیدا ہونے والوں کی آپس میں شادی کر دی جاتی تھی۔ اسی نور پاک وطیب رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب ﷺ کے تمام آباؤ اجداد امہات کو شرک وکفر کی جاہلیت وآلودگی سے پاک صاف رکھا، جبکہ ایام جاہلیت میں زنا، کفر اور شرک عام عادت تھی۔"

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید الرسل ﷺ سے روایت کرتی ہیں:

"جبرائیل امین سے افضل کوئی فرشتہ نہیں، اور بنو ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہیں۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

فخر انسانیت ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

"میں بنی آدم کے بہترین زمانے میں مبعوث ہوا ہوں، صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں حتیٰ کہ میں بہترین اور عمدہ ترین زمانے میں مبعوث ہوا۔"

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا، اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو اور اولاد کنانہ سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو، بنی ہاشم سے مجھے شرف انتخاب بخشا اور پسندیدہ قرار دیا۔"

اسی طرح ترمذی میں بہ سند آیا ہے:

اکمل واجمل ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھے خلقت کے سب سے بہترین گروہ میں

بنایا، قبائل کو چنا تو سب سے بہترین قبیلے میں بنایا، پس میں روح ذات اور اصل کے لحاظ سے ان سب سے اچھا ہوں۔"

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! قریش نے ایک مجلس جمائی، اور اس میں اپنے اپنے حسب ونسب کا ذکر کیا، تو آپ سید موجودات ﷺ کو کھجور کے اس عظیم الشان درخت کی مانند قرار دیا جو ایک ویران زمین میں نمودار ہوتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کا مادری، پدری سلسلہ نسب اس طرح ہے:

محمد مصطفیٰ ﷺ کے پڑدادا ہاشم تھے، ہاشم کے پڑدادا کلاب تھے۔

کلاب بن مرہ کے دو صاحبزادے تھے، چھوٹے کا نام قصیٰ اور بڑے کا نام زہرہ تھا۔ قصیٰ کی اولاد میں نسب مبارک کے مطابق اسماء گرامی کی تفصیل اس طرح ہے:

قصیٰ کے بیٹے عبد مناف جن کا اصل نام مغیرہ تھا۔ عبد مناف کے بیٹے ہاشم تھے، ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ تھی ترتیب ان ناموں کی جن کا سلسلہ نسب ختم المرسلین ﷺ کے والد گرامی تک پہنچتا۔

اب کلاب بن مرہ کے دوسرے بیٹے کا حال جن کی اولاد کا سلسلہ حضور ﷺ کی والدہ تک پہنچتا ہے۔

زہرہ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، ان کا چھوٹا بھائی قصیٰ ابھی ماں کی گود میں ہی تھا کہ ان کے والد کلاب کا انتقال ہوگیا، ماں نے شام کی سرحد پر سکونت پذیر قبیلہ کے ایک شخص ربیعہ سے شادی کرلی۔ قصیٰ نے وہیں پرورش پائی، جب جوان ہوئے تو مکہ واپس آئے۔ بڑے بھائی زہرہ نے قصیٰ کی آواز کو باپ (کلاب) کی آواز سے مشابہ پاکر اپنا بھائی تسلیم کرتے ہوئے۔ باپ کی جائیداد میں سے چھوٹے بھائی کا حصہ ادا کردیا۔

زہرہ کے دو بیٹے عبد مناف اور حارث پیدا ہوئے۔ زہرہ کی اولاد بنو زہرہ کہلائی، عبد مناف کے بیٹے کا نام وہب تھا، جو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد تھے۔

خاندانی شرافت، پاکبازی، دینداری، صورت و سیرت، سنجیدگی، مزاج اور عقل وفہم کے

لحاظ سے قریشی عورتوں میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی ثانی نہیں تھا، اور نبی کامل ﷺ کی والدہ بننے کے لیے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ان سب خوبیوں کا ہونا ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عزت والا بنا دیتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ جو شخص قابل تعریف یا قابل عزت ہوتا ہے، اسے ہی مرتبہ اور مقام ملتا ہے، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ رب العزت نے ایک اعلیٰ اور شریف عورت کی تمام خوبیاں عطا کر رکھی تھیں۔ ان کے پورے سلسلہ نسب کو بھی عزت اور شرف سے نوازا تھا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد وہب بن عبد مناف قریش میں نہایت محترم شخصیت تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی کے لیے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب کیا گیا، جو رتبہ اور نسب کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد نسب اور شرف دونوں حیثیت سے بنو زہرہ کے سردار تھے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں امانتدار نور نبوی ﷺ بن گئی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں بتایا گیا:

"بچے کا نام احمد ﷺ رکھنا۔"

آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے محمد ﷺ تجویز کیا۔ احمد ﷺ اور محمد ﷺ دونوں ہی مبارک نام حضور ﷺ کے نام ہیں۔

خواب کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین ہوگیا تھا کہ ان کا بیٹا نہایت مبارک اور مسعود ہوگا، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بچہ گود میں لینے سے قبل حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چند اشعار میں اس بات کا اظہار کیا تھا:

"میں اپنے بچے کو خداوند ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے شتر سوار دیکھوں اور یہ بھی دیکھ لوں کہ وہ غلاموں اور غریبوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنے والا ہے۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت صبر والی خاتون تھیں، ذرا سوچئے ایک عورت جس کا شوہر شادی سے چند ماہ بعد ہی فوت ہو جائے اس پر کیا گزرے گی، لیکن حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر چند اشعار کہے:

"ہاشم کے ایک فرزند کو موت نے پکار لگائی، اور وہ چلا گیا، وہ لواحقین کو روتا چھوڑ کر آسودۂ خواب ہو گیا، افسوس کہ موت نے اس کا نظیر بھی دنیا میں کوئی نہ چھوڑا۔ اس کے دوست شام کے وقت اس کی لاش اٹھا کر چلے اور ازراہ محبت وہ کاندھا بدلتے ہوئے اس کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ اگرچہ موت نے اسے ہم سے دور کر دیا مگر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ بہت سخی اور غریبوں کا ہمدرد تھا، موت نے اس کا وجود تو ختم کر دیا لیکن اس کے کردار کے نقوش تو نہیں مٹائے جا سکتے وہ بڑا رحمدل اور دانا تھا۔"

سبحان اللہ! یہ شان نبی ﷺ کی ماں کی ہی شان ہے کہ جس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال سے لے کر اپنے وصال تک نہایت ہمت اور صبر سے رسول خدا ﷺ کی پرورش کی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نبی ﷺ کو ساتھ لے کر مدینہ آئیں، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر تشریف لے گئیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان والوں کا خیال تھا کہ آپ اپنے شوہر کی قبر پر آ کر ماتم کریں گی، لیکن ایسا نہ ہوا، کیا بلند شان ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی، کہ نہ روئیں نہ ماتم کیا اور نہ ہی بین کیا۔

برداشت اور صبر خدا تعالیٰ نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔

جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ میں ایک ماہ قیام کے بعد مکہ کو واپس ہوئیں تو مقام ابواء پہنچ کر ان کا بھی جوانی میں ہی وصال ہو گیا، غالباً پیارے شوہر کی جدائی کا غم قبر کو دیکھنے سے بڑھ گیا، قلب پر چھا گیا اور اپنا کام کر گیا، اور یہ پیکر وفا و محبت زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں، اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پوری ہوئی کہ نبی رحمت ﷺ اپنی تربیت میں ماں باپ کے بار صفت سے سبکدوش رہے۔

محمد ﷺ کے والدین کا مرتبہ و مقام

قرآن پاک میں والدین کی خدمت اور حسن سلوک کا حکم ہوا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور تمہارے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے عجز و نیاز سے جھکے رہنا اور ان کے حق میں دعا کرنا کہ:

''اے پروردگار! جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں پرورش کیا ہے تو بھی ان پر اپنی رحمت فرما۔'' (سورہ بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)

رسول برحق ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

''وہ دونوں (ماں باپ) تیری جنت دوزخ ہیں، یعنی جو لوگ ان کو راضی رکھیں گے جنت پائیں گے، اور جو ان کو ناراض رکھیں گے، وہ دوزخ کے مستحق ہوں گے۔'' (ابن ماجہ)

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟''

پیغمبر صادق ﷺ نے فرمایا:

”تیری ماں۔“

دوبارہ یہی سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”تیری ماں۔“

پھر پوچھا گیا تو رسول برحق ﷺ نے فرمایا:

”تیری ماں۔“

چوتھی بار پوچھنے پر فرمایا:

”تیرا باپ۔“

ایک بار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو۔“

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی:

”یارسول اللہ ﷺ! کون؟“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”وہ جس نے ماں باپ سے حسن سلوک نہ کیا، اس کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک (ماں باپ) بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرلے۔“

ایک اور مجلس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا:

”یارسول اللہ ﷺ! نیکی کے کاموں میں خدا تعالیٰ کو کون سا کام پسند ہے؟“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وقت پر نماز ادا کرنا۔“

اس کے بعد فرمایا:

”ماں باپ سے حسن سلوک سے پیش آنا۔“

جس پیغمبر ﷺ نے ۲۳ سال تک والدین کا ادب کرنے کا حکم دیا، تو کیا ایسے ماں باپ جنہوں نے ایسے فرزند اقدس ﷺ کو جنم دیا، اور نبی کامل ﷺ پر تمام تر مرتبہ ختم ہوگئے، کیا ایسے ماں باپ کم مرتبہ ہوسکتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

معراج شریف کے موقع پر رحمت اللعالمین ﷺ کو رب العالمین نے تمام جہانوں اور آسمانوں کی سیر کرائی۔ عرش بریں پر تمام پیغمبران کرام علیہم السلام والصلوٰۃ نے نبی پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ خاتم الرسل ﷺ نے جنت اور دوزخ کا نظارہ کیا اور وہیں جنت الفردوس میں اپنے والدین سے ملاقات فرمائی۔

اولیاء اللہ کے سینہ بہ سینہ ارشادات کے مطابق اپنے والدین کو کلمہ محمدی پڑھایا، اور انہیں جنت الفردوس میں اونچے مقامات میں سے ایک مقام دیا۔

غور طلب بات ہے۔

جو نبی ﷺ دوسروں کو والدین کا ادب کرنے کا حکم دیتا ہے، دوسروں کے والدین کے لیے عزت رکھتا ہے۔ درد رکھتا ہے، تو کیا اس کے دل میں اپنے والدین کے لیے کوئی درد نہیں، کیوں نہیں، ضرور ہے، بلکہ یہ انسانی فطرت ہے، جیسا کہ معراج شریف کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کی۔

اولیاء اللہ کے در پردہ اور سربستہ ارشادات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اس وقت چار نیک صالح بیبیاں۔

حضرت حوا علیہ السلام، حضرت مریم علیہ السلام، حضرت آسیہ علیہ السلام اور حضرت زلیخا علیہ السلام روحانی طور پر وہاں حاضر تھیں۔ وہ کیوں آئیں یا انہیں کیوں بھیجا گیا تھا؟

دراصل رب کریم نے انہیں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کے لیے بھیجا تھا، جن کے بطن مبارک سے خیر البشر ﷺ پیدا ہونے والے تھے۔ اس طرح حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مرتبہ ظاہر کرنا مقصود تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسی بیبیاں جنہیں قرآن مجید میں نیک صالح بیبیاں کہا گیا ہے، وہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کرنے کے لیے تشریف لاتی ہیں، ان کے گھر

کے کام کاج کرتی ہیں۔

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون سے چھپا کر کی۔ اس وجہ سے حضرت آسیہ علیہ السلام کو صالح بی بی قرار دیا گیا۔

حضرت مریم علیہ السلام کے بطن مبارک سے معجزہ الٰہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوا، اور ان کو بھی قرآن مجید نے نیک صالح بی بی کہا ہے۔

حضرت زلیخا علیہ السلام کی پوری زندگی حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں روتے ہوئے گزر گئی، اور جب ان کا یہ زہد قبول ہوا تو حضرت زلیخا علیہ السلام کو اس جہاں میں دوبارہ جوانی ملی بلکہ اولیائی ملی۔

حضرت حواء علیہ السلام کو بھی نیک صالح بی بی کہا گیا ہے۔ ان کی عظمت اس وجہ سے بھی ہے کہ وہ سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی اور تمام نسل انسانی کی ماں ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جس بی بی یعنی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت یہ چار نیک صالح بیبیاں کرتی ہیں، تو خود ان کا اپنا مرتبہ اور مقام کتنا اونچا ہوگا۔ جس نے انبیاء کرام علیہم السلام والصلوٰۃ کے سردار نبی ﷺ کو جنم دیا، تو کیا وہ تمام ماؤں کی سردار نہ ہوں گی؟ یقیناً ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی کا مرتبہ مقام محبت والے، مدد والے، اللہ والے یا مرید ہی سمجھ سکتے ہیں، بڑوں کے مرتبے بڑے ہی جان سکتے ہیں۔ جیسا کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پاک نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کے مرتبہ مقام کو اس طرح تسلیم کیا جس طرح کہ تسلیم کرنے حق کا ہے۔

قرآن پاک نے جن نیک صالح کاملین مرد، بیبیوں کا ذکر کیا ہے، ان کا مرتبہ و مقام ماننا پڑے گا، بن دیکھے ماننا پڑے گا، یہ ہے غیب پر ایمان۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے:

"ہم دیکھیں یا نہ دیکھیں انکار کی شکل کفر کی ہے۔"

اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔

"دیکھیں گے تو مانیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ کے والدین گرامی کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ

انتہائی نیک صالح انسان تھے، اور پھر رسول اللہ ﷺ کے والدین ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔ جتنے بھی بلند مرتبہ والدین ہوئے ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ کے والدین گرامی، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے افعال واعمال بارگاہ ایزدی میں سب سے زیادہ قبولیت اور منظوری والے ہیں۔

ان کا مرتبہ اور مقام بہت اونچا ہے۔

خاتم النبیین ﷺ...... کے والدین

حضور پاک ﷺ خاتم النبیین ﷺ ہیں، اہل شریعت کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی ہیں،

"اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

یہ درست ہے، لیکن اہل طریقت، حقیقت و معرفت والے کامل پیر فقیر اور اولیاء اللہ سب یہ کہتے ہیں:

"رب تعالیٰ نے نبی ﷺ پر علم، اختیار، عقل والے تمام تر مرتبے اور مقام ختم کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو کلی عقل، تمام اختیار اور سب علم عطا کر دیا، تمام اولیاء و انبیاء کا سردار بنا دیا۔"

ہمارا ایمان ہے کہ رسول برحق ﷺ اللہ کے آخری رسول ﷺ ہیں، ان کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ ہی آئے گا، آپ ﷺ کی آمد کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مختلف قسم کے معجزات عطا کیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزات عطا ہوئے۔

(۱) آپ کے پاس ایک عصا (لاٹھی) تھا، جسے آپ زمین پر پھینکتے تو یہ اژدھا بن جاتا تھا۔

(۲) آپ کے پاس ایک ید بیضا تھا، یعنی آپ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر جب باہر نکالتے

تو وہ سورج کی روشنی سے بھی زیادہ چمکدار ہوتا۔ جسے دیکھ کر دشمن مرعوب ہو جاتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی دو معجزات عطا ہوئے۔

(۱) آپ کے ہاتھوں میں یہ خصوصیت تھی کہ لوہے کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر جس طرح چاہتے موڑ لیتے اور زرہ، اور ہتھیار بنا لیتے۔

(۲) جب آپ خدا کا کلام (زبور) پڑھتے تو آپ کی آواز میں اتنا سوز ہوتا تھا کہ تمام سننے والے انسان تو کیا حیوان تک بے خود ہو جاتے تھے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی دو معجزات عطا ہوئے۔

(۱) آپ پرندوں اور جانوروں کی بولی سمجھ لیتے تھے۔

(۲) آپ کا تخت ہوا میں اڑتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دو معجزات عطا ہوئے۔

(۱) آپ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو دم کرتے تو اسے اسی وقت شفا ہو جاتی تھی۔

(۲) مٹی کا پرندہ بنا کر اسے پھونک مارتے وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا تھا۔

اسی طرح بہت سے پیغمبروں کو خاص طور پر جن کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے۔ معجزات عطا ہوتے رہے۔ انہیں خاص کاموں کا علم ملتا رہا۔ اختیار ملتا رہا، لیکن خاتم النبیین ﷺ کو تمام پیغمبروں کے علم سے زیادہ علم حاصل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس قدر علم اپنے پیغمبروں کو عطا کیا، رسول برحق ﷺ اس علم سے کہیں زیادہ علم کے مالک ہیں۔ اس لیے نبی آخر الزماں ﷺ پر تمام مرتبے، مقام، اختیار اور علم ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت ہی بڑا مرتبہ اور مقام ہے۔

سید الصادقین ﷺ کا مرتبہ اور مقام اس بات سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس شے یا شخص کا تعلق کسی طرح بھی صاحب قرآن ﷺ سے ہوا' اس چیز یا شخص کا مرتبہ اور مقام بھی بلند تر ہوتا چلا گیا، اور قیامت تک کے لیے منفرد، بے مثال اور لازوال ہو گیا۔

مثلاً خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی خواہش کو ہمیشہ کے لیے قبلہ بنا دیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیف اللہ کہا، اور وہ واقعی اللہ کی تلوار ثابت ہوئے، زوجین محرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرار دے دیا گیا۔ اس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اولاد، امت یہاں تک کہ خاتم الرسل ﷺ کے والدین گرامی

بھی رسول مقبول ﷺ کی عظمت سے منسلک ہو کر عام انسانیت سے نہایت عظیم ہو گئے کہ جن کا رہتی دنیا تک کوئی ثانی نہ ہوگا۔

اب نبی حاشر ﷺ کا اختیار دیکھیں، ان کے صدقے، ان کے طفیل کیا کچھ نہیں ہوا۔

قرآن پاک کو خاتم الکتاب کہا گیا۔ خاتم الکتاب یعنی ایسی کتاب جو سب کتابوں سے افضل ہے۔ جس میں کوئی چیز ادھوری نہیں چھوڑی گئی اور تا قیامت مکمل رہے گی۔

سید المرسلین ﷺ کے طفیل آپ ﷺ کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم الصحابہ کرام ٹھہرایا گیا۔

پہلے پیغمبروں سے بڑھ کر رسول برحق ﷺ کے ساتھیوں کو مرتبے اور مقام ملے۔ اس لیے خاتم الصحابہ کرامؓ کہلائے، اور خاتم المرسلین ﷺ کی اولاد خاتم اولاد کہلائی یعنی سب سے بہتر اولاد۔

شافع محشر ﷺ کی امت میں ہونے والے اولیاء اللہ کو خاتم الاولیاء کہا گیا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کے صدقے امت محمدی خاتم الامت کہلائی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لیے امت بھی کوئی نہ ہوگی۔

امت محمدی پہلی امتوں سے افضل امت ہے۔ جس کی گواہی رسول برحق ﷺ سے پہلے آنے والے پیغمبروں نے بھی دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"حضور پاک ﷺ کی امت میں جو اولیاء اللہ ہوں گے، ان کی مائیں میری ماں سے افضل ہوں گی۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

"یا الٰہی! مجھے حضرت محمد ﷺ کی امت میں سب سے پہلا مسلمان قبول کر۔"

خود رسول عادل ﷺ کی حدیث مبارک ہے:

"جیسے بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں۔ ان سے بلند مرتبہ میری امت کے اولیاء اللہ ہوں گے۔"

ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ امت محمدی سب سے بہتر اور خاتم

الامت ہے۔

جس نبی ﷺ کے امتی کا یہ حال ہو کہ اس کا مقام بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے بلند ہو، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے بلند مرتبہ پیغمبر جنہیں اللہ کے آخری رسول ﷺ کے جد اعلیٰ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، اپنے لیے دعا کر رہے ہیں۔

"اے پروردگارِ عالم! میں ختم الرسول ﷺ کی امت میں مسلمان قبول کیا جاؤں۔"

ذرا سوچیے اس نبی برحق صادق ومصدوق ﷺ کے والدین کے مقام اور مرتبہ کا کیا عالم ہوگا۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں خاتم النبیین ﷺ کے ماں باپ ہی خاتم الوالدین ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسے سب سے بہتر اور بلند مرتبہ والدین نہ پہلے کبھی ہوئے نہ قیامت تک ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوتے، اور آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لاتیں تو آپ ﷺ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ اگر نبی محسن ﷺ کے والدین زندہ ہوتے تو کیا والیٔ دو جہاں ﷺ ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کر کھڑے نہ ہوتے، ضرور ہوتے۔ کیونکہ خاتم النبیین ﷺ نے تمام عمر والدین کی عزت اور تعظیم کرنے کی تلقین کی۔

روزِ محشر سب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے، تو صاحب معراج ﷺ کے والدین بھی تشریف لائیں گے۔ اس وقت کیا نبی حامد ﷺ اپنے والدین کے ادب میں اٹھ کر کھڑے نہ ہو جائیں گے، یقیناً ایسا ہی ہوگا اور جب شافع محشر ﷺ اٹھ کر کھڑے ہوں گے تو تمام کائنات رسول برحق ﷺ کی تعظیم میں، ان کی تقلید میں ان کے والدین کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑی ہوگی۔

سبحان اللہ ایسے بلند مرتبہ والدین۔

وہ مسلمان جو تمام پیغمبروں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ سے محبت رکھتے ہیں، ان میں عاجزی اور بزرگوں کا ادب واحترام کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ وہ تو خاتم الوالدین کا مرتبہ اور مقام تسلیم کرتے ہی ہیں، لیکن تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کے اعلیٰ مرتبہ اور مقام کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کریں، اور ان کا جس قدر بھی ہو سکے، ادب واحترام کریں۔ یہ سب کے لیے نجات کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے ہر شخص پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب ﷺ کے صدقے اور طفیل اپنے بندوں کو جو مرتبے اور مقام عطا کیے ہیں، ان سب کو بلا کم و کاست تسلیم کرلے، انہیں نبی آخر الزمان ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خاتم الوالدین ہونے کا مرتبہ بھی ماننا پڑے گا۔

مریدوں پر جو مشکلات آتی ہیں اسے زہد کہتے ہیں زہد میں صبر کے ساتھ گزرنا نیکی بن جاتا ہے اور یہی زہد قرب الٰہی کا باعث بنتا ہے۔

اس طرح حضرت حوا علیہ السلام، حضرت مریم علیہ السلام، حضرت آسیہ علیہ السلام اور حضرت زلیخا علیہ السلام کو اپنی دنیاوی زندگی میں جس زہد سے گزرنا پڑا، قرب الٰہی، منظوری اور قبولیت کے لیے ان کے روحانی مقام میں کچھ کمی رکھی گئی تھی، ان چاروں کی یہ کمی رسول طیب ﷺ کی ولادت مبارک کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھریلو کام سرانجام دینے سے پوری ہوئی۔

گھریلو کام کرنا کوئی مشکل یا زہد نہیں تھا، بلکہ ان کاموں کو سرانجام دینے کا اعزاز اور انعام یا مقام اس لیے تھا کہ جس ہستی کی خدمت کے لیے انہوں نے کام کیے، اس ہستی کا مرتبہ بہت عظیم ہے، اور اس ہستی یعنی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طفیل ان نیک صالح بیبیوں کا باطنی فیض مکمل ہوا، اب ذہن میں سوال آسکتا ہے کہ روحانی مقام میں کمی کیوں رکھی گئی تھی اس لیے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرتبہ و مقام کی برتری کو اہمیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے، اس کی منظوری فرماتا ہے، جتنا اسے علم ہے ہمیں نہیں ہوسکتا۔ یہ نیک صالح چاروں بیبیاں جو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کرتی ہیں، دراصل خدمت کرنے کے عوض ہی ان کے روحانی مقام کی منظوری بھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جس ہستی یعنی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے ان چاروں بیبیوں کی قبولیت اور منظوری کی، ہمیں بھی اس ہستی کا مرتبہ اور مقام تسلیم کرنا چاہیے۔ ورنہ اس کی بارگاہ میں ہماری کوئی نیکی قبول یا منظور نہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک کا سب اقرار کرتے ہیں، لہٰذا نور مبارک خدا کے نیک صالح بندوں میں ہی ظہور پذیر ہوتا آیا ہے، اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سب قبولیت اور منظوری

والے ہیں۔

اس طرح جب یہ مبارک نور سید الامم ﷺ کے والدین کو منتقل ہوا تو ان کا مرتبہ اور مقام عام والدین کی طرح کس طرح ہوسکتا ہے، یقیناً نسل انسانی کے تمام والدین سے ان کا مرتبہ ومقام انتہائی بلند ہے۔ ہم سب کے لیے وہ قابل احترام ہستیاں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا سب سے اونچا مقام ہے، اسی سے رسول اللہ ﷺ کے والدین کے مقام ومرتبہ کا اندازہ ہونا چاہیے، انہیں دائمی سکون اور چین حاصل ہے۔

یہ سب کے سب ازلی فیصلے ہیں، ہمارے یا آپ کے نہیں، مالک کائنات کے فیصلے ہیں، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

"وہ جسے چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے۔"

جسے اللہ رب العزت پسند کرتا ہے، اسے ہی مرتبہ اور مقام ملتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جو مرتبے اور مقام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو عنایت ہوئے ہیں انہیں تسلیم کرلے، اور یہی رضائے الٰہی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

آپ ﷺ کا انتخاب

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالیشان ہے:

''میں کئی صدیوں بعد، بنو آدم کے بہترین قرون میں بھیجا گیا ہوں، حتیٰ کہ وہ قرن آ گیا جس میں میں پیدا ہوا ہوں۔''

صحیح مسلم میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنو ہاشم، اور ان سے مجھ کو منتخب کیا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، تو مجھے بہترین مخلوق اور فریقین میں سے بہتر فریق میں پیدا کیا، پھر قبائل کا انتخاب کیا، تو مجھے بہترین قبیلے میں کیا، اس کے بعد خاندانوں کا انتخاب کیا، تو مجھے بہترین خاندان میں بھیجا، اس لیے میں بلحاظ نفس اور بلحاظ خاندان سب انسانوں سے بہتر ہوں۔''

اس حدیث کو ترمذی نے ذکر کیا ہے، اور اس کو حسن کہا ہے۔

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چنا تو ان میں سے بنو آدم کو پسند فرمایا، پھر بنو آدم سے عرب کو اور عرب سے مجھے پسند فرمایا، پس میں، ہمیشہ سے پسندیدہ، لوگوں سے پیدا ہوا ہوں، خبردار! جس نے عربوں سے محبت کی، انہوں نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی بنا پر ان سے بغض رکھا۔''

آپ ﷺ کے والدین

آپ ﷺ کے والد کا نام عبداللہ ہے، اور آپ عبدالمطلب کے بیٹے ہیں، عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے عفیف تھے۔ ان کے والد ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔

اکثر مورخین کا خیال ہے۔

''وہ حضور ﷺ کی حمل کی حالت میں وفات پا گئے تھے۔''

بعض کہتے ہیں:

''وہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دو ماہ بعد فوت ہوئے۔''

حضرت عبداللہ نے اپنے ترکہ میں پانچ اونٹ، ایک حبشی کنیز چھوڑی، جس کا نام برکتہ اور کنیت ام ایمن تھی، اور بچپن میں یہی آپ ﷺ کی دایہ تھیں، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے۔

حضرت عبداللہؓ کی سرگزشت

رسول اللہ ﷺ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا، اور مکہ کے قبائل دس مختلف قبائل میں تقسیم تھے۔

قریش کا ہر قبیلہ اپنے داخلی معاملات میں خودمختار ہوتا تھا، اور دوسرے ان کے معاملات

میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔

قریش کے دس قبائل میں سے ایک کا نام تھا ''ہاشم'' رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب اس قبیلے کے سربراہ تھے، اور وہ مکہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔

ان دنوں مکہ کی سرزمین کا رقبہ تقریباً دوسو مربع کلومیٹر تھا، اور اس وسیع خطہ میں ایک درخت بھی دکھائی نہ دیتا تھا، مکہ کے رہنے والے دو طریقوں سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے تھے۔ایک تجارت دوسرے مویشی، خاص طور پر اونٹوں کی پرورش کے ذریعے سے۔

نہ صرف قریش کے دس قبائل بلکہ دیگر عرب قبائل میں بھی شتر یعنی اونٹ کی اہمیت معاشی لحاظ سے ہی قابل ذکر نہیں، بلکہ کسی کے ہاں اونٹ کا ہونا خاندانی اعزاز اور طبقات برتری کی علامت بھی تصور کیا جاتا تھا۔

ایک بدوی عرب (بیابان یا صحرا میں رہنے والا) جب تک اونٹ کی پرورش یا دیکھ بھال کو اپنا پیشہ بنائے رکھتا، تو اس دور کے معاشرے میں اسے ایک اعلیٰ اور معزز طبقے کے فرد کی حیثیت حاصل ہوتی تھی، اور اگر وہ بھیڑ بکریاں پالنے کا مشغلہ اپنا لیتا تو وہ اپنی برتری کھو بیٹھتا، اور ایک درمیانے طبقہ کے فرد میں تبدیل ہو جاتا تھا۔

ایک عرب ریگستان میں زندگی بسر کرتا، اونٹوں کی پرورش کرتا اور ایک خاص قبیلے سے منسوب ہوتا تھا، عرب قوم میں انفرادی زندگی بسر کرنے کا سرے سے کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا۔

جس طرح ایک ایٹم اکیلا نہیں رہ سکتا، اور وہ مجبور ہے کہ دوسرے ایٹموں کے ساتھ مل کر ایک مالیکیول کی شکل اختیار کرے، تاکہ اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے، اسی طرح اس زمانے میں ایک عرب بھی صرف اور صرف اپنے قبیلے کے ساتھ وابستہ رہ کر ہی اپنی شناخت کو برقرار رکھ سکتا تھا۔

اگر کوئی قتل واقع ہو جاتا تو مقتول کا قبیلہ قاتل سے قصاص لینے کے بجائے اس کے تمام قبیلے سے انتقام لیتا تھا۔

اگرچہ قبیلے کے سربراہ کی حیثیت ایک بادشاہ جیسی ہوتی تھی، یعنی اسے تمام اختیارات حاصل تھے، لیکن اس کے باوجود اس کے پاس بھی اونٹ کے سوا شان وشوکت والی کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی تھی۔

عبدالمطلب جو ہاشمی خاندان کے سربراہ تھے، اور رسول اللہ ﷺ کا تعلق بھی اس قبیلہ

سے تھا، انہوں نے خدا سے اولاد کی دعا مانگی، اور یہ نذر بھی کی:

"اگر خدا نے مجھے دس بیٹے عطا کیے تو میں اپنے دسویں بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کردوں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کی تکمیل کی اور ان کے ہاں دس بیٹوں نے جنم لیا، اور ان کا آخری فرزند جن کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، عبدالمطلب کے دوسرے بچوں کے مقابلے میں زیادہ خوبرو اور حسین تھے۔

عبدالمطلب اپنے دسویں بیٹے کی پیدائش کے بعد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سن بلوغ تک پہنچے کا انتظار کرنے لگے، کیونکہ قربانی کی ایک شرط یہ تھی کہ وہ لڑکا بالغ ہو جائے، اور اس وقت عبدالمطلب خود اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلا کر قربانی کا فریضہ انجام دیں۔ جیسے جیسے عبداللہ بڑے ہونے لگے، ان کی خوبصورتی اور وجاہت میں اضافہ ہوتا گیا۔

بہرحال حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بالغ ہوجانے کے بعد ان کے والد نے اپنے عہد کو پورا کرنے کا فیصلہ کرلیا، جزیرۃ العرب کے باشندے چاہے ان کا تعلق قبیلہ قریش سے ہوتا یا دوسرے قبائل سے، اپنے عہد کا پاس رکھتے تھے، اور جب بھی ادھار لیتے تو اپنا قرض مقررہ وقت پر ادا کرتے، اور اگر کوئی وعدہ کرتے تو اسے معینہ وقت پر پورا کرتے تھے۔ایک بدوی شخص جیسا سوچتا اسی کو زبان پر لاتا، اور اس کی سوچ اور کلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، اسی لیے عبدالمطلب اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اپنے عہد کو پورا کریں، خاص طور پر اپنے لیے بھی کہ وہ ایک "حنیف" تصور کیے جاتے تھے اور حنیف اسے کہا جاتا تھا، جو سچے خدا اور آسمان و زمین کے حقیقی خالق کی تلاش میں ہو۔

اس وقت مکہ میں چند لوگ، تاریخ میں جن کا نام ثبت ہے، ایسے تھے جن کا شمار حنفیوں میں ہوتا تھا، اور عبدالمطلب ان میں سے ایک تھے۔

عبدالمطلب اگرچہ حنیف تھے، تاہم اپنے آباؤاجداد کے خداؤں کا انکار نہ کرتے اور ان میں سے کچھ کو بادیدہ احترام بھی دیکھتے تھے۔

عبدالمطلب اگرچہ یہ جانتے تھے کہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قربان کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں، تاہم انہوں نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا:

''وہ خدا جس کی تلاش میری زندگی کا نصب العین ہے، وہ بہت عظیم اور بے نیاز ہے اور میں جو اس کا بندہ ہوں، جب یہ دیکھتا ہوں کہ میرا مقروض اپنا قرض ادا کرنے کے قابل نہیں تو اپنی طلب سے چشم پوشی کر لیتا ہوں، تو کیا وہ خدا جس نے اس زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے وہ اپنے ایک ادنیٰ بندے کے قرض سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔''

لیکن عبدالمطلب یہ کیسے جان سکتے تھے کہ خدا ان کی قربانی میں چھوٹ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بات کی وضاحت کے لیے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کسی ''عارف'' یعنی ایسے شخص سے مدد لی جائے جسے آسمانی رموز سے واقفیت حاصل ہو۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔

''ان دنوں یثرب (مدینہ) میں ایک عارف رہتا تھا، جو آسمانی احکامات اور اشاروں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، عبدالمطلب ایک اونٹ پر سوار ہو کر یثرب (مدینہ) کی طرف روانہ ہو گئے، انہوں نے اس لحاظ سے اونٹنی کا انتخاب نہیں کیا، کہ عربوں کے نزدیک اونٹنی ایک باتحمل اور گراں قدر قیمت جانور تصور کی جاتی تھی، وہ اسے صرف اونٹوں کی دوڑ میں حصہ لینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس زمانے میں سفید اونٹنی کی قیمت بہت زیادہ ہوا کرتی تھی۔''

عبدالمطلب اونٹ پر سوار ہو گئے اور دنوں کی مسافت طے کرنے کے بعد یثرب (مدینہ) پہنچے، اور بلا توقف مذکورہ عارف کے ہاں حاضر ہو گئے، اور اس کے سامنے اپنا مدعا پیش کر دیا۔

عارف نے آسمان کے ستاروں پر نظر ڈالنے کے بعد کہا:

''وہ خدا جس سے تو نے دس بیٹوں کی آرزو کی تھی، وہ اس شرط پر تیرے دسویں بیٹے کے خون سے چشم پوشی کرنے پر رضا مند ہے کہ تو اس کا خون بہا (دیہ) ادا کرے۔''

جزیرۃ العرب میں انسانی خون کی قیمت اونٹ کی شکل میں ادا کی جاتی تھی۔ لہٰذا عبدالمطلب نے عارف سے پوچھا:

''اگر میں دس اونٹ دیہ کے طور پر ادا کردوں تو کیا خدا راضی ہو جائے گا۔''

عارف نے دوبارہ آسمان کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

عبدالمطلب نے رفتہ رفتہ اونٹوں کی تعداد ایک سو تک بڑھا دی تو اس وقت عارف نے کہا:

''خدا نے تیرے دیہ کو قبول کرلیا ہے۔''

اس کے بعد عبدالمطلب مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کی جگہ خدا کی راہ میں ایک سو اونٹوں کی قربانی دے دی۔

برسوں بعد جب عبداللہ کے اکلوتے بیٹے محمد ﷺ پیغمبروں کے عہدے پر فائز ہوئے اور ان پر قرآن نازل ہوا، تو خدا نے انسانی قتل کے خون بہا یعنی ''دیہ'' کے لیے ایک سو اونٹ مقرر کیے، لیکن اس شرط پر کہ وہ قتل جان بوجھ کر کسی قبائلی منصوبے کے تحت واقع نہ ہوا ہو۔

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان خدا کی طرف سے بخش دی گئی، اور ان کی بجائے ایک سو اونٹوں کی قربانی دے دی گئی، تو کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ازدواجی بندھن باندھا، اور حضرت محمد ﷺ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے، لیکن اس سے پہلے کہ آپ ﷺ آنکھیں کھولیں، آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔

حسب اختلاف مورخین آپ ﷺ ربیع الاول کی ۹ یا دس تاریخ یا ۱۲ تاریخ کو پیر کے دن پیدا ہوئے۔

بیہقی کی روایت کے مطابق آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ ﷺ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے، ان کے نزدیک آپ ﷺ کا بہت بڑا مرتبہ تھا، وہ کہتے تھے کہ آئندہ چل کر اس بچے کی شان بہت بلند ہو گی۔''

بیہقی نے یہ بھی ذکر کیا ہے:

''جس رات آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ کسریٰ کا محل لرز گیا، اس کے چودہ کنگرے گر پڑے، فارس کی آگ مسلسل ایک ہزار سال سے جل رہی

تھی بجھ گئی، اور بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو گیا۔"

چودہ کنگرے گرنے سے اس طرف اشارہ تھا کہ اس خاندان سے کنگروں کی تعداد کے مطابق چودہ مرد اور عورتیں بادشاہ ہوں گی، چنانچہ چار سال کے عرصے میں ان کے دس بادشاہ ہو گزرے تھے، اور باقی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک پورے ہو گئے۔

امام احمد حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح محفوظ میں خاتم النبیین ﷺ لکھا ہوا تھا، جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک گندھی ہوئی مٹی کی صورت میں پڑے ہوئے تھے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔

انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے، جس سے شام کے محل چمک اٹھے ہیں!

حضرت میسرہ ضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

میں نے پوچھا:

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کب نبی ہوئے تھے، اور آپ ﷺ کب نبی لکھے گئے تھے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔"

ابن سعد روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے فرمایا:

"جب آپ ﷺ پیدا ہوئے، اس وقت مجھ سے ایک نور نکلا، جس سے شام کے محل جگمگانے لگے، آپ ﷺ صاف ستھرے پیدا ہوئے، آپ ﷺ کے جسم پر میل کچیل مطلق نہیں تھا۔"

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

''آپ ﷺ جب پیدا ہوئے تو زمین چمک اٹھی
اور آپ ﷺ کے نور سے کنارے روشن ہو گئے۔''
''اور ہم اس نور سے متمتع ہیں، اور اس کی روشنی میں ہدایت کے راستے ہموار کیے
جاتے ہیں۔''
مذکور ہے:
''آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت اس نور کے ظہور سے اس طرف اشارہ ہے کہ
آپ ﷺ کے نور نبوت سے اہل زمین ہدایت پائیں گے، اور اس کے ساتھ
شرک کی ظلمت دور ہوگی۔''
جس طرح قرآن حکیم میں آیا ہے:
قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ہ يَّهْدِيْ بِهِ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
السَّلٰمِ (سورہ المائدہ:۱۵، ۱۶)
یہاں نور اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے، جیسے سورہ النساء میں قرآن مجید کو نور
کہا گیا ہے:
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا٥
(سورہ النساء:۱۷۴)

اسی طرح سورہ تغابن میں ہے:
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا . الاية

(سورہ التغابن : ۸)

سورہ المائدہ ۱۵ میں بھی ابتدأ
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا
کے الفاظ سے آپ ﷺ کا الگ ذکر ہو چکا۔ اس کے بعد
قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ
کے الفاظ ذکر فرما کر قرآن مجید کی خبر دی گئی ہے۔
ابن جریر فرماتے ہیں:

"نور سے مراد قرآن مجید ہے۔"

اور اگر اس سے رسول اللہ ﷺ بھی مراد لیے جائیں، تو جیسے قرآن مجید سے کفر و شرک کی ظلمت دور ہوئی، ویسے ہی آپ ﷺ کے نور نبوت سے اس کا سامان ہوا، تاہم اس سے آپ ﷺ کی بشریت نفی نہیں ہوگی، جیسا کہ بعض لوگ آپ ﷺ کو بشر کہنا سوء ادبی خیال کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کے نور سے بصریٰ کے روشن ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کا نور نبوت خاص طور پر شام میں پھیلے گا، کیونکہ وہ آپ ﷺ کا دارالسلطنت ہوگا، جیسا کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

پہلی کتب میں مذکور ہے:

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، مقام ہجرت یثرب (مدینہ) ہوگا، اور دارالحکومت ملک شام ہوگا۔"

اور آپ ﷺ کے شام میں بیت المقدس کی طرف اسراء میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے جیسا کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی شام کی طرف ہجرت کی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہیں اتریں گے، اور محشر کا میدان بھی یہی سرزمین ہوگی۔

ابولہب

آپ ﷺ کی پیدائش کی خوشخبری ثویبہ نے ابولہب کو پہنچائی، تو اس نے اس خوشی میں ان کو آزاد کر دیا، ان ثویبہ نے ہی آپ ﷺ کو پہلے پہل دودھ پلایا۔

کسی نے ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا:

''تمہارا کیا حال ہے؟''

ابولہب بولا:

''جہنم میں ہوں، ہاں! پیر کے دن میرے عذاب میں کچھ کمی ہو جاتی ہے، اور دونوں آنکھوں کے درمیان سے کچھ پانی چوستا ہوں۔''

اور اس نے اپنی انگلی کے سرے کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشخبری منانے پر میرا ثویبہ کو آزاد کرنا ہے، اور اس کا آپ ﷺ کو دودھ پلانا ہے۔''

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

''جب ابولہب کافر کا، جس کی قرآن نے مذمت بیان کی ہے، آپ ﷺ کی ولادت پر خوش ہونے کی وجہ سے یہ حال ہے، تو آپ ﷺ کی امت کے اس موحد مسلمان کا کیا کہنا، جو آپ ﷺ کی ولادت پر مسرور اور خوش ہے۔''

اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

ثعروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

یہ، ابولہب کی لونڈی تھیں، انہیں ابولہب نے آزاد کر دیا، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، جب ابولہب مر گیا، تو اس کے گھر والوں میں سے کسی نے اسے خواب میں بری حالت میں دیکھا، اور پوچھا:

''تجھ سے کیا معاملہ کیا گیا؟''

ابولہب نے جواب دیا:

''جب سے تم سے جدا ہوا ہوں، سخت عذاب میں مبتلا ہوں، ہاں ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے تھوڑا سا پانی پلایا جاتا ہوں!''

یہاں یہ عبارت معہ ترجمہ اس لیے نقل کی گئی ہے کہ بعض لوگ صحیح بخاری میں اس واقعہ کے حوالہ سے اپنی مروجہ ''عید میلاد النبی'' پر استدلال کرتے ہیں، جو بوجوہ باطل ہے۔

چنانچہ الفاظ سے ظاہر ہے۔

(۱) یہ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان! کہ جس کی بنا پر اس کا تعلق سنت سے جوڑا جا سکے۔

(۲) قرآن مجید میں نص موجود ہے کہ مشرک کے تمام اعمال باطل ہیں، لہٰذا یہ واقعہ قرآن کی نص میں صریح کے خلاف ہے۔

(۳) پھر یہ واقعہ بھی خواب کا واقعہ ہے، صحیح بخاری میں اس کا مذکور ہونا اس بات پر سند تو ہو سکتا ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسے بیان کرنا درست ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خواب واقعۃً سچا خواب تھا، کہ جس پر عقیدہ وعمل کی بنیاد رکھی جا سکے! ویسے بھی شریعت کتاب وسنت ہیں، اس کا دارومدار خوابوں پر نہیں ہے۔

رہی بات رسول اللہ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری پر مسرور اور خوش ہونے کی، تو کون مسلمان اس پر خوش نہ ہوگا، تاہم شریعت مطہرہ، کامل واکمل ﷺ نے خوشی اور غمی کے مواقع، اور پھر ان کا طریقہ اظہار کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ جبکہ عید میلاد النبی کا ثبوت نہ تو خود رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے، نہ خلفائے راشدینؓ اور نہ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے نہ تابعینؒ سے، نہ تبع تابعینؒ سے! بلکہ یہ تو ساتویں صدی ہجری کی پیداوار ہے۔

ہمارے ہاں فی زمانہ جس طریق پر عید میلاد النبی ﷺ منایا جاتا ہے یہ ہمارے لیے باعث شرم ہے، کہ اونچی آواز میں ٹیپ ریکارڈر پر گانے لگا دیئے جاتے ہیں، نوجوان ان پر دھمال اور بھنگڑہ ڈالتے ہیں، شور و غل مچاتے ہیں، گلی محلوں میں پہاڑیوں کی آرائش کی جاتی ہے۔ ذرا سوچیے ان سب باتوں کا عید میلاد النبی ﷺ سے کیا تعلق۔ چاہیے تو یہ کہ اس روز خوب اور خوب رسول اللہ ﷺ کی ثناء بیان کی جائے، آپ ﷺ پر درود بھیجا جائے، تلاوت قرآن پاک کی جائے، آپ ﷺ کی تعلیمات کو اجاگر کیا جائے، غریبوں اور محتاجوں اور فقراء میں صدقہ وخیرات کیا جائے، اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر چلنے کا عزم صمیم کیا جائے مگر ہم کیا کرتے ہیں، ذرا غور کریں، غیر مسلم ہماری ان حرکات کو دیکھ کر کیا سوچتے ہوں گے، اس طرح تو ہم رسول اللہ ﷺ کی شان بڑھانے کے بجائے نعوذ باللہ ان کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' ہمیں چاہیے کہ عید میلاد النبی ﷺ کی خوشی شریعت کے مطابق حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی شایانِ شان طریقے سے منائیں۔

قبائلِ عرب سے آپ ﷺ کا تعلق

اللہ کے آخری رسول ﷺ کی تخلیق تو اس وقت ہوئی تھی، جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ آپ ﷺ ہی وہ ہستی تھے، جن کے لیے اللہ رب العزت نے اس کائنات کو تخلیق فرمایا تھا، اگر آپ ﷺ کے وجود پاک نے اس دنیا میں نہ آنا ہوتا تو اللہ جل شانہ کبھی اس دنیا کو تخلیق نہ فرماتے۔ آپ ﷺ ہی کے صدقے یہ دنیا تخلیق ہوئی، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نور مبارک تخلیق فرمایا۔

یہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی بہت پہلے کا ہے، لیکن آقائے دو جہان ﷺ کی تشریف آوری سب انبیاء کرام علیہم السلام والصلوٰۃ کے بعد ہوئی۔ یہ عام الفیل کا سال تھا، جس سال ابرہہ نے کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے عزم کے ساتھ حملہ کیا تھا، اسی سال رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا میں قدم رنجہ فرمایا۔ بعض لوگ اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پچپن دن پہلے بتاتے ہیں بعض اس واقعہ میں دنوں کی کمی بیشی کے قائل ہیں، لیکن اس بات پر سب ہی متفق ہیں کہ سال وہی تھا۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ حادثہ فیل کے سال مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے' جو اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ورنہ ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے والے اہل کتاب تھے، اور ان کا دین اہل مکہ کے دین سے بہر حال بہتر تھا، کیونکہ اہل مکہ نے بت پرستی کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح نصرت

فرمائی، کہ اس میں انسانی فعل کا کوئی دخل نہیں تھا، یہ سب کچھ پردہ غیب سے نبی برحق ﷺ (جو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے) ان کے اکرام اور بلدِ حرام کی تعظیم کے لیے ظہور پذیر ہوا۔

آپ ﷺ پیر کے دن ۹ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، اس قول کو پسند کیا گیا ہے، بعض نے آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش دس اور بعض نے ۱۲ ربیع الاول بتائی ہے اور آپ ﷺ ربیع الاول کے کچھ دن گزرنے کے بعد شرف نبوت سے مشرف ہوئے، ۹ ربیع الاول آپ ﷺ کے انتقال کا دن ہوا۔

آپ ﷺ کے ساتھ عبدالمطلب میں ابو طالب کے بیٹوں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حارث اور ابولہب کی اولاد آکر ملتی ہے۔

عبدمناف میں امیہ، عبدالشمس، مطلب اور نوفل کی اولاد آپ ﷺ سے آکر ملتی ہے اور قصیٰ میں آپ ﷺ کے ساتھ عبدالعزیٰ اور عبدالدار کی اولاد جمع ہوتی ہے، اور نضر بن حارث قبیلہ عبدالدار سے تعلق رکھتا ہے، اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ورقہ بن نوفل، قبیلہ عبدالدار کے مشاہیر نامدار ہیں۔

کلاب میں آپ ﷺ کے ساتھ زہرہ بن کلاب کی اولاد جمع ہوتی ہے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

لوئ بن غالب میں آپ ﷺ کے ساتھ بنو عامر ملتے ہیں۔ مشہور شہسوار عرب، عمرو بن عبدود جس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا، اور سہیل بن عمرو اس قبیلے کے فرد ہیں۔

آپ ﷺ کے ساتھ غالب میں بنو تمیم ادرم جمع ہوتے ہیں، اور ادرم کا معنی ناقص ہے، اور فہر میں آپ ﷺ کے ساتھ فہر کے دونوں بیٹوں محارب اور حارث کی اولاد جمع ہوتی ہے۔

بنو حارث کی ایک شاخ بنو الخلج ہے، اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے ہے، اور یہ فہر ہی سب قریش کا باپ ہے، اسی لیے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے، وہ قریشی ہے اور جو اس کی اولاد سے نہیں، وہ قریشی نہیں۔

کنانہ میں وہ تمام قبائل آپ ﷺ سے آکر ملتے ہیں جو کنانہ کی طرف منسوب ہیں جیسے کنانہ کے بیٹوں، عبدمناۃ، ملکان، ملک، عمرو اور عامر کی اولاد، بنو عبدمناف سے بنو بکر ہیں، اور

بنو بکر سے بنو الدیل، ابوالاسود دوئلی کی جماعت، بنو مدلج، بنولیث اور بنوضمرہ ہیں، ابو بنو حارث سے احابیش ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ نضر بن کنانہ قریش ہے، مگر یہ صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ فہر بن مالک قریش ہے، اور بنو اسد اور قارہ آپ ﷺ سے حزیمہ میں جمع ہوتے ہیں، اور یہی ہون بن حزیمہ کہلاتے ہیں، ہون کی فرع عفل ہے، اس قبیلے کا باپ عفل بن ہون ہے اور ان ہی سے قبیلہ دیش پھوٹتا ہے، جو عفل کا بھائی ہے، ان دونوں قبائل کو ملا کر قارہ کہا جاتا ہے۔

اور مدرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ بنو ہذیل ملتے ہیں، مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد ہیں، اور بنو تیم بن مر بن اد بن طانجہ، آپ ﷺ کے ساتھ الیاس میں ملتے ہیں، اسی طرح بنو ضبہ بن اد، رباب اور مزینہ بھی الیاس میں ملتے ہیں، مزینہ دراصل عمرو بن اد ہے، یہ اپنی والدہ مزینہ بنت کلب بن وبرہ کے نام پر مزینہ کہلاتے ہیں۔

آپ ﷺ کے ساتھ بنو قیس عیلان، مضر میں جمع ہوتے ہیں، عیلان کا تلفظ نقطہ عین کے بغیر کیا جاتا ہے، بعض کہتے ہیں عیلان، قیس کے گھوڑے کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قیس کو بڑی کثرت سے مال و دولت عطا فرمائی تھی۔ نسب غطفان کے قبائل، سب ہوازن کے قبائل، اور سلیم اور مازن اسی کی اولاد ہیں، بنو سعد بن بکر، بنو کلاب، بنو کعب، بنو جشم، قبیلہ ہوازن کی فروع ہیں۔ مشہور سردار درید بن صمہ جشم کے ذیلی قبیلے غزیہ سے تعلق رکھتا ہے بنو کعب بن ربیعہ، بنو ہلال، بنو نمیر، بنو جعدہ، بنو قشیر، بنو عقیل، سب قیس عیلان کی شاخیں ہیں، بنو منتفق اور بنو خفاجہ، بنو عقیل بن کعب کی ذیلی شاخیں ہیں بنو سلول اور بنو ثقیف بھی ہوازن کے قبائل ہیں، مذکورہ بالا قبائل کے علاوہ بنو عبس اور بنو ذبیان بھی قیس عیلان سے تعلق رکھتے ہیں، بنو فزارہ، عدوان اور باہلہ، ذبیان کے ذیلی قبائل ہیں، رعل، ذکوان، عصیہ اور ذعب بن مالک، بنو سلیم کی شاخیں ہیں، کہا جاتا ہے کہ ثقیف، ایاد سے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں، مشہور شاعر نابغہ بنو ذبیان میں سے ہے۔

نزار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو ربیعہ مل جاتے ہیں، آگے ان سے بنو اسد اور بنو ضبیعہ کے قبائل ہیں، بکر، تغلب اور عنز، وائل بن قاسط کے بیٹے بنو اسد میں سے ہیں، ان میں سے بنو عبدالقیس اور غر بن قاسط ہیں، بنو حنیفہ اور بنو عجل بھی ان ہی میں سے ہیں، مرہ اور ان کے

دونوں بیٹے ہمام اور جساس قاتل کلیب اور مشہور شاعر طرفہ بن عبد، بنوبکر سے ہیں، کلیب بن ربیعہ، بنو وائل کا بادشاہ، جس کو جساس نے قتل کر دیا تھا، بنوتغلب کے قبیلے سے ہے، اس کی وجہ سے ہی بنوتغلب اور بنوبکر کے درمیان ان لڑائیوں کی ابتداء ہوئی، جو حرب بسوس'' کے نام سے مشہور ہیں عنزہ بن اسد بھی قبیلہ ربیعہ کی فرع ہے، ان میں سے اہل خیبر ہیں، جو بنوعنزہ کے نام سے مشہور ہیں اور بنوعنزہ میں سے قارضان، اور ربیعہ میں سے سدوس اور لہازم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نزار میں بنوایاد اور بنوانمار بھی آ ملتے ہیں، مشہور سخی کعب بن مامہ، جس کی سخاوت ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی، بنوایاد سے تھا، نیز قیس بن ساعدہ جس کی فصاحت ضرب المثل تھی، اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔

صبحِ سعادت

جب نور مجسم ﷺ اس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے۔
آج پیر کا دن تھا، اور ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ۔
یہی وہ دن تھا جب ایوان کسریٰ میں زلزلہ آ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ گیا، یہ آتش کدہ ایک ہزار سال سے روشن تھا، بحیرہ ساوئی خشک ہو گیا۔
حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:
"جب میں نے نور مجسم ﷺ کو جنم دیا تو ایک عظیم نور دیکھا جو پھیلتا گیا، حتیٰ کہ شاہان شام کے محلات بھی میری نظروں میں روشن ہو گئے۔
آپ ﷺ کسی گندگی کے بغیر پاک وصاف پیدا ہوئے۔"
عثمان بن ابی العاص کی والدہ فرماتی ہیں:
"ولادت کے وقت جدھر نظر جاتی تھی، نور ہی نور تھا۔"
حضرت شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو دایہ تھیں، بیان فرماتی ہیں:
"آپ ﷺ میرے ہاتھوں میں آئے تو حالت سجدہ میں اور انگشت اٹھائے، ناف بریدہ اور ختنہ شدہ تھے، ایک آواز بھی آئی۔
رحمک ربک
"رب کریم تم پر رحم فرمائے۔"

اتنے میں افق مشرق و مغرب کا مابین اور روئے زمین روشن ہو گیا، کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ مجھے تاریکی اور خوف نے گھیر لیا، میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، کسی نے کہا:

"نومولود کو کہاں لے گئے۔"

جواب آیا:

"مغرب کی طرف۔"

دوبارہ وہی کیفیت طاری ہوئی، اور میری بائیں جانب ایک نور نمودار ہوا ساتھ ہی آواز آئی:

"نومولود کو کہاں لے گئے۔"

جواب ملا:

"مشرق کی طرف۔"

حضرت شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"یہ آوازیں میرے دل پر نقش ہو گئیں، جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والوں میں شامل ہو گئی۔"

حضرت فاطمہ بنت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"آپ ﷺ کی ولادت کے وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا کہ نور سے معمور ہو گیا، اور ستارے زمین سے اس قدر قریب آ گئے کہ میں سمجھی مجھ پر گر پڑیں گے۔"

قریش مکہ کے چند معتبر افراد ورقہ بن نوفل، زید بن عمر بن نفیل، عبیداللہ بن جحش اور عثمان بن حویرث ایک بت کے پاس جمع ہوا کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے اس بت کو منہ کے بل گرا ہوا پایا۔ انہوں نے اس بات کو مکروہ جانتے ہوئے اس بت کو سیدھا کھڑا کر دیا، مگر وہ پھر منہ کے بل گر گیا، بعد میں عثمان بن حویرث نے بتایا:

"یہ حضور ﷺ کی ولادت کی رات تھی۔"

مفتی عنایت احمد کاکوروی شہید لکھتے ہیں:

"یہ بات سوائے اہل اسلام کے زردشتیوں کی تاریخ میں بھی لکھی ہے کہ روئے

زمین کے سارے بت آپ ﷺ کی ولادت کے وقت سرنگوں ہو گئے تھے۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

جب محمد ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ سجدہ میں پڑ گئے، اور دونوں انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ نے سجدہ میں جانے کے بعد انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فصیح زبان میں فرمایا:

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔"

جب رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے کلام فرمایا اور کہا:

"میرے پروردگار کا جلال بہت بلند ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اسی کے لیے کبریائی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے بہت تعریفیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے صبح وشام پاکیزگی ہے۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا جس کے باعث محمد ﷺ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، میں نے آواز سنی۔"

"محمد ﷺ کو تمام عالم کی سیر کرائی گئی ہے، تاکہ تمام مخلوق آپ ﷺ کی صفات آپ ﷺ کی صورت اور اسم گرامی سے آشنا ہو جائے، یہ بادل صرف ایک لمحہ کے لیے منور رہا، اس کے بعد پہلے سے بڑا بادل آیا، اس میں میں نے انسانوں اور گھوڑوں کی آوازیں سنیں، ایک آواز سنائی دی، محمد ﷺ کو تمام جن وانس اور چرند پرند دکھائے گئے، پھر آپ ﷺ کو آدم علیہ السلام کی صفوت و بزرگی، نوح علیہ السلام کی رقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سی آزمائش، داؤد علیہ السلام کی صورت، ایوب علیہ السلام کا صبر، یحییٰ علیہ السلام کا زہد، عیسیٰ علیہ السلام کی سخاوت عطا ہوئیں۔ یہ بادل بھی صرف ایک لمحہ کے لیے روشن ہوا۔

دایہ نے حضور ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کو نہلانے کا ارادہ کیا تو ننھے حضور ﷺ نے فصیح زبان سے فرمایا:

"میں آبِ رحمت سے غسل دیا گیا ہوں، ازل میں بھی پاک تھا، اور اب بھی پاک پیدا ہوا ہوں۔"

ننھے حضور ﷺ کا نور ہر جگہ مشرق، مغرب، شمال، جنوب اور زمین و آسمان پر پھیل گیا، اس وقت یمن کے ایک بت خانہ میں عامر نامی شخص بیٹھا ہوا تھا، وہ آسمان سے ملائکہ کو اترتے اور پہاڑوں اور درختوں کو سجدہ کرتے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا، کہ اس کا بت اوندھا گر گیا اور اس میں سے آواز آئی:

"وہ نبی ﷺ جن کا سینکڑوں برس سے انتظار تھا، اس دنیا میں تشریف لے آئے ہیں، ان سے درخت اور پتھر کلام کریں گے، ان کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا۔"

عامر کی بیوی نے بت سے یہ سن کر معلوم کیا:

"اس نبی ﷺ کا نام کیا ہے؟ اور کہاں پیدا ہوئے۔"

بت نے آپ ﷺ کا نام بتایا، عامر کی ایک اپاہج بیٹی تھی، جب اس نے ولادت مبارک کا نور دیکھا تو عرض کی:

"الٰہی! اس نور میں اگر برکت ہے تو اس کا حصہ مجھے بھی ملے۔"

اس پر وہ فوراً تندرست ہوگئی۔

عامر اپنی بیٹی کی اس تندرستی پر سخت حیران ہوا، اور آپ ﷺ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچا۔ تلاش کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے در دولت پر آیا، عرض کی:

"خدا کے واسطے مجھ غریب الوطن عاشق زار کو اپنے صاحبزادے کا جمال دکھا دیں۔"

حضرت عبدالمطلب آپ ﷺ کو گود میں اٹھا کر لے آئے، آپ ﷺ کو دیکھتے ہی عامر آپ ﷺ کے قدموں میں جاں بحق ہو گیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

کعب نے قدیم زمانہ کی کتابوں کے حوالے سے یوں تحریر کیا ہے:

''محمد (ﷺ) کی ولادت مکہ میں اور ہجرت مدینہ کو ہوئی، شام آپ ﷺ کا ملک ہے، اسی نسبت سے معراج کی شب آپ ﷺ کو مملکت شام کی جانب بیت المقدس تک لے جایا گیا۔''

ستارۂ نبوت

مکہ میں ایک یہودی رہتا تھا، جو تورات اور انجیل کا عالم تھا، جب وہ صبح سعادت طلوع ہوگئی اور نور محمدی ﷺ مجسم ہو کر دنیا میں جلوہ گر ہوگیا تو اس نے پوچھا:

''اے اہل قریش! کیا رات تم میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟''

قریش نے جواب دیا:

''ہمیں اس کا علم نہیں۔''

اس یہودی عالم نے کہا:

''تم لوگ جا کر تحقیق کرو، ہماری آسمانی کتابیں کہتی ہیں کہ کل وہ ہستی ظہور میں آ گئی ہے، جسے نبی آخرالزماں (ﷺ) ہونا ہے۔''

قریش کے گھر گھر سے خبر لی گئی، معلوم ہوا کہ سردار مکہ کی بہو آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود ہری ہوئی ہے۔

یہودی عالم نے یہ اطلاع پا کر کہا:

''افسوس، نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی، اور ان کے ہاتھوں سے کتاب الٰہی بھی نکل گئی۔''

شاعر بزم نبوی ﷺ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح معلوم ہے، میری عمر سات سال کی تھی کہ ایک دن میں نے ایک یہودی عالم کو یثرب کے ایک بلند مقام پر آواز لگاتے سنا۔''

''اے گروہ یہود!''

جب تمام یہود جمع ہوگئے تو اس نے کہا:

''آج رات احمد ﷺ کا ستارہ طلوع ہوگا، جس میں وہ پیدا ہوگا۔''

بشارت عیسیٰ علیہ السلام

دنیا میں جب بھی عظیم المرتبت انسان پیدا ہوتے ہیں، تو کوئی نہ کوئی غیر معمولی واقعہ ضرور رونما ہوتا ہے، سیرت نگاروں نے اپنے مخصوص انداز میں گل افشانی کرتے ہوئے ہدیہ عقیدت پیش کیا:

''آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ گیا۔

دریائے ساویٰ خشک ہوگیا۔''

انہوں نے کچھ غلط بھی نہیں کہا:

مولانا شبلی نعمانی نے توجیہہ کی تو لکھا:

''لیکن یہ سچ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصرہائے فلک بوس گر گئے، آتش کدہ فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدہ کفر، آذر کدۂ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازہ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے، اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اور کئی پیغمبروں کی طرح رسول اللہ ﷺ کی آمد کی اطلاع پہلے سے دے دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول برحق ﷺ کی آمد کی بشارت سے پہلے ہی آگاہ فرما چکے تھے۔

آتش کدہ فارس سرد ہوگیا، محل کسریٰ کے کنگرے گر گئے

جس رات سراج الدنیا والآخرہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، تو کسریٰ شاہ ایران کا محل جنبش کھا گیا، اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔

آتش کدہ فارس جو ہزار سال سے روشن تھا بجھ گیا، ایسا سرد پڑ گیا کہ ہر چند آگ جلانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر آگ نہ جلتی تھی۔

جب کسریٰ کے ایوان کے چودہ کنگرے گرے، اس میں اشارہ تھا، چودہ حکمرانوں کے بعد ملک فارس خادمان اسلام کے قبضہ میں آجائے گا۔

کسریٰ محل کی جنبش اور چودہ کنگرے گرنے کی وجہ سے سہم گیا، اس پر بے قراری کا عالم طاری ہوگیا اسے آتش کدہ فارس کے سرد ہونے کی خبر بھی مل گئی، اور اسی وقت موبد موبدان نے اپنے خواب کا ذکر بھی بادشاہ سے کر دیا اور کہا:

"یہ بہت بڑا سانحہ ہے جو عرب میں پیدا ہوا ہے۔"

دریائے ساویٰ بھی خشک ہو چکا تھا، دریائے ساویٰ کے کنارے شرک اور بت پرستی ہوا کرتی تھی، بادشاہ نے عبدالمسیح غسانی کو اس کے چچا سطیح غسانی کی طرف بھیجا۔ اس کا چچا بیمار تھا۔ عبدالمسیح نے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ جب سطیح غسانی نے اس کا شعر سنا تو آنکھ کھولی اور کہا:

"تجھے شاہ ایران نے بھیجا ہے، دیکھو، آتش کدہ کا بجھنا یا ٹھنڈا ہونا، ایوان کسریٰ کے کنگروں کا گرنا، موبد موبدان کا خواب دیکھنا، محل کا جنبش کھانا، دریائے ساویٰ کا خشک ہونا اور سماویٰ کا جاری ہونا، یہ سب کے سب محمد ﷺ کی آمد کی نشانیاں ہیں، اور اس بات کی علامت ہیں کہ وہ اس سرزمین پر قبضہ کرلیں گے، اب صرف چودہ ایرانی بادشاہ حکومت کریں گے، پھر ان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔"

اور پھر ایسا ہی ہوا۔

شام کے محلات کا نظر آنا

امام احمد، بزاز، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے فرمایا:

"میں خاتم النبیین ﷺ ہوں۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کی تعبیر ہوں، جیسے تمام انبیاء کرام علیہم السلام والصلوٰۃ کی مائیں انبیاء کی ولادت سے پہلے دیکھا کرتی تھیں۔"

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بھی آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ایک نور دیکھا، یعنی ایک نور ظاہر ہوا، جس سے ملک شام کے محل اور اکناف عالم منور ہوگئے، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ اور مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کو ملک شام کے قیصری محل نظر آگئے۔

اسے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے، اس کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے روایت کیا ہے، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

یہودی کا نبوت کی گواہی دینا

یہ واقعہ ہلکا سا پہلے بیان ہو چکا ہے، اب ذرا تفصیل کے ساتھ اس کی اوراق گردانی کرتے ہیں، امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے والد نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے:

> ”ایک یہودی تجارت کے لیے مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھا، جب شب میلاد ﷺ آئی تو وہ یہودی سرداران مکہ کی محفل میں آیا اور پوچھا:
>
> ”کیا تمہارے ہاں آج شب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے؟“
>
> سرداران مکہ نے کہا:
>
> ”ہمیں اس بات کا علم نہیں، شاید کسی بچہ کی ولادت ہوئی ہو۔“
>
> اس یہودی نے کہا:
>
> ”تم لوگ تحقیق کرو، ہماری کتب میں جو کچھ مرقوم و منقول ہے، اس کی رو سے آج پیر کے دن ایک نبی (ﷺ) پیدا ہوا ہے، اگر تم میں سے نہیں تو فلسطین میں ہوگا، جس کے کندھوں کے درمیان گول جگہ ابھری ہوئی ہے، اس پر سخت بالوں کی مہر نبوت ہے، یہ اس بچے کی نشانی ہوگی۔“
>
> وہ لوگ اس یہودی کی باتوں پر تعجب کرتے ہوئے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔
>
> اس نے ازراہ تعجب کہا:
>
> ”اللہ اکبر! تم اپنے گھر والوں سے ضرور دریافت کرنا۔“

معلوم کرنے پر علم ہوا، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کیا ہے جس کا نام محمد (ﷺ) رکھا ہے۔

انہوں نے اس یہودی کو مطلع کیا تو اس نے کہا:

''میں اس بچے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ لوگ یہودی کو لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آئے اور بچے کے دیدار کی درخواست کی۔

جب سرور انس و جاں محمد ﷺ کے درمیان وہ علامات دیکھیں تو بے ہوش ہوگیا، کچھ دیر بعد جب ہوش آیا تو اس یہودی سے معلوم کیا گیا:

''تجھے کیا ہوگیا تھا، آخر تم بے ہوش کیوں ہوئے؟''

اس یہودی نے بصد حسرت کہا:

''آج بنی اسرائیل کے گھر سے نبوت رخصت ہوگئی ہے، اور بنی اسماعیل! اس سے مشرف کر دیئے گئے ہیں۔

اے قریش! یہ بچہ تم میں سطوت و جلال پائے گا، خدا کی قسم یہ مشرق و مغرب کا مالک ہوگا، قیامت تک کے لیے اس کی حکومت جاری و ساری رہے گی، مشرق و مغرب تک تمہاری گونج سنائی دے گی۔''

اس وقت یہ لوگ موجود تھے۔

ہشام بن مغیرہ، ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ، عبادۃ الحارث بن عبدالمطلب صحیح مسلم کی روایت ہے:

''آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ مہر نبوت ابھری ہوئی تھی یہ وہ علامت ہے جس سے اشرف الانبیاء ﷺ پہچانے جاتے ہیں کہ آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت سابقہ آسمانی کتب میں دی گئی تھی۔''

خاتم النبوت ﷺ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک ایسی نشانی تھے کہ جس ... نبی ارض و سماء ﷺ مخصوص کیے گئے تھے آپ ﷺ کے ساتھ ایک عظیم سر (بھید) مخصوص تھا، جو کسی دوسرے پیغمبر کے ساتھ نہ تھا۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ربیع الاول کی ۹ تاریخ، پیر کا دن اور صبح صادق کا وقت تھا کہ امین بن کر امانت حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں آئی۔ وہ آئے جن کے آنے سے گلزار ہستی میں رونق آ گئی، جو صرف عرب اور عجم کے لیے ہی رحمت بن کر نہیں آئے بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے، جن کی آمد پائمالِ انسانیت پژمردہ گلدستہء اخلاق کے لیے آب نیساں اور صبائے جانفزاء ثابت ہوئی۔ جو ابراہیم خلیل اللہ کی دعاؤں کا ثمرہ، اسماعیل ذبیح اللہ کی شاخ تمنا کا گل تر جو توریت کی نشانیوں کو لیے فاراں وشعیر کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا، جو نوید حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہے۔

جس کی ذات انبیائے سابق کی خوبیوں کا خلاصہ ہے، جو خلق آدم علیہ السلام معرفت شیث علیہ السلام، جرأت تبلیغ نوح علیہ السلام، خلت ابراہیم علیہ السلام، زبان دانی اسماعیل علیہ السلام رضا جوئی اسحاق علیہ السلام، خطابت صالح علیہ السلام، حکمت لوط علیہ السلام، بشارت یعقوب علیہ السلام، حسن یوسف علیہ السلام، جہاد یوشع علیہ السلام، لحن داؤد علیہ السلام، محبت دانیال علیہ السلام، شوکت سلیمان علیہ السلام، عظمت الیاس علیہ السلام، عصمت یحییٰ علیہ السلام اور زہد عیسیٰ علیہ السلام کا مجموعہ ہے۔

شب میلاد عجائب قدرت کا ظہور

علمائے سیرت نے اپنی کتب میں ان محیر العقول واقعات کا تذکرہ کیا ہے، جو اس مبارک رات میں وقوع پذیر ہوئے، ان میں سے چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے۔

(۱) اس رات بیت اللہ میں رکھے ہوئے، بت سجدے میں گر گئے۔

(۲) حضور ﷺ کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا، جس کی روشنی میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شام کے محلات دکھائی دینے لگے۔

(۳) اس رات کسریٰ کا ایوان لرز گیا، اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔

(۴) آتش کدہ فارس جو ایک ہزار سال سے روشن رہا تھا، وہ اچانک سرد ہو گیا۔

(۵) دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔

(۶) دریائے سماوہ جاری ہو گیا۔

تاریخ ولادت

رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت میں ہے، ریاضی کی جدید تحقیق کے مطابق ۹ ربیع الاول اور دوشنبہ (پیر) کا دن تھا۔ عیسوی کی تاریخ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

مشہور اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق ۱۷ جون ۵۶۹ء بروز پیر ہے۔ جمہور اور عام مورخین ۱۲ ربیع الاول ۱ عام الفیل تسلیم کرتے ہیں، بعض مورخین روز پیدائش ابرہہ الاشرام کے کعبۃ اللہ پر حملہ کے ۵۵ دن بعد بتاتے ہیں۔

دعائے خلیل

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نوید ولادت دادا عبدالمطلب کو بھجوائی۔ وہ اس وقت اپنے بیٹوں اور اشراف قریش کے ساتھ مقام حجر حطیم (وہ حصہ جو کعبہ کے شمالی جانب ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کعبہ ہی کا حصہ قرار دیا) میں بیٹھے تھے، وہ بہت خوش خوش گھر آئے، اور نومولود کو ہاتھوں میں اٹھا کر کعبۃ اللہ میں لے آئے۔ وہاں اس عطائے نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیا، بچے کے لیے دعا فرمائی اور محمد ﷺ نام رکھا۔

اسم محمد ﷺ کا اجالا

حضرت ہاجرہ اور حضرت مریم کی طرح حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اللہ تعالیٰ نے القا و الہام کی قوتوں سے نوازا تھا۔ ان ہی اشاروں پر مولود کا نام احمد ﷺ رکھا۔

ایک روایت یہ بھی ملتی ہے:۔

"محمد ﷺ نام بھی آپ ہی کا رکھا ہوا ہے۔"

محمد ﷺ اور احمد ﷺ دونوں کا مادہ "حمد" ہے اور یہ اسم ذاتی ہیں۔ محمد ﷺ کے لفظی معنی "ستودہ خصال" ہیں قاضی عیاض نے الشفاء میں چھ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ۱۱۵ ایسے لوگوں کے نام دیئے ہیں، جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت "محمد" نام کے تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود و نصاریٰ نے اہل عرب کو بتلایا تھا۔

"اب آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے اور ان کا نام "محمد" ﷺ ہوگا۔ وہ بنی اسماعیل میں پیدا ہوگا۔"

اس لیے لوگ یہ مبارک نام رکھتے، ان پندرہ میں سے کچھ نے اسلام کا عہد پایا، اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان بھی لائے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چار جگہ پر اس نام کا ذکر فرمایا ہے، البتہ اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی شخص کا نام اس سے پہلے احمد رکھا گیا ہو۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صاف صاف کہا تھا:

"میرے بعد ایک نبی آئے گا، جس کا نام احمد ﷺ ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات سے بچایا کہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی ان ناموں سے موسوم ہو۔

رضاعت

اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ جن خواتین کو عظمت سے نوازا، انہیں یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلائیں۔ والدہ تو آپ ﷺ کی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، یہ شرف تو کسی اور کو میسر نہیں آ سکتا، لیکن جن خواتین کی قسمت میں اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے کا شرف بخشا، ان کی سعادت اور عظمت کو امت سلام کرتی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی مائیں ٹھہریں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہی رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا۔

بعض سیرت نگار اس فہرست میں جس طرح اضافہ بیان فرما رہے ہیں وہ تکلیف دہ بات ہے، کچھ سیرت نگار رضاعت میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کرتے ہیں، جو صداقت پر مبنی ہے۔

اس سلسلے میں۔

(۱) عبدالرحمٰن ابن جوزی (الوفاء ص ۱۳۷، ۱۳۸)

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۰)

(۳) احمد زینی دحلان (سیرت دحلانیہ ص ۱۶۵)

(۴) نور بخش توکلی (سیرت رسول ﷺ ص ۴۶)

(۵) سید اولاد حیدر فوق بلگرامی (اسوۂ رسول ﷺ ج ۲ ص ۱۵۔۱۸)

(۶) شرافت نوشاہی (شریف التواریخ، ج ا ص ۱۷۹)

(۷) عبدالمقتدر (محمد رسول اللہ ﷺ ص ۴۸)

(۸) عبدالمصطفیٰ اعظمی (سیرت مصطفیٰ ﷺ ص ۶۱۔۶۲)

(۹) مفتی محمد شفیع (سیرت رسول اکرم ﷺ ص ۳۸ ر سیرت خاتم الانبیاء ص ۱۹)

(۱۰) عبدالصمد صارم (محمد رسول اللہ ﷺ، ص ۲۰، ۲۱)

(۱۱) سید سلیمان ندوی (رحمت عالم ﷺ ص ۱۳)

(۱۲) نقی علی خاں (سرور القلوب بذکر المحبوب ﷺ ص ۱۵)

(۱۳) چودھری افضل حق (محبوب خدا ﷺ ص ۲۲)

(۱۴) منصور احمد بٹ، (پیارے نبی ﷺ کی پیاری زندگی ص ۱۸۔۱۹)

(۱۵) عارف بٹالوی (حیات رسول ﷺ ص ۳۴)

(۱۶) ماہر القادری (در یتیم ص ۳۷۔۳۹)

(۱۷) سید نظر زیدی (سب سے بڑا انسان ص ۳۷)

(۱۸) برکت علی (سیرت حبیب ﷺ ص ۱۲۳، ۱۲۴)

(۱۹) جعفر سبحانی (فروغ ابدیت ص ۱۰۵)

(۲۰) نعیم صدیقی (سید انسانیت ﷺ ص ۱۷)

(۲۱) احمد حسین خاں (تاریخ احمدی ص ۹)

(۲۲) رضوان اللہ وانتظام اللہ شہابی (سیرت الرسول ﷺ من القرآن ص ۸۸)

(۲۳) ساجد الرحمٰن (سیرت رسول اللہ ﷺ ص ۷)

(۲۴) طالب ہاشمی (رسول پاک ﷺ ص ۴۶)

(۲۵) اسلم جیراج پوری (نوادرات ص ۷)

(۲۶) عمر ابو النصر (رسول عربی ﷺ ص ۱۴۔۱۵)

ان کے علاوہ جن خواتین کے بارے میں لکھا گیا ہے وہ بلا ثبوت ہے اور درست نہیں،
یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ان سیرت نگاروں سے یہ غلطی کیونکر سرزد ہوئی، حالانکہ سیرت

النبی ﷺ بڑا تحقیق طلب کام ہے۔ اس میں ذرا سی غلطی کی گنجائش بھی نہیں۔

تاریخ کو مسخ کرنا ویسے ہی گناہ ہے اور پھر تاریخ النبی ﷺ میں لغزش یا مبالغہ آرائی کی کہیں بھی گنجائش نہیں، واللہ اعلم اصل واقعہ کیا ہے۔ بہر حال حقائق یہاں بیان کر دیے گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں بنی سلیم کی تین عواتک کا بیٹا ہوں۔''

بنی عواتک کی تین عواتک رسول اللہ ﷺ کی دادیاں ہیں، لیکن عربوں میں جب کوئی خاتون ماں بنتی ہے تو اس کا نام تبدیل ہو جاتا ہے شاید اس لیے بنی سلیم کی عاتکہ نام کی تین عورتیں سیرت نگاروں کو سامنے سے نظر نہ آئیں تو انہوں نے لکھ دیا۔

''بنی سلیم کی ان خواتین نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا۔''

باقی سیرت نگاروں نے بلا سوچے سمجھے نقل چلا دی۔

ایک بزرگ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں یہی لکھ دیا

اسی طرح بنت منذر اور ام فروہ کے بارے میں یہ بات چلا دی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی مائیں

اس باب میں ہم پہلے ان تین معزز خواتین کا اجمالی تذکرہ کریں گے، جن کا رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانا ثابت ہے۔

(۱) حضرت آمنہؓ بنت وہب

رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی خاندانی شرافت، اخلاقی طہارت، حسن صورت، حسن سیرت، شرافت طبع، سنجیدگی مزاج اور خدا داد عقل و تمیز میں قریشی لڑکیوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔

رسول برحق ﷺ کو دودھ پلانے والیوں میں سب سے پہلی آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت وہب ہیں۔ ان کے بعد دودھ پلانے کی سعادت حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہوئی۔

سید الانبیاء ﷺ کو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون سے عبودیت الٰہی اور والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دودھ سے امانت کی حفاظت ملیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں:

''حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فخر عرب و عجم ﷺ کو کئی دن دودھ پلایا۔''

محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

''ولادت باسعادت کے تین چار روز تک حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

آپ ﷺ کو دودھ پلایا، اور پھر ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔"

مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی عنایت احمد کاکوروی، ابراہیم سیالکوٹی اور نذیر احمد سیماب قریشی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سات روز دودھ پلایا۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام نامی کا مطلب ہے۔

"انس، چین اور سلامتی چاہنے والی، اور حفاظت، پناہ اور سکون وقرار دینے والی۔"

یہ ماں اپنے اکلوتے بیٹے کو تعریف کے قابل دیکھنا چاہتی تھیں، اس لیے انہوں نے اپنے نومولود بیٹے کا نام محمد ﷺ رکھا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بیٹے محمد ﷺ کو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کرتے وقت کیا کیا نصیحتیں نہ کی ہوں گی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔

"میں اپنے بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں، اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اونٹ پر سوار دیکھوں، اور دیکھ لوں کہ یہ غلاموں کے ساتھ اور درماندہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہے۔"

سید عالم ﷺ پانچ سال کی عمر میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مستقل طور پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔

پھر بدر کامل ﷺ کو لے کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کے لیے (یثرب) مدینہ منورہ تشریف لائیں، ایک ماہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا، اور واپسی پر مقام ابواء پر بیمار ہو کر داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن کی گئیں۔ آپ ﷺ کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر سید الصادقین ﷺ وہاں سے گزرے تو والدہ محترمہ کے مزار پر گئے، قبر مبارک کو اپنے مقدس ہاتھوں سے درست فرمایا اور بے اختیار رو دیئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی رونے لگے اور عرض کی:

"یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ تو رونے سے منع فرماتے ہیں۔"

نبی صادق ومصدوق ﷺ نے فرمایا:

"مجھے اپنی والدہ کی ممتا یاد آ گئی، اس لیے میں رو دیا۔"

(۲) حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا اصل نام ثُویبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہے، مگر اردو میں لکھی گئی بیشتر کتب میں ثُویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بجائے ثوبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکھا جاتا ہے۔

ان کے نسب کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھیں۔ لونڈی اور غلام کا اس سے زیادہ نسب نہیں ہوتا تھا۔

محسن انسانیت ﷺ کی ولادت کی خبر لے کر حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھاگی بھاگی اپنے آقا ابولہب کے پاس پہنچیں۔ ابولہب سید الاولین والآخرین ﷺ کا چچا بھی تھا۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے بتایا:

"تمہارے بھائی عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے گھر بیٹا ہوا ہے۔"

ابولہب بھتیجے کی ولادت کی خبر سن کر خوش ہوگیا، اور اسی خوشی میں اپنی لونڈی حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کر دیا۔

اس طرح والئی دوجہاں ﷺ نے اس دنیا میں تشریف لاتے ہی سب سے پہلے عورتوں کو آزادی کی نوید سنائی۔

بعد میں نبی طیب و طاہر ﷺ کی تعلیمات کی وجہ سے ہر قسم کی طاغوتی طاقتوں کے ہر قسم کے بندھنوں سے جس طرح عورتوں کو آزادی ملی، وہ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزادی کا تکملہ تھا، حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیات طیبہ کے پہلے پیر کو آزادی ملی۔

ابولہب نے حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آزاد کرنے کے بعد حکم دیا:

"تم ننھے محمد (ﷺ) کو دودھ پلاؤ۔"

یوں حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سید موجودات ﷺ کی رضاعی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔

سید اولاد حیدر بلگرامی ابن سعد کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"سب سے پہلے نبی رحمت و شفقت ﷺ کو حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دودھ پلایا تھا۔"

عبدالصمد صارم لکھتے ہیں:

"صادق الامین ﷺ کی سب سے پہلی دایہ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔"

پہلی دایہ تو حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہیں۔ سید کائنات ﷺ نے سب سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا، اور پھر جب تک حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں آئیں، یہ خدمت حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصہ میں لکھی گئی۔

رضاعت کی مدت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی لکھتے ہیں:

"ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دودھ پلاتے ایک دن، دو دن یا ایک ہفتہ یا دو ہفتے ہو گئے تو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں۔"

خاتم النبیین میں یہ مدت سات دن لکھی ہے۔

کچھ سیرت نگار آٹھ دن اور کچھ چار ماہ کا ذکر کرتے ہیں۔

میاں محمد لکھتے ہیں:

"یہ مدت سات ماہ تھی۔"

اور سید محمد اسماعیل لکھتے ہیں:۔

"یہ مدت کئی ماہ تک رہی۔"

زیادہ تر سیرت نگاروں کے مطابق حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ سعادت صرف چند دن نصیب ہوئی تھی۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شاہ کونین ﷺ کے علاوہ اپنے بیٹے مسروح، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی دودھ پلایا تھا، اس طرح حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت سے یہ سب رحمۃ اللعالمین ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں۔

رحمت العالمین ﷺ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضاعت کے باعث ان کا بے حد احترام کرتے، ان کا اعزاز و اکرام فرمایا کرتے، ان کے ساتھ انتہائی حسن سلوک سے پیش آتے۔

ابن سعد سے نقل ہے:

"جب تک نبی کل جہاں ﷺ مکہ مکرمہ میں رہے حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ انعام و اکرام فرمایا کرتے، جب تک حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا حیات رہیں، سرورِ کون و مکان ﷺ سے ملنے آیا کرتیں۔"

سید الابرار ﷺ کی نگاہوں میں حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضاعت کا عمل ہمیشہ قابل قدر رہا، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتہائی ادب، عزت اور احترام فرماتی تھیں، کیونکہ وہ خیر الخلائق ﷺ کی ماں تھیں۔ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتیں۔

حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۷ھ میں اس دنیا سے پردہ فرما گئیں۔ شفیع الامم ﷺ جب خیبر سے واپس آئے تو آپ ﷺ کو خبر ملی۔

"حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوت ہو گئی ہیں۔"

صاحب قرآن ﷺ ان کی وفات کی خبر سن کر غمگین ہو گئے، حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیٹا مسروح اپنی والدہ سے قبل ہی فوت ہو گیا تھا۔

ہادی برحق ﷺ نے دریافت فرمایا:

"ان کا کوئی اور وارث یا عزیزوں میں سے کوئی ہے؟"

معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن بن جوزی لکھتے ہیں:

"وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ شرف اسلام و ایمان سے مشرف ہو سکیں یا نہیں۔"

ابونعیم اصبانی نے لکھا ہے:

"اس کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔"

ابراہیم سیالکوٹی رقمطراز ہیں:

"حافظ ابن عبدالبر حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام کے بارے میں صاف لکھ دیتے ہیں، کہ انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا ہی نہیں، لیکن یہ درست نہیں ہے، کیونکہ تاجدار حرم ﷺ، مدینہ طیبہ سے ان کے لیے تحائف بھیجا کرتے تھے۔"

حافظ ذہبی تجرید اسماء الصحابہؓ میں یوں لکھتے ہیں:

"وہ اسلام لائیں۔"

اور حافظ ابن حجر کا میلان بھی ان کے اسلام لانے کی طرف ہے۔

سیرت دحلانیہ میں لکھا ہے:

"کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ بے شک یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ نبی مرسل ﷺ کو دودھ پلانے والیوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو ایمان واسلام کی دولت سے محروم رہی۔"

خاتم النبیین ﷺ کو کھلانے پلانے والی محترم خواتین میں حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل ہیں۔

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

"ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سید الصادقین ﷺ کو چند ہی روز دودھ پلایا تھا، مگر مولود مسعود ﷺ کی محبت ان کے دل میں راسخ ہوگئی، وہ جب تک زندہ رہیں، صاحب تاج المعراج ﷺ کو دیکھنے کے لیے تشریف لاتی رہیں، سراپا لطف وکرم ﷺ ان کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔"

شہنشاہ عرب وعجم ﷺ مکہ مکرمہ میں اور مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد بھی، اپنی اس رضاعی ماں کے لیے کپڑے، اشیاء اور تحائف بھیجا کرتے تھے، سید الشاہدین ﷺ ان کے لیے کپڑوں کے علاوہ نقدی بھی بھیجا کرتے تھے۔

(۳) حضرت حلیمہ سعدیہؓ بنت عبداللہ بن حارث

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوذویب کی بیٹی تھی، ابوذہیب کا اصل نام عبداللہ بن حارث ہے، اور یہ سعد بن بکر کے کنبہ سے تھے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب حضرت الیاس علیہ السلام سے جاملتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے جد امجد میں سے تھے۔

ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں:

"بنو ہوازن شاہد عالم ﷺ کے ساتھ بنو قیس عیلان، مضر میں جمع ہوتا ہے، دراصل الیاس مضر کے بیٹے ہیں اور الیاس کے ایک بیٹے قیس عیلان تک حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرہ جاملتا ہے۔

اس طرح حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب بنو قیس عیلان سے سید الانبیاء ﷺ کے جدامجد میں جمع ہوتا ہے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنو سعد کے شریف گھرانے سے تھیں، اور اخلاق وفضائل میں اسم بامسمیٰ تھیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"نبی طیب و طاہر اکمل و اجمل ﷺ کی رضاعت کی سعادت حاصل کرنے میں جو خاتون مشہور و معروف اور مخصوص وممتاز ہیں وہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، وہ اپنے نام حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور نسبت سعدیہ کی طرح حلم و وقار اور سعادت سے موصوف تھیں۔"

ابراہیم سیالکوٹی، امام سہیلی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنی سعد کی شریف اور اپنی قوم کی باعزت خواتین میں سے تھیں، حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذاتی خصوصیات بہت سی تھیں۔ مثلاً غریب ہونے کے باوجود ان میں حرص وطمع نہ تھا اور وہ قناعت پسند، ملنسار اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔"

مواہب لدنیہ میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے:

"رحمت دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں جو سب سے پہلا وفد آیا تھا وہ غزوہ حنین سے واپسی پر جعرانہ کے مقام پر سید الوجود ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اس طرح حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلہ نے یہ فضیلت حاصل کرلی۔"

سیرت کی مختلف کتب میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گاؤں کے متعلق معلومات نہیں دی جاتیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلہ کو خانہ بدوش تصور کرتے ہیں کہ جو سال کے مختلف حصوں میں مختلف مقام پر خیمہ زنی کرتا ہو۔

باڈلے اس موقع پر یوں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ بنو سعد کی چراگاہوں کی طرف لے جائے گئے، اور اوائل عمر

میں ہی صحرا نورد ہو گئے، پانچ سال تک ان ہی بدوؤں کے سیاہ خیمے میں رہے، آپ ﷺ صحرا نشینوں کے ساتھ سرسبز و شاداب چراگاہوں کی تلاش میں دن رات گھومتے تھے۔ اس عرصہ میں شاید ہی چند روز سے زیادہ آپ ﷺ نے کہیں قیام کیا ہو۔ آندھی، بگولے اور جھلستی ہوا میں آپ ﷺ اپنے چہرہ کو ایک کپڑے سے ڈھانپ لیتے۔"

رحیم دہلوی رقمطراز ہیں:

"حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خانہ بدوش ہونے کی بات غلط ہے، کیونکہ مکہ کے سردار اور روساء اپنے بچوں کو موسم کی سختیاں جھیلنے کے لیے خانہ بدوشوں کے حوالے تو نہیں کرتے ہوں گے، جن کا کسی ایک جگہ ٹھکانہ ہی نہ ہو۔ دراصل حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگری جس علاقہ میں ہے، اسے ضیبات کہتے ہیں، اور ان کی خاص بستی کا نام شطہ ہے، شطہ ایک چھوٹی مگر سرسبز وشاداب بستی ہے، جو بہت خوبصورت، سادہ اور پرکشش ہے، ابھی تک یہاں اس قبیلے کے لوگ رہتے ہیں، یہ سارا قبیلہ بنی سعد کہلاتا ہے۔"

رحیم دہلوی، پروفیسر فلپ حتی کی کتاب "تاریخ عرب" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس میں کہیں کہیں نخلستان بھی ہیں، یہاں بعض اوقات سردیوں میں اس قدر مینہ برستا ہے کہ زمین پر سبزے کی چادر بچھ جاتی ہے، اور بدوؤں کے اونٹوں، بھیڑ، بکریوں کو جنت کا مزہ آجاتا ہے۔"

باڈلے اور ڈاکٹر حمید اللہ کا یہ کہنا ہے:

"حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خاندان خانہ بدوش تھا، اور حضور ﷺ ان کے ساتھ ساتھ پھرتے رہے۔"

ان حضرات کی تصوراتی کہانی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

نبی کریم ﷺ سے پہلے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوشحال نہ تھیں۔ سید البشر ﷺ کے زمانہ رضاعت میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر برکت اور سعادت ہوئی، اور ان کے معاشی حالات بہتر ہو گئے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''جس سال آپ ﷺ کی ولادت ہوئی، ہم لوگوں کو قحط سالی کی بڑی تکلیف تھی۔ فاقوں کے مارے مجھ کو غش آجاتا تھا، میری گود میں ایک بچہ تھا، مگر اتنا دودھ نہ تھا کہ اس کو کفایت کرتا، اس لیے رات بھر اس کے چلانے سے نیند نہ آتی تھی، میں جس اونٹنی پر سوار تھی، وہ اتنی لاغر تھی کہ سب کے ساتھ چل نہ سکتی تھی، میں اور میرا شوہر بھوکے تھے۔''

آپ ﷺ کو گود میں لینے کی دیر تھی کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیٹا پہلی بار ماں کے دودھ سے سیراب ہوا۔ پھر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند نے جا کر اونٹنی کو دیکھا تو دودھ ہی دودھ بھرا تھا۔ اس نے دودھ نکالا اور سب نے خوب سیر ہو کر پیا، اور رات بڑے آرام سے گزری، اس سے قبل سونا میسر نہیں آتا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند نے کہا:

''حلیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو بڑا برکت والا بچہ لائی ہے۔''

ابن سعد، یحییٰ بن یزید سعدی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس سال قبیلہ بنی سعد بن بکر کی دس عورتیں بچوں کو دودھ پلانے کی غرض سے مکہ آئی تھیں۔''

تمام سیرت نگار یہی لکھتے ہیں:

''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی مالدار کا بچہ نہیں ملا، اور وہ یتیم بچہ ملا جس کو دوسری دائیاں لینے سے انکار کر چکی تھیں، اس سے پہلے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس بچے کے لیے انکار کر چکی تھیں، مگر اب خالی ہاتھ نہ جانے کے خیال سے اس یتیم کو قبول کر لیا۔''

یہ مفروضے کسی حد تک حقائق کے قریب ہیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب شہنشاہ لولاک ﷺ کو گود میں اٹھا کر اپنے قافلے میں پہنچیں تو اس وقت انہوں نے سید عالم ﷺ کی برکات کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ انہیں اپنی ہر چیز میں نیا رنگ نظر آ رہا تھا۔ ان کو دودھ میں، جانوروں میں، رزق میں، غرض ہر چیز میں برکت محسوس ہوئی، ان کی ساتھی عورتوں نے کہنا شروع کر دیا:

''حلیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہیں بہت مبارک بچہ ملا ہے۔''

ان کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حسد بھی ہونے لگا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فرماتی ہیں:

''سراپا لطف و کرم ﷺ کو لینے کے بعد دوسرے دن میرے شوہر نے کہا۔''

''اے حلیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! بخدا ہمیں مبارک بچہ ملا ہے، کیا تو نے محسوس نہیں کیا کہ آج کی رات سے ہم نے اس بچے کو لیا ہے، اور کتنے آرام اور برکت سے یہ رات گزاری ہے۔''

چنانچہ اس طرح برکت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''جب مکہ مکرمہ سے اپنے علاقے کی طرف جانے کے لیے میں نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت لی، اور ننھے حضور ﷺ کو گود میں اٹھا کر اپنی سواری پر چڑھی تو اپنی ساتھی عورتوں سے آگے نکل گئی، میری ہمراہی عورتیں تعجب سے کہنے لگیں۔''

''حلیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ذرا آہستہ چلو، اور یہ بتاؤ کہ یہ سواری وہی ہے جس پر تم آئی تھیں۔''

میں نے کہا:

''ہاں، وہی ہے۔''

میری ساتھی عورتیں کہنے لگیں:

''بے شک اس وقت اس میں کوئی بات ہے۔''

''اس کے بعد اپنے گھر جاتے ہوئے ہم جس جگہ پر بھی قیام کرتے، وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی۔''

حضور ﷺ سے پہلے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر انتھک محنت کرتے اس کے باوجود تنگی اور عسرت سے زندگی بسر ہوتی تھی۔ اب یہ حال ہو گیا کہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتے تو وہ سونا ہو جاتی تھی۔ ہر طرف خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''میری بکریاں دودھ سے بھری ہوئی آتیں دیکھ کر میری قوم کے لوگ اپنے

چرواہوں سے کہا کرتے۔"

"ارے تم بھی وہیں چراؤ، جہاں حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے جانور

چرتے ہیں۔"

اب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ اور بکریوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی، اور سید المومنین ﷺ کی برکت سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے قبیلہ میں بہت رفیع ہوگئیں، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید کائنات ﷺ کی حیثیت کو پہچانتی تھیں:

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو جو لوری سنا کر دل بہلایا اور کھلایا کرتی تھیں، اس کا مفہوم یہ ہے:

"اے میرے رب! جب تو نے محمد ﷺ کو ہمیں دیا ہے تو آپ ﷺ کو باقی رکھ یعنی زندگی دے اور عمر کو پہنچا اور آپ ﷺ کے مراتب اعلیٰ کر اور آپ ﷺ کے دشمن، جو باطل باتیں اور باطل خیال کریں، ان کو مٹادے۔"

جنہیں نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے رضاعی بہن بھائی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انیسہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور شیما بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے لیا تھا، تو اس وقت ان کی گود میں شیر خوار عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سارا گھر حضور ﷺ کا گرویدہ تھا، کسی نے بھی آپ ﷺ کی خاطر داری اور پرورش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

حضور ﷺ خود بہت کم روتے، مگر کسی رضاعی بہن کو روتے دیکھ کر آنکھیں غمناک ہو جایا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے خاوند اور بچوں سے بہت پیار تھا۔

نبی صادق ومصدوق ﷺ نے رضاعی رشتوں کو عزت عطا کی، رضاعی ماں کو جتنا احترام دیا اور رضاعی بہن بھائیوں کو جس قدر محبت عنایت فرمائی، اس نے ان رشتوں کی عظمت کو مسلم کردیا۔

❁❁❁

رضاعی مائیں......عواتک

حضرت برکہ رضی اللہ عنہا (ام ایمن رضی اللہ عنہا)

مشہور ماہر انساب عمر رضا کحالہ نے مستدرک، حاکم، الاصابہ از ابن حجر، تہذیب التہذیب از ابن حجر، الاستیعاب از ابن عبدالبر، التہذیب از ذہبی اور المجتنیٰ از ابن جوزی کے حوالہ سے حضرت برکہ بنت ثعلبہ (ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا ذکر کیا ہے، اس ذکر میں انہیں پرورش اور خدمت کرنے والی کہا گیا ہے:۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے "الخصائص الصغریٰ" میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق لکھا:

"حضرت برکہ بنت ثعلبہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا۔"

علامہ جلال الدین سیوطی کے الفاظ یہ ہیں:

"بعض حضرات کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جس عورت نے بھی دودھ پلایا، وہ مسلمان ہوگئی، کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو چار عورتوں نے دودھ پلایا، ایک آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ، تو ان کا زندہ کیا جانا اور آپ ﷺ پر ایمان لانا حدیث پاک میں موجود ہے، ان کے علاوہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔“

علی بن برہان الدین الحلبی نے بھی حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دودھ پلانے کی بات کی، لیکن پھر اس کی رد کی بات بھی کی، لکھتے ہیں:

”اور جو پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا، اسے خصائص صغریٰ میں بیان کیا گیا ہے، اس کا رد کیا گیا ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خاتم النبیین ﷺ کو گود میں لیا ہے، دودھ نہیں پلایا، پھر کئی سیرت نگاروں نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دودھ پلانے والی بات اڑالی، تردید کی بات گول کر گئے۔“

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے اس بات کی تردید کی ہے:

”ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو دودھ پلائی تو تھیں نہیں، لیکن کھلائی ضرور تھیں۔“

عبدالمصطفیٰ محمد اشرف کہتے ہیں:

”جتنی کتب حدیث وسیَر و تاریخ میری نظروں سے گزری ہیں، کسی کتاب میں یہ نہیں کہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سید اعظم ﷺ کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا ہو۔“

عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نے لکھا ہے:

”عبدالحق محدث دہلوی، شبلی نعمانی اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی کتب بھی اس بارے میں خاموش ہیں۔“

آخر میں عجیب منطق استعمال کی ہے:

”بہر حال ہم نے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی لکھ دیا ہے کہ اگر وہ واقعی اس شرف کی حامل ہیں تو ہم کسی کا حق کیوں ماریں۔“

سیرت نگاری کے حوالے سے اہل ایمان کو چاہیے کہ قلم کو نہایت احتیاط سے استعمال کریں، لیکن ہمارا یہ عالم ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص بے احتیاطی سے کچھ لکھ دیتا ہے، پھر دوسرے حضرات اسے لے اڑتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی سند کے اس بات کو دہراتے

چلے جاتے ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے:

میاں محمد صدیقی نے سیرت حلبیہ سے لکھا ہے:

''دودھ پلانے والیوں میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی لیا جاتا ہے۔''

حلبی نے تردید والی بات کی ہے، اسے گول کر گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد میں بنیں، جب حضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، یہ لڑکی تھیں، جب حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تھی، اور یثرب (مدینہ) سے واپسی پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راستے میں مقام ابواء پر وفات پا گئیں، اور حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچیں، اس وقت بھی عورت نہیں تھیں۔

شمس الضحیٰ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کے موقع پر انہیں آزاد کر دیا، اور ان کا پہلا نکاح حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا، حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا پہلا بچہ ایمن پیدا ہوا۔

اب ذرا ان سیرت نگاروں کی طرف نگاہ کریں، جو حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی کل جہاں ﷺ کی رضاعی ماں لکھ رہے ہیں، آپ خود سوچیں کہ جب تک کوئی عورت کسی بچے کی ماں نہ ہو، وہ اپنے بچے کو یا کسی اور بچے کو دودھ کیسے پلا سکتی ہے، اور سید الصادقین ﷺ جس ہستی سے محبت کرتے رہے، انہیں اپنی ماں فرمایا، اس محترم ہستی کے سلسلے میں اتنی بے احتیاطی سے گفتگو کرنا کیا کسی سیرت نگار کو زیب دیتا ہے۔

اس معاملے کا ایک پہلو یہ ہے کہ افضل الانبیاء ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ ساتھ رہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی تک تو ہمہ وقت ساتھ تھیں، بعد میں بھی فخر دو عالم ﷺ ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے رہے، ان کی شادی کے لیے اہتمام فرماتے رہے۔ ایسے ہی اگر انہوں نے حبیب لبیب ﷺ کو دودھ پلایا ہوتا تو کیا سرور عالم ﷺ اس کا ذکر نہ فرماتے۔ جبکہ نور مجسم ﷺ نے ان کے بارے میں یہ تک فرما دیا:

''یہ میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔''

ہمیں چاہیے کہ اصل میں یہ بات کرنا اور پھر اسے نقل کرنا سوائے اس حقیقت کے کچھ نہیں کہ ہم صاحب لولاک ﷺ اور ان کی محترم ہستیوں کے ذکر میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

عواتک کا بیان

شفیع روز شمار ﷺ کی رضاعی ماؤں میں عاتکہ نامی خواتین کا نام نامی لیا جاتا ہے۔

شاہ مصباح الدین شکیل رقمطراز ہیں:

”والدہ ماجدہ نے سات روز، ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آٹھ روز دودھ پلایا اور بقیہ عورتوں کا حال معلوم نہیں۔“

یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنے سے پہلے باقی عورتوں نے کتنے دن دودھ پلایا، اس کا حال معلوم نہیں۔

عبدالشکور لکھتے ہیں:

”حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ سب نے تھوڑے دن دودھ پلایا۔“

محمد میاں صدیقی سیرۃ حلبیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”عاتکہ نامی تین لڑکیاں قبیلہ بنی سلیم سے تھیں۔“

سیرۃ حلبیہ میں یوں اضافہ کیا گیا ہے:

”وہ تینوں کنواری تھیں۔“

اسد الغابہ میں حضرت سیابہ ابن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

سید اعظم ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر فرمایا:

”میں عواتک کا بیٹا ہوں۔“

سیرت حلبیہ میں لکھا ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں بنی سلیم کی عواتک کا بیٹا ہوں۔“

کیا یہ بات عجیب نہیں کہ ایک ہی قبیلہ کی تین عورتوں نے زیب کائنات ﷺ کو دودھ

پلایا، اور سب کا نام عاتکہ تھا، اگر ایسا تھا تو سیرت پاک ﷺ کی تمام کتب ان کی رضاعت کے ذکر سے خاموش کیوں ہیں، اور جن کتب سیَر میں ان کا ذکر ہے بھی، ان میں بھی صرف رضاعت کے حوالہ سے یہ فقرہ ہی ملتا ہے:

''انہوں نے دودھ پلایا۔''

سراپا لطف و کرم ﷺ کی حیات طیبہ میں پھر کہیں ان میں سے کوئی خاتون صاحب قرآن ﷺ سے کیوں نہیں ملی، ان کی کسی اولاد کا ذکر سیاح افلاک ﷺ کے رضاعی بہن بھائیوں میں کیوں نہیں ملتا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر تو ہر کتاب میں موجود ہے۔ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ بھی کہیں کہیں ملتا ہے، لیکن عاتکہ نامی ان تین خواتین کے ذکر سے تاریخ خاموش کیوں ہے۔ خود سراپا رحمت و شفقت ﷺ نے اپنی رضاعی ماؤں کے ذکر میں انہیں کیوں یاد نہ فرمایا، اور اگر عاتکہ نامی تین خواتین نے جو ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں، تاجدار مدینہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، تو ان کے قبیلے کا اس حوالے سے بطور خاص ذکر کیوں نہیں ملتا۔

عمر رضا کحالہ کی کتاب ''اعلام النسائی عالمی العرب والاسلام'' میں عرب کی بارہ عاتکہ نامی خواتین کا ذکر موجود ہے۔ جن کے نام یہ ہیں:

(۱) عاتکہ بنت الحسن بن احمد بن احمد العطار
(۲) عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل القرشیہ
(۳) عاتکہ بنت شہدہ
(۴) عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ
(۵) عاتکہ بنت عبدالملک بن الحارث المخزومیہ
(۶) عاتکہ الخزویہ
(۷) عاتکہ بنت عمرو بن یزید الاسدی
(۸) عاتکہ بنت الفرات بن معاویہ البکائی
(۹) عاتکہ بنت مروان
(۱۰) عاتکہ بنت معاویہ بن ابی سفیان
(۱۱) عاتکہ بنت نعیم بن عبداللہ العدویہ
(۱۲) عاتکہ بنت یزید بن یزید

عمر رضا کحالہ مشہور ماہر انساب ہیں، لیکن ان کی اس کتاب میں بھی بعض عواتک کا ذکر نہیں ملا، دیگر کتب میں عاتکہ نامی درج ذیل خواتین ایسی ملی ہیں، جن کا تذکرہ کحالہ کی محولہ بالہ کتاب میں نہیں تھا۔

(۱) عاتکہ بنت سعید بن زید
(۲) عاتکہ بنت عبداللہ بن ثعلبہ

(۳) عاتکہ بنت امیہ بن حارث بن اسد	(۴) عاتکہ بنت عبداللہ بن معاویہ
(۵) عاتکہ بنت عوف	(۶) عاتکہ بنت وہب
(۷) عاتکہ بنت ولید بن مغیرہ	(۸) عاتکہ بنت عامر کنانیہ
(۹) عاتکہ بنت احنف بن علقمہ	(۱۰) عاتکہ بنت خالد بن منقذ بن ربیعہ
(۱۱) عاتکہ بنت عبداللہ بن عنکشہ بن عامر	(۱۲) عاتکہ بنت امیہ بن ابی صلت ثقفی

عمر رضا کحالہ کی ایک دوسری کتاب ''معجم قبائل العرب القدیمہ والحدیثہ'' میں بھی بنوسلیم کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر اس میں رضاعی ماؤں کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے۔

نقوش جلد نمبر۲ میں قبیلہ بنی سلیم کے متعلق کچھ معلومات ہیں:

''بنوسلیم کے مکہ سے انتہائی قدیم اور قریبی تعلقات تھے، رسول اللہ ﷺ کے اسلاف کی تیسری سے چھٹی نسل تک رسول اللہ ﷺ کی تین دادیاں جن کا ایک ہی نام ''عاتکہ'' تھا، بنوسلیم سے تعلق رکھتی تھیں، تاہم ان سے (یعنی اس قبیلہ سے سید المبشرین ﷺ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ غالباً جان دو عالم ﷺ سے تعلقات ظہور اسلام سے قبل ہی بگڑ چکے تھے۔''

قبیلہ بنی سلیم کے اس تذکرہ میں دادیوں کے علاوہ کسی عورت کی رضاعت کے بارے میں کچھ نہیں ہے، یعنی اس قبیلہ کی تین رضاعی ماؤں کا کہیں وجود نہ تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر حمید اللہ کے اسی مضمون میں ''بنو ہوازن'' میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سرکار ابد قرار ﷺ کی رضاعی ماں کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔''

اب یہ بات تو عیاں ہوگئی کہ دراصل عاتکہ نامی خواتین نبی الامی ﷺ کی دادیاں تھیں، مگر سیرت طیبہ میں باقی کئی اہم مسائل کے علاوہ رضاعت کا مسئلہ بھی بہت الجھا ہوا اور نازک مسئلہ ہے۔

اہل سیئر نے نہایت بے احتیاطی سے جو چاہا اضافہ کر دیا، تحقیق کی روایت کو اپنانا تو درگزر اس سے صرف نظر کرتے ہوئے گزر گئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے محض دادیوں کے ذکر پر ہی اکتفا کیا، انہوں نے بھی کسی وضاحت کی ضرورت محسوس نہ کی، حالانکہ یہ وضاحت طلب امر ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کو چاہیے تھا کہ وہ وضاحت کرتے کے وہ عاتکہ نامی دادیاں کون سی تھیں۔

عرب میں ایک عجیب رواج ہے کہ عرب کی خواتین کی جب تک شادی ہو کر پہلے بچے کی ولادت نہیں ہو جاتی، ان کا نام اور رہتا ہے، بچے کی ولادت کے بعد نام بدل دیا جاتا ہے، پھر تمام عمر پہلے نام کو یکسر فراموش کر دیا جاتا ہے، اور پہلے نام کو پکارنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی۔

اب یہاں حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی مثال لے لیجیے، برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے بچے ایمن کی ولادت ہوئی تو وہ برکہ سے ام ایمن ہوگئیں، اور پھر تا عمر وہ ام ایمن ہی رہیں اور اس نام سے پکاری اور پہچانی جانے لگیں، برکہ نام کو بالکل فراموش کر دیا گیا۔

جب اجداد کی تلاش کے سلسلے میں ماضی کے اوراق کو کھنگالا گیا، تو پوشیدہ اسرار کھلتے چلے گئے، اور مزید معلومات کا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا۔

عاتکہ کے معنی ہیں طاہر۔

عاتکہ کلام عرب میں ایسی بی بی کو کہا جاتا ہے، جو پاک اور طاہر ہو، لغت کی رو سے عاتک اور عاتکہ شریف وکریم اور خالص اللون وصافی مزاج کو کہا جاتا ہے۔

خصوصاً ایسی بیبیاں جو اس قدر خوشبو میں رچی بسی ہوں کہ اس کی کثرت سے جسم سرخ ہو رہا ہو، عرب میں ان خواتین کی شرافت ضرب المثل تھی۔"

صادق الامین ﷺ کا فرمان ہے:

اَنَا اِبْنُ الْعَوَاتِکْ

"میں عاتکہ نامی عورتوں کا بیٹا ہوں۔"

سرورکون ومکان ﷺ کے اس فرمان سے بھی جدات مراد ہیں۔

حبیب مکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے پیش نظر

اَنَا اِبْنُ الْعَوَاتِکْ مِنْ بَنِي سَلِيْمٌ

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سیاح افلاک ﷺ کی وہ دادیاں جو بنی سلیم سے بھی ہیں، اور ان کے نام بھی "عاتکہ" ہیں وہ کون ہیں، مگر یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے تو مجموعہ کمالات و حسنات ﷺ کے فرمان گرامی کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ ورنہ اہل سیئر میں سے تو بعض حضرات

نے تو عاتکہ نام کی بنی سلیم کی تین عورتوں کو سید موجودات ﷺ کی رضاعی مائیں کہہ ہی رکھا ہے۔

جب اس سلسلے میں تاریخی حقائق کو ایام کے منظر نامہ پر پرکھا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ صاحب تاج المعراج ﷺ کے جد امجد عبد مناف کی والدہ جو قصی کی بیوی عاتکہ بنت فالج بن ذکوان اور عبد مناف کی بیوی عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم بن منصور ہے، اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دادی عاتکہ بنت الاوقص بن مرہ بن ہلال بن بالج بن ذکوان بن سلیم ہیں، اور یہی تین دادیاں ہیں، جن کا ذکر رسول محتشم ﷺ کی محولہ بالا حدیث پاک میں ہے۔

اس سے ہمارے محترم سیرت نگار حضرات کی اس اہم موضوع پر یہ بے احتیاطی سامنے آتی ہے کہ صاحب لولاک ﷺ تو اپنی محترم دادیوں کا ذکر فرماتے ہیں، اور اپنے آپ کو بنی سلیم کی تین عواتک کا بیٹا قرار دیتے ہیں اس پر اظہار فخر فرماتے ہیں، اور ہمارے سیرت نگار کدو کاوش کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اپنی مرضی سے یہ کہانی تخلیق کر لیتے ہیں کہ صاحب قرآن ﷺ کو بنی سلیم کی عاتکہ نامی خواتین نے دودھ پلایا۔

سیرت حلبیہ میں تو ان عواتک کو کنواری لڑکیاں کہہ کر اسے معجزہ قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں نبی رحمت و کرم ﷺ کے ذکر مبارک میں کچھ لکھنے کی کوشش میں مؤدب رکھے، اور ہمیں ایسی لغزش سے محفوظ رکھے، اور ہمیں توفیق دے کہ ہم حقائق ہی کو اپنے قلم کی زبان سے ادا کریں۔

اُم فروہ

میاں محمد صدیقی اپنی کتاب میں رضاعت کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

”تین لڑکیاں قبیلہ بنی سلیم کی تھیں، جن میں سے ہر ایک کا نام عاتکہ تھا، ایک خاتون کا نام ام فروہ تھا، ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی لیا جاتا ہے۔“

”اعلام النساء“ میں ام فروہ دو خواتین کا نام مذکور ہے۔ ام فروہ قاسم بن غنام کی دادی اور ام فروہ بنت ابی قحافہ۔ ام فروہ بنت ابی قحافہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھیں۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا نام بھی ام فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہے۔ جو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قاسم کی بیٹی ہیں۔

ابن سعد نے قاسم بن غنام کی دادی ام فروہ کے بارے میں لکھا ہے:

"اسلام لائیں اور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ سے روایت کی۔"

اللہ تعالیٰ سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر قلم اٹھانے والوں کو معاف فرمائے، اور انہیں سچائی کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دودھ پلایا۔

خولہ بنت المنذر

نبی طیب وطاہر ﷺ کو دودھ پلانے میں خولہ بنت المنذر کا نام بھی لیا جاتا ہے علامہ حلبی رقمطراز ہیں:

"شاید خولہ بنت المنذر دو ہوں، ایک سید کائنات ﷺ کو دودھ پلانے والی اور دوسری حضرت ابراہیم کی رضاعی والدہ۔"

اعلام النساء میں خولہ بنت المنذر کا ذکر تک نہیں ملتا، اگرچہ ایک خولہ سید الصادقین ﷺ کی خادمہ تھیں۔

طالب ہاشمی نے کچھ خواتین کا ذکر کیا ہے، جن کا نام خولہ ہے۔

ایک خولہ تو بنی سلیم کی بھی ہیں، حضرت اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کا نام بھی خولہ تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کا نام بھی خولہ بنت قیس ہے، ایک خولہ بنت عامر انصاریہ ہیں، لیکن ان سب کے والد کا نام المنذر نہیں۔

طالب ہاشمی ام بردہ خولہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بعض روایات میں ان کے والد کا نام منذر بن زید انصاری اور بعض میں زید انصاری آیا ہے۔ ان کا نکاح براء بن اوس انصاری سے ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہیں نخلستان کا قطعہ مرحمت فرمایا، لیکن صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

دودھ پلانے کی سعادت حضرت ام سیف رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نصیب ہوئی۔

قاضی عیاض نے لکھا کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہیں، لیکن علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ﷺ میں لکھا ہے کہ قاضی عیاض کی تاویل اگرچہ کچھ مستبعد نہیں، مگر ام بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر برا ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسیف کی کنیت سے مشہور ہیں۔

بنی سعد کی ایک عورت

مخبرِ صادق ﷺ کی رضاعت کے سلسلے میں لکھا جاتا ہے:

”حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ بنی سعد کی ایک عورت نے بھی شفیع امم ﷺ کو دودھ پلایا تھا، بنی سعد کی اس عورت نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا۔“

صفی الرحمٰن مبارکپوری زاد المعاد ج ا ص ۱۹ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”شاہ عرب و عجم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دودھ پلانے کے لیے بنی سعد کی ایک عورت کے سپرد کیے گئے تو اس عورت نے ایک دن سید المومنین ﷺ کو دودھ پلا دیا، ان دنوں آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سید عالم ﷺ آپس میں دوہرے رضاعی بھائی بن گئے، ایک ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری بنی سعد کی اس عورت کی نسبت سے۔“

اب کچھ سیرت نگاروں نے اس عورت کا نام یوں تخلیق کیا:

”اس عورت کا نام سعدیہ تھا۔“

بنی سعد کی اس گمنام خاتون یا سعدیہ نام کی خاتون کے بارے میں جو معلومات فراہم ہوتی ہیں، ان سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس میں کچھ حقیقت نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مرشد حق ﷺ کے بارے میں افسانہ طرازیوں سے محفوظ رکھے۔

❁❁❁

منہ بولی مائیں

ماں کا رشتہ بہت مقدس رشتہ ہے، اس رشتے کا کوئی ثانی نہیں۔ جس طرح اللہ کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح ماں کے پیار کا بھی کوئی شریک نہیں۔ ماں بچے کی پیدائش کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس کی پرورش، نگہداشت اور تربیت کا فریضہ اسی نے ہی انجام دینا ہوتا ہے۔

بچے ماں سے شدید جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور سید الشاہدین ﷺ نے اپنی تعلیمات میں ماں کے احترام اور خدمت پر بہت زور دیا ہے، اتنا کسی اور رشتے کے بارے میں نہیں، یہاں تک کہ باپ کے بارے میں بھی نہیں۔

جس قدر محبت اور شفقت ماں کے دل میں اپنے بچے کے لیے موجود ہوتی ہے، اسے کوئی پیمانہ نہیں ماپ سکتا، ماں کی محبت ایک ایسے سمندر کی طرح ہے، جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں۔ ماں وہ ہوتی ہے جو بچے کی پیدائش سے اس کی پرورش اور نگہداشت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اسے اچھے اور برے کی تمیز سکھاتی ہے، اس کے دل و دماغ میں علم و شعور کے دیئے روشن کرتی ہے۔

اگر ایسے میں کوئی اپنی حقیقی ماں کے علاوہ کسی دوسری خاتون کو ماں کا درجہ دیتا ہے، یا اسے ماں کہہ کر پکارتا ہے، اور اس کی تعظیم و تقدیس اپنی سگی ماں کی طرح کرتا ہے، تو سوچنا چاہیے کہ آیا وہ خاتون اس بچے سے کس قدر محبت و شفقت کا اظہار کرتی ہے، اس کی پرورش و پرداخت میں کس حد تک اور کیا کچھ نہیں کرتی ہوگی، جس کی بناء پر اس عظیم خاتون کو بھی ماں کا درجہ دیا جاتا ہے۔

سید النبیین ﷺ کی حقیقی ماں تو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، اور ان جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر سیرت النبی ﷺ کا بنظر غور مطالعہ کیا جائے تو کچھ ایسی خواتین سامنے آتی ہیں جنہیں نور مجسم ﷺ نے ماں کہہ کر پکارا اور ان کی وہی عزت و توقیر کی جو حقیقی ماں کی ہوتی ہے، ان سے اپنی ماں کی طرح شفقت و محبت فرمائی۔

رسالت مآب ﷺ کے بچپن کے تذکرہ میں ایسی لائق صد عزت و احتشام کا ذکر آیا ہے ان کا مختصر سا احوال بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ابوطالب سید عالم ﷺ کے شفیق چچا تھے، آپ نے ہر ہر قدم پر حبیب کبریا ﷺ کی دلجوئی و مدد فرمائی، آپ جب تک زندہ رہے نبی دو جہاں ﷺ پر محبت و شفقت کے پھول نچھاور کرتے رہے۔

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوطالب کی بیوی تھیں، سید الصادقین ﷺ نے انہیں ماں کہہ کر پکارا ہے۔ انہوں نے بھی آپ ﷺ پر اپنی محبت کی چادر تان رکھی تھی۔ آپ ﷺ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھیں، خود بھوکی رہتی تھیں اور آپ ﷺ کو کھلاتی تھیں۔

جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو سرور انبیاء ﷺ نے ان کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا:

> ''اے میری ماں، خدا آپ پر رحم کرے، آپ میری ماں کے بعد ماں تھیں، آپ خود بھوکی رہتی تھیں، مگر مجھے کھلاتی تھیں، آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی مگر آپ مجھے پہناتی تھیں۔''

نبی طیب و طاہر اکمل و اجمل ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کے لیے لحد کھودی اور خود ہی مٹی نکالی، سب کام کرنے کے بعد مجموعہ حسنات ﷺ ان کی قبر میں لیٹ گئے اور دعا مانگی:

> ''الٰہی! میری ماں کی مغفرت فرما، اور ان کی قبر کو وسیع کر دے۔''

سید کائنات ﷺ دعا مانگ کر قبر سے باہر نکلے تو شدت غم سے آنکھیں نم ناک تھیں،

اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ سید کائنات ﷺ کو کس قدر چاہتی تھیں کہ ان کے انتقال پر محبوب خدا ﷺ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔

مخبرِ صادق ﷺ نے ان کے کفن کے لیے اپنی قمیض مبارک دی، اور ان کی قبر میں لیٹے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دریافت کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ایسا سلوک کسی کے ساتھ نہیں کیا۔''

یہ سن کر سراپا رحمت وشفقت ﷺ نے فرمایا:

''ابوطالب کے بعد مجھ سے کسی اور نے اس خاتون سے بڑھ کر عمدہ سلوک نہیں کیا، میں نے انہیں اپنی قمیض اس لیے دی کہ انہیں بہشتی خلعت پہنایا جائے، اوران کی قبر میں اس لیے لیٹا ہوں کہ انہیں عذاب قبر سے چھٹکارا ہو۔''

جب حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو منادی حق ﷺ ابوطالب کی سرپرستی میں آ گئے حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مرشد حق ﷺ کی پرورش ونگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا۔ ہرطرح سے آپ ﷺ کا خیال رکھا، آپ ﷺ کی پرورش وخدمت اعلیٰ انداز میں کی۔

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبدالمطلب کے بھائی اسد بن ہاشم کی بیٹی تھیں۔ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتہائی نیک مزاج، شریف خصلت اوراعلیٰ اخلاق کی مالک تھیں، آپ نے نبی مکرم ﷺ کو اپنی سگی اولاد کی طرح چاہا، ان کی ہرضرورت کا خیال رکھا، آپ ﷺ کے کھانے کا خاص اہتمام فرماتیں، اور ماں کی طرح آپ ﷺ پراپنی محبت وشفقت نچھاور کرتیں۔

نبی صادق وامین ﷺ بھی آپ سے بے حد محبت فرماتے۔ آپ کو اپنی ماں کہتے۔ آپ ﷺ اکثر آرام فرمانے کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''سید الثقلین ﷺ نے جب اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابوطالب کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی تو اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اپنی والدہ سے کہا:

''میں پانی بھروں گا، اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کرے گی۔''

(۲) حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید الرسل ﷺ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں۔

فخر انسانیت ﷺ نے حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اپنی ماں فرمایا۔

حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اشرف الانبیاء ﷺ کی پرورش و خدمت میں حصہ لیا تھا، آپ نہ صرف نبی ارض وسماء ﷺ کی چچی تھیں بلکہ ان کے والد ابو وہب حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی ماموں بھی تھے۔

ابن ہشام کے مطابق وہب نے تعمیر کعبہ میں حصہ لیا تھا، اور اس موقع پر ابو وہب کی مدح میں عرب کے کسی شاعر نے کچھ اشعار کہے تھے۔

یہ واقعہ نبی صادق و مصدوق ﷺ کے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے رکھنے کے وقت کا ہے۔

سید الشاکرین ﷺ، حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے:

''میری ماں کے بیٹے۔''

ہادی برحق ﷺ کبھی کبھی انہیں یہ بھی کہہ کر پکارتے:

''میری ماں کے بیٹے اور میرے محب۔''

اس بات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضور پرنور ﷺ کو حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کس قدر محبت تھی کہ آپ ﷺ انہیں ماں کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچوں سے بھی صاحب قرآن ﷺ بے حد محبت و شفقت فرماتے۔

ایک بار ام الحکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ

بن ربیعہ بن حارث کو بھیجا سید کائنات ﷺ سے آپ ﷺ کی چادر مبارک بطور تبرک منگوائی، آپ ﷺ نے چادر بھیج کر کہلوایا:

''اس چادر کو دونوں بہنیں (ام الحکم اور ضباعہ) آپس میں بانٹ لو اور اوڑھو۔''

ام الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر کے بارے میں نبی طیب و طاہر ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا:

''پہلا خون جس کو میں معاف کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث کا خون ہے۔''

(۴) حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔

آپ تاجدار عرب وعجم ﷺ کی حبشی کنیز تھیں، آقائے نامدار ﷺ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔''

صاحب لولاک ﷺ کی جب ان پر نظر پڑتی تو امی کہہ کر پکارتے۔

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک عظیم خاتون تھیں۔ آپ سید کائنات ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز تھیں، اور صاحب تاج المعراج ﷺ کو ورثہ میں ملی تھیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رحمت کائنات ﷺ سے بہت محبت و شفقت فرماتیں۔ رسول خدا ﷺ کی خدمت و پرورش میں انہیں خاص مقام حاصل ہے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمہ وقت سید البشر ﷺ کی خدمت میں رہتی تھیں جب آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ننھے حضور ﷺ کو لے کر یثرب (مدینہ طیبہ) گئیں، تو اس وقت بھی حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ تھیں۔ جب مقام ابواء پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی تو حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچیں۔

جب سید عالم ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا، اور ان کا نکاح عبید بن زید حبشی سے کر دیا۔ حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ہادی اکبر ﷺ نے جلیل القدر صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ جن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ سعادت حاصل تھی کہ ان کے دونوں شوہر مسلمان تھے، اوران کے دونوں بیٹوں سے آپ ﷺ بہت محبت فرماتے تھے۔ان کے بڑے بیٹے حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیر الخلائق ﷺ کے خاص خدمت گاروں میں سے تھے۔

حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ حنین کے ان دس ثابت قدم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے تھے، جنہوں نے سیاح افلاک ﷺ کے گرد دشمنوں سے بچاؤ کے لیے گھیرا ڈال رکھا تھا، اس غزوہ میں یہ بہادری وشجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے غزوہ احد، غزوہ حنین اور غزوہ خیبر میں شرکت کی یہ کئی احادیث کی راوی بھی ہیں، اورانہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال پر مرثیہ بھی لکھا تھا۔

نبی ذی احتشام ﷺ ان کی بڑی عزت کرتے تھے، اوران کی کوئی بات رد نہ فرماتے تھے۔

(۴) حضرت سلمیٰ بنت ابوذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سلمیٰ بنت ابوذویب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سگی بہن ہیں۔

آپ اسی نسبت سے رسول اللہ ﷺ کی خالہ لگتی ہیں۔

حضرت سلمیٰ بنت ابوذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب سراج منیر ﷺ سے ملنے کے لیے آتی تھیں تو رحمت دو عالم ﷺ ان کے لیے زمین پر اپنی چادر بچھا دیتے اور انہیں ماں کہہ کر مخاطب کرتے، انہیں خوش آمدید کہتے۔

حضرت سلمیٰ بنت ابوذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فتح مکہ کے موقع پر سید اعظم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں۔ جب یہ جانے لگیں تو نبی صادق ﷺ نے انہیں دوسو درہم اور کپڑے دیئے، اورسواری کے لیے ایک اونٹ بھی عنایت فرمایا، جس پر کجاوہ بھی موجود تھا۔

قائد انبیاء ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گاؤں قحطہ میں اپنے بچپن کے ابتدائی چند سال گزارے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چونکہ آپ ﷺ کو بے حد محبت تھی۔

آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچوں سے آپ کے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ سے اور آپ کی بہن سلمیٰ بنت ابوذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بے حد محبت رکھتے تھے۔

(۵) حضرت شیما بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام حذافہ تھا، مگر یہ شیما کے نام سے مشہور ہوئیں، محبوب خدا ﷺ نے انہیں بھی ماں کہہ کر پکارا ہے۔ یہ بھی حبیب دو جہاں ﷺ سے بے حد محبت و شفقت فرماتی تھیں۔

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی پرنور ﷺ کی رضاعی بہن تھیں، یہ اپنی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ رسول خدا ﷺ کی خدمت اور پرورش کیا کرتی تھیں، آپ ﷺ کو کھلاتی تھیں، آپ ﷺ کو گود میں اٹھاتیں اور انہیں لوریاں سنایا کرتی تھیں۔

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سید کائنات ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کرنے لے گئیں تو حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان کی جدائی میں رو رو کر برا حال ہو گیا۔

غزوہ حنین کے موقع پر حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سید الشاہدین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، انہیں دیکھتے ہی رسول رحمت ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے ، ان کی تعظیم کی، ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھادی، رسول اللہ ﷺ کی چشمان مبارک فرط محبت سے نمناک ہو گئیں۔

بدر کامل ﷺ نے اس موقع پر اپنی رضاعی بہن حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

> ''اگر آپ میرے پاس رہنا چاہیں تو یہاں عزت و احترام سے رہیں ، اور اگر اپنے علاقہ میں جانا پسند کریں تو آپ کو اجازت ہے۔''

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کیا، اور اپنے علاقہ میں جانے کی خواہش ظاہر کی ، رسول اللہ ﷺ نے انتہائی عزت و احترام اور توقیر کے ساتھ انہیں رخصت کیا، انہیں لونڈی اور غلام کے علاوہ مال و متاع بھی عنایت فرمایا۔

حضور ﷺ کی کفالت و پرورش کرنے والے

نبی آخر الزماں ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ آپ ﷺ کو والدہ محترمہ کا سایہ عاطفت بھی زیادہ دیر تک نصیب نہ ہوا۔

آپ ﷺ کے والدین کے علاوہ آپ ﷺ کی پرورش، خدمت اور کفالت کی سعادت جن لوگوں کو نصیب ہوئی، یہ سب رسول اللہ ﷺ کے قریبی عزیز تھے۔

ان میں سے کسی نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا کسی نے گودوں میں کھلایا، کسی نے لوری دینے کا شرف حاصل کیا، کسی نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، کسی نے آپ ﷺ کو زبان سکھائی، کوئی آپ ﷺ کو سفر پر ساتھ لے گیا، تو کسی نے آپ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے سفر کرنا چھوڑ دیا۔

کوئی انہیں اٹھا کر کعبۃ اللہ میں لے جاتا، کوئی انہیں کعبۃ اللہ میں اپنی مسند پر بٹھاتا۔ اور کوئی آپ ﷺ کی خدمت اور پرورش کے لیے اپنے بچوں کو بھول جاتا، اور آپ ﷺ پر آنے والی ہر مصیبت کو اپنے سینہ پر روکتا۔

کتنی خوش قسمت تھیں یہ ہستیاں، جنہوں نے نبی پاک ﷺ کی کفالت و پرورش کی، یہ کتنی بڑی سعادتیں ہیں، ان سعادتوں کو حاصل کرنے والے، خوش قسمتی کے بام بلند کو چھو لینے والے کون تھے۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت و شفقت، اپنائیت اور اخلاص کا اظہار کرنے والے یہ خواتین و

حضرات ہمارے لیے کتنے محترم ومکرم ہیں۔ ان کی عظمتوں کو سلام کرنے کے لیے ہماری گردنیں جھک جانی چاہئیں، ان کی عظمتوں کا ذکر ہمارے لیے کتنی سعادتوں کا اہتمام ہے۔

سلام ان معطر روحوں پر جنہوں نے نبی برحق ﷺ پر محبتوں کے پھول نچھاور کیے۔ ان سے محبت و شفقت کا اظہار فرمایا۔ ان کی پرورش وکفالت کی۔ انہیں زمانے کے سرد وگرم سے بچانے کا اہتمام کیا، ان کی عظمتوں کو بیان کرنے کے لیے ان عظیم شخصیات کے بیان میں یہ باب تحریر کیا جارہا ہے۔

(۱) حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (والدہ محترمہ)

باعث ایجاد عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام وہب بن عبد مناف تھا، یہ بنی زہرہ کے سردار تھے، قریش میں نہایت محترم تھے۔

مرشد انس و جاں ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب سید ظاہر و باطن ﷺ کے اجداد میں سے کلاب سے جاملتا ہے۔

غمخوار امت ﷺ کے والد کی طرف سے اوپر کی چھ پشت اور والدہ کی طرف سے پانچ پشتوں میں یہ دونوں خاندان کلاب پر جاکر مل جاتے ہیں۔

نسب یہ ہے:

وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ

سید اولین وآخرین ﷺ کی والدہ محترمہ! اور آپ ﷺ کی نانیاں سب شریف خاندانوں سے تھیں۔

سید الابرار ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے، ان کے دل میں رحم اور فیاضی بے انتہا تھی، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہترین خوبیوں سے نواز رکھا تھا۔

وہ نسب میں قوم بھر میں افضل ہونے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ اور طیب تھیں، انتہائی پرہیزگار خدا پرست خاتون تھیں، حسن و جمال میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا، آپ بڑی پارسا، خاموش طبع اور بلیغ خاتون تھیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قریشی لڑکیوں میں اپنی خاندانی شرافت، اخلاقی طہارت، حسن صورت، خوبی سیرت، شرافت طبع، سنجیدگی، مزاج اور خداداد عقل وتمیز کی حامل تھیں۔
آپ ﷺ کی والدہ محترمہ سوکھا گوشت کھایا کرتی تھیں۔

قریش کے سردار حضرت عبدالمطلب کے تمام صاحبزادے ممتاز اور نامور تھے۔ مگر حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستودہ صفات تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رشتہ وہب بن عبد مناف کی بیٹی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے طے کر دیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح یکم جمادی الآخر دوشنبہ (پیر) کے روز ہوا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح کے چند ماہ بعد ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس خدائی فیصلے کے آگے صابر و شاکر رہیں، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عبدالمطلب ہی کے مکان میں رہائش پذیر رہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دلدوز مرثیہ کہا تھا، جن کے اشعار کا مفہوم یہ ہے:

"آل ہاشم یعنی عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بطحا کی سمت خالی ہو گئی۔
وہ شور وغوغا کے جہان سے نکل کر لحد کے مجاور بن گئے۔
موت نے انہیں پکارا تو انہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔
موت نے لوگوں میں ابن ہاشم (عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جیسا کون چھوڑا ہے یعنی ان کی مثل اب دنیا میں کون رہ گیا ہے۔
ان کے دوستوں نے ان کے جنازہ کا تخت اٹھایا ہوا تھا، اور وہ کندھا دینے کے لیے ایک دوسرے کے مزاحم ہوتے تھے، یعنی ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔
موت نے انہیں بغیر کچھ بتائے اپنی آغوش میں لے لیا، اور ان کے جانے کا افسوس کیوں نہ ہو جبکہ وہ کثرت کے ساتھ عطا کرنے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے تھے۔"

شاہد عالم ﷺ کے والدین کی آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور اولاد نہ تھی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جس رات محمد ﷺ کی ولادت ہوئی، میں نے ایک نور طلوع ہوتے دیکھا، جس سے شام کے ملک اس قدر روشن ہوگئے کہ میں نے اس روشنی میں شام کے محل دیکھ لیے۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بچے کا نام احمد ﷺ رکھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

"جب سید الصادقین ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی تو حجون کے مقام پر جس کے نیچے قبرستان ہے، اور قریش اس مقام پر اپنے کپڑے دھو کر سکھایا کرتے تھے۔ اس مقام کے جن نے کوہ ابوقبیس کے جن کو سید ارض و سما ﷺ کی ولادت کی شہادت جن اشعار میں دی ان کا ترجمہ یہ ہے:

"میں قسم کھاتا ہوں کہ کوئی عورت انسانوں میں نہ تو خود اتنی سعادت مند ہے اور نہ کسی نے اتنے سعادت منداور نجیب وشریف کو جنم دیا ہے۔

جیسا کہ بنوزہرہ سے تعلق رکھنے والی قابل صد افتخار امتیازی اوصاف کی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مقدس اور سعادت مند بچے کو جنم دیا ہے۔

تحقیق اس نے جنم دیا ہے اس ذات اقدس ﷺ کو جو سب مخلوق میں سے بہتر ہیں اور احمد ﷺ کے پیارے نام سے موسوم۔ پس کس قدر عزت والا اور کتنا بلند مقام والا مولود ہے۔"

اب کوہ ابوقبیس پر موجود جن نے اس مبارک خبر کو پا کر جو اشعار کہے، ان کا ترجمہ یہ ہے:

"اے بطحا کے رہنے والو! دھوکہ نہ کھاؤ اور مغالطہ میں نہ رہو، اور سابقہ اعمال وافعال سے حقیقت امر معلوم کرو۔

بے شک بنوزہرہ قبیلہ ابتداء اور انتہا دونوں میں تمہارا ہی حصہ ہے اور وہ شاخ اور سروناف کے رشتہ میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

مگر تم گزشتہ لوگوں میں سے یا جو باقی بچ رہے ہیں، ان میں سے کوئی ایسی
مقدس عورت دکھاؤ اور پاکیزہ ماں بتلاؤ۔
جس کا بیٹا بنی زہرہ کی لاڈلی ماں آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقدس بیٹے جیسا ہو
جو کہ مقام نبوت کے مالک ہیں، اور خداترس اور پابند احکام خداوند اعلیٰ ہیں۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے افضل المخلوقات ﷺ کو آپ ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کرتے وقت جو اشعار کہے ان کا مفہوم یہ ہے:

"میں اپنے بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے شتر پر سوار دیکھوں، اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں کے ساتھ اور درماندہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہے۔"

جب ہادی اکبر ﷺ کی عمر مبارک دو سال ہوئی اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دودھ چھڑا لیا تو اپنے وعدہ کے مطابق آپ ﷺ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے آئیں۔ مگر وہ آپ ﷺ کی جدائی کا سوچ کر ملول اور رنجیدہ تھیں۔ آپ کی خواہش تھی کہ محمد ﷺ آپ ہی کے پاس رہیں۔ مگر وعدہ ایفا کرنا بھی ضروری تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کی:

"ان دنوں مکہ کی فضاء سے بیماری اور گرمی کا خطرہ ہے، اس لیے ننھے حضور ﷺ کو ہمارے ساتھ جانے دیں۔"

ماں کا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیٹا اب مزید دور رہے، مگر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہر طرح سے شفیق ماں کو قائل کرنے کی کوشش کی، منت سماجت سے کام لیا، پھر کہیں جا کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا، اور یوں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے محمد ﷺ کو لے کر اپنے قبیلہ میں واپس لوٹیں۔

جب آپ ﷺ اپنی زیست مبارک کی پانچ بہاریں دیکھ چکے تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں واپس مکہ مکرمہ لائیں، اور انہیں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کر دیا۔

محمد حسین ہیکل رقمطراز ہیں:

''حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ اپنے میکہ بنی نجار میں آئیں۔ بنی نجار میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے اور اس جگہ کو نابغہ کہتے ہیں۔ دراصل ان کے دل میں خواہش تھی کہ وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کریں۔ اس مقام پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک ماہ قیام فرمایا، اور آپ ﷺ کو وہ مکان دکھایا، جہاں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تھا اور وہ جگہ دکھائی جہاں وہ آسودہ خاک تھے۔ سائیسفت آسمان ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنے بچپن میں کیے گئے سفر مدینہ کے حالات سنائے، آپ ﷺ فرمایا کرتے:

''یہاں ایک لڑکی انیسہ رہتی تھی، جو ہمارے ساتھ کھیلا کرتی تھی، اور بنی عدی بن النجار کی باولی میں خوب تیرنا سیکھ لیا تھا۔ اس قلعہ کے اوپر پرندہ آکر بیٹھا کرتا تھا، بچے اسے اڑایا کرتے تھے، اور اس گھر میں میری ماں یہاں بیٹھا کرتی تھیں۔''

مدینہ میں ایک ماہ قیام فرمانے کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئیں مگر راستے میں مقام ابواء پر بیمار پڑ گئیں۔ اس وقت شفا خانوں کا رواج نہ تھا، عطائی طبیب جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے یا پھر کاہنوں اور راہبوں سے جھاڑ پھونک عمل پڑھوائے جاتے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری اور غم گساری کے لیے وہاں پردیس میں کون بیٹھا تھا۔ بس لے دے کر برکہ (ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھیں جو تیمارداری کرتیں، اور پورے سفر میں ان کی رفاقت بہت کچھ کام آئی، بیمار اور نحیف آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غم گساری اور خدمت گزاری میں برکہ (ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے ذرہ برابر کوتاہی نہ کی۔ مگر آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں۔ اور ابواء ہی کے مقام پر فوت ہو گئیں۔

ابونعیم نے زہری کے طریق پر دلائل النبوت میں روایت کیا ہے:

''حضرت اسماء بنت رہم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی والدہ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت کے وقت ان کے پاس موجود تھیں۔ اس وقت شاہ کونین ﷺ کی عمر مبارک پانچ برس تھی، اور آپ ﷺ ان کے سرہانے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ کی والدہ مکرمہ

نے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی طرف دیکھا اور کچھ اشعار کہے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اے بیٹے! اللہ آپ (ﷺ) کو برکت عطا فرمائے۔ آپ (ﷺ) اس عظیم باپ کے فرزند ارجمند ہیں جو قوم کے سردار اور شریف تھے۔
جنھوں نے بلند شان کے مالک اللہ تعالیٰ کی نصرت سے نجات حاصل کی اور جن کی زندگی بچانے کے لیے صبح کے وقت تیروں سے قرعہ اندازی ہوئی۔ ان کے بدلے میں اچھی نسل کے ایک سو اونٹ کا فدیہ دیا گیا۔
میں نے خواب میں دیکھا ہے اگر وہ درست ہے تو آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے۔
آپ (ﷺ) حلت وحرمت کے لیے اس دین کے ساتھ مبعوث ہوں گے، جو دین آپ (ﷺ) کے باپ ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ بتوں سے آپ (ﷺ) کی حفاظت فرمائے گا، اور آپ (ﷺ) کی دوستی ان لوگوں سے نہیں ہوگی جو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔"

پھر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"ہر زندہ کے لیے موت ہے، ہر ایجاد کا اختتام ہے اور ہر بڑی عمر والے کے لیے فنا ہے۔
میں مرجاؤں گی مگر میرا ذکر باقی رہے گا، اس لیے کہ میں نے پاکیزہ اور طاہر کو جنم دیا ہے، اور اپنی یاد کے لیے خیر کو چھوڑا ہے۔"

الخصائص الکبریٰ میں ہے:۔

"سماعہ بنت الجارحم کی والدہ کے مطابق جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوگیا تو ہم نے جنوں کو نوحہ کرتے ہوئے سنا، اور اس نوحہ کو یاد رکھا۔"

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

"وہ جوان خاتون جو محسنہ اور مطیع خدا اور امینہ ہیں اور انتہائی باوقار جمال وعفت کی مالکہ ہیں، ہم لوگ ان کو روتے ہیں۔

وہ مقدس بی بی جو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب قرینہ زوجہ مکرمہ اور اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی سکون و راحت دینے والی والدہ معظمہ ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی امی جان ہیں جو مدینہ منورہ میں صاحب منبر ہوں گے۔ لہٰذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خوشی سے سپرد لحد نہیں کیا جا سکتا۔"

سراپا رحمت و کرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پانچ یا چھ برس تھی۔

انوار محمدیہ میں یہ ہے:۔

"چھ برس کی عمر میں آپ ﷺ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یثرب (مدینہ منورہ) لے گئیں، اور وہاں ایک ماہ قیام کیا، اور واپسی پر راستے ہی میں فوت ہو گئیں۔ اس لیے حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ برس ہی تھی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تقریباً بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہمراہ واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں فوت ہو گئیں، اور وہیں دفن کی گئیں۔

سیرت دحلانیہ میں لکھا ہے:

"بعض نے کہا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو "حجون" میں دفن کیا گیا تھا۔ بعض نے روایتوں کو ملا کر کہا: "پہلے آپ کو ابواء میں دفن کیا گیا، اور پھر وہاں سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تابوت حجون کے قبرستان میں منتقل کر دیا گیا لیکن درست یہی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابواء ہی میں دفن کی گئی ہیں۔"

غزوہ احد کے موقع پر جب جنگ کے ارادہ سے کفار مکہ کا لشکر ابواء کے مقام پر پہنچا تو اس لشکر میں سے کچھ کفار نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار کو اکھاڑنے کی اور قبر کی بے حرمتی کرنے کی سازش تیار کی کہ محمد ﷺ کی والدہ کی قبر چونکہ اس مقام پر ہے اس لیے اسے اکھاڑا جائے۔ جس کے بیٹے کو خدا تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے، اور جن کے ساتھیوں نے بدر میں

ہمیں شکست دی ہے۔ ان سے انتقام لینے اور انہیں ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کا یہ ایک انوکھا انداز تھا۔ مگر جب قائدین کفر تک یہ تجویز پہنچی تو انہوں نے اس کے تمام نتائج و عواقب پر غور کیا اور یہ ارادہ ملتوی کر دیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس طرح لاشوں کی بے حرمتی کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر شفیع الامم ﷺ مقام ابواء سے گزرے تو فرمایا:

''اللہ نے محمد (ﷺ) کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی ہے۔''

پھر آپ ﷺ اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار پر گئے۔ قبر مبارک کو اپنے دست مبارک سے درست کیا اور بے اختیار رو دیئے۔

باعث ایجاد عالم ﷺ کو روتا دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی رونے لگے اور عرض کی:

''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ تو رونے سے منع فرماتے ہیں۔''

غمخوار امت ﷺ نے فرمایا:

''ان کی ممتا مجھے یاد آ گئی اور میں رو دیا۔''

(۲) حضرت حلیمہ بنت ابوذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (رضاعی ماں)

حضور ﷺ کی ولادت مبارک کا زمانہ وہ زمانہ تھا، جب عرب اپنے بچوں کو رضاعت، ابتدائی پرورش اور فصاحت و بلاغت کے لیے دیہات کی کھلی آب و ہوا میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اس طرح بچے دیہات کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پاتے، اور دوران پرورش ان کے اخلاق میں اعتدال اور سلامتی طبع نمایاں ہو جاتی تھی، اس کے علاوہ وہ شہر کے مفاسد سے بھی محفوظ و مامون رہتے تھے، اور وہاں رہ کر وہ صحیح اور فصیح زبان بھی سیکھ لیتے تھے۔

اس کام میں قبیلہ بنی سعد کی خواتین اپنا ثانی آپ تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق بھی اس قبیلہ سے تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انہوں نے نبی آخر الزماں ﷺ کی پرورش و خدمت کی۔ آپ ﷺ کو اپنا پاکیزہ و طاہر دودھ پلایا۔ آپ ﷺ کو فصیح و بلیغ زبان سے آشنا کیا۔

فخر عرب و عجم ﷺ نے ان کے گھر میں اپنی پرورش کا آغاز کیا تو خدائے بزرگ و برتر

نے ان کے گھر پر اپنی رحمتوں اور فیوض و برکات کی چادر تان دی۔

سوامی لکشمن پرساد اپنی تصنیف عرب کا چاند میں رقمطراز ہیں:

"کچھ تو سرورِ کون و مکاں ﷺ کی صورت ہی من موہنی تھی۔ اس گلدستہ جمال، اس پیکرِ حسن کو دیکھ کر کس کے دل میں محبت کے جذبات نہ پیدا ہو جاتے۔ اس حسن و جمال پر مستزاد یہ کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی کایا ہی پلٹ گئی، اس لیے گھر بھر آپ ﷺ کا گرویدہ ہو گیا۔ آپ ﷺ کی خاطر داری اور پرورش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا جانے لگا۔"

دودھ چھڑانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ چاہنے کے باوجود سید الانبیاء ﷺ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئیں۔ مگر دل چاہتا تھا کہ ابھی سید عالم ﷺ ان کے پاس رہیں۔ اس لیے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو گزارش کی، اسے رحیم دہلوی یوں بیان کرتے ہیں:

"آپ اس درِ یتیم ﷺ کو، میرے بچے کو، میری جان کو، میرے لاڈلے کو ابھی کچھ دنوں ہمارے پاس اور چھوڑ دیں تو اس میں توانائی آ جائے گی، اور اس وقت تو مکہ کا حال بھی یہ ہے کہ یہاں موسم برا ہے اور ہوا خراب ہے، اور وبا زور شور سے پھیلی ہوئی ہے۔ اس حال میں بچے کو یہاں چھوڑتے ہوئے دل ڈرتا ہے۔ ایسے میں میرے ہاں، میری نظروں کے سامنے رہیں گے تو میری خاطر جمع رہے گی۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

"جب میں نے بہت ضد کی اور اونچ نیچ سمجھائی تو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں میرے ساتھ بھیجنے پر حامی بھر لی۔"

یوں رضاعت کے بعد اب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذمہ داری صرف سید الصادقین ﷺ کی پرورش و خدمت تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت لے کر ننھے حضور ﷺ کو لے کر خوشی و مسرت سے اپنے گاؤں کی طرف بڑھ رہی تھیں، جب وہ

وادی سعد پہنچیں تو حبشہ کے کچھ لوگ ساتھ آ ملے، انہوں نے غور سے سید سادات ﷺ کو دیکھا، اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا:

"کیا ان ﷺ کی آنکھوں کی سرخی ہر وقت یونہی رہتی ہے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اثبات میں جواب دیا:

اس پر وہ کہنے لگے:

"خدا کی قسم! یہ ﷺ نبی ہیں۔"

اس طرح ایک بار ذوالمجاز سے گزریں تو ایک قیافہ شناس نے دیکھا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا:

"اے اہل عرب! اس بچے کو قتل کر دو۔ کیونکہ یہ تمہارے اہل دین کو قتل کر دے گا۔ تمہارے بت توڑے گا اور تمہارے اوپر غلبہ پا لے گا۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلدی سے وہاں سے نکل آئیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی بیٹی حذیفہ (شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہمہ وقت سائرِ ہفت آسماں ﷺ کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتیں، آپ ﷺ کو ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتیں۔

باعث ایجاد عالم ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی رضاعی بہن بھائیوں کا پوچھا، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے بھی ساتھ جانے پر اصرار کیا، اور اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت لے کر خوشی و مسرت کے ملے جلے جذبات سے شاداں و فرماں، بہن بھائیوں کے ساتھ جانے لگے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیاح افلاک ﷺ کی دانائی و عقل مندی کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔

ایک بار حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کچھ یہودی گزرے تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سید خیر الوریٰ ﷺ کی ولادت سے قبل اور بعد از ولادت کے معجزات اپنی ذات سے منسوب کر کے بیان فرمائے، اور جو جو واقعات رضاعت و پرورش کے دوران میں رونما ہوئے، وہ بھی ان سے بیان کر کے فرمایا:

"اس فرزند ﷺ کے متعلق کیا بتا سکتے ہو؟"

یہودیوں نے پہلے تو آپس میں مشورہ کیا، پھر کہا:

''اس بچے کو مار ڈالنا چاہیے۔''

انہوں نے پھر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا:

''کیا یہ یتیم ہیں؟''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''نہیں، میں اس کی ماں اور یہ ان کے باپ ہیں۔''

اس پر یہودیوں نے کہا:

''اگر یہ یتیم ہوتے تو ہم انہیں ضرور مار ڈالتے، کیونکہ ان میں آخری نبی ﷺ ہونے کی تمام خصوصیات موجود ہیں، مگر ان کا یتیم ہونا بھی ان نشانیوں میں شامل ہے۔''

مرشد انس و جاں ﷺ پانچ برس تک بنی سعد کے اس قبیلہ میں پرورش پاتے رہے۔ اس عرصہ میں دو تین بار حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئیں۔ پانچ سال تک پرورش و خدمت کی اور پھر بعد میں بادل نخواستہ اس متاع عزیز کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کر کے اپنے قبیلہ کی طرف واپس روانہ ہوئیں۔

علماء لغت و ادب کے نزدیک واقف اسرار ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لسان نبوت کو پاکیزہ اسلوب بیان اور شستہ انداز کلام سے مزین کرنے کے لیے آپ ﷺ کی تربیت کا بندوبست قبیلہ بنو سعد میں فرمایا تھا۔ یہ بنو سعد بن بکر بن ہوازن عرب کے بدوی قبائل میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے، اور قریش کے شرفاء و سادات اپنے بچوں کی رضاعت و پرورش کا بندوبست عموماً اسی قبیلے میں کیا کرتے تھے، یہاں ہادی اکبر ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں پرورش پائی، اسی لیے آپ ﷺ کے اس ارشاد میں جس کی تشریح گزر چکی ہے، ان الفاظ کا اضافہ بھی ملتا ہے:۔

''میری پرورش قبیلہ سعد میں ہوئی ہے۔''

''میں عربوں میں سب سے بہتر اظہار خیال پر قادر ہوں، میری پیدائش قریش میں ہوئی، اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی تو میرے کلام میں اور لحن کہاں

سے آتی؟''

سید الرسل ﷺ نے جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کی اجازت لے لی، تو آپ ﷺ کے بکریوں کے ساتھ چراگاہ میں جاتے ہی بکریوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ بکریاں پہلے سے زیادہ دودھ دینے لگیں۔ چراگاہوں کی ہریالی میں اضافہ ہوگیا، اور بنی سعد خوش ہوگئے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

''ہادی انسانیت ﷺ کے باعث میرے گھر میں بہت برکت تھی۔ جب سے آپ ﷺ کے قدم مبارک میرے گھر میں آئے تھے، مجھے چراغ کی حاجت کسی رات کو نہ ہوئی تھی، تمام مکان سید سادات ﷺ کے چہرہ انور کے نور سے ہمیشہ روشن و درخشاں رہتا، اور مجھے جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی، اور میں اندھیرے کمرے میں جاتی تو وہ آپ ﷺ کے نور سے روشن ہو جاتا، اور میں بلا تکلف اس روشنی سے اپنی مطلوبہ چیز لے لیتی۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزید فرماتی ہیں:

''میری ایک بکری کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا، وہ بکری سید المعجزات ﷺ کے پاؤں سے لپٹ گئی، آپ ﷺ نے اس کے ٹوٹے ہوئے پاؤں پر ہاتھ پھیرا تو وہ فوراً اچھا ہوگیا۔''

والئ دوجہاں ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر آپ ﷺ کو دیکھنے آیا کرتی تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کو بے حد محبت تھی۔

نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہمیشہ اچھا سلوک فرماتے، ان کی عزت وتوقیر اور تعظیم فرماتے ان کا بے حد احترام فرماتے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔

سید الاولین والآخرین ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ صرف ننھے حضور ﷺ کو دو برس تک دودھ پلایا، بلکہ بعد میں پرورش میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

ایک بار مکہ اور اس کے نواح میں شدید قحط نمودار ہوا۔ اس موقع پر حضرت حلیمہ سعدیہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عظیم بیٹے حضور ﷺ کے پاس تشریف لائیں۔ اس وقت سید الابرار ﷺ کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہو چکی تھی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں مال کی کمی کی گزارش کی اور فرمایا:

''سخت قحط کی وجہ سے مویشی مر گئے ہیں۔''

اس پر نبی عالم ﷺ نے انہیں چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔

مولانا اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:

''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں تو صاحب تاج المعراج ﷺ جوش مسرت میں بے خود ہو کر ان کے استقبال کو دوڑے اور میری ماں کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ جیسے بچپن میں لپٹا کرتے تھے، ان کے لیے اپنی چادر بچھائی، احوال پوچھا، پھر جو حاجت انہوں نے بیان کی، وہ پوری کی اور عزت و احترام سے رخصت کیا، جاتی دفعہ چالیس بکریاں اور اونٹ عطا فرمائے۔''

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید الشاہدین ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نہایت حسن سلوک سے پیش آیا کرتی تھیں۔

سیرت دحلانیہ میں ہے:

''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تنگدستی کی شکایت کی، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں بیس بکریاں اور جوان اونٹ عطا فرمائے۔''

ایک روایت کے مطابق بکریوں اور اونٹ کی تعداد چالیس تھی۔

علامہ سہیلی نے ''روض الانف'' میں لکھا ہے:

''ایک مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مرشد انس و جان ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو شاہ کونین ﷺ نے انہیں کئی اونٹنیاں مرحمت فرمائیں، جس پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں۔''

ابن جوزی، منذری اور ابن حجر نے ان کے اسلام لانے کی توثیق کی ہے۔

ابن حجر نے شرح ہمزیہ میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام کے بارے میں لکھا ہے:

”حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر حضرت حارث بن عبدالعزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے کو اسلام کی توفیق نصیب ہوگئی تھی، اور ان کے اسلام سے انکار کرنے والا غلط کہتا ہے، انہوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی، اور مدینہ منورہ میں رحلت فرما کر جنت البقیع میں دفن ہوئیں اور ان کی قبر مبارک مشہور زیارت گاہ ہے۔“

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند حضرت حارث بن عبدالعزیٰ اعلان نبوت کے بعد مکہ آئے، اور مشرکین کے بہکانے کے باوجود انہوں نے اسلام قبول کرلیا، اور اس پر ثابت قدم رہے۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کے بارے میں ابن اثیر لکھتے ہیں:

”جب یہ مکہ آئے تو قریش نے انہیں کہا:

”تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے بیٹے کیا کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ لوگوں کو مرنے کے بعد پھر زندہ کرے گا، اور ایک اور عالم ہے جہاں نافرمانوں کو سزا اور فرمانبرداروں کو اللہ انعام دے گا۔ تمہارے بیٹے نے ہمارے معاملات کو برہم کر دیا ہے، اور ہماری جماعت کو متفرق کر دیا ہے۔“

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر سید ارض و سماء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

”لوگ یوں کہتے ہیں کیا یہ سچ ہے۔“

ہادی برحق ﷺ نے فرمایا:

”ہاں، یہ سچ ہے، اور وہ دن آئے گا جب میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر آج کی بات دکھا دوں گا۔“

اس کے بعد حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوگئے، ان کا اسلام عمدہ رہا، اور وہ اکثر کہا کرتے تھے۔

"جب میرا بیٹا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنی بیان کی ہوئی باتیں دکھا دے گا، تو جنت میں داخل کیے بغیر مجھے نہ چھوڑے گا۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے صحابہ میں شمار کیا ہے، اور حافظ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صحابیات میں شامل کیا ہے۔

مولانا مودودی اپنی کتاب "سیرت سرورِ عالم ﷺ" میں لکھتے ہیں:

"فتح مکہ کے موقع پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن سے آپ ﷺ کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کی اطلاع ملی، تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔"

سیرت دحلانیہ میں ابن اثیر کے حوالہ سے ابنِ طفیل کی روایت نقل کی گئی ہے:

"غزوہ حنین کے موقع پر شاہد عالم ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئی تھیں۔"

ابن اثیر کی "اسد الغابہ" میں ابن طفیل اور ابو الفضل کے حوالہ سے روایت درج ہے مگر یہ دونوں راوی غزوہ حنین کے وقت کم سن بچے تھے۔

مولانا مودودی اپنی کتاب کے حاشیہ میں یوں لکھتے ہیں:

"حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق ابن اثیر کا بیان ہے:

"ہادی انسانیت ﷺ کی بعثت سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا"۔

استیعاب میں ابن عبدالبر نے عطا بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت درج کی ہے۔

"سید ظاہر و باطن ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ حنین کے موقع پر آئیں، تو نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، اور اپنی چادر بچھا کر انہیں اس پر بٹھایا۔"

یہ بات ذہن نشین رہے کہ غزوہ حنین ۸ھ میں پیش آیا، اور اس وقت صاحب قرآن ﷺ کی عمر مبارک تقریباً ساٹھ برس تھی، اور حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر آپ ﷺ سے کم از کم دس بارہ برس تو زیادہ ہوگی۔ اس طرح حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر غزوہ حنین کے

وقت تقریباً ۷۲ سال ہو گی، اور حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی والدہ سے اگر بیس برس چھوٹی ہوں تو ۸ھ میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۹۲ سال بنتی ہے۔ اس لیے قوی امکان ہے کہ وہ حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں تھیں۔

(۳) حضرت شیما بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام حذافہ تھا، اور وہ حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید الرسل ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی بیٹی تھیں۔ آپ کے والد کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔

جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہادیٔ اکبر ﷺ کو پرورش کے لئے اپنے گھر لے گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں، برکتوں اور فیوض سے آپ کے گھر کو مالا مال کر دیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے محمد ﷺ کو کھلایا اور کھیلایا کرتیں۔ آپ ﷺ کو لوریاں دیا کرتیں۔

سائے سفت آسمان ﷺ نے اپنی حیات پاک میں بچپن کے چند قیمتی سال حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں اور حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر اور اپنی رضاعی بہن حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کھیل کود کر گزارے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو کہیں دور نہ جانے دیا کرتی تھیں۔ ایک روز وہ غافل ہو گئیں۔ مگر حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہا کرتی تھیں۔

ننھے حضور ﷺ حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بھیڑوں کے ریوڑ میں تشریف لے گئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو تلاش کرنے نکلیں تو انہوں نے آپ ﷺ کو حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ پایا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

"انہیں اتنی گرمی میں لیے پھرتی ہو۔"

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"اماں جان! میرے بھائی نے دھوپ کی گرمی محسوس نہیں کی، اس لیے کہ بادل

آپ ﷺ پر سایہ کرتا تھا، جب یہ ٹھہر جاتے تو بادل بھی ٹھہر جاتا اور جب چلتے تو بادل بھی چلتا، یہاں تک کہ ہم اس جگہ آ پہنچے ہیں۔"

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کی پرورش، خدمت، تربیت اور دیکھ بھال میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کے کاموں میں مصروف ہوتیں تو شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو اٹھائے اٹھائے پھرا کرتیں۔ بہلاتیں، نہلاتیں اور کپڑے بدلا کرتیں۔

محمد بن المجل الازدی نے کتاب الترقیص میں ذکر کیا ہے:

"شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو کھلایا کرتیں، اور جو شعر پڑھا کرتیں، اس لوری کا ترجمہ یہ ہے۔"

"ہمارے پروردگار! ہمارے بھائی محمد ﷺ کو تو سلامت رکھ، یہاں تک کہ ہم ان کو جوان اور بالغ دیکھ لیں، اور پھر ان کو سید و سردار قوم پائیں، ان کے ساتھ دشمنی و حسد رکھنے والوں کو ذلیل کر، اور ان کو ایسی عزت دے جو ابدالآباد تک قائم رہے۔"

ابوعروہ الازدی جب یہ گیت پڑھتے تو کہتے:

"اللہ تعالیٰ نے حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعا کو کیسا شرف قبولیت سے نوازا۔"

ڈاکٹر حمید اللہ، حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس لوری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس کے مندرجات عام بچوں پر صادق نہیں آتے۔ خاص محمد ﷺ سے مخصوص معلوم ہوتے ہیں، اور ایک جاہل بدوی نوعمر لڑکی سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی، وہ اپنے گھر کی مروجہ لوریاں ہی سنا سکتی تھی۔"

ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ بات درست ہے کہ یہ لوری حضور ﷺ سے مخصوص لگتی ہے، کیونکہ یہ عام بچوں کو دی جانے والی لوری نہیں، لیکن ڈاکٹر حمید اللہ کا یہ لکھنا سراسر غلط ہے۔

"ایک جاہل بدوی نوعمر لڑکی سے گھر کی مروجہ لوریوں کے علاوہ توقع نہیں کی جا سکتی۔"

نہ تو بچہ معمولی تھا، اور نہ ہی بچے کی پرورش اور خدمت کرنے والے عام لوگ تھے۔

جنہیں ڈاکٹر حمید اللہ بغیر سوچے سمجھے ''جاہل بدوی'' قرار دے دیں۔

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا اجمل واکمل ﷺ کو لوریاں دیتے ہوئے، یہ بھی کہا کرتیں۔

''میرے اس بھائی کو میری ماں نے نہیں جنا، اور نہ ہی میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہیں۔

اے اللہ! انہیں نیند آ جائے، جو میری نیند ہے۔''

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید ارض وسماء ﷺ کی رضاعی بہن ہیں، اور سید عالم ﷺ نے اپنا سارا بچپن ان کے ساتھ گزارا، اور آپ ﷺ نے ان کی اس وقت تک کی خدمت کو ہمیشہ یاد رکھا۔

جب حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نبی رحمت کل جہاں ﷺ سے تقریباً پچپن سال کے بعد غزوہ حنین کے موقع پر ملاقات ہوئی تو انہیں پہچان کر والئی دو جہاں ﷺ کھڑے ہو گئے، انہیں دیکھ کر شفیع الامم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، آپ ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا کر انتہائی عزت وتوقیر اور تعظیم سے بٹھایا۔

سیرۃ الحلبیہ میں لکھا ہے:

''سید کائنات ﷺ نے حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ماں کہہ کر فرمایا، کیونکہ حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو گود میں لیا۔''

شوال ۸ ھ میں غزوہ حنین پیش آیا۔ بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے قبائل نے طائف کی جاگیروں کے لالچ میں چار ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کا قصد کیا، دوسری جانب نبی رحمت کل جہاں ﷺ مدینہ منورہ سے اپنے جانثاروں کے ساتھ وادی حنین میں اترے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد دشمنوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

غزوہ حنین کے قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی، ان قیدیوں میں تاجدار مدینہ ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث بھی تھیں۔ یہ انصار کی جس جماعت کے ہاتھ لگی تھیں، وہ بہت سختی کرنے والے تھے۔ جب انہوں نے جنگی سختی سے کام لیا تو حضرت شیما

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لشکریوں سے نہایت فخر سے کہا:

''جانتے نہیں ہو کہ میں تمہارے آقا ﷺ کی بہن ہوں، میرے ساتھ ادب سے بات کرو۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کی بات پر یقین نہ کیا اور کہا:

''اس سلسلے میں کوئی نشانی نہیں ہے۔''

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''مجھے ان کے پاس لے چلو۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین انہیں لے کر دربار رسالت ﷺ میں پہنچے۔
حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا شاہ کونین ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور اپنا تعارف کروایا۔

سید الصادقین ﷺ نے انہیں ایک نشانی سے پہچان لیا، ان کی تعظیم کے لیے سیدھے کھڑے ہوگئے، ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا۔

ہادی انسانیت ﷺ نے حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مرحبا کہا، ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی، اور انتہائی عزت وتوقیر سے انہیں اس چادر پر بٹھایا۔

رضاعی بہن کو دیکھ کر غمخوار امت ﷺ کی چشمان مبارک میں شدت جذبات سے آنسو بھر آئے، آپ ﷺ نے ان کی بڑی عزت وتوقیر کی، ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، آپ ﷺ دیر تک اپنی رضاعی بہن سے باتیں کرتے رہے۔

فخر عرب وعجم ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اگر تم میرے پاس ٹھہرنا چاہو، تو تمہاری عزت وتوقیر اور تکریم میں کوئی کمی نہ کی جائے گی، اور اگر تم اپنے عزیزوں میں جانے کی خواہش مند ہو تو میں تم سے بھلائی کر کے واپس بھیج دوں گا۔''

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے قبیلے میں جانے کو ترجیح دی، آپ ﷺ نے انہیں تحائف عطا فرمائے، اور انہیں غلام واموال، خمس میں سے دیا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ انہیں ان کے قبیلے میں بھیج دیا۔

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے قبیلے کی طرف جانے سے پہلے اسلام قبول

کرلیا۔

باعث ایجاد عالم ﷺ نے غزوہ حنین کے مال غنیمت کو میدان جنگ سے دور مقام جعرانہ پر بھیج دیا کہ شاید انہیں چھڑانے کے لیے ان کے قبیلے کا کوئی وفد آجائے۔ حضور ﷺ نے عمرہ ادا کیا، پھر جعرانہ تشریف فرما ہوئے، اور وفد حنین کا انتظار کرنے لگے، کئی دن انتظار کرنے کے بعد جب کوئی وفد نہ آیا تو آقائے نامدار ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق دس دن تک انتظار کیا گیا، تب مال غنیمت تقسیم کیا گیا، جب قیدی اور مال غنیمت غازیوں میں تقسیم ہو چکے تو قبیلہ ہوازن کا وفد حاضر خدمت ہوا، یہ چودہ افراد تھے اور سب کے سب مسلمان ہو کر آئے تھے، ان کے سربراہ کا نام زہیر بن صرد تھا، اور ان میں رسول رحمت ﷺ کے رضاعی چچا ابو برقان بھی تھے۔

رحیم دہلوی، ابن سعد اور طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سائرہفت آسمان ﷺ کے ان رضاعی چچا نے آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عرض کی:

''ہم پر جو مصیبت آن پڑی ہے، وہ آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں ہے، آپ ﷺ ہم پر اس طرح مہربانی کیجیے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر رحم و کرم کیا ہے۔ یہ بزرگ اور عالی مرتبت ہستیاں وہ ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کی پرورش کی ہے۔ پالا پوسا ہے، ان میں آپ ﷺ کی چچیاں ہیں، خالائیں ہیں، انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی گودوں میں کھلایا ہے، اور اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو دودھ پیتے دیکھا ہے، اور کوئی دودھ پیتا بچہ آپ ﷺ سے اچھا نہ دیکھا۔ دودھ بڑھانے کے بعد آپ ﷺ کو دیکھا ہے، اور کوئی دودھ چھڑایا ہوا بچہ آپ ﷺ سے بہتر نہیں دیکھا۔ نیک خصلتیں آپ ﷺ میں درجہ کمال پر پہنچیں ہوئی ہیں، اور آپ ﷺ کی جڑ بنیاد ہم ہیں، آپ ﷺ کے لوگ ہم ہیں، ہم پر احسان کیجیے۔ اللہ آپ ﷺ پر احسان کرے گا۔''

رئیس وفد زہیر بن صرد نے رضاعت ہی کے رشتے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

''اسیر عورتوں میں آپ ﷺ کی پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ اگر سلاطین

عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا، تو اس سے بھی بہت امیدیں ہوتیں، آپ ﷺ سے بہت امیدیں ہیں۔"

پھر زہیر بن صرد نے چند اشعار پڑھے۔ طبری نے دو شعر نقل کیے ہیں:

"یا رسول اللہ ﷺ ہم پر کرم فرمائیں۔ احسان کریں کیونکہ ہماری ساری امیدیں، آرزوئیں اور تمنائیں آپ ﷺ ہی سے وابستہ ہیں۔

آپ ﷺ ایسے خاندان کے لوگوں پر احسان کریں، جن کی آزادی آپ ﷺ کے دست قدرت میں ہے، اور جو اس وقت بدبختی میں گھرے ہوئے ہیں، اور انہیں زمانے کی سختیوں نے گھیر لیا ہے۔"

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

"جو میرا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ ہے وہ میں نے چھوڑا۔"

یہ سن کر انصار نے کہا:

"جو ہمارا حصہ ہے وہ ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کے لیے چھوڑ دیا۔"

اس طرح چھ ہزار قیدی رہا ہوئے، اور جو مال ان کو واپس دیا گیا، اس کی قیمت پچاس کروڑ درہم تھی۔

معارج النبوت میں لکھا ہے:

"حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رخصت کرتے وقت صادق و مصدوق ﷺ نے فرمایا تھا:

شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم اپنی قوم کے ہمراہ مجھے جعرانہ کے مقام پر ملو گی تو میں تمہاری معیشت کے اسباب مہیا کردوں گا۔"

اور جب وہ مقام جعرانہ پر نبی صادق الامین ﷺ سے ملیں تو آپ ﷺ نے بہت سا مال انہیں اور ان کے رشتے داروں کو عطا فرمایا:

(۴) حضرت عبدالمطلب بن ہاشم (دادا)

حضرت عبدالمطلب کا اصل نام عامر تھا، لیکن آپ شیبہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ بچپن میں آپ کے بال سفید تھے۔ اس لیے آپ کو شیبہ کہا جانے لگا، شبیہ کا ترجمہ ڑال یا بوڑھا

ہے۔ انہیں "شیبۃ الحمد" بھی کہا جاتا ہے۔

آپ بچپن میں اپنے چچا مطلب کے ساتھ اپنے ننھیال مدینہ سے اپنے ددھیال مکہ آئے تو سواری پر اپنے چچا مطلب کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ مطلب غلام خرید کر لا رہے ہیں، اس لیے سب نے ان کو عبدالمطلب (مطلب کا غلام) کہنا شروع کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت زید مدینہ منورہ کے قبیلے بنو نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہاشم بن عبد مناف نے ان سے شادی کی اور کچھ عرصہ بعد انہیں مدینہ منورہ چھوڑ کر بغرض تجارت شام کی طرف چلے گئے، اور اسی سفر میں وہ شام کے شہر غزہ میں انتقال فرما گئے، ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوی سلمیٰ نے ایک بچے کو جنم دیا۔ اس بچے کا نام شیبہ رکھا۔ جب شیبہ نے ہوش سنبھالا تو ان کے چچا مطلب انہیں لینے گئے، پہلے تو ان کی والدہ نے بچے کو بھیجنے سے انکار کر دیا، مگر جب چچا نے بہت اصرار کیا اور کہا:

"یہ اپنے باپ کی جائیداد کا وارث ہے"۔

یہ سن کر ماں نے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ مطلب شیبہ کو لے کر جب مکہ پہنچے تو اہل مکہ سمجھے کہ مطلب کے پیچھے ان کا غلام بیٹھا ہے، انہوں نے شیبہ کو عبدالمطلب کہہ کر پکارا۔

چچا مطلب نے کہا:

"یہ میرا غلام نہیں، میرا بھتیجا ہے۔"

شیبہ عبدالمطلب کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ جب تک حضرت عبدالمطلب کے چچا مطلب زندہ رہے۔ اس وقت تک تو حالات ٹھیک رہے۔ ان کی وفات کے بعد نوفل بن عبد مناف نے عبدالمطلب کا حق غصب کر لیا اور ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عبدالمطلب نے قبیلہ والوں سے مدد مانگی، قبیلہ والوں نے کہا:

"ہم چچا بھتیجے کے معاملہ میں نہیں آئیں گے۔"

اس پر حضرت عبدالمطلب نے بنو نجار میں اپنے ماموں ابو سعید بن عدی النجار کو خط لکھ کر نوفل بن عبد مناف کی زیادتی کا ذکر کیا اور ان سے مدد مانگی، ماموں خط پڑھ کر رو دیئے، وہ فوراً مکہ پہنچے اور حضرت عبدالمطلب کا حق انہیں دلوایا۔ اس کے بعد نوفل اور اس کے بیٹے اور اس کے بھائی عبد شمس کے بیٹے بنی ہاشم کے حلیف بن گئے، اور بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور خزاعہ، بنی نوفل

اور بنی عبد شمس کے حلیف بن گئے۔ بنوخزاعہ نے کہا:

''عبد مناف کی والدہ حبیٰ بنت حلیل خزاعی ہیں، اس لیے ہم حضرت عبدالمطلب کی نصرت کرنے میں اولیٰ ہیں، اور حلیف بننے کے لیے حاضر ہیں۔''

پھر دارالندوہ میں سب نے حلف اٹھا کر مضبوط معاہدہ کیا اور تحریر کیا:

''اس حلف نامہ کی بنا پر بنو ہاشم اور عمرو بن ربیعہ کے ساتھی آپس میں ایک دوسرے کی اس وقت تک حمایت ونصرت اور امداد کرتے رہیں گے، جب تک سمندر میں صوف کے تر ہونے کے برابر نمی رہے گی، اور جب تک شہر کی گھاٹیوں میں سورج طلوع ہوتا رہے گا، اور جب تک اونٹ میدان اور افشان میں کھڑے ہوتے رہیں گے، اور جب تک انسان مکہ معظمہ میں عمرہ کرتے رہیں گے، (یعنی یہ معاہدہ کبھی ختم نہیں ہوگا)۔''

انوار محمدیہ میں لکھا ہے:

''ایک دن عبدالمطلب حجرے میں سوئے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک عجیب د غریب خواب دیکھا، بیدار ہوئے تو قریش کے کاہنوں سے اپنا خواب بیان کیا، انہوں نے کہا: ''اگر تمہارا خواب سچا ہوا تو تمہاری پشت سے ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا، جس پر زمین وآسمان کی ساری مخلوق ایمان لے آئے گی، اور وہ انسانوں میں ایک روشن علامت ہوگا۔''

حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ سے شادی کر لی، جن سے سید موجودات ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب نے فاطمہ بنت عمرو سے نکاح کیا تو حق مہر میں ایک سو سرخ اونٹ اور ایک سو رطل خالص سونا شامل تھا۔

حضرت عبدالمطلب مکہ کے رئیس اعظم تھے، اور عرب میں سید قریش اور شریف قریش کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ ان کی شخصیت نہایت بارعب تھی، ان کے چہرے سے جمال وجلال برستا تھا، قوت وشجاعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ سفید رنگ، خوبرو اور دراز قد انسان تھے۔ قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل، قوی وجسیم اور بردبار وحلیم تھے۔ نہایت کریم وسخی اور شر وفساد سے دور بھاگنے والے تھے۔ قریش میں

سب سے زیادہ دانا، سب سے زیادہ نرم مزاج، سب سے زیادہ معاملہ فہم اور انصاف پسند تھے۔

حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا نفیل نے حضرت عبدالمطلب اور حرب کے ایک جھگڑے کا فیصلہ سناتے ہوئے حرب سے کہا تھا:

"میں صاف بات کروں، وہ تم سے زیادہ بلند و بالا، تم سے زیادہ عقل مند، تم سے زیادہ کثیر الاولاد، تم سے زیادہ سخی اور تم سے زیادہ شیریں زبان ہے۔"

حضرت عبدالمطلب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ سب سے پہلے انہوں نے وسمہ سے خضاب کیا، حضرت عبدالمطلب نے زندگی بھر شراب کو چھوا تک نہیں۔ رمضان المبارک میں ان کی سخاوت انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔ غار حرا میں خلوت وعزلت سب سے پہلے انہوں نے ہی شروع کی، وہ نہ صرف ہر سال ماہ رمضان میں غار حرا میں عبادت کیا کرتے، بلکہ اس پورے ماہ میں مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب اپنے والد ہاشم کی طرح نہ صرف دور ونزدیک تمام ممالک میں بلکہ ہر اپنے پرائے اور نواح عرب کے بادشاہوں اور رئیسوں کے دربار میں نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تمام لوگ اپنے نزاعی امور میں ان سے رجوع کرتے تھے، اور جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا، اسے بلاکم وکاست اور بسروچشم منظور کر لیتے، اور ان کی سخاوت وفیض رسانی نہ صرف اپنی قوم بلکہ مسافروں پر بھی یکساں تھی۔

باعث ایجاد عالم ﷺ کے محترم دادا لوگوں کو جاہلیت کی بری رسوم سے روکتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب سے وہ حکیمانہ اقوال منقول ہیں، جن کو بعد میں قرآن وحدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے، مثلاً نذر کی تکمیل، محرم سے عقد کی ممانعت، چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم، اولاد کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب وزنا کی حرمت اور اس پر حد کا نفاذ، عریاں ہو کر طواف بیت اللہ کی ممانعت، حرام مہینوں کی عظمت واحترام باقی رکھنا، وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مقتول کے قصاص میں سو اونٹوں کے خون بہا کا طریقہ رائج کیا، پہلے یہ سلسلہ قریش میں جاری ہوا، پھر دوسرے عربوں میں رواج پا گیا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے بھی اس خون بہا کو شریعت میں برقرار رکھا۔

حضرت عبدالمطلب کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، مگر اس پر بہت سے دلائل آتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب دین حنیف اور توحید پر تھے، ہادی اکبر ﷺ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی مرد و

عورت کا فرد مشرک نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبدالمطلب فرمایا کرتے تھے:

"ظالم، ظلم کا خمیازہ بھگتنے کے بغیر دنیا سے رخصت نہیں ہوتا۔"

اتفاق سے اہلِ شام میں ایک مشہور ظالم اپنے مظالم کا خمیازہ بھگتے بغیر مر گیا، اس بارے میں کسی کے سوال پر حضرت عبدالمطلب نے تھوڑا سوچا اور فرمایا:

"اس گھر (دنیا) کے بعد ایک اور گھر (عاقبت) ہے، جس میں نیک، نیکی کا اجر اور بدکار، بدی کی سزا پائے گا۔"

حضرت عبدالمطلب سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی، اور نبی آخر الزماں ﷺ کا نور ان کی پیشانی سے عیاں تھا، چنانچہ جب کبھی سخت قحط پڑتا تو قریش انہیں لے کر جبل بشیر پر لے جاتے، ان کے وسیلہ سے خدا کے قریب ہونے کی سعی کرتے اور بارش کی دعا مانگتے، یوں نور محمدی ﷺ کی برکت سے بارش ہو جاتی اور وہ سیراب ہو جاتے۔

حضرت عبدالمطلب اس قدر فیاض طبع تھے کہ نہ صرف انسانوں بلکہ وحشی جانوروں اور پرندوں کی میزبانی بھی کرتے تھے، وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحوش و طیور کے لیے کھانا بکھیر دیا کرتے تھے۔اس پر انہیں پرندوں کا میزبان اور فیاض کہا جاتا۔

حضرت عبدالمطلب عرب کے چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو دور جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب عرب بھر میں دو چار آدمیوں سے زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔

ابن الندیم کہتا ہے:

"مامون الرشید کے کتب خانہ میں عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک دستاویز تھی، یہ چمڑے پر لکھی ہوئی تھی، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"میں عبدالمطلب بن ہاشم مکہ کا رہنے والا ہوں۔ میں نے فلاں بن فلاں ذات حمیری ساکن صنعاء کو چاندی کے ایک ہزار درہم قرض دیئے ہیں یہ اس پر واجب الادا ہیں۔ جب طلب کیے جائیں گے وہ ادا کرے گا۔ اللہ اور اس کے فرشتے اس پر گواہ ہیں۔"

حضرت عبدالمطلب کی بڑی خوبی ایک یہ بھی تھی کہ اپنی قوم میں انہیں اتنا عزت و شرف

حاصل تھا، جہاں تک کہ ان کے آباؤ اجداد میں کوئی نہ پہنچا تھا۔ ان کی قوم ان سے محبت کرتی تھی، اور لوگوں میں وہ بڑی منزلت رکھتے تھے۔

محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

"عبدالمطلب حاجیوں کو دعوتیں کھلاتے، ان کے پینے کے لیے آبِ شیریں بہم پہنچاتے، اہالئ مکہ پر ان کی شفقت و پرورش کا یہ عالم تھا کہ جب ان پر بری گھڑی آتی تو عبدالمطلب ان کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتے۔"

حضرت عبدالمطلب عہد کی پابندی کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے، وہ نہایت اچھے اخلاق اور عادات کے مالک تھے، ان کی عام نصیحت یہ تھی:

"ظلم و بغاوت نہ کرو، اور مکارم الاخلاق حاصل کرو۔"

حضرت عبدالمطلب مصیبتوں میں فریادیوں کی پتا سنتے، ان کی فریاد رسی کرتے، وہ مشکلوں اور دشواریوں میں ان کے مشکل کشا تھے۔ ان کے مشکل وقت میں ان کے کام آتے، اس لیے لوگوں نے ان کی اتنی تعریف و توصیف کی کہ ان کا نام "شیبۃ الحمد" رکھ دیا۔

حضرت عبدالمطلب قریش میں بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے قریش ان کے لیے کعبۃ اللہ کے قریب مسند لگاتے، حضرت عبدالمطلب اس پر تشریف فرما ہوتے، اور قریش کے سرداران کے آس پاس جمع ہو جاتے، مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ ان کی مسند پر بیٹھتا یا ان سے آگے ہوتا۔

آبِ زمزم کا کنواں عمرو بن حارث جرہمی نے بند کر دیا تھا، اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی کو یہ مقام یاد ہی نہ رہا کہ چاہ زمزم کہاں ہے؟

کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کو تین دن تک مسلسل خواب میں کہا گیا:

"کنواں کھودو۔"

اس واقعہ کا تفصیلی ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

حضرت عبدالمطلب کو خواب میں کنوئیں کی جگہ بھی دکھائی دی گئی تھی، اس پر حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ کھدائی کی، تین دن کی کھدائی کے بعد بنو جرہم کی مدفونہ اشیاء ملنے لگیں۔ تلواریں، زرہیں وغیرہ نکلیں، شروع شروع میں قریش کے لوگ اس کام

کو فضول خیال کرتے تھے، مگر جب مدفونہ اشیاء برآمد ہوئیں تو حضرت عبدالمطلب سے کہنے لگے:

''سردار! ہم بھی آپ کے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں۔''

حضرت عبدالمطلب نے انہیں شامل کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب نے جب آب زمزم کا کنواں کھودنے کا ارادہ کیا تو قریش نے اس کی مخالفت کی۔ اس موقع پر حضرت عبدالمطلب کا ساتھ دینے والا صرف ان کا اکلوتا بڑا بیٹا حارث تھا۔ اس موقع پر حضرت عبدالمطلب کو اولاد کی کمی کا شدت سے احساس ہوا، انہوں نے منت مانی۔

''خدا تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا کرے، تو میں ان دس میں سے ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے عطا کیے، اور جب یہ سب جوان ہو گئے تو ایک دن حضرت عبدالمطلب نے ان سب کے نام قرعہ ڈالا کہ جس کے نام قرعہ نکلے گا اسے میں خدا کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ یہ قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب نے چھری لی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ذبح کرنے کے لیے قربان گاہ کی طرف لے چلے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باپ کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے قربان ہونا منظور کر لیا، لیکن ابو طالب نے اس کی مزاحمت کی، اس کے علاوہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ننھیال والے بھی مزاحم ہوئے، آخر ایک مشہور کاہنہ کے پاس گئے۔ اس کاہنہ نے کہا:

''اونٹوں پر قرعہ ڈالیں، جب قرعہ اونٹوں کے نام نکلے اتنے اونٹ قربان کر دیئے جائیں، جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکلے ہر مرتبہ دس اونٹوں کا اضافہ کرتے جائیں۔''

قرعہ اندازی کا آغاز کیا گیا، ہر مرتبہ قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نکلتا، یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو کر دی گئی، تب قرعہ اونٹوں کے نام نکلا اور حضرت عبدالمطلب نے بیٹے کے فدیہ اور اپنی منت کے بدلے سو اونٹ قربان کیے۔

نقوش رسول نمبر میں سیرت ابن اسحاق کے حوالہ سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی قربانی سے متعلق حضرت عبدالمطلب کے تقریباً ۶۵ اشعار درج ہیں۔ ان میں سے جن اشعار میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واضح خصوصیات کا ذکر ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے:

"اس کی قبر کھودنے سے میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ میرا پروردگار ہے۔ اس کے بعد میں زندہ نہیں رہوں گا۔

میرا دل گرفتار محبت کے دل کی طرح اڑا جارہا ہے اور عبداللہ کی یاد مجھے ستا رہی ہے تاکہ وہ سلامت رہے اور اونٹوں کا غیر منقسم گلہ ذبح ہو جائے۔

یہاں تک کہ لوگوں کے لیے اس کے برخلاف مجتمع ہونے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے لیے عبداللہ کو فوری طور پر قتل کیے جانے سے نجات عطا کر۔

میں کل صبح اسے اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ خون میں لت پت ہو، ایسی صورت میں میرا رنج وغم میری ہڈیوں تک پہنچ جائے گا۔"

حضرت عبدالمطلب کے پاس بہت سے اونٹ تھے۔ وہ حج کے دنوں میں انہیں ذبح کرتے اور ان کے دودھ میں شہد ملا کر زمزم کے قریب حوض میں جمع کرتے اور خشک انگور خرید کر حاجیوں کے لیے زمزم کے پانی میں ملاتے، یہ مشروب اس قدر گاڑھا ہوتا کہ حاجی اس میں پانی ملا کر اس کا گاڑھا پن دور کرتے۔

ابرہہ نے صنعاء میں خانہ کعبہ کے مقابل ایک کلیسا بنوایا تاکہ لوگ کعبۃ اللہ کے بجائے اس کے کلیسا میں حج کی ادائیگی کے لیے آئیں، اس واقعہ کا تفصیلی ذکر گزشتہ باب میں آچکا ہے، اس لیے یہاں ہم اس واقعہ سے صرف نظر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ابرہہ کے حملہ سے پہلے ہی انتقال فرما چکے تھے۔ جب عبدالمطلب کو ننھے حضور ﷺ کی ولادت کی خبر ملی تو وہ بے حد خوش ہوئے، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے جو زخم ان کے دل پر آئے تھے، ننھے حضور ﷺ کی ولادت سے وہ زخم مرہم بنے۔ غم کی جگہ مسرت نے ڈیرے ڈال لیے۔ عبدالمطلب نے جگہ جگہ مجلسیں کیں گھر گھر جشن کیے گئے۔

ننھے حضور ﷺ قدرتی طور پر حلیہ، خدوخال اور حسن خداداد میں اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلیہ اور حسن کا جواب تھے۔ عالم مسرت میں سب کو یہی خیال گزرا

کہ مرحوم عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ آگئے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے سب سے پہلے ننھے حضور ﷺ کو دیکھا تو فرط مسرت سے ان کی پیشانی پر بوسہ نچھاور کر دیا، انہیں سینہ سے لگائے ہوئے بیت اللہ پہنچے، وہاں کچھ دیر تک دعا مانگتے رہے پھر گھر چلے آئے۔

ساتویں دن نہایت تزک و احتشام سے رسم عقیقہ ادا کی گئی، تمام عرب میں غرباء و مساکین کو کھانا کھلایا گیا، اس موقع پر سب قبائل کے بڑے بڑے سرداروں نے بھی ننھے حضور ﷺ کو دیکھا اور حضرت عبدالمطلب کو مبارکباد دی، انہوں نے عبدالمطلب سے بچے کا نام پوچھا تو انہوں نے بچے کا نام محمد (ﷺ) بتایا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ننھے محمد ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے ننھے حضور ﷺ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لے لی۔ جب حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابواء سے واپسی پر ننھے حضور ﷺ کو حضرت عبدالمطلب کے حوالے کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو گود میں اٹھالیا، اور انتہائی شفقت اور محبت سے پیش آئے۔

اب ننھے حضور ﷺ کی پرورش اور پرداخت کے تمام امور حضرت عبدالمطلب کی ذمہ ہوئے، حضرت عبدالمطلب ننھے حضور ﷺ سے بہت زیادہ شفقت اور مہربانی سے پیش آتے اور اپنی اولاد سے زیادہ محبت کرتے۔ وہ ننھے حضور ﷺ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے۔

حضرت عبدالمطلب ننھے حضور ﷺ کی پرورش و خدمت اور نگرانی میں نہ صرف خود کوشاں رہتے، بلکہ اپنی زندگی میں ابوطالب اور برکہ (حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔

سیرت حلبیہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے:

"حضرت عبدالمطلب نے احبار وکہان کی زبان سے حضور ﷺ کے بارے میں بشارتیں سنیں، اور خود بھی خواب اور اشارات دیکھتے، جن سے ان پر ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ آخر زمانہ کے مولود نبی ہیں۔"

ایک بار حضرت عبدالمطلب نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

"میرے بچے سے غافل نہ ہوا کرو، کیونکہ اہل کتاب خیال کرتے ہیں کہ یہ اس

امت کے نبی ہیں۔"

ایک دن حضرت عبدالمطلب کعبہ میں تھے کہ نجران کا اسقف (نصاریٰ کے دین میں ان کا سردار) حضرت عبدالمطلب کے پاس آیا اور کہا:

"ہم آپ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے نبی کی صفت پاتے ہیں، اور وہ اس شہر میں پیدا ہوں گے، ان کی ایسی صفات ہوں گی۔"

جب ان کے سامنے حضور ﷺ کو لے جایا گیا تو اس نے آپ ﷺ کی چشمان مبارک، پشت مبارک اور قدم مبارک دیکھ کر کہا:

"یہی ہیں، یہی ہیں۔"

پھر حضرت عبدالمطلب سے پوچھا:

"یہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟"

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا:

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

اس اسقف نے کہا:

"نہیں، میں ان کے باپ کو زندہ نہیں پاتا۔"

اس پر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا:

"یہ میرا پوتا ہے، اور میرا بیٹا اس کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکا ہے۔"

اسد الغابہ میں لکھا ہے:

"حضرت رقیہ بنت ابی صیفی بن ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔"

"قریش قحط میں گرفتار ہو گئے، اور حالت بہت بگڑ گئی تو ایک رات میں نے خواب میں ایک آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا، اے قریش! نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہونے کو ہیں، تم پر اس نبی ﷺ کے عہد کا سایہ ہے، اور یہ زمانہ اس کے ستارے کے طلوع کا ہے، تم پر بارشوں اور فراوانی کا زمانہ جلدی جلدی آئے گا، تم اپنے اس آدمی کو دیکھو جو عالی نسب جو عظیم القدر اور مضبوط و توانا ہے۔ جس کا چہرہ کشادہ اور سفید ہے، جس کے بازو لمبے ہیں، جس کے رخسار نرم اور جس کی

ناک اونچی ہے۔ وہ عظمت کا مالک ہے لیکن اسے چھپائے پھرتا ہے، اور وہ ایسا راستہ ہے جس کی طرف لوگ خود بخود آتے ہیں، وہ اور اس کا بیٹا اپنے اقران میں ممتاز ہے اس لیے ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی اس سے ملاقات کرے۔ خوب پیٹ بھر کر پانی پئیں، خوشبو لگائیں، رکن کعبہ یعنی حجر اسود کو چومیں پھر ابو قبیس پہاڑ پر چڑھ کر اس آدمی کو بلائیں، اور قوم اس کی وجہ سے امان پائے گی۔ اور اس پر تم بارش سے فیض یاب ہو گے۔"

حضرت رقیہ بنت ابی صیفی بن ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"ایسا ہی کیا گیا اور آخر حضرت عبدالمطلب نے پہاڑ پر چڑھ کر دعا فرمائی، اس موقع پر ان کے ساتھ ننھے محمد ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ ابھی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ وادیوں میں سیلاب آ گیا۔"

حضرت عبدالمطلب نے اپنے آخری ایام میں ایک دن اپنے بیٹے ابو طالب کو بلا کر فرمایا:

"تم جانتے ہو کہ مجھے محمد ﷺ سے کتنی محبت ہے، میں نے اس کی ہمیشہ پیار سے پرورش کی ہے، اب دیکھنا ہے کہ تم میرے حقوق کی کس طرح حفاظت رکھتے ہو، اور محمد ﷺ کا کس طرح خیال رکھتے ہو۔"

ابو طالب نے اپنی خدمت گزاری کا یقین دلاتے ہوئے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

"اے والد محترم! مجھے وصیت کرنے کی ضرورت نہیں، محمد ﷺ میرے بیٹے ہیں، میرے بھائی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں۔"

حضرت عبدالمطلب نے وقت مرگ ابو طالب کو وصیت فرمائی:

"محمد ﷺ سے ہمیشہ شفقت اور مہربانی سے پیش آنا اور بے انتہا حفاظت کرنا۔"

جب حضرت عبدالمطلب کا وقت آخر آ گیا تو انہوں نے اپنی بیٹیوں کو بلایا اور کہا:

"میرے لیے روؤ، نوحہ کرو اور ماتم کرو تاکہ میں سن سکوں، یعنی جو گریہ و زاری میرے مرنے کے بعد کرنی ہے، وہ میرے سامنے کرو تاکہ مجھے معلوم ہو کہ میری کون سی صفات بیان کرتی ہو۔"

ابن ہشام لکھتے ہیں:

"علماء شعر میں سے کوئی بھی ان اشعار سے واقف نہیں سوائے محمد بن سعید بن المسیب کے، جنہوں نے اس کی روایت کی اور اسی طرح لکھ دیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گیارہ اشعار ہیں، جن میں انہوں نے باپ کے فضائل میں ان کی سخاوت اور بلند مرتبے کے ذکر کے علاوہ کہا ہے:

"جنگ میں بہادری سے لڑنے والے، بندگان خدا میں نمایاں فضیلت والے، قحط سالی میں لوگوں کے فریاد رس، سرداروں اور خادموں پر فضل و انعام کرنے والے، دوسروں کے بوجھ اٹھانے والے، بڑے علم والے۔"

دوسری بیٹی برہ نے اپنے اشعار میں باپ کی دیگر فضیلتوں کے علاوہ بہت خوبیوں والے سخی مالدار کہا ہے:

عاتکہ بنت عبدالمطلب کے آٹھ اشعار ہیں، اور ام حکیم بیضا کے نو اشعار ہیں۔ جن میں انہوں نے حضرت عبدالمطلب کو نیک سیرت، صلہ رحمی کرنے والے، سخت آفت میں خوف دور کرنے والے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے والے کہا ہے۔

امیمنہ بنت عبدالمطلب کے سات اشعار درج ہیں، جن میں دیگر خوبیوں کے علاوہ کہا ہے:

"جب آسمان گرج کے باوجود بخل کرتا ہے، تو اس وقت بھی ان کا گھر مہمانوں کو جمع کرتا ہے، اور یہ کہ انہوں نے اپنی کم سنی ہی سے خوبیوں کی بہترین صفتیں حاصل کر لی تھیں اور اس میں برابر ترقی کی۔"

اروی بنت عبدالمطلب کے دس اشعار ہیں۔ جن میں ظلم کو برداشت نہ کرنے والے، بنی مالک اور بنی فہر کے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والا کہا ہے۔

حضرت عبدالمطلب کی سخاوت کا ذکر تمام بیٹیوں نے کیا ہے۔

ایک بار حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا:

"کیا آپ ﷺ کو اپنے دادا کی وفات یاد ہے؟"

رسول برحق ﷺ نے فرمایا:

"اس وقت میں آٹھ سال کا تھا۔"

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

''حضور ﷺ حضرت عبدالمطلب کے جنازہ کے ساتھ پیچھے فرطِ غم سے روتے ہوئے جارہے تھے۔''

(۵) حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ (والد گرامی)

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ والئی دو جہاں ﷺ کے والد گرامی تھے۔ ان کا اصل نام عبدالدار تھا، مگر اونٹوں کے فدیہ کے بعد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے مشہور ہوئے، یہ اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے بڑے چہیتے، حسین، حلیم الطبع، فیاض اور پاکباز بیٹے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوں جوں جوانی کے زینہ پر قدم رکھتے جاتے حسین تر ہوتے جاتے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ نیک سیرت بھی تھے۔ قریشی نوجوانوں میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، نسب کی بلندی، صورت کی خوبی، طبیعت کی سنجیدگی و شرافت، مزاج کی متانت اور کردار کی طہارت کی وجہ سے کئی گھرانوں میں ان کو دامادی میں لینے کی آرزو تھی، راستے سے گزرتے تو لوگ دم بخود دیکھتے ہی رہ جاتے۔ ان کی پیشانی میں نور تھا، جو دیکھنے والوں کے دل آنکھ کے راستے کھینچ لیتا تھا۔

روضۃ الاحباب سے منقول ہے:

''ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

''جب میں جنگل کی طرف جاتا ہوں، ایک نور میری پشت سے نکل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، ایک حصہ مشرق اور دوسرا مغرب کی طرف چلا جاتا ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد بادل کی صورت میں آ کر مجھ پر سایہ کرتا ہے۔ پھر آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور وہ بادل آسمان کی طرف چلا جاتا ہے، جب میں زمین پر بیٹھتا ہوں تو زمین سے آواز آتی ہے۔ ''حامل نور محمدی، تجھ پر سلام'' اور جب کسی سوکھے درخت کے پاس جاتا ہوں تو وہ اس وقت سرسبز ہو جاتا ہے اور مجھ پر سایہ کرتا ہے۔''

حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارک دیتے ہوئے کہا:

''تجھ سے پیغمبروں کا سردار پیدا ہوگا۔''

حضرت عبدالمطلب نے زم زم کی کھدائی کے وقت منت مانی تھی:

"اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے تو میں ان میں سے ایک بیٹے کی قربانی دوں گا۔"

جب وہ اپنی قسم کے مطابق حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذبح کرنے لگے تو ان کے ماموؤں اور دوسرے لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے فیصلہ ہوا کہ کاہنوں سے پوچھ کر نذر پوری کی جائے۔

آخرکار کاہنوں سے پوچھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا، سو اونٹ قربان کرنے کا قرعہ نکلا، اس طرح کعبہ کے سامنے سو اونٹ ذبح کیے گئے، اور اس طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذبیح کے نام سے پکارا جانے لگا۔

ہادی اکبر ﷺ نے فرمایا:

"میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔"

ان دو میں سے ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اور دوسرے آپ ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں علماء شام اور احبار میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جسے نبی آخرالزمان ﷺ کی ولادت پاک کی علامت سے واقفیت نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس سفید ریشم کا ایک جبہ تھا۔ جس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خون کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جس دن خون کے یہ دھبے مٹ جائیں گے، اس دن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوں گے۔

مدارج النبوت میں لکھا ہے:

"وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہلاک کرنے کے لیے مکہ آنے لگے، مگر یہاں انہوں نے عجیب وغریب آثار و قرائن کا مشاہدہ کیا اور ناکام لوٹ گئے۔"

ایک روز حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکار کی غرض سے جا رہے تھے کہ ایک گروہ ملک شام کی طرف سے آیا، تلوار اٹھا کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے ارادے سے قریب آئے کہ یکایک غیب سے چند سوار ظاہر ہوئے، اور وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور گروہ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ہٹانے لگے۔

اس واقعہ کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد وہب بن عبد مناف بھی دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ اس وقت وہ جنگل میں موجود تھے، انہوں نے پہلے اس واقعہ کا ذکر اپنے گھر والوں سے کیا اور کہا:

''میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دوں۔''

دوسری طرف حضرت عبدالمطلب بھی یہی چاہتے تھے، کیونکہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، شرف، حسب ونسب اور عفت میں ممتاز تھیں۔ اس طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کر دی گئی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شادی کے کچھ عرصہ کے بعد تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گئے، اور کچھ عرصہ غزہ یعنی فلسطین میں رہنے کے بعد واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے ننھیال میں ٹھہرے، اور چند روز کے بعد وہیں فوت ہو گئے۔

چودہ سو سال کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد مبارک کے متعلق روزنامہ نوائے وقت کراچی میں یہ خبر شائع ہوئی:

''یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھدائی کے دوران خیر البشر ﷺ کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسد مبارک جس کو دفن ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، بالکل صحیح وسالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں صحابی رسول ﷺ حضرت مالک بن سونائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا، جن لوگوں نے یہ منظر دیکھا، ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جسم نہایت تروتازہ اور اصلی حالت میں تھے۔''

(روزنامہ نوائے وقت کراچی، ۲۱ جنوری ۱۹۷۸ء)

(۶) حضرت ہالہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (دادی محترمہ)

حضرت ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب

کی بیوی تھیں، حضرت عبدالمطلب کی پانچ بیویاں تھیں، جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) فاطمہ بنت عمرو عائذ

یہ عبدالمطلب کی پہلی بیوی ہیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ماں ہیں۔

(۲) فیلہ بنت جناب

(۳) صفیہ بنت جندب

(۴) لبنیٰ بنت ہاجران

(۵) ممعہ بنت عمرو

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

"آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چچا وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب کی کفالت میں تھیں۔ حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر بنی زہرہ کی قیام گاہ پر گئے، اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطبہ نکاح اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھا، اور آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیاہ دیا، اور وہیب کی بیٹی ہالہ بنت وہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خود خطبہ نکاح پڑھ کر شادی کر لی اور دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں بیک وقت واقع ہوئے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

حضرت عبدالمطلب نے بیان فرمایا:

"ہم سردیوں کے سفر میں یمن گئے تو وہاں ایک یہودی عالم کے پاس گیا۔ وہاں ایک اہل کتاب میں سے کسی نے پوچھا: "تم کون ہو؟ میں نے بتایا: "قریشی ہوں۔" اور پھر اس کے پوچھنے پر بتایا: "بنو ہاشم سے ہوں۔" اس یہودی عالم نے میرے نتھنے دیکھے اور کہنے لگا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ میں ملک اور دوسرے ہاتھ میں نبوت ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ یہ نبوت و بادشاہت بنی زہرہ میں ہوگی، تو پھر یہ بنی ہاشم میں کیسے ہے؟"

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا:

’’مجھے نہیں معلوم۔‘‘

وہ یہودی عالم بولا’’بنی زہرہ سے بیوی ہے۔‘‘

حضرت عبدالمطلب خاموش ہو گئے۔

یہودی عالم نے کہا:

’’تم جا کر بنی زہرہ میں شادی کرلو۔‘‘

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب مکہ واپس آئے، اور حضرت ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرلیا، اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دی۔‘‘

ملا معین واعظ کاشفی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

’’ایک روایت کے مطابق دونوں باپ بیٹے کا نکاح ایک ہی مجلس میں ہوا۔

مگر روایت کے مطابق حضرت عبدالمطلب اور حضرت ہالہ کا نکاح پہلے ہی ہو چکا تھا، اور حضرت عبدالمطلب اپنی بیوی ہالہ سے اکثر ان کی چچا زاد بہن آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صفات اور تعریف سنتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے کی شادی کے لئے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب کیا اور رشتہ کے لیے حضرت ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بات کی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ننھے حضور ﷺ کی پرورش آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے کی، اور اس پرورش میں حضرت ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیش پیش تھیں۔

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی رقمطراز ہیں:

’’حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات تک آپ ﷺ کی پرورش و آرام رسانی کی طرف سے حضرت عبدالمطلب کو ایک گونہ اطمینان حاصل تھا، ہاں ان کے انتقال کر جانے کے بعد، باوجود اس کے کہ آپ کی عمر اسی برس ہو چکی تھی، اعضاء و جوارح جواب دے چکے تھے۔ متعدد جوان بیٹے اور ان کے جوان بچے بھی موجود تھے، تمام گھر بھرا پڑا تھا، ممکن تھا کہ پیرانہ سالی کے عذر معقول کے باعث حضرت عبدالمطلب یتیم پوتے کی پرورش و پرداخت ان کے کسی چچا سے متعلق کر دیتے اور آپ آرام کرتے مگر نہیں۔ اس ضعف و نقاہت کے عالم میں

بھی ننھے حضور ﷺ کی تمام خدمات اپنے ذمہ لی گئیں۔ جناب عبدالمطلب کو ان کی پرورش و پرداخت میں آسانی اور سہولت مادر حمزہ کی جہت سے حاصل ہوئی، جو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چچا زاد بہن تھیں۔

ابراہیم سیالکوٹی مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النبی ﷺ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہیں۔ ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ اس بنا پر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں۔"

ابراہیم سیالکوٹی مولانا شبلی نعمانی کی اس بات کے جواب میں لکھتے ہیں:

"حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور ﷺ کو دودھ پلانا سیرت یا حدیث یا اسماء الرجال کی کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گزرا، مگر شاید شبلی کو زاد المعاد کی عبارت سے وہم ہوا کہ امہ سے مراد ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والدہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہاں رضاعی ماؤں کا ذکر ہے، اور ام حمزہ سے مراد سعدیہ رضاعی ماں ہے نہ کہ والدہ ہالہ۔"

(۷) حضرت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تایا)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرشد انس وجاں ﷺ کے دادا محترم حضرت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سب سے بڑے بیٹے حارث اور دوسرے نمبر پر زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم ﷺ کے والد مکرم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوطالب ایک ہی ماں فاطمہ بنت عمرو کے بیٹے تھے۔ اس طرح ماں کی طرف سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الصادقین ﷺ کے سگے چچا تھے۔ تینوں بھائیوں میں عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹے اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بلند پایہ فصیح شاعر تھے۔ شجاعت و گھڑ سواری میں بہت مشہور تھے۔ یہ بہت نیک اور حق پرست انسان تھے۔ انسان دوستی کی عمدہ مثال تھے۔ بے

آسرا، بے سہارا، غریبوں اور مظلوموں کو تکلیف اور مصیبت میں دیکھ کر ان کا دل بھر آتا تھا۔

حلف الفضول کے قیام کی وجہ سے ان کی نیکی اور رحمدلی صاف ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار مکہ کے تاجروں میں ہوتا تھا۔ حضرت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے نامور لوگوں میں شمار کیے جاتے۔

مخبرِ صادق ﷺ کے چچا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ننھے حضور ﷺ کو گود میں اٹھا کر لوریاں دیا کرتے تھے۔ سیرت نگاروں نے یہ لوریاں محفوظ کر لی ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کو جو لوری دیا کرتے تھے وہ لوری سہیلی نے "الروض الانف" (ج ا ص ۷۸) میں نقل کی ہے۔

ابن قتیبہ الاصابہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کو جھلاتے ہوئے لوری بڑے پیار سے گاتے تھے۔"

حضرت عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے حارث کا انتقال تو باپ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا اس لیے حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پہلے اپنی اولاد میں سب سے بڑے ہونے کی وجہ سے جانشینی کے لیے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں وصیت کی۔

کہتے ہیں:

"عبدالمطلب کے انتقال کے بعد ان کے وصی اور جانشین زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بنے، اور خانہ کعبہ اور حکومت کا تمام انتظام انہی کے سپرد ہوا۔"

عبدالمطلب نے کہا تھا:

"میری موت آئی تو زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو وصیت کر جاؤں گا کہ عمرو خزاعی کے بیٹوں سے میرا جو معاہدہ ہوا ہے۔ وہ اس پر قائم رہے اور اسے ٹوٹنے نہ دے۔ میں یہ وصیت کر جاؤں گا کہ اس کے بزرگ نے جو عہد کیا ہے، وہ اس کی حفاظت کرے ایسا نہ ہو کہ کسی ظلم کی وجہ سے یا کسی عذر کے سبب اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہو۔ اے زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! خاندان فہر کے لوگ

تیرے قول والے ہیں۔ ان سب میں سے یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے پرانی ریت پر چلتے ہوئے حفاظت کی اور تیرے باپ کے اتحادی بنے۔"

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً تیرہ برس تک بنو ہاشم کے سردار رہے، اور ان کی وفات کے بعد بنو ہاشم کی سرداری کے لیے ابوطالب منتخب ہوئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی وصیت ابوطالب کو کی، اور ابوطالب نے یہ وصیت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچائی۔

حضرت عبدالمطلب نے حضور ﷺ کی پرورش وضرورت کی ذمہ داری کس کو سونپی اس بارے میں تمام اہل سیَر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سعادت ابوطالب کے حصہ میں آئی، حضور ﷺ کو ابوطالب کے سپرد کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ دوسرے چچاؤں کے مقابلے میں وہ آپ ﷺ سے زیادہ محبت کرتے تھے۔

یہ بھی روایت ہے:

"ابوطالب اور زبیر کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی تھی۔"

اور یہ بھی مروی ہے:

"آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا، آپ ﷺ نے ابوطالب کی کفالت کو پسند فرمایا تھا۔"

ابن قتیبہ کی کتاب کے حاشیہ میں سلام اللہ صدیقی، اور شبلی کی کتاب کے حاشیہ میں محمد احسان الحق اور محفل لاہور کے خیر البشر نمبر میں محمد اسلم لکھتے ہیں:

"جب تک زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ رہے، حضور ﷺ کی پرورش انہوں نے کی، اور ان کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری ابوطالب کے حصہ میں آئی۔"

سیرت دحلانیہ کے مطابق، محققین کے نزدیک یہ روایت مردود ہے کہ زبیر نے پرورش کی اور ان کے بعد ابوطالب کی باری آئی۔

شاہ مصباح الدین شکیل اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

"اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ابوطالب نے آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری سنبھالی، اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی نے بھی حضور ﷺ کی نگہداشت میں برابر کا حصہ لیا۔"

حضور ﷺ اپنے چچا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفقت اور محبت سے بے حد متاثر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مسلسل انہیں یاد فرماتے۔ ان کے سلوک کا ذکر کرتے، غالباً یہی وجہ تھی کہ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ حضور ﷺ نے ہمیشہ صلہ رحمی کی، اور خیبر کی جائیداد سے انہیں وافر حصہ دیا۔

حضور ﷺ کا اپنے چچا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یمن جانے کا ذکر آتا ہے اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک کوئی ۱۶ برس کوئی ۱۷ برس اور کوئی ۱۹ برس بتاتا ہے۔

راجہ محمد شریف کہتے ہیں:

"یہ سفر یمن کی طرف کیا گیا تھا، اور اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھیوں نے بہت کامیاب تجارت کی۔ آپ ﷺ کے تجارتی مشاغل نے آپ ﷺ کو ان بہت سی خرابیوں سے واقف کرایا جو عربی اصول تجارت میں داخل تھیں۔ احادیث میں بیع و شرا سے متعلق جو اوامر و نواہی ملتے ہیں، ان کے پس پشت آپ ﷺ کے تاجرانہ تجربات بھی جھانکتے نظر آتے ہیں۔"

مفتی عزیز الرحمٰن رقمطراز ہیں:

"حضرت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بروایت دیگر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوطالب کی خدمت میں گزارش کی:

"آپ ہمارے ساتھ محمد (ﷺ) کو بھی یمن کی طرف بھیج دیں ہم بھی اپنے پیارے بھتیجے کی برکتوں سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔"

اس پر ابوطالب رضامند ہو گئے اور آپ ﷺ کو یمن بھیج دیا۔

اس سفر پر روانہ ہوئے تو راستے میں ایک وادی سے گزرے۔ وہاں پر ایک سانڈ اونٹ راستے میں کھڑا تھا، اور کسی کو اس راستے سے گزرنے نہ دیتا تھا۔ اس سانڈ اونٹ نے جب حضور ﷺ کو دیکھا تو زمین پر بیٹھ گیا، اور سینے کو زمین کے ساتھ رگڑنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ اپنی ناقہ سے اترے اور اس سانڈ پر سوار ہو گئے، یہاں تک کہ اس وادی سے گزر گئے، اور پھر اس اونٹ کو الگ کر دیا اور جب یمن سے واپسی ہوئی تو آپ ﷺ کے قافلہ کا گزر ایسی وادی سے ہوا جو پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

حضور ﷺ نے اہل قافلہ سے فرمایا:

"میرے پیچھے پیچھے چلتے جاؤ۔"

جب لوگوں نے خود کو پانی میں گھرے ہوئے پایا تو آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیے۔ یہاں تک کہ آسانی سے پانی سے گزر گئے، اور پانی نے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ جب یہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو اس واقعہ کا ذکر کر کے کہا کرتے:

"اس صاحبزادے (ﷺ) کی بڑی شان ہے۔"

شیخ محمد رضا لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ کے یمن جانے کی ڈاکٹر اسپرنجر تردید کرتے ہیں کہ یہ خبر بے بنیاد ہے اور انہوں نے اس واقعہ کا تذکرہ کسی معتبر کتاب میں نہیں دیکھا۔"

مولانا شبلی نعمانی کی کتاب "سیرت طیبہ" کے حاشیہ میں بغیر کسی حوالہ کے لکھا ہے:

"حضور ﷺ سن شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے چچا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تجارتی سفروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔"

حضرت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار میں سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر حمس نہ ہوتا تو جواں مرگ لوگ تادم مرگ معزز لوگوں کی طرح جنگ میں ثابت قدم رہتے۔"

یہاں حمس سے "کنانہ" اور "قریش" کے قبائل مراد ہیں۔

حلف الفضول جیسے اہم معاہدہ کے موقع پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اشعار کہے:

"حلف الفضول کے شرکاء نے قسم اٹھا کر معاہدہ کیا ہے کہ آج کے بعد کوئی ظالم مکہ میں نہیں ٹھہر سکے گا۔

اس بات پر سب نے بالاتفاق عہد کیا ہے، اس لیے اب ان میں ہمسائیوں اور باہر سے آنے والوں کے لیے سلامتی کی ضمانت حاصل ہے۔"

ابن ہشام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہے ہوئے دس اشعار نقل کیے ہیں۔ ان دس اشعار میں سے دو کا ترجمہ یہ ہے:

"پس ہم سب کے سب متفق ہو کر جلد تعمیر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اس کی بنیاد اور مٹی کا کام ہمارے ذمہ تھا۔
اس کام کے سبب سے خدا نے ہمیں عزت کا سزاوار بنا دیا۔ جزا وثواب کی طلب تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔"

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک چند سیرت نگاروں نے لکھی ہے۔ تاریخ کی باقی کتب اس بارے میں خاموش ہیں۔

شاہ مصباح الدین شکیل لکھتے ہیں:

"حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی ہاشم پر ۱۳ سال حکومت کی، اور اس کے بعد ابو طالب بنی ہاشم کے سردار بنے، اور زبیر کے انتقال کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۲۱ یا ۲۲ سال تھی۔"

سلام اللہ صدیقی ابن قتیبہ کی کتاب کے حاشیہ میں رقمطراز ہیں:

"اس وقت حضور ﷺ کی عمر کم از کم ۱۶ اور زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال تھی۔"

کچھ سیرت نگار حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۴ سال بتاتے ہیں۔

بعض لکھتے ہیں:

"حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے زمانہ سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔"

اگر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو ہاشم پر ۱۳ سال حکومت کی تھی، تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۱ یا ۲۲ سال یا کم از کم ۱۶ سال اور زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال ہی بنتی ہے۔ اور تعمیر کعبہ کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال لکھی جاتی ہے۔

مصباح الدین شکیل اور ابن قتیبہ بھی تعمیر کعبہ کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال ہی لکھتے ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تعمیر کعبہ میں حصہ لیا تھا، اس موقع پر انہوں نے اشعار بھی کہے تھے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی کم از کم ۳۵ برس کی عمر تک حیات تھے اور یہ بات بھی درست لگتی ہے کہ وہ اعلان نبوت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ کیونکہ ظلم وستم کے اتنے مخالف انسان کے ہوتے ہوئے کفار مکہ مسلمانوں پر ظلم وستم نہیں کر سکتے تھے۔

اگر وہ اس موقع پر زندہ ہوتے تو یقیناً اپنے پیارے بھتیجے ﷺ کی حمایت اور مظلوموں کی مدد کے لیے ابوطالب کے شانہ بشانہ ہوتے۔

(۸) حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (تائی)

حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کی تائی تھیں، اور یہ حضور ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ کے سگے بھائی کی بیٹی تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عاتکہ بنت وہب ابن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم۔

حضور ﷺ کی پرورش کے اصل ذمہ دار تو ابوطالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، مگر عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے خاوند حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت حضور ﷺ کی پرورش ونگہداشت میں برابر کی حصہ دار تھیں۔

عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتہائی شفیق خاتون تھیں۔

سلام اللہ صدیقی نسب قریش میں رقمطراز ہیں:

''حضور ﷺ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔''

اسد الغابہ میں لکھا ہے:

''بعض لوگوں کے مطابق حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میری ماں کے بیٹے فرمایا کرتے۔''

محمد احسان الحق لکھتے ہیں:

''اعلان نبوت کے بعد کے زمانہ میں جب زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے، آپ ﷺ انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے اور فرمایا کرتے تھے۔ یہ میری ماں کے بیٹے اور میرے محب ہیں۔''

اپنے تایا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ کو ''ماں'' کے مقدس نام سے یاد کرنا، حضور ﷺ کے ساتھ اس عظیم خاتون کی گہری محبت اور شفقت کا مظہر ہے۔

حضور ﷺ حضرت عاتکہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں:

''جب حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال ہوئی تو قریش نے کعبہ کی از سرِ نو تعمیر پر اتفاق کیا، اس موقع پر ابو وہب بن عمرو ہی وہ شخص تھا جس نے کعبۃ اللہ کا ایک پتھر اس وقت نکالا تھا، جب قریش کعبہ کو ڈھانے پر متفق ہو گئے تھے۔ پتھر ابو وہب کے ہاتھ سے اچھل کر اپنی جگہ پر جا بیٹھا تو ابو وہب نے اس موقع پر کہا تھا:

''اے گروہ قریش! اس کی تعمیر میں اپنی پاک کمائی کے سوا کوئی چیز داخل ہونے دو۔ اس میں فرجی کا پیسہ نہ لگاؤ۔ سود کی کمائی نہ شریک کرو، کسی پر ظلم کر کے حاصل کی ہوئی چیز داخل نہ کی جائے۔''

(۹) ابوطالب بن عبدالمطلب (تایا)

حضور ﷺ کے شفیق اور مہربان تایا ابوطالب کا نام عبد مناف تھا۔ اپنے بڑے بیٹے طالب کی وجہ سے ابو طالب کہلائے۔

ابوطالب قریش کے بڑے سردار تھے، اور دیگر قریش مکہ کی طرح تجارت کرتے تھے۔ یہ بڑے شریف انسان، کریم النفس، فراخ دل، نیک افعال، سخی اور فیاض تھے۔

ابوطالب قریش میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

جب حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں اور اپنی نذر پوری کرنے کے لیے قربان کرنے کا ارادہ کیا، اور اپنے ہاتھ میں چھری لے کر انہیں قربان کرنے کے لیے چل دیئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہنیں رونے لگیں۔ ابوطالب تڑپ کر آگے بڑھے، اور باپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بھائی سے دور ہٹا دیا، اور اشعار کہے:

''برادری کے نوجوانوں کے جھتے میں عبداللہ کا قتل کیا جانا کوئی کھیل نہیں ہے، ماں کی طرف سے اس کا حسب نسب بے عیب ہے اور بنی کلاب سے زیادہ روشن اور چمکدار ہے۔ میں نے جو بات کہی ہے وہ غلطی سے پاک ہے۔ اے میرے بوڑھے باپ! فیصلے میں ظلم و زیادتی کا ارتکاب قابل مواخذہ ہے اگر آپ نے فیصلہ صادر فرماتے ہوئے زیادتی روا رکھی تو ہمارے ننھیال بھی ہیں جو جنگلات کے شیروں کی طرح دلیر ہیں۔ وہ عبداللہ کو تعذیب کا نشانہ بننے کے

لیے زمانہ کے سپرد نہیں کریں گے۔ جب تک کہ نرم وہموار نشیبی زمین اس قوم کا
خون نہ چوس لے جس کے جان و مال کو محترم قرار دیا گیا ہے۔"
حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ننھیال والوں نے اس موقع پر کہا:
"جب تک ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے۔ ہم اپنے بھانجے کو ذبح نہ
ہونے دیں گے۔"
انہوں نے یہ بھی کہا:
"اس کے فدیہ میں ہم اپنی ساری دولت لٹا دینے کے لیے بھی تیار ہیں۔"
قریشیوں نے اس موقع پر بہت شور مچایا، اور حضرت عبدالمطلب سے کہا:
"آپ کچھ تو سوچیں۔ اگر آپ نے آج اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا، تو پھر ہر شخص
اپنے بچوں کو لا کر اس طرح ذبح کر دے گا، اور یہ ہوا تو بہت برا ہوگا، کہ نسل
انسانی ختم ہو جائے گی۔"
کعبہ کے پجاری اور قریش نے رائے دی کہ اونٹوں اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ میں قرعہ ڈال کر دیکھا جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ ایک مشہور کاہنہ
نے کیا تھا۔
جب تک حضرت عبدالمطلب زندہ رہے، حضور ﷺ کی پرورش و کفالت کے ذمہ دار
رہے اور اپنے ساتھ انہوں نے ابوطالب اور حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اس کام پر
لگائے رکھا۔
جب شاہ یمن ذی یزن نے حبشہ فتح کیا تو عرب کے وفود مبارکباد دینے کے لیے اس
کے پاس گئے۔ قریش کے وفد کے سردار حضرت عبدالمطلب کو تنہائی میں بلا کر بہت غور سے دیکھنے
کے بعد اس نے کہا:
"میں اپنے خاندانی مخفی علم اور پوشیدہ کتاب میں سے ایک عظیم خبر آپ کو سنانا
چاہتا ہوں، تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا، جس کے شانوں کے درمیان ابھرے
ہوئے گوشت کی مہر ہوگی۔ اسے قیامت تک تمام عالم کی سرداری حاصل ہوگی۔
وہ پیدا ہو چکا ہے اس کے والدین وفات پا گئے ہیں' اور دادا اور چچا اس کی

پرورش کریں گے۔ اللہ اسے علانیہ مبعوث فرمائے گا۔ اس کے دوستوں کو عزت اور دشمنوں کو ذلت سے ہمکنار کرے گا، اس کے اعوان و انصار کی مثالیں دی جایا کریں گی۔ اس کا قول محکم، قطعی اور فیصلہ کن ہوگا۔ وہ مبنی بر انصاف ہوگا، بھلائیوں پر عامل ہوگا اور اس کا حکم دے گا، برائیوں سے خود بھی بچے گا اور دوسروں کو بھی منع کرے گا۔"

شاہ حبشہ نے مزید کہا:

"وہ آپ کے قبیلے میں یا تو پیدا ہو چکے ہیں یا ہونے والے ہیں، ان کا نام محمد (ﷺ) ہوگا۔ ان کے والدین فوت ہو جائیں گے اور ان کی کفالت ان کے دادا اور چچا کریں گے۔"

حضرت عبدالمطلب نے کہا:

"میرے بیٹے کا بیٹا ایسا ہی ہے اور اس کے والدین انتقال کر گئے۔ میں اور میرا بیٹا ابوطالب اس کی کفالت کر رہے ہیں۔"

شاہ حبشہ نے کہا:

"اپنے اس فرزند کی خاص طور پر یہودیوں سے حفاظت کریں۔"

شاہ حبشہ نے قریش کے وفد میں ہر شخص کو دس غلام، دس حبشی باندیاں، پانچ رطل چاندی دو یمنی چادریں، عنبر کا ایک ڈبہ عطیہ کے طور پر دیا، اور حضرت عبدالمطلب کو یہ تمام چیزیں دس گنا زیادہ دیں۔ اس کے علاوہ جب بنی مدلج کے لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

"آپ کا یہ پوتا نبی ہے اس کی حفاظت کریں۔"

یہ سن کر حضرت عبدالمطلب نے ابوطالب کو تلقین کی، اور ابوطالب پہلے سے زیادہ حضور ﷺ کی نگہداشت و حفاظت کرنے لگے۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضرت زبیر آپ ﷺ کے جانشین ہوئے۔ جب حضرت زبیر کا انتقال ہوا تو یہ منصب ابوطالب کے حصے میں آیا، اور وہ مکہ کے سردار بنے۔

ابوطالب مکہ میں بڑے بااثر اور معزز شخصیت تھے۔ تمام اہل مکہ مختلف خاندانوں اور قبائل کے لوگ آپ کی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے۔

طبرانی، عمار سے روایت کرتے ہیں:

"ابوطالب جب اہل مکہ کے لیے کھانا تیار کرواتے تو اس موقع پر حضور ﷺ بھی تشریف لاتے۔ آپ ﷺ اس وقت تک تشریف فرما نہ ہوتے جب تک نیچے کوئی چیز نہ رکھ لیتے۔ اس پر ابوطالب کہا کرتے۔"

"میرا بھتیجا بڑا اکرم ہے۔"

ابوطالب اپنے والد حضرت عبدالمطلب کی اتباع میں زمزم میں منقہ اور کھجوریں ڈال کر حج کے دنوں میں حاجیوں کو پلاتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد مالی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے کھجوریں اور منقہ کی مقدار میں کمی کی اور دوسرے سال اپنے بھائی عباس سے دس ہزار درہم قرض لے کر سقایت پر خرچ کیا۔ اگلے سال پھر قرض لیا تو حضرت عباس نے اس شرط پر قرض دیا:

"اگر قرض ادا نہ کر سکے تو پھر یہ خدمت میں اپنے ذمہ لے لوں گا۔"

ابوطالب نے یہ شرط منظور کر لی، لیکن جب قرض ادا کرنے کی صورت نہ بن پڑی تو یہ خدمت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دی۔

عبدالمطلب وفات سے پہلے حضور ﷺ کو ابوطالب کی کفالت اور سرپرستی میں دے گئے تھے۔ عبدالمطلب نے ابوطالب کو حضور ﷺ کی پرورش کے بارے میں تاکید کی:

"کمال شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت و تربیت کرنا۔"

مفتی عزیز الرحمٰن رقمطراز ہیں:

"حضور ﷺ کو ابوطالب کے سپرد کرنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دوسرے چچاؤں کے مقابلے میں آپ ﷺ سے زیادہ محبت و شفقت فرماتے تھے۔"

ایک روایت یہ بھی ہے:

"ابوطالب اور زبیر کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی تھی۔"

یہ بھی مروی ہے:

"حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا اور حضور ﷺ نے ابوطالب کی کفالت کو پسند فرمایا تھا۔"

ابوطالب نے اس فرض کو قریباً بیالیس سال تک جس خوبی اور ذمہ داری سے نبھایا، وہ

پدرانہ شفقت ومحبت کی ایسی درخشندہ مثال ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ابوطالب نے مرتے دم تک اس فرض کا حق ادا کیا، بڑے بڑے مشکل اور کٹھن حالات میں نہایت عزم وثبات کا نمونہ پیش کیا، اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کے باوجود حضور ﷺ کی کفالت سے دستبردار نہ ہوئے۔

ابوطالب کے بارے میں تمام سیرت نگار یہی لکھتے ہیں:

''وہ کثیر العیال تھے۔''

یہ بات بالکل خلاف حقیقت اور سرے سے غلط ہے، اس کے بارے میں حضور ﷺ کے خاندان کی تنگ دستی میں ملاحظہ فرمائیں۔

ابوطالب کے لیے کی جانے والی ان کی دوسری بات ان کی قلیل المالی ہے، تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں:

''ابوطالب قلیل المال تھے، اور ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔''

یہاں تک کہا گیا ہے:

ابوطالب کی عسرت کو ختم کرنے کے لیے حضور ﷺ نے گلہ بانی بھی کی، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ابو طالب کے علاوہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک حقیقی بھائی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، اور ابوطالب مالی طور پر کمزور تھے تو پھر عبدالمطلب نے ابوطالب ہی کو کیوں حضور ﷺ کی پرورش وکفالت کی خدمت سونپی، کیا اس میں کوئی حکمت پوشیدہ تھی۔ اس قسم کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

حضور ﷺ جب قبیلہ بنو سعد میں اپنی رضائی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے۔ اس عرصے میں بھی حضور ﷺ کے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریوں کے ساتھ جانے کی روایت ملتی ہے، لیکن خاص طور پر بکریاں چرانے کا ذکر آٹھ، دس، بارہ سال کی عمر میں کیا جاتا ہے۔

بکریاں چرانے والا عام طور پر جفاکش، نرم دل اور بردبار ہوتا ہے، بکری فطرتاً تیز اور طبعاً نہایت کمزور ہوتی ہے۔ اگر ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تو کہیں کی کہیں نکل جاتی ہے، اور غصے میں آکر لاٹھیاں، ماریں تو جوڑ بند ٹوٹ جائے۔ لہٰذا بکریاں چرانے والے کو بڑی سمجھداری، ہوشیاری اور بردباری سے کام لینا پڑتا ہے۔

شبلی نعمانی نے حضور ﷺ کے بکریاں چرانے کو ابوطالب کی کفالت کے ضمن میں بیان کیا ہے، اور اس کو عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے فرانس کے نامور مورخ کی اس تحریر کی تغلیط کی ہے:

"ابوطالب چونکہ محمد ﷺ کو ذلیل رکھتے تھے، اس لیے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے۔"

علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے:

"عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفا اور امراء کے بچے بکریاں چراتے تھے۔"

مرتضیٰ احمد خاں میکش بھی بکریاں چرانے کو عرب قبائل کا قابل فخر کام قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"قریش کے نونہال بڑے ہو کر تجارت کا پیشہ اختیار کرنے سے پہلے عام طور پر گلہ بانی کرتے تھے۔"

عبدالمقتدر کے بقول:

"رسول اللہ ﷺ نے پیغمبران اولوالعزم کی سنت بکریاں چرانے کی یاد تازہ کی۔"

بشیر احمد شارق دہلوی رقمطراز ہیں:

"آپ ﷺ کو اس کام سے اس قدر محبت تھی کہ شہر میں بہت کم جاتے تھے بکریوں کا دودھ گھر پہنچا دیتے تھے، اور خود رات دن صحرا کی کھلی ہوا میں زندگی بسر فرماتے۔"

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی بکریوں کے بجائے دنبوں کا ذکر کرتے ہیں، شارق دہلوی تو صحرا کی بات کرتے ہیں، ماہر القادری نے اس بات کو یوں آگے بڑھایا:

"آپ ﷺ نے مکہ کے جنگلوں میں بکریاں چرائیں۔"

مولانا تقی محمد خاں کہتے ہیں:

"پروردگار نے بکریاں چرانے کی رغبت حضور ﷺ کے دل میں پیدا کی کہ یہ کام سیاست اور شفقت بر ضعفاء امت اور صبر بر مصیبت وغیرہا امور لوازم نبوت

سے نہایت مناسبت رکھتا ہے اور تواضع وفروتنی سکھاتا ہے۔"

علامہ اسلم جیراج پوری کے نزدیک:

"شرفاء کے لڑکے سادہ اخلاق وعادات اپنے گھر ہی کے بڑے بوڑھوں سے سیکھتے تھے، اور دن بھر ان کا مشغلہ بکریاں چرانا تھا۔ حضور ﷺ بھی اس زمانے میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ سمجھو تو دراصل یہ دنیا کی گلہ بانی کی ابتداء تھی۔ چنانچہ اکثر انبیاء جو گزرے ہیں، پہلے انہوں نے بکریاں چرائی ہیں۔"

صفی الرحمٰن مبارکپوری کا کہنا ہے:

"عنفوان شباب میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی معین کام نہ تھا۔ البتہ یہ خبر متواتر ہے کہ آپ ﷺ بکریاں چراتے تھے۔"

نیز صحیح بخاری کے حوالے سے کہا ہے:

" مکہ میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چراتے تھے۔"

اجرت پر بکریاں چرانے کی بات کا ماخذ جو حدیث پاک ہے اس کا معنی یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں "

دریافت کیا گیا:

"یارسول اللہ ﷺ ! کیا آپ ﷺ نے بھی؟"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں، میں نے بھی، میں اہل مکہ کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا۔"

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اُسے کہا:

"اہل مکہ کی بکریاں اجرت پر چرایا کرتا تھا۔"

"قراریط پر" سے "اجرت پر" تک بات پہنچی، اس کے بعد "چند قراریط کے عوض لوگوں کی بکریاں بھی چرائیں کہا گیا اب ان پر کہانیاں کہی جانا شروع کیں۔

عبدالصمد صارم الازہری نے کہا:

"آٹھ سال کی عمر سے پیغمبر اسلام ﷺ کو گلہ بانی کرنا پڑی تا کہ وہ نان جویں،

چند کھجوریں، تن ڈھانپنے کو کپڑا اور پہننے کو جوتا مہیا کر سکیں۔"

ابوالجلال نے اپنے دماغ پر مزید بوجھ ڈالا اور کہا:

"ابوطالب تمام بنو عبدالمطلب میں کم آمدنی اور زیادہ خرچ والے تھے۔ اگرچہ وہ آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے، اور آپ ﷺ سے کوئی مشکل کام نہ لینا چاہتے تھے، مگر آٹھ سال کے بچے کی ہمت بہت قابل داد ہے۔ آپ ﷺ نے غریب چچا پر اپنا پورا بار ڈالنا پسند نہ کیا، چچا سے باصرار اجازت لے کر روسائے قریش کی بکریاں اجرت پر چرانا شروع کیں۔ ہر بکری کی اجرت پر آپ ﷺ کو ایک قیراط چاندی ملا کرتی تھی۔ مگر نہیں معلوم کہ یہ قیراط ماہوار ملتی تھی یا سالانہ۔"

مناظر احسن گیلانی نے تو سیرت النبی ﷺ کو افسانہ ہی قرار دینے کی کوشش کی ہے، لکھتے ہیں:

"ابوطالب بہت غریب تھے، مدت سے ان کی گزران قیراط (سکے) پر تھی جو بکریاں اور اونٹوں کے چرانے کے صلے میں ان کا بھتیجا مکہ والوں سے مزدوری میں پاتا تھا۔ اگر ابوطالب معاشی طور پر تنگ دست نہ ہوتے تو آٹھ نو سال کا ان کا یتیم بھتیجا بکریاں چرانے پر کیوں مجبور ہوتا۔"

علامہ شبلی نعمانی نے حاشیہ میں "قراریط" کی بحث کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر نور محمد غفاری اور مولانا ابوالاعلیٰ نے بھی اس پر گفتگو کی ہے، ڈاکٹر غفاری اور مولانا مودودی تو دونوں آراء دیتے ہیں، لیکن آخر میں یہ لکھتے ہیں:

"اجرت پر بکریاں چرانا کوئی عیب نہیں ہے کہ اس سے حضور ﷺ کا دامن صاف کرنے کے لیے تکلف کیا جائے۔"

علامہ شبلی نعمانی البتہ دوسری رائے کے موید نظر آتے ہیں لکھتے ہیں:

"قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔"

ابن ماجہ کے شیخ سوید بن سعید کی رائے ہے:

"قراریط قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔"

اس بناء پر ان کے نزدیک حدیث پاک کے یہ معنی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔"

اسی بناء پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے۔

ابراہیم حربی کا قول ہے۔

"قراریط ایک مقام کا ہے، جو اجیاد کے قریب ہے۔"

ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

"ابن جوزی کی یہ رائے صحیح ہے۔"

نور البراس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے، اور اس رائے کو ترجیح دی ہے۔

مولانا مودودی اس بحث کا حوالہ دے کر اپنی رائے یہ دیتے ہیں:

"مکہ کے جغرافیہ میں کسی مقام کا نام قراریط ہونا ثابت نہیں ہے۔"

مولانا ابراہیم سیالکوٹی اس بحث کے آخر میں یہ رائے دیتے ہیں:

"اس زمانہ میں مکہ میں اس سکہ کا رواج نہ تھا، بلکہ یہ اس مقام کا نام ہے جو مکہ میں اجیاد کے قریب ہے۔"

طبقات ابن سعد میں ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو وہ بھی بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ میں مبعوث ہوا تو میں اجیاد میں اپنے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

حقیقت یہ ہے کہ سیرت نگاروں نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق کوئی ایک معنی اختیار کر لیا ہے، اس لیے بعض نے بکریاں چرانے سے ابوطالب کی تنگ دستی کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ غیر مسلموں نے اسے ابوطالب کا ظلم قرار دیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بنو سعد کی بکریاں چرائی ہیں تو بھی اور مکہ میں بکریاں چرائی ہیں تو بھی ملازمت یا معاش کی خاطر نہیں۔ کیونکہ جب حضور ﷺ نے بکریاں چرانے کی بات کی ہے تو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام والصلوٰۃ کا ذکر فرمایا

ہے، مزدوری کا ذکر نہیں فرمایا۔اگر حضور ﷺ نے یہ مزدوری ہی کی ہوتی تو آپ ﷺ اس کو مزدوری کی عظمت پر محمول فرماتے، اسے انبیاء اور رسل کی طرح بکریاں چرانا نہ کہتے۔

دوسری اہم بات یہ ہے:

اجرت پر بکریاں چرانے والے کو چرواہا کہا جاتا ہے۔اپنی بکریاں چرانے والے کو ایسا نہیں کہا جاتا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس لفظ کا حضور ﷺ کے لیے استعمال کرنا ممنوع فرمادیا ہے:

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا دین ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اجرت پر حضور ﷺ کے بکریاں چرانے کی بات کر کے آپ ﷺ کو چرواہا نہ کہیں۔ اپنی بکریوں کو چرانا، انہیں گلیوں، بازاروں سے گزار کر ان کی خوراک کا انتظام کرنا گھر کے کاموں میں شمار ہوتا ہے، اور حضور ﷺ نے بھی یہی کیا۔

مختلف سیرت نگاروں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر جہاں بعض اوقات خاصی محنت اور کاوش سے قلم اٹھایا ہے۔ وہاں کہیں خاصی بے احتیاطی سے بھی کام لیا ہے بلکہ کہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی خاص مقصد کے تحت کسی خاص واقعہ سے پہلوتہی کی ہے یا کچھ مفروضات کو قائم کرنا پسند کیا ہے۔

ایک بات خصوصاً سامنے آتی ہے کہ جہاں کسی ایک سیرت نگار نے بوجوہ کسی غلطی یا غلط فہمی سے کوئی اور بات چلا دی ہے تو دیگر احباب نے اس کی تقلید و سعی کی، اور اپنے تخیل کی مدد سے بات کو آگے بڑھانے پر اپنا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔اس طرح بات حقیقت سے کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے۔ نبی کائنات ﷺ کے بارے میں قلم اٹھاتے وقت اس قسم کی بے احتیاطیوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔

تمام دنیا کے سارے ولی، اوتار، غوث اور ابدال کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام نہیں پا سکتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی مراتب ہیں پھر جو لوگ رسول برحق ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والے تھے ان کا مقام تو بہت ہی بلند و ارفع ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی یہ حکم دیا کہ وہ حضور ﷺ کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کریں۔ کہیں ان کے سارے عمل ضائع نہ

ہو جائیں۔

اب اس تناظر میں دیکھیں تو کچھ کہنے یا لکھنے سے پہلے کئی بار سوچنا لازم ہے کہ کوئی ایسی بات ادا نہ ہو جائے کہ ہم گستاخی کے مرتکب ہوں، یا وہ بات آپ ﷺ کے مقام اور مرتبہ سے کمتر ہو۔ چہ جائیکہ کوئی شخص آپ ﷺ کے بارے میں اپنے تخیل کی بنا پر ایسی باتیں کہہ یا لکھ ڈالے جن کا وجود ہی نہ ہو۔ یا اس سے آپ ﷺ کے احترام، عزت اور وقار میں فرق آتا ہو، یا پھر آپ ﷺ کی محترم شخصیات کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔

بدقسمتی کہ ایسی کئی جسارتیں سیرت کی کتب میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ جو ایک غلط رسم ہے اور اس رسم سے بچ کر نکلنا چاہیے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے محسن و مربی ابو طالب کی شخصیت کو بعض سیرت نگاروں نے گرد آلود کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک تکلیف دہ بات ہے وہ ہستی جس نے اپنی زندگی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت و پرورش میں گزاری، اور پھر ہر ہر قدم اور میدان میں آپ ﷺ کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ کی مدد فرمائی کہ دشمن آپ ﷺ کی طرف نگاہ نہ کر سکیں۔ ایسی شخصیت کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہنا کہاں کی شرافت ہے۔

قریباً ہر سیرت نگار نے اپنا اپنا عجیب وغریب حق ادا کیا، اور انہوں نے ابو طالب کو کثیر العیال اور قلیل المال لکھا ہے، اور ظاہر ہے ان کی کثیر العیالی کا تذکرہ اس ضمن میں کیا جاتا ہے۔ کہ حضور ﷺ ان کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے۔ کثیر العیالی کے قائل تو شیعہ مصنف سید اولاد حیدر فوق بلگرامی بھی دکھائی دیتے ہیں۔

حیات طیبہ کے موضوع پر قلم اٹھانے والوں نے کثیر العیالی کی بات یوں آگے بڑھائی کہ چند حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا:

”کھانا پورا نہیں ہوتا تھا۔“

کچھ حضرات نے کہا:

”بچے کھانے پر پل پڑتے تھے، اور صرف حضور ﷺ اس ہنگامہ میں شریک نہیں ہوتے تھے۔“

کچھ سیرت نگار حضرات اپنی سوچوں کو اور وسعت دیتے ہوئے لکھ بیٹھے:

''ابوطالب کے بچوں کی ناکیں بہتی رہتی تھیں، اور آنکھوں میں غلیظ مواد جمع ہوتا تھا اور اسے صاف کرنے کی باری نہیں آتی تھی۔''

کچھ نے اس فوج ظفر موج کو اپنی چشم تصور سے یوں دیکھا:

''ابوطالب نے اپنے کچھ بچے دوسروں میں بانٹ دیئے، کیونکہ روٹی پوری نہیں ہوتی تھی۔''

یہ عجیب وغریب استدلال بیان کیے گئے، لیکن حقیقت کچھ اور تھی، ابوطالب کے صرف چھ بچے تھے۔ چار بیٹے اور دو بیٹیاں، طالب، عقیل، جعفر اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بیٹیوں کے نام ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور رجانہ تھے۔

عرب کی ثقافت کے حوالے سے دیکھا جائے تو چھ بچوں کے والدین کو کم بچے ہونے کا طعنہ تو دیا جاسکتا ہے کثیر العیال نہیں کہا جاسکتا۔ کبھی آپ نے کہیں پڑھا کہ حضرت عبدالمطلب یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر العیال تھے، حالانکہ حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی چھ بیویاں تھیں، جن سے پندرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چودہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں تھیں۔

بعض لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں۔''

اس حقیقت کے باوجود انہیں کثیر العیال کوئی نہیں گردانتا، اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ چھ بچوں کے باپ ہی کو کیوں ہدف بنایا جارہا ہے۔

اب ایک اور پرلطف بات سنئے۔

یہ ساری گفتگو اس عرصہ کے دوران ہوتی ہے، جب حضور ﷺ ابوطالب کے ہاں پرورش پارہے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے ۲۹ سال چھوٹے ہیں۔ ظاہر ہے جب حضور ﷺ ابوطالب کی کفالت میں آئے۔ حضور ﷺ کی عمر مبارک آٹھ برس تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے ۲۹ سال چھوٹے اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۹ برس چھوٹے تھے۔ چنانچہ جب حضور ﷺ ابوطالب کے ہاں تشریف لائے، صرف طالب تھے، اور وہ حضور ﷺ

سے ایک سال بڑے تھے۔

تاریخ کے اوراق اس بات پر خاموش ہیں کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جمانہ اپنے کس بھائی سے کتنی بڑی یا چھوٹی تھیں، اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ دونوں بہنیں بڑی تھیں، تو پھر اس وقت ابوطالب کے تین بچے موجود تھے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ ابوطالب دشمنی میں حقائق کو کس طرح مسخ کیا جارہا ہے۔

اب ذرا اس ناقابل یقین تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کیجئے۔ چشم تصور میں دیکھیے، ناک سڑکتے بچے اور کثیر العیالی کی ''تہمت، کیا یہ بات قابل یقین نظر آتی ہے، یقیناً نہیں۔''

ابوطالب کے قلیل المال ہونے کی بات یوں بھی دل کو نہیں لگتی کہ بیشتر کتب میں یہ بات موجود ہے:

''ان کا پیشہ بھی اپنے آباء کی طرح تجارت تھا۔''

حضور ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت کے لیے تشریف لے گئے اور یثرب (مدینہ) میں انتقال فرما گئے۔ یقیناً عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان تجارت بھی ان کے چچا ابوطالب کے سپرد کر دیا ہوگا، جنہیں حضور ﷺ کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ پھر شعب ابی طالب کی جائیداد بھی اگر ان کی تھی تو ان کی تنگ دستی خواب وخیال بن کر رہ جاتی ہے۔

ڈاکٹر حمید کے بقول:

''ابوطالب کی کپڑے کی ایک دکان بھی تھی۔''

اب ان کی تنگ دستی وعسرت کا مفروضہ اور زیادہ مجروح ہو کر رہ جاتا ہے۔

ابوطالب کے بارے میں منفی کہانیوں کا سلسلہ مزید آگے بڑھتا ہے، تاریخ وسیرت کی تمام کتب کم ازکم اس امر پر متفق تھیں۔

حضرت عبدالمطلب نے اپنے بعد ابوطالب کو حضور ﷺ کا نگراں بنایا۔

اب کچھ لوگوں نے اس اجماع کی تغلیط کی راہ اختیار کرلی اور یہ لکھنے لگے:

''ابوطالب نہیں بلکہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے سرپرست ونگران اور کفیل تھے۔''

محمد احسان الحق نے ابوطالب کی سرپرستی سے انکار کیا اور بغیر کسی دلیل کے یہاں تک لکھ دیا:

"ایسے تجارتی کاروانی سفروں میں جب تک حضور ﷺ کے چچا (زبیرؓ) زندہ رہے، آپ ﷺ ان کے ساتھ جاتے رہے۔"

انہوں نے یہ بھی لکھ دیا:

"ابوطالب لنگڑے تھے، یا پیدائشی معذور تھے۔ وہ سرپرستی کیا کرتے یا تجارت کیسے کرتے؟"

اب سوچئے، اگر ایسا تھا تو وہ ابولہب کے ساتھ کشتی ابوطالب کے بجائے کسی اور نے لڑی تھی؟

مقصد تو ابوطالب دشمنی تھا، کچھ لوگ سرپرستی، نگرانی اور کفالت سے انکار کی جرأت تو نہ کر سکے، لیکن حضور ﷺ کی اس حدیث پاک کے حوالے سے:

"میں قراریط میں بکریاں چراتا تھا۔"

اس کے پس منظر میں کہنے لگے:

"حضور ﷺ اجرت پر بکریاں چرایا کرتے تھے۔"

اس کی وجہ یہ بتائی گئی۔

ابو طالب مفلوک الحال تھے، یتیم بھتیجے سے مزدوری کرا کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔

جلہمہ بن عرفطہ نے کہا:

"ایک بار میں مکہ آیا تو اہل مکہ قحط اور خشک سالی میں مبتلا تھے، قریش نے ابوطالب سے کہا۔"

"اے ابوطالب! وادیاں خشک ہوگئی ہیں، اور شہر کے لوگ قحط سے دوچار ہیں چل کر بارش کی دعا کریں۔"

جب ابوطالب دعا کے لیے چلے تو ان کے ساتھ ایک کمسن لڑکا بھی تھا وہ لڑکا اس چمکتے سورج کی طرح منور تھا جس پر سے بادل چھٹ چکے ہوں، ان کے گرد چھوٹے چھوٹے اور بچے بھی تھے۔"

ابوطالب نے حضور ﷺ کی پشت مبارک کعبہ سے لگا دی اور انگلیوں سے کعبہ کو چھوا، اور اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی، اس وقت آسمان پر کسی بادل کا ٹکڑا تک نہ تھا، مگر اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ چاروں طرف سے بادل آنے لگے، اور اس قدر بارش ہوئی کہ جنگل بہہ نکلے۔ ہر طرف جل تھل ہوگیا اور شہری اور دیہاتی نہال ہوگئے۔ اس موقع پر ابوطالب نے حضور ﷺ کی شان میں اسی سے زائد اشعار پر مشتمل قصیدہ لکھا۔ وہ قصیدہ ابن اسحاق نے پورا نقل کیا ہے۔

اس قصیدے کے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) ''وہ روشن جبیں اور منور ہستی ہے جس کے روئے زیبا کے واسطے سے بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کا سہارا، ان کا فریاد رس اور بیواؤں کا حاجت روا ہے۔''

(۲) ''خاندان ہاشم کے رنج دیدہ افراد اس کی پناہ میں آجاتے ہیں، اور ان کی پناہ میں نعمت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔''

ابوطالب حضور ﷺ کے بچپن کے زمانہ میں آپ ﷺ کے ہمراہ وادی ذی المجاز میں گئے۔ یہ مقام وادی عرفات سے تین میل کی مسافت پر ہے، اور یہاں زمانہ جاہلیت میں میلہ لگا کرتا تھا، اس موقع پر ابوطالب کو پیاس لگی، اور انہوں نے اس بات کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے اپنے پاؤں کو حرکت دے کر فرمایا:

''یہاں دیکھیں کیا کوئی چیز ہے؟''

ابوطالب نے کہا:

''ہاں، یہاں پانی ہے، جس کی مثل ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''یہ پانی پی لیں۔''

جب ابوطالب نے پانی پی لیا تو حضور ﷺ نے اپنا پاؤں ہلایا وہ جگہ پہلے جیسی ہوگئی۔

ابوطالب تجارت کیا کرتے تھے، اور اپنے کاروبار کے سلسلے میں ملک شام جایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ تجارت کی غرض سے کیے جانے والے سفر میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کی

طرف گئے۔ جب یہ قافلہ شام کے ایک قصبہ بصریٰ میں پہنچا تو وہاں کے ایک راہب نے جو علم و فضل میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا، اور اس راستے سے گزرنے والے قافلوں پر نظر التفات نہیں کرتا تھا۔

اس بار بحیرا نے دیکھا کہ اس قافلہ میں ایک ایسی ہستی ہے، جس پر سفید بادل سایہ فگن ہے جدھر جدھر وہ مبارک ہستی اپنا رخ کرتی ہے، بادل بھی ادھر مڑ جاتا ہے۔ جب وہ ہستی کسی درخت کے نیچے ٹھہرتی ہے تو بادل بھی اس پر ٹھہر جاتا ہے، اور اس درخت کی شاخیں ادھر کو جھک جاتی ہیں، بحیرا نے یہ منظر دیکھ کر اہل قافلہ کو دعوت دی، اس دعوت میں سب نے شرکت کی، مگر حضور ﷺ تشریف نہ لائے، بحیرا کے اصرار پر حارث بن عبدالمطلب اپنے بھتیجے کو لے آئے۔ بحیرا حضور ﷺ کو آتے دیکھتا رہا، اس نے دیکھا۔

جب حضور ﷺ درخت کے سایہ سے باہر آئے تو وہ سفید بادل بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا بحیرا تمام علامات اور نشانات سے حضور ﷺ کو پہچان گیا۔

بحیرا نے ابوطالب سے کہا:

”یہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ ہیں، ڈر ہے کہ یہودی انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں، اس لیے آپ انہیں واپس لے جائیں۔“

حرب فجار میں حضور ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ موجود تھے۔ اس وقت حضور ﷺ پندرہ برس کے تھے۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے درمیان لڑی گئی تھی۔ حضور ﷺ اس لڑائی میں اپنے چچاؤں کو تیر دیتے تھے۔ چونکہ یہ لڑائی ایام حج میں حدود حرم میں ہوئی تھی۔ اس لیے اسے ”حرب فجار“ یعنی قانون توڑنے والوں کی لڑائی کہتے ہیں۔ اس لڑائی میں قریش حق پر تھے۔

حضور ﷺ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے لیے گئے تو ابوطالب کے مکان پر گئے۔ ابوطالب نے خویلد یا عمرو بن اسد سے حضور ﷺ سے رشتہ طلب کیا، انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا، اس موقع پر ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا، اور پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

سیرت دحلانیہ میں لکھا ہے:

”بیس اونٹ مہر مقرر ہوا۔“

بعض نے ساڑھے بارہ اوقیہ سونا اور بعض نے چار سو دینار بتائے ہیں۔

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز کے وقت گھاٹیوں میں چلے

جاتے تھے، اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار ابو طالب نے حضور ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا، انہوں نے پوچھا، اور جب انہیں حقیقت حال معلوم ہوئی تو فرمایا:

''اس پر قائم رہنا۔''

ایک بار ابو طالب اپنے بیٹے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضور ﷺ کے پاس سے گزرے تو دیکھا وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ ابو طالب نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''تم بھی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔''

اس پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، اور حضور ﷺ نماز کی امامت کے لیے ان دونوں سے آگے ہو گئے اور عبادت میں مشغول رہے، حتیٰ کہ نماز ختم ہو گئی، اور ابو طالب یہ شعر پڑھتے ہوئے خوش خوش واپس چلے گئے:

''سچ تو یہ ہے کہ علیؓ اور جعفرؓ میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں، جب زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آ پہنچیں۔''

ابو طالب نے حضور ﷺ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور چالیس سال سے زائد عرصہ تک قوت پہنچائی اور اپنی حمایت کا سایہ دراز رکھا۔ ابو طالب اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حضور ﷺ کے ہمدرد اور غم گسار رہے۔

حضور ﷺ نے دعوت حق کا برملا اور بلا خوف وخطر اعلان کرنا شروع کیا تو اس وقت تک آپ ﷺ کی قوم نے اس کی زیادہ پرواہ نہیں کی، اور ان کو زیادہ خطرہ محسوس نہ ہوا، اور انہوں نے اس کے رد اور جواب کی کوئی ضرورت نہ سمجھی، لیکن جب آپ ﷺ نے ان کے معبودوں کی مذمت شروع کی تو اس بات سے انہیں سخت دھچکا لگا، اور وہ سب آپ ﷺ کی مخالفت پر اتر آئے اور متحد ہو گئے۔ اعلان نبوت کے بعد ابو طالب نے حضور ﷺ کی حد درجہ حمایت کی، اور انتہائی صبر اور خاموشی سے اسلام کی خدمت میں مصروف رہے۔

ابو طالب حضور ﷺ کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے، حضور ﷺ اعلان حق اور تبلیغ و دعوت میں دل و جان سے مشغول ہو گئے، اور کسی بھی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائے، دوسری

طرف ابو طالب حضور ﷺ کی ہر طرح سے حفاظت کرتے رہے۔ جب قریش نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی حفاظت ابو طالب کرر ہے ہیں، اور ان کی موجودگی میں ہم حضور ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو چند بااثر افراد کا گروہ جس میں ابو جہل اور اس کا چچا ولید بن مغیرہ، عامر بن وائل سہمی، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابوالبختری بن ہشام یہ سب مل کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا:

”آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے ہمارے دین و مذہب کی برائی کرتا ہے، اور ہماری عقلوں کو بے وقوفی اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ بتاتا ہے، اس لیے یا تو آپ خود انہیں اس کام سے روکیں یا ہمیں روکنے دیں۔“

ابو طالب نے انہیں ٹال دیا، اس کے بعد جب حضور ﷺ اپنا مشن بدستور جاری رکھے رہے تو قریش دوبارہ آئے اور کہا:

”آپ بزرگی، عمر اور رتبہ میں ہم سے بڑے ہیں۔ مگر اپنے بھتیجے کو نہیں روکتے۔ ہم سے مزید صبر نہیں ہوسکتا، یا تو انہیں منع کرلیں یا ہم ان کے مقابلہ پر اتر آئیں گے، اور پھر ہم میں سے کوئی ایک رہے گا۔“

وہ اس قسم کی دھمکی آمیز باتیں کہہ کر چلے گئے، اس پر ابو طالب نے حضور ﷺ کو بلوا کر یہ سب باتیں بتائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”چچا جان! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں، اور شرط یہ ہو کہ میں اس معاملے کو چھوڑ دوں تو بھی اسے نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود اسے غلبہ عطا کرے یا میں نہ رہوں۔“

اس کے بعد حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس ہو لیے تو ابو طالب نے آپ ﷺ کو بلا کر کہا:

پیارے بھتیجے! آپ (ﷺ) جو چاہیں کریں، خدا کی قسم میں کسی معاوضے پر بھی آپ (ﷺ) کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔“

اس موقع پر ابو طالب نے کچھ اشعار کہے:

(۱) ”اللہ کی قسم وہ اپنی تمام جمعیت کے ساتھ بھی تجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک میری پیٹھ قبر کی مٹی سے نہیں لگا لیتے یعنی مجھے دفن نہیں کر لیتے۔“

(۲) ''جا اپنی دعوت عام کر، تجھ پر کوئی تنگی نہیں، خوش رہ اور اپنے کام سے آنکھیں ٹھنڈی کر۔''

(۳) ''اور تو نے خیر خواہی کی حیثیت سے مجھے دعوت حق دی، بلاشبہ تم نے سچ کہا۔تو ہمیشہ سے امانتدار رہا ہے۔''

(۴) ''اور جو دین تو نے پیش کیا، لامحالہ تمام ادیان سے بہتر دین ہے۔''

تاریخ طبری اور تاریخ کامل میں ہے:

قریش نے ابوطالب سے آ کر کہا:

''آپ عمارہ بن ولید کو جو قریشیوں میں نہایت خوبصورت نوجوان ہے، اپنا بیٹا بنالیں، اور ان کے بدلے اپنا بھتیجا ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم انہیں قتل کرسکیں۔''

اس پر ابوطالب نے کہا:

''خدا کی قسم! تم میرے ساتھ بہت برا سودا کرنا چاہتے ہو، میں تمہارے بیٹے کو لے کر کھلاؤں، پلاؤں، پالوں پوسوں اور تم مجھ سے میرا بیٹا لے کر اسے قتل کرو۔خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا۔''

اس پر نوفل بن عبد مناف کا پوتا مطعم بن عدی بولا:

''اے ابوطالب! تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کی بات کی تھی مگر وہ تمہیں ناگوار گزری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنی قوم یعنی ہماری کوئی بات قبول نہیں کرنا چاہتے۔''

ابوطالب نے مطعم بن عدی سے کہا:

''تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی ہے، بلکہ میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں سے مل گئے ہو، تو ٹھیک ہے جو چاہو کرو۔''

اس موقع پر بھی ابوطالب نے کچھ اشعار کہے۔ ابن ہشام نے گیارہ اشعار درج کیے ہیں، ایک شعر کا ترجمہ دیکھیں۔

(۱) اے گروہ قریش! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم حضرت محمدﷺ کو تمہارے

حوالے کر دیں گے، یہ اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک ہم ان کے ارد گرد گھیرا ڈال کر لڑتے لڑتے گرا دیئے جائیں اور ہمارے حواس اس قدر معطل ہو جائیں کہ ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں۔"

ابوطالب مکہ کے ان گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو اپنی ذاتی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اتنے باعظمت تھے کہ کوئی شخص ان کا عہد توڑنے اور ان کے خانوادہ پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کرسکتا تھا۔ اس صورت حال میں قریش بہت پریشان تھے۔ قریش حضور ﷺ کو ابوطالب کے ڈر سے ہاتھ نہ لگاتے تھے، انہیں ہر وقت نقصان پہنچانے کا سوچتے اور نقصان ضرور پہنچاتے تھے۔

اعلان نبوت سے پہلے ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کا حضور ﷺ کی صاجبزادیوں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تھا۔ اس موقع پر انہیں طلاق دے دی گئی اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر خوشیاں منائی گئیں، ابولہب کی بیوی ام جمیل حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے بکھیر دیا کرتی تھی۔

اب ہر قبیلہ اپنے قبیلے کے ان لوگوں پر ظلم وستم کرنے لگا، جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا، انہیں قید اور زدوکوب کیا جاتا۔ انہیں بھوک، پیاس اور مکہ کی سخت گری اور جھلسا دینے والی تپش کی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اس موقع پر ابوطالب نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو حضور ﷺ کی حمایت اور حفاظت کے لیے آمادہ کیا اور صرف ابولہب اور اس کے بیٹوں کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سب مسلمان اور کافر اس کام پر تیار ہو گئے۔

موسیٰ بن عقبہ، ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں:

"دشمن قبائل نے حضور ﷺ کو علانیہ طور پر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو ابوطالب نے آپ ﷺ کو شعب ابی طالب میں بلالیا، اور آپ ﷺ کو ہر قیمت پر دشمنوں سے بچانے کا تہیہ کرلیا۔ بعض نے قومی تعصب کی بنا پر اور بعض نے ایمانی جذبہ کے تحت اپنے آپ کو مخالفین کے مقابلے کے لیے سینہ سپر کر دیا۔"

بنو ہاشم اور بنو مطلب کو اس طرح اکٹھے ہوتے دیکھ کر اور اپنا منصوبہ خاک میں ملتا پا کر

قریش نے ایک قرارداد پیش کی:

"بنو ہاشم سے اب اس وقت تک صلح نہ ہوگی، جب تک وہ محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے نہ کر دیں یا خود قتل نہ کر دیں، اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلم ہوں یا غیر مسلم جو بھی محمد (ﷺ) کا ساتھ دے گا، اس سے رشتہ ناطہ، میل جول، خرید وفروخت بند کردی جائے گی۔"

اس عہد نامہ کو کعبہ کے اندر لٹکایا گیا، اس طرح تین سال گزرے۔ اس عرصہ میں بچے بھوک کی شدت سے اس طرح چلاتے تھے کہ ان کی چیخ و پکار شہر میں سنی جاتی تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر شہر کے عام لوگ متاثر ہوئے، اور علانیہ اس ظلم کے خلاف بیزاری کا اظہار کرنے لگے، یہ محاصرہ اتنا طویل ہوگیا تھا کہ محصورین ببول کے پتے کھانے پر مجبور ہوگئے۔ بچے بھوک سے روتے اور بلبلاتے۔ قریش باہر سے آنے والے تاجروں کو بھی ان لوگوں کے خلاف بھڑکانے لگے۔ چنانچہ تاجروں نے چیزوں کی قیمتیں اتنی زیادہ کر دیں کہ یہ لوگ سامان خرید ہی نہ سکیں، صرف خفیہ طریقے سے کچھ ضروریات زندگی ان تک پہنچ سکتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اس حال میں بھی اپنی قوم میں تبلیغ کا فریضہ دن رات، خفیہ اور علانیہ ہر طریقے سے انجام دیتے، اور بنو ہاشم تمام تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔

کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا اپنی موت جان کے چاہا تھا کہ مسائل ومشکلات سے تنگ آ کر یہ کام ہمارے بجائے محمد (ﷺ) کی حفاظت پر مامور بنی ہاشم اور بنی مطلب خود ہی کر دیں گے۔ اس لیے انہوں نے باقاعدہ بائیکاٹ کیا، اور اپنی دستاویز میں صلح کی صرف ایک شرط رکھی:

"صلح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ بنی مطلب اور بنو ہاشم خود ہی محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کریں یا قتل کرنے کے بعد ہمیں دے دیں۔"

صلح کی یہ شرط اتنی کڑی تھی بلکہ بہت بڑی سازش تھی، مگر ابو طالب کا کردار یہاں تک واضح نظر آتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علانیہ محافظ تھے۔ ان کے حکم پر اکھٹے ہونے والوں نے اپنے بچوں کو بھوک سے چلاتے تو دیکھا مگر رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچانے کا خیال دل میں نہ لائے۔

انسان اپنی بھوک، پیاس اور ہر تنگی برداشت کر سکتا ہے، مگر اپنے بچوں کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتا، دنیا میں بیشتر جرائم کے در پردہ بچوں سے محبت چھپی ہوئی ہوتی ہے، مگر شعب ابی طالب

کے محصورین نے ابوطالب کے حکم اور حضور ﷺ کی محبت میں اپنی ہر خوشی کو قربان کر دیا، اس طرح قریش کی یہ بڑی سازش ناکام ہوگئی، اور بالآخر معاہدہ کو دیمک لگ جانے اور قریش کی آپس میں مخالفت ہو جانے کی وجہ سے وہ خود ہی مجبور ہو گئے، اور شعب ابی طالب کے محصورین کو واپس لے آئے۔

"مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، ابراہیم سیالکوٹی، اور شیخ محمد عبداللہ رقمطراز ہیں:

"شعب ابی طالب میں بھی ابوطالب کو چین نہیں آتا تھا، اور وہ اپنے پیارے بھتیجے کی حفاظت وہاں بھی کرتے تھے۔ جب سب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو ابوطالب اپنے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سلا دیتے، اور ان کے بستر پر آپ ﷺ کو بھیج دیتے۔"

شعب ابی طالب کی محصوری کے اس واقعہ کے بارے میں ابوطالب نے کچھ اشعار کہے۔

ابوطالب تاجدار عالم ﷺ کو اپنی ذات اور اہل وعیال سے بھی زیادہ پیار کرتے تھے بلکہ ہمیشہ محبت سے کام لے کر آپ ﷺ کو خوش رکھتے تھے، اور حضور ﷺ کی وجہ سے بہت خیر و برکت محسوس کرتے تھے۔

ابوطالب نے قبل از وقت نبوت اور بعد از وقت نبوت ہمہ وقت آپ ﷺ کی صحابت اور حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ عبدالمطلب کی طرح ابوطالب بھی آپ ﷺ کے بغیر دستر خوان پر نہ بیٹھتے تھے۔

ابوطالب کی عادت تھی کہ جب سب کھانے کے لیے بیٹھ جاتے تو کہتے:

"ٹھہر جاؤ، جب تک میرا بیٹا نہ آ جائے۔"

جب حضور ﷺ تشریف لے آتے تو کھانا شروع کیا جاتا۔

ابن سعد، ابن قطہ سے روایت کرتے ہیں:

"ابوطالب کے لیے بطحا میں تکیہ رکھا جاتا تھا، جو لپٹا ہوا ہوتا جس پر ابوطالب ٹیک لگایا کرتے تھے، حضور ﷺ تشریف لائے اور اس تکیہ کو کھول لیا اور اس پر لیٹ گئے، ابوطالب آئے تو بولے:

"میرے بھتیجے کو آرام مل رہا ہے۔"

طبرانی عمار سے روایت کرتے ہیں:

''ابوطالب اہل مکہ کے لیے کھانا تیار کراتے اور حضور ﷺ تشریف لاتے تو اس وقت تک تشریف فرما نہ ہوتے جب تک نیچے کوئی چیز نہ رکھ لیتے۔ اس پر ابوطالب فرماتے:

''میرا بھتیجا بڑا اکرم ہے۔''

ابوطالب ہمیشہ حضور ﷺ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور اپنے دائیں پہلو پر سلاتے۔ اپنے ساتھ ہی باہر لاتے اور کسی وقت جدا نہ کرتے، ابوطالب نے حضور ﷺ کی شان میں بہت سے اشعار کہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) اس نے (خدا نے) اپنے نام سے اس کا نام بنایا تاکہ وہ بھی جلیل ہو جائے صاحب عرش محمود ہے اور یہ محمد ﷺ ہے۔''

(۲) جب قریش مفاخرت کے لیے جمع ہوں تو ان میں قابل فخر ہستی اور ان کے قائد اور خلاصہ جناب عبد مناف ہیں اور اگر عبد مناف کی بزرگی اور شرف دیکھنا ہو تو وہ جناب ہاشم میں موجود ہے۔ اور اگر اس روز بنو ہاشم کے لیے کوئی چیز وجہ افتخار و عزت ہے تو حضرت محمد (ﷺ) ان میں ہیں۔''

علامہ امینی، ابوجعفر محمد بن حبیب کی کتاب ''امالی'' کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

''ابوطالب جب بھی حضور ﷺ کو دیکھتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور کہتے:

''میں جب انہیں دیکھتا ہوں تو میرے دل میں اپنے بھائی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔''

ایک بار ابوطالب کو حضور ﷺ کہیں نظر نہ آئے، وہ پہلے ہی حضور ﷺ کے دشمنوں سے پریشان رہا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں خیال گزرا کہ کہیں قریش نے حضور ﷺ کو چھپ کر قتل نہ کر دیا ہو، انہوں نے بنی ہاشم کے نوجوانوں کو مسلح ہونے کا کہا اور انہیں حکم دیا:

''تم میں سے ہر ایک کو مسلح ہو کر قریش کے کسی ایک سردار کے پاس بیٹھ جانا چاہیے۔ پھر جب میں اعلان کردوں کہ میں محمد ﷺ کو تلاش کر رہا ہوں تو تم میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھے ہوئے سردار کو قتل کر دے۔''

اتنے میں یہ خبر حضور ﷺ کو ملی جو اس وقت کوہ صفا کے ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ تیزی سے ابوطالب کے پاس آئے اور انہیں مسجد میں پایا۔ ابوطالب نے آپ ﷺ کو دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑا اور قریش کو تمام واقعہ سنایا:

"میں تم سب کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا تھا۔"

پھر بنی ہاشم کے نوجوانوں سے کہا:

"جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے، سب پر ظاہر کر دو۔"

اس پر نوجوانوں نے اپنے ہتھیار دکھا دیئے۔ اس پر قریش سہم گئے۔

ایک بار مدینہ میں قحط پڑ گیا، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بارش کی دعا کی درخواست کی۔ ابھی حضور ﷺ نے ہاتھ بلند ہی کیے تھے کہ بادل چاروں اطراف سے آنا شروع ہوئے، اور سارا مدینہ جل تھل ہو گیا، نشیبی علاقوں کے لوگ ڈوبنے لگے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر عرض کی:

"بادلوں سے کہیں، یہ کسی اور طرف چلے جائیں۔"

حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھائے تو بادل چھٹ گئے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"آج [illegible] رے چچا ابوطالب موجود ہوتے تو انہیں کتنی خوشی ہوتی۔"

ایک [illegible] حابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو شاید ان کا یہ شعر یاد آ رہا ہے:

"وہ ایسے روشن چہرے والے ہیں کہ ان کے روئے مبارک کے واسطے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کے نگران اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں۔"

حضور ﷺ [illegible] یا:

"ہاں۔"

سیرت دحلانیہ [illegible] لکھا ہے:

آقا حضور ﷺ نے اس موقع پر فرمایا:

"ہمیں ان کے شعر کون سنائے گا۔"

حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کی:

"گویا آپ ﷺ کا ارادہ ان اشعار کو سننے کا ہے۔"

یہ کہہ کر تقریباً بارہ اشعار سنا دیئے۔

ہشام بن سائب الکلبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

"ابوطالب جب قریب الموت ہوئے تو قریش ان کے پاس آئے، اس موقع پر ابوطالب نے انہیں وصیت کی:

"اے قریش تم خدا کی برگزیدہ مخلوق ہو، میں تمہیں محمد (ﷺ) سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ قریش میں امین اور عرب بھر میں صادق ہیں، تمہیں چاہیے کہ تم ان کا ساتھ دو، بخدا جو بھی ان کے راستے پر چلے گا، وہ کامیاب ہوگا، اور جو بھی ان کی ہدایت پر عمل کرے گا، وہ سعادت مند ہوگا، بخدا اگر مجھے تھوڑی سی فرصت اور ملتی اور میری موت چند دن اور مہلت دیتی تو میں ان فتنوں کا راستہ روکتا اور مصائب کو ان تک نہ پہنچنے دیتا۔"

ابوطالب نے جب دیکھا کہ حیات کا چراغ گل ہونے والا ہے، تو انہوں نے فوراً اپنے بھائیوں یعنی بنوعبدالمطلب کو اپنے بستر کے گرد بلایا، اور حضور ﷺ کو ان کی حفاظت میں دیا، اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر امن وامان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے، ان کی وفات پر رسول اللہ ﷺ بہت روئے، اور انہیں ابوطالب کی وفات کا بہت صدمہ پہنچا۔

(۱۰) فاطمہؓ بنت اسد (تائی)

فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب کی بیوی اور شیر خدا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ تھیں۔

فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت خصوصیات حاصل ہیں۔ وہ ایک شفیق خاتون تھیں۔ ان کی طبع فیاض اور دل مہر وشفقت والا تھا۔ یہ نہایت نیک مزاج اور شریف خصلت خاتون تھیں۔

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بچپن ہی سے اعلیٰ اوصاف وخصائل کی حامل تھیں۔ حضور ﷺ سے یہ نیک دل خاتون ماں جیسی محبت کرتیں، اور حضور ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نیک صالح بی بی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی زیارت کے لیے ان کے گھر تشریف لاتے، اور ان کے گھر میں آرام فرماتے۔ حضور ﷺ نے اکثر ان کی شفقت، شرافت اور خصائل حمیدہ کی تحسین فرمائی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ریشم کا ایک ٹکڑا دیا اور فرمایا:

''ان کے حصے کر کے فواطم میں تقسیم کر دو۔''

فواطم یہ ہیں۔

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ، فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

صرف پانچ افراد کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی قبر میں لیٹے، ان میں تین عورتیں اور دو مرد ہیں، عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی والدہ محترمہ ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، اور مردوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے جن کی حضور ﷺ نے اپنی گود میں پرورش کی تھی، اور دوسرے حضرت عبداللہ اعزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو ذوالبجادین کہتے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی خصوصیات میں سے ایک ان کا حضور ﷺ کی پرورش میں حصہ لینا، اور دوسرا حضور ﷺ کا انہیں ''امی بعد امی'' کہنا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قریش کے معزز ترین گھرانے میں آنکھ کھولی اور اسی میں پروان چڑھیں۔

بیان کیا جاتا ہے:

''وہ بچپن ہی سے نہایت اعلیٰ اوصاف و خصائل کی مالک تھیں۔''

چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی نگاہ گوہر شناس نے انہیں بہو بنانے کے لیے منتخب کر لیا اور اپنے فرزند عبد مناف (ابوطالب) سے ان کا نکاح کر دیا۔

ابوطالب نے حضور ﷺ کو نہایت محبت سے پالا تھا، اور ہر موقع پر حضور ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔ حضور ﷺ کی پرورش و خدمت اور محبت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ابوطالب سے کسی طرح کم نہ تھیں، انہوں نے حضور ﷺ کو کھلانے پلانے میں آپ ﷺ کا خاص خیال رکھا۔

حضور ﷺ کے حسن تربیت میں اس نیک چچی کا بھی بڑا دخل ہے، حضور ﷺ نے ان کی وفات پر فرمایا:

"آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود بھوکی رہتی تھیں، مجھے کھانا کھلاتی تھیں۔ آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی تھی لیکن مجھے پہناتی تھیں، یہ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت حق کا آغاز کیا تو بنو ہاشم نے اس موقع پر آپ ﷺ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا۔ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت حق پر لبیک کہنے والے پہلے نوجوان تھے۔ خود حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دعوت پر صدق دل سے ایمان لائیں۔

۷ نبوی میں جب مشرکین مکہ نے فیصلہ کیا:

"جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد (ﷺ) کو قتل کر کے ہمارے حوالے نہ کر دیں گے، کوئی شخص ان میں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گا، نہ ان کے پاس کوئی چیز فروخت کی جائے گی، اور نہ ان سے رشتہ ناطہ رکھا جائے گا۔"

اس معاہدہ کو ضبط تحریر میں لا کر ہر قبیلے کے نمائندے نے اس پر دستخط کیے اور اسے کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ جب ابوطالب کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کو لے کر شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے، اور تین برس تک شعب ابی طالب میں مصائب و مشکلات کا سامنا کرتے رہے۔ اس موقع پر حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں، انہوں نے بھی اپنے اہل کنبہ کے ساتھ کمال درجہ کی ہمت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ابوطالب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سرپرستی کی ذمہ داری حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے سر لے لی، اور اپنے فرزندوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ پر شفیق تھیں۔

اسی لیے حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے انہیں اپنی قمیص مبارک عطا فرمائی، اور ان کی لحد میں لیٹے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابوطالب کے بعد میرے ساتھ کسی اور نے ان سے بڑھ کر عمدہ سلوک نہیں کیا۔''

جب مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

ہجرت مدینہ کے دو یا تین سال بعد رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ چونکہ اہل بیت اطہار کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ اس لیے گھر کا سارا کام خود ہی کرلیا جاتا تھا، چنانچہ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ سے کہا:

''میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا، اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(میری والدہ کے احترام میں اٹھ جاؤ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''ہم سب اٹھ گئے اور سب دار وفات پہنچے، رسول اللہ ﷺ ان کے سرہانے آ بیٹھے اور فرمایا:

''اے میری ماں کے بعد میری ماں! اللہ تجھ پر رحم کرے۔''

اور ان کی تعریف کی۔

حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

روایت سے لکھا ہے:

''جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ فوت ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کفن کے لیے اپنی قمیض دی۔ پھر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک سیاہ فام غلام کو بلایا، انہوں نے قبر کھودی۔''

جب حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنازہ باہر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے جنازہ کا پایہ اپنے شانہ مبارک پر رکھا، اور راستے میں کبھی جنازہ سے آگے اور کبھی اس کے پیچھے چلتے تھے جب جنازہ چلا تو جنازہ کو دوبارہ کندھا دیا اور پھر دوبار دائیں طرف اور دوبار بائیں طرف سے کندھا دیا۔ جب لحد تک پہنچے تو رسول اللہ ﷺ خود قبر میں داخل ہوئے اور اپنے ہاتھ سے مٹی نکالی اور اس میں لیٹے اور پھر دعا فرمائی:

''یا اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے، بوسیلہ اپنے نبی (ﷺ) کے اور ان انبیاء کے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں، کیونکہ تو الرحیم الرحمٰن ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ قبر میں لیٹے۔

قرطبی کی التذکرہ میں ہے:

''فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی برکت سے قبر کی تنگی سے محفوظ ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کی قبر میں اترے، وہ جنت البقیع میں دفن ہیں۔''

ایک روایت ہے:

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔''

(11) ام ایمن (برکہ بنت ثعلبہؓ)

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے

گزشتہ باب میں ان کا ذکر آچکا ہے۔

برکہ کے معنی برکت کے ہیں، عرف ام انطباء تھا، رنگ گہرا سانولا تھا ان کے والد کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا جو حبش کے رہنے والے تھے۔ یہ مکہ کب اور کیسے پہنچیں تاریخ کے اوراق اس بارے میں خاموش ہیں۔

محمد احمد پانی پتی ان کے سلسلہ نسب کو یوں بیان کرتے ہیں:

"برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن لقمان۔"

یہ حضور ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز تھیں۔ بچپن ہی سے ان کے پاس تھیں۔ گھر کا کام کاج انہی کے سپرد تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہنے لگیں۔ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اور خبر گیری پر مامور تھیں۔

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کی ولادت کی خبر آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو سنائی، اور حضور ﷺ کو اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میراث میں ملیں۔

حضور ﷺ کی پرورش کرنے والوں میں سے حضرت برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بہت اہم ہے۔ یہ حضور ﷺ کی آیا اور کنیز تھیں۔ بچپن میں انہوں نے حضور ﷺ کی پرورش اور تربیت کی۔

حیات محمد ﷺ اور مدارج النبوت کے مطابق:

"حضرت ام ایمن (برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی کھلائی رہیں۔"

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی لکھتے ہیں:

"برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد حضور ﷺ کو کھلاتی تھیں۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولادت کے دن ہی سے حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں حضور ﷺ کی محبت ڈال دی تھی، اور برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو ایک لمحہ کے

لیے بھی اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ کرتیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شیر خوار محمد ﷺ کو اپنے ساتھ اپنے قبیلے میں لے کر چلیں تو برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حد درجہ مغموم ہوگئیں، اور یہ عرصہ انہوں نے بڑی بے چینی سے گزارا۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو واپس لے آئیں تو حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی دوبارہ تروتازہ ہوگئی، اور انہوں نے اپنی محبت اور عطوفت سے حضور ﷺ کی پرورش شروع کردی۔ یہ دن رات آپ ﷺ کی خاطر داری اور خدمت گزاری میں مصروف رہتیں۔ آپ ﷺ کی دیکھ بھال کرتیں، کپڑے پہناتیں اور آپ ﷺ کے کپڑے دھوتیں اور پرورش کی تمام ضروریات کو پورا کرتیں۔

علامہ سیوطی کے حوالے سے کچھ سیرت نگار حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور ﷺ کی دودھ پلانے والیوں میں شامل کرتے ہیں۔ گزشتہ باب میں یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دودھ نہیں پلایا، اس لیے یہ حضور ﷺ کی رضاعی ماں نہیں ہیں۔

جب حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ برس ہوئی، اور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو لے کر اپنے شوہر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے یثرب (مدینہ طیبہ) روانہ ہوئیں تو حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ طیبہ کے خاندان بنو نجار کے پاس تقریباً ایک ماہ قیام پذیر رہیں، اور یہاں رہ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کرتی رہیں۔

حضرت برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"یثرب (مدینہ طیبہ) کے یہودی حضور ﷺ کو بڑے غور سے دیکھتے، اور میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا:

"یہ اس امت کے نبی (ﷺ) ہیں، اور یہ جگہ دار الہجرت ہے۔ اس شہر میں خوب قتل ہوں گے اور لوگ قید ہوں گے۔""

حضرت برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے یہ باتیں ذہن نشین کرلیں۔"

مدینہ منورہ سے واپسی پر جحفہ سے کوئی ۲۳ میل دور ابواء نامی گاؤں میں حضرت آمنہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔ برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو سینے سے لگائے بڑی ہمت اور جانفشانی سے مکہ مکرمہ پہنچ گئیں۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ننھے حضور ﷺ کو آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے سپرد کیا۔ اب حضرت عبدالمطلب آپ ﷺ کے سرپرست و نگران ہوئے، اور حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بدستور حضور ﷺ کی خدمت کرتی رہیں۔

سیرت الحلبیہ میں پرورش کے بارے میں یہ واقعہ درج ہے:

برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام ایمن سے مروی ہے۔

''میں نبی کریم ﷺ کی تربیت پر مامور تھی۔ آپ ﷺ کا خیال رکھتی تھی۔ ایک روز آپ ﷺ سے غافل ہو گئیں اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ عبدالمطلب میرے سر پر کھڑے ہیں فرماتے ہیں:

''اے برکہ!''

میں نے کہا:

''لبیک (حاضر ہوں)۔''

''جانتی ہو، میں نے اپنے بچے کو کہاں پایا ہے؟''

میں نے کہا:

''نہیں۔''

عبدالمطلب نے کہا:

''میں نے اسے (ﷺ) کو بیری کے درخت کے قریب بچوں کے ساتھ پایا ہے، میرے بچے سے غفلت نہ کیا کرو، کیونکہ اہل کتاب خیال کرتے ہیں کہ یہ اس امت کے نبی (ﷺ) ہیں، اور میں ان سے آپ (ﷺ) کو مامون نہیں سمجھتا۔''

بنی مدلج فن قیافہ میں بہت شہرت رکھتے تھے، انہوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

''آپ ان صاحبزادہ (ﷺ) کی حفاظت فرمائیں! کیونکہ ہم نے ان کے قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ پائے ہیں۔''

حضرت عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا:

"سنتے ہو، یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔"

سردار عبدالمطلب نے برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"فرزندار جمند (ﷺ) کی پرورش میں کوتاہی نہ برتنا، کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر ہوگا۔"

حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود کو حضور ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ آپ ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں، اور ماں کی کمی کو محسوس نہ ہونے دیتی تھیں۔

حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے ساتھ رہا کرتی تھیں، فرماتی ہیں۔

"حضور ﷺ نے اپنی چھوٹی یا بڑی عمر میں کبھی بھوک پیاس کی شکایت نہیں کی۔
صبح کے وقت تھوڑا سا آب زمزم نوش فرماتے۔ دوپہر کو میں کھانے کے لیے کہتی تو فرماتے:

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جب عبدالمطلب کا انتقال ہو رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ننھے محمد ﷺ ان کے سرہانے کھڑے رو رہے ہیں۔"

برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

آپ ﷺ اپنے دادا کے جنازہ کے پیچھے روتے ہوئے جا رہے تھے۔"

حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کے وقت انہیں آزاد کر دیا' اور ان کا پہلا نکاح حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ یہ حبشی تھے۔

حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ عرب میں رواج تھا کہ جب کوئی عورت ماں بنتی تو وہ اپنے بچے کے نام پر پکاری جاتی۔ اس رواج کے مطابق حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ام ایمن کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ نکاح کے بعد حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر مدینہ چلے گئے تھے، وہیں حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے خدمت گاروں میں سے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اول ایمان لانے والوں میں حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی آتا ہے، ان کے پہلے شوہر حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسلمان تھے۔ یہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہی ایمان لائے، ان کو صحابی وانصاری بھی لکھا جاتا ہے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے بعد حضرت عبید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جلد ہی انتقال ہوگیا تو حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ سے مکہ واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکہ پہنچنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

''اگر کوئی شخص جنت کی کسی عورت سے عقد کرنا چاہے تو وہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کرے۔''

یہ ارشاد سن کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے نکاح کرلیا، اور ان سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ لوگ انہیں ''حب رسول'' کے نام سے یاد کرتے، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ نے اپنا متبنیٰ بنایا ہوا تھا۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ کو اتنی محبت تھی کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح ''حب رسول'' کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ اپنے ایک زانو پر بٹھاتے اور دوسرے زانو پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹھا کر فرماتے:

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، اس لیے تو بھی ان سے محبت فرما۔''

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے:

''میری ماں کے بعد ام ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میری ماں ہیں۔''

آپ ﷺ ان کی بہت تعریف فرماتے اور اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، جب ان پر نظر پڑتی تو [illegible] کہہ کر خطاب کرتے اور فرماتے:

"یہ میرے اہل بیت کا حصہ ہیں۔"

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ اور مدینہ دو ہجرتیں کیں۔

نیاز فتح پوری اور سید انصاری رقمطراز ہیں:

"حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے مکہ سے حبشہ کی طرف اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔"

ابن سعد کا بیان ہے:

"حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا چند سال حبش میں قیام کے بعد غزوہ احد سے پہلے مدینہ منورہ میں واپس آ گئیں۔"

حافظ ابن عبدالبر، طبرانی اور بلاذری نے لکھا ہے:

"وہ ہجرت مدینہ کے وقت مکہ ہی میں مقیم تھیں، چند ماہ کے بعد ان کے شوہر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ آئے، اور ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے فرزند اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لے گئے۔"

ابراہیم سیالکوٹی، ابن حجر اور ابن سعد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

"حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی رستہ میں سخت پیاس لگی، آسمان کی طرف سے ایک ڈول، جس میں نہایت شفاف و سفید پانی تھا اترا۔"

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"میں نے اسے خوب سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد مجھے کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوئی حالانکہ میں سخت گرمیوں میں روزے رکھا کرتی تھی۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی تو حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رخصت کیا، اور رخصتی کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''جب تک تم مجھ سے نہ مل لو، فاطمہ سے کوئی بات نہ کرنا۔''

تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا دروازہ کھلوایا۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا دروازہ کھولنے آئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میرا بھائی بھی اس مکان میں ہے۔''

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں۔

''علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے بھائی کیسے ہوئے، حالانکہ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا عقد ان سے کیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں وہ ایسا ہی ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس جگہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں اور کیا تم بنت رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لیے آئی ہو؟''

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''جی ہاں! اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں، اور میں بنت رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لیے آئی ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دعائے خیر سے سرفراز فرمایا اور پیالہ یا کسی برتن میں پانی لے کر اس پانی میں اپنے دست مبارک دھوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلوا کر ان پر پانی چھڑکا۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک سو گوسپند اور سات بکریاں تھیں، جنہیں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا چرایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پیاری سات بکریاں جنہیں چرانے کی ذمہ داری حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذمہ تھی، ان کے نام عمروہ، زمزم، سقیا، برکہ، اطلال،

اطراف اور غشیہ تھے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے غزوہ احد اور غزوہ خیبر میں بھی شرکت فرمائی، وہ زخمیوں کو پانی پلایا کرتی تھیں۔

حضور ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اروئی بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ہند بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ہند بنت اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل کے علاوہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی مرثیہ لکھا:

اہل سیئر حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے متعلق کوئی حتمی بات نہیں کرتے۔

علامہ ابن اثیر کہتے ہیں:

"ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد فوت ہوگئی تھیں۔"

حافظ ابن حجر کے مطابق:

"جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۴ھ کو شہادت پائی تو حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت روئیں، اور فرمانے لگیں۔"

"آج اسلام کمزور پڑ گیا ہے۔"

ابن سعد کہتے ہیں:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار پر اٹھتا تھا اور اس زمانے میں جب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں نے ایک پیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالتے ہوئے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا:

"آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اتنے قیمتی درخت کو ضائع کر رہے ہیں۔"

اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے:

"میری ماں نے اس کی فرمائش کی تھی، اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہیں میں اس کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

❀❀❀

حضور ﷺ کے خاندان کی تنگدستی

سیرت النبی المختار (ﷺ) کے موضوع پر قلم اٹھانے والے رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے دن سے لے کر بلکہ اس سے بھی پہلے کے ذکر میں عسرت اور تنگدستی کا اثر و رسوخ بتاتے ہیں، اور یہ ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں:

''حضور ﷺ غریب تھے، مفلوک الحال تھے، انہیں ترکہ میں کچھ بھی نہ ملا تھا، اور ان کے سرپرست اور نگران ابوطالب بھی بھوک و افلاس کا شکار تھے۔''

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت کے سلسلے میں بھی یہی کچھ لکھا جا رہا ہے، اور اب تک وہی روش چل رہی ہے:

''حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لیے عبدالمطلب کے خاندان کی طرف رخ نہیں کرتی تھیں کہ یہ غریب اور تنگدست لوگ تھے۔ یہاں سے مجھے کیا ملے گا۔''

اس سلسلے میں صحیح صورت حال حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر میں بیان کی جا رہی ہے آپ اس مفروضہ کو خود ہی عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھ لیں کہ یہ خاندان کتنا غریب اور عسرت زدہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا نسب مبارک یہ ہے:

''محمد رسول اللہ ﷺ، بن عبداللہ بن مطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن

خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن سعد بن عدنان رضی اللہ عنھم۔“

حضرت عدنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

ابراہیم سیالکوٹی رقمطراز ہیں:

”حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، یہ سب اپنی امتوں کے بارہ رئیس تھے۔ یہ سب عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے، عرب کے کئی ایک شہر ان کے نام پر آباد ہوئے۔“

رسول اللہ ﷺ کے جد امجد حضرت کنانہ کے بارے میں ہے:

”یہ انتہائی مہمان نواز تھے، اکیلے کھانا تناول نہ فرماتے۔ جب کوئی ساتھ کھانے والا نہ ہوتا تو ایک لقمہ خود تناول فرماتے اور دوسرا لقمہ پتھر پر رکھ دیتے۔“

حضرت کنانہ کے پوتے مالک کو مالک اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ اس وقت ملک عرب کے حاکم تھے۔

علامہ ابن جوزی اور دیگر کئی حضرات لکھتے ہیں:

”حضرت قصی بن کلاب مکہ مکرمہ کے سردار تھے۔“

زرقانی کہتے ہیں:

”قصی بن کلاب کو تمام قبائل قریش پر اقتدار حاصل تھا، حاجیوں کو کھانا کھلانے، زمزم کا پانی پلانے، مسافروں کی پذیرائی کرنے، مشورہ کے لیے روساء قریش کو دارالندوہ میں طلب کرنے اور قریش کا پرچم لہرانے کے اہم فرائض ان کے سپرد تھے۔“

قصی کے بیٹے عبدمناف کا اصل نام مغیرہ تھا۔ اپنی سرداری کے عہد میں قریش کو خدا ترسی وحق شناسی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کسی شاعر کے چند اشعار پڑھ کر سنائے۔ ان میں سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے:

”او گٹھڑی اٹھا کر جانے والے (یعنی مسافر) تو عبدمناف والوں کے ہاں

کیوں نہ جا اترا۔ اگر وہاں چلا جاتا تو ناداری اور تنگدستی کو دور کر دیتے۔ وہ تو امیر و غریب سے یکساں سلوک کرتے ہیں اور فقیر کو مستغنی کر دیتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ ان اشعار کو سن کر متبسم اور مسرور ہوئے تھے۔

احمد ذہنی دحلان لکھتے ہیں:

"قصی کے بعد ان کے بیٹے عبد مناف، پھر ان کے بیٹے ہاشم، پھر ان کے بیٹے عبدالمطلب پھر ان کے بیٹے ابوطالب حاجت مندوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرتے رہے۔"

اس سے یہ بات صاف طور پر سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد سردار اور سخی تھے، اور جو لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ان کی تنگدستی اور ناداری کو دور کر دیتے تھے۔

ہاشم کا اصل نام عمرو تھا، دوسرا نام عبدالعلی تھا۔ ان کا لقب ہاشم یوں پڑا کہ انہوں نے ایک بار سنا۔

"مکہ میں آٹا کمیاب ہو رہا ہے۔"

اس وقت حضرت ہاشم مال تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے۔ شام سے لوٹتے وقت سب اونٹوں پر روٹیاں اور آٹا لاد لائے اور مکہ پہنچ کر دعوت عام کر دی۔ گوشت اور شوربے میں روٹیاں توڑ کر ڈالی گئیں۔ ہشم ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کہتے ہیں اس لیے ہاشم نام ہوا۔ اس وقت کے بعد ہر سال موسم حج میں وہ زائرین کعبہ کو دعوت عام دیا کرتے تھے اور یہی کھانا جسے لغت عرب میں "ثرید" بھی کہتے ہیں کھلایا کرتے تھے۔

حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہمان نواز، حقوق کی ادائیگی کرنے والے اور خوف زدہ کے بجائے امان تھے۔ حضرت ہاشم کی امارت، ان کی فیاضی، ان کے دستر خوان کی وسعت کا ذکر کتب میں تفصیل سے مذکور ہے۔

حضرت ہاشم قبیلہ قریش کے معزز سردار تھے۔ ان کے گھر میں مال و منال وافر تھا۔ ان کی سیادت کی شان کچھ ایسی تھی کہ حبشہ کے فرمانروا اور روم کے قیاصرہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔ ان کی خاطر مدارت کو سرمایہ فخر جانتے۔

سیرت دحلانیہ میں ہے:

"ہاشم اور آپ کے بھائیوں عبدشمس، مطلب اور نوفل کے بارے میں لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ سونا ہیں اور لوگوں کی پناہ گاہ اور ان کا اعزو افتخار ہیں اور عرب کے سردار ہیں۔"

حضرت ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب کا ذکر آتا ہے۔ عبدالمطلب حضور ﷺ کے دادا تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کے سر پرست حضرت عبدالمطلب ہی تھے۔

حضرت عبدالمطلب جودوسخا میں اپنے والد حضرت ہاشم سے بھی بڑھے ہوئے تھے، آپ نہایت کریم وسخی تھے۔ وہ قریش کے سرداروں میں ایک صاحب وجاہت سردار تھے۔ وہ حج کے دنوں میں اپنی اونٹنیوں کا دودھ اور شہد ملا کر زمزم کے قریب پانی میں ملاتے اور حاجیوں کو پلاتے، حاجی اس مشروب میں پانی ملا کر اس کا گاڑھا پن دور کرتے تھے، ان کی مہمان نوازی کا اثر چرند، پرند اور طیور تک پہنچتا تھا۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحوش وطیور کے لیے کھانا بکھیر دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کو پرندوں کا میزبان اور فیاض کہا جاتا تھا۔

بعض سیرت نگار جس طرح رسول اللہ ﷺ کو عسرت زدہ، تنگ دست، مفلوک الحال قرار دیتے ہیں، اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں:

"حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو اس لیے دودھ پلانے کے لیے نہیں لے جانا چاہتی تھیں کہ یہاں سے مجھے کیا ملے گا۔"

یہ درست ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال فرما چکے تھے، لیکن حضرت عبدالمطلب تو حیات تھے، اور وہ کتنے مفلوک الحال تھے، اس کا اندازہ یوں لگائیے کہ جب انہوں نے حضور ﷺ کی دادی حضرت فاطمہ بنت عمرو سے نکاح کیا تو بڑی کوہان والی ایک سو ناقہ اور دس اوقیہ سونا جو (ایک سو تولے بنتا ہے) مہر میں دیا۔

اگر یہ واقعہ ذرا پہلے کا ہے تو ذرا قریب ہو جائیے۔ سیرت کی تمام کتب میں موجود ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر ان کی اولاد کثیر ہوئی تو وہ اپنا ایک بیٹا خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ ایسا موقع آیا تو قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پڑا۔ حضرت

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو والد کی خوشنودی کے لیے قربانی پر آمادہ تھے، لیکن ان کی بہنیں اور ماموں سدِ راہ ہوئے۔ راستہ یہ نکلا کہ دس دس اونٹوں کے فدیہ پر قرعہ نکالا جائے، آخر سو اونٹوں پر قرعہ نکلا اور حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عوض سو اونٹ خدا کے نام پر قربان کر دیئے۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے آبا بھی امیر کبیر تھے، حضرت عبدالمطلب بھی رہے، لیکن جب حضور ﷺ کی ولادت مبارک کا وقت آیا، یہ غریب اور مفلوک الحال ہو چکے تھے، تو یہ بات بھی درست نہیں، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عوض سو اونٹ قربان کر دینے کا واقعہ بھی ذرا دور کا نہیں تو اس وقت کا تصور کیجیے جب حضور ﷺ کی ولادت سے قریباً پچاس دن پہلے ابرہۃ الاشرام نے کعبہ شریف کو مسمار کرنے کے عزم سے حملہ کیا۔ ابرہہ نے اسود بن مقصود حبشی کو مقدمتہ الجیش کے طور پر روانہ کیا، وہ ان چوپایوں کو ہنکا کر لے گیا جو میدان تہامہ میں چر رہے تھے۔

ان اونٹوں میں حضرت عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے۔

محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے:

"یہ ایک سو اونٹ تھے۔"

بعض کتب میں ہے:

"یہ دو سو اونٹ تھے۔"

لیکن کئی کتب میں یہ تعداد چار سو ہے۔

اب یہ تعداد چار سو تھی، دو سو تھی یا پھر ایک سو، حضرت عبدالمطلب ابرہہ سے یہ اونٹ واپس لے آئے۔ تو انہوں نے ان کو قربانی کے لیے وقف کر دیا۔

یہ واقعہ حضور ﷺ کی اس دنیائے آب وگل میں تشریف آوری سے ڈیڑھ ماہ پہلے کا ہے، اور یہاں حضرت عبدالمطلب اتنے امیر دکھائی دیتے تھے۔ کہ سو، دو سو یا چار سو اونٹ قربانی کے لیے وقف کرتے ہوئے بالکل متردد نہیں ہوتے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ سو اونٹ کہنے کو آسان ہے، ورنہ حقیقت میں سو اونٹوں کا مالک بہت دولت مند ہوتا تھا۔ یہ بات بھی ذہن کے حافظہ میں محفوظ رکھیے کہ ہجرت مدینہ کے موقع پر سب کفار قریش نے مل کر اس آدمی کو سو اونٹ

دینے کا اعلان کیا تھا جو حضور ﷺ کو کسی صورت میں پکڑ لے۔

یہاں اگر کوئی فرد ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہتا ہے:

"ان پچاس دنوں میں اتنا بڑا تغیر رونما ہوگیا ہوگا کہ حضرت عبدالمطلب کے پاس کچھ نہ بچا ہو۔"

یا کوئی یہ کہے:

"حضرت عبدالمطلب حضور ﷺ کے دادا تو تھے، لیکن انہوں نے بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے پیارے پوتے کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا، اور حضور ﷺ پر کچھ خرچ نہ کرتے تھے۔"

ایسے شخص کا کوئی علاج نہیں، البتہ اس کا معقول جواب ہے، حضور ﷺ عالم آب وگل میں تشریف لائے تو حضرت عبدالمطلب نے انتہائی تزک و احتشام سے جشن منایا، تمام اہل مکہ کی دعوت کی۔ پھر بڑی دھوم کے ساتھ عقیقہ کیا، پھر جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو واپس مکہ چھوڑنے کے لیے آئیں اور حضور ﷺ کو ایک جگہ چھوڑ کر قضائے حاجت کے لیے گئیں، اور واپسی پر آپ ﷺ کو نہ پاکر پریشان ہوئیں بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ پایا، پھر حضرت عبدالمطلب تک پہنچیں۔ پھر حضور ﷺ مل گئے تو آپ ﷺ کے "مفلوک الحال" دادا نے بعض مصنفین کے بقول بہت سا سونا اور بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے:

"بہت ساز رو جواہر صدقہ کیا۔"

علامہ قسطلانی نے ان اونٹوں کی تعداد بھی لکھی ہے، جن کے بارے میں دوسروں نے بہت سے اونٹ یا کثیر التعداد یا بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔

علامہ قسطلانی رقمطراز ہیں:

"حضرت عبدالمطلب نے اس موقع پر بڑے کوہان کے ایک ہزار ناقے اور

ایک سو رطل سونا تصدق کیا۔"

مولوی نور الحسن نیر نور اللغات میں لکھتے ہیں:

"۲۸ تولے ساڑھے چار ماشے کے وزن کو "رطل" کہتے ہیں۔"

سیرت دحلانیہ میں تحریر ہے:

"اس موقع پر دادا محترم نے حضور ﷺ کے ملنے کی خوشی میں بکریاں اور گائے ذبح کر کے اہل مکہ کی ضیافت کی۔"

سب کتب میں یہ بھی موجود ہے:

"اس صدقہ کے علاوہ حضرت عبد المطلب نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت سا انعام و اکرام عطا کیا۔"

ان حقائق سے حضرت عبد المطلب کی حضور ﷺ سے محبت کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے، اور ان کی امارت اور فیاضی کا بھی۔

اب اس تناظر میں قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ حقائق کیا تھے، کیا حضور ﷺ کا خاندان تنگدستی و عسرت میں زندگی بسر کر رہا تھا، یا پھر خوشحالی کے دامن میں۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترکہ

عام طور پر حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔

"انہوں نے ترکہ میں پانچ اونٹ، بکریوں کا ریوڑ اور برکہ یعنی حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بطور کنیز چھوڑا تھا۔"

فتح نیازی پوری اسد الغابہ اور صحیح مسلم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ام ایمن) حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیزوں میں تھیں۔"

بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے:

"شقران پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے، اور

انہیں حضور ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔"

اس سلسلہ میں ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

"شقران کے بارے میں مجھ سے زید بن اخزم نے کہا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن داؤد سے سنا تھا کہ شقران حضور ﷺ کو اپنے والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میراث سے ملے تھے۔"

بات اصل میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ غریب آدمی تھے، اور نہ کسی غریب اور معمولی شخص کے بیٹے تھے۔ اس لیے کہ انہوں نے بہت کچھ چھوڑا، اپنی میراث میں ایک مکان چھوڑا، حضور ﷺ کی ولادت مبارک اسی مکان میں ہوئی، یہ مکان مکہ مکرمہ میں سرائے محمد یوسف کے نام سے مشہور رہا اور اس کی زیارت کی جاتی ہے، اس محلہ کا نام زقاق المولد ہے اور یہ شعب بنی ہاشم میں تھا۔ جب حضور ﷺ بنی سعد سے واپس آئے تو اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ اپنے مکان میں رہنے لگے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میراث میں چاندی اور تلوار کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مکان اور دیگر اشیاء کے علاوہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خیاطی کی ایک دکان بھی تھی جہاں کپڑا فروخت کیا جاتا اور سلتا تھا، سامان تجارت میں بہت کچھ نقد وجنس یعنی چمڑا اور کھجور بھی آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوڑا، جو قریش کے دستور کے مطابق تجارت میں لگایا جاتا اور اسی مناسبت سے منافع تقسیم کیا جاتا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مرثیہ لکھا، اس مرثیہ کے ایک شعر سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کا پتہ چلتا ہے۔

"موت نے انہیں بغیر کچھ بتائے اپنی آغوش میں لے لیا اور ان کے جانے کا افسوس کیوں نہ ہو جبکہ وہ کثرت کے ساتھ عطا کرنے والے اور بہت رحم کرنے والے تھے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غریب نہ تھے' بلکہ وہ ضرورت مندوں کو عطا کرنے والے تھے۔

ان حالات میں وہ کہانیاں جو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور ﷺ کی عسرت

اور تنگدستی کی تبلیغ کرتی ہیں، درست معلوم نہیں ہوتیں۔ اب یہ اہل تحقیق کا کام ہے کہ وہ اس بات کا سراغ لگائیں کہ اس خاندان کی غربت کی داستانیں کیوں گھڑی گئیں۔ اس کے پس پشت کیا محرک کارفرما ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان تجارت

مکہ کی سرزمین کی وسعت دو سو کلو میٹر مربع تھی، اور یہاں ایک بھی درخت نہیں تھا، یہاں کے رہنے والوں کے ذریعہ معاش صرف دو تھے۔ ایک تجارت اور دوسرے پرورش بہائم بالخصوص پرورش شتراں۔ رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد کا پیشہ تجارت تھا۔ حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوطالب تاجر تھے۔

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے بعد ملک شام کو تجارت کی غرض سے گئے، اور وہاں سے واپسی پر مدینہ میں قیام فرمایا تاکہ اپنے والد کے حکم کے مطابق کھجوروں کا سودا بھی کریں۔ مگر مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار پڑ گئے، ان کے ساتھی چند روز تک ان کی صحت یابی کا انتظار کرتے رہے، اور پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت عبدالمطلب کو ان کی بیماری کی اطلاع دی۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث یا زبیر کو ان کی خبر گیری کے لیے بھیجا۔ مگر ان کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے، اور انہیں وہیں دفن کر دیا گیا تھا۔

عموماً کتب سیر میں اسی بات کا ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامان تجارت لے کر مکہ سے شام کی طرف گئے، اور وہاں سے سامان تجارت کی خرید و فروخت کرنے کے بعد واپسی پر مدینہ ٹھہرے اور اپنی بیماری کی وجہ سے وہیں فوت ہو گئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ تجارت کے لیے خالی ہاتھ گئے تھے، اور وہاں سے واپسی پر خالی ہاتھ آ رہے تھے۔ یہ کتب سیر میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ وہ مال تجارت کہاں گیا، جو وہ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔

ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری کی خبر سن کر جانے والے حضرت حارث یا حضرت زبیر مدینہ سے وہ مال تجارت بھی لے آئے ہوں، جو حضرت عبداللہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ چھوڑ گئے تھے، اور لاکر وہ مال انہوں نے اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے حوالے کر دیا ہو، کیونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ان کی ہر چیز اور گھر بار کے سرپرست حضرت عبدالمطلب ہی ہو سکتے ہیں۔

جب کسی شخص کے انتقال کا وقت قریب ہو تو وہ اپنے بچوں اور عزیزوں کو اہم ترین باتیں سمجھاتا ہے۔

اسی طرح حضرت عبدالمطلب نے بھی اپنی زندگی کی سب سے اہم متاع عزیز اپنے پوتے ﷺ کی پرورش، خدمت اور نگرانی کے لیے ابوطالب کو منتخب کیا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس موقع پر حضرت عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے حضرت زبیر بھی موجود ہیں، جو بڑے تاجر ہیں انہیں یہ سعادت کیوں نہ سونپی گئی۔ حضور ﷺ کا زبیر اور ابوطالب میں سے ابوطالب کو منتخب کرنا اس لیے عجیب لگتا ہے کہ سیرت نگاروں کے مطابق ابوطالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے، بلکہ بعض سیرت نگاروں کی کرم فرمائیاں تو اس حد تک بڑھ گئیں کہ انہوں نے ابوطالب کو معذور بھی کہہ ڈالا، جو کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

جس عزیز جاں پوتے (ﷺ) کی ولادت باسعادت پر حضرت عبدالمطلب نے تمام عرب کو کھانا کھلایا، اور جن کے بچپن میں ایک بار نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد دوبارہ ملنے پر بڑی کوہان والے ایک ہزار ناقے اور سونا صدقہ کرنے والے، حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو ایسے چچا کے حوالے کیوں کیا جو قلیل المال ہیں اور جن کی گزر اوقات بمشکل ہوتی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ سب قیاس آرائیاں ہی ہیں۔ ابوطالب تنگدستی، عسرت اور افلاس کا شکار ہرگز ہرگز نہ تھے۔ یہ محض سیرت نگاروں کی بے احتیاطیاں ہیں۔

عبدالمطلب جیسے دور اندیش شخص نے کچھ سوچ کر ہی حضور ﷺ کو پرورش کے لیے ابوطالب کے سپرد کیا ہوگا، اور پھر عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان تجارت جو اب حضور ﷺ کی میراث میں سے تھا۔ ابوطالب کو سونپ دیا ہوگا، اور ابوطالب حضور ﷺ کے جوان ہونے تک ان کے مال کے نگران بنائے گئے ہوں گے۔ ابوطالب اپنے بھتیجے کو یتیم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کاروبار میں اپنا شریک کار بنا کر لے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سامان تجارت میں بہت کچھ نقد و جنس یعنی چمڑا

اور کھجور بھی چھوڑی، جو قریش کے دستور کے مطابق تجارت بھی لگایا جاتا، اور اسی مناسبت سے منافع تقسیم کیا جاتا۔

سیرت نگاروں کی سمجھ میں حضور ﷺ کی شرکت کی حکمت سمجھ میں نہ آئی، اور وہ اس کے متعلق لکھنے لگے:

"جب ابو طالب شام کے سفر کے لیے جانے لگے تو حضور ﷺ نے ان کے اونٹ کی مہار پکڑ کر اپنے مہربان چچا سے فرمایا۔"

"آپ مجھے کس پر چھوڑے جا رہے ہیں، میری نہ ماں ہے اور نہ باپ جو میری دیکھ بھال کرے۔"

اس پر ابو طالب کا دل پگھل گیا، اور ابو طالب نے ترس کھا کر انہیں ساتھ لے لیا اور شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔

سیرت نگاروں کی لکھی ہوئی ایسی باتیں پڑھ کر دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے:

شاید ابو طالب کی بیوی حضور ﷺ کا خیال نہ فرماتی ہوں گی۔

مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو طالب کی بیوی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہتے ہیں:

"یہ میری ماں ہیں، مجھے بہت پیار کرتی تھیں، خود بھوکی رہتی مگر مجھے کھلاتی تھیں۔ یہ میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔"

اس پیاری چچی بلکہ پیاری ماں کے سائے میں رہنے سے انکار کر کے اپنے چچا کے ساتھ دور دراز کے سفر پر حضور ﷺ کا جانا ضد کی وجہ سے نہیں تھا۔ یقیناً اس سفر میں بھی ابو طالب حضور ﷺ کو دانستہ ساتھ لے کر گئے تھے کہ کل حضور ﷺ کو خود اپنا کام سنبھالنا ہے۔ اس لیے انہیں کاروبار کی شد بد ہو جائے۔ اس طرح یہاں بھی ابو طالب حضور ﷺ کو بحیثیت شریک کار کی حیثیت سے لے کر گئے تھے۔

اب ذرا مزید آگے سفر کریں اور دیکھیں ابو طالب نے اپنے یتیم بھتیجے سے کہا:

"میں نے سنا ہے کہ (حضرت) خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اجرت پر ملازم رکھ رہی ہیں۔ آپ ﷺ ان سے مل کر ملازمت حاصل کریں۔ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا نے ہر ملازم کا معاوضہ دو دو اونٹ مقرر کیا ہے، اگر یہ کام کرسکو تو میں بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کروں، لیکن ہم اتنے معاوضہ پر معاملہ نہ کریں گے۔"

اور پھر ابو طالب نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بات کی اور کہا:

"دوسروں کی طرح ہم دو اونٹوں پر مزدوری نہیں کرسکتے۔ اگر تم میرے برادر زادہ کے لیے چار اونٹ منظور کرلو تو وہ بھی چلے جائیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوگنا صلہ دینے پر رضا مند ہوگئیں۔ اس ساری بات میں دو باتیں صحیح نہیں۔ ایک یہ کہ ابو طالب نے حضور ﷺ سے ملازمت کے لیے نہیں بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حصہ داری کے لیے کہا ہوگا، اور دوسری بات یہ کہ یہ بات حضور ﷺ کے بارے میں کیسے تصور کرلی گئی کہ وہ دوسروں کے مقابلے پر دوگنا صلہ لینے پر رضامند ہوں گے۔ کیونکہ عدل و انصاف کے داعی سے کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسروں کا حق ماریں گے۔ ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔

ایسی ہی بات حضور ﷺ کی معاشی زندگی کے بارے میں کہی جاتی ہے۔

"انہوں ﷺ نے مالدار خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرلی، اور اس طرح تمام مالی پریشانیوں سے نجات حاصل کرلی۔"

یہ بات سراسر غلط ہے، کیونکہ حضور ﷺ خود تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ بہت اچھے شریک تھے، آپ ﷺ نہ مخالفت کرتے تھے اور نہ ہی جھگڑا پسند فرماتے تھے۔ یقیناً یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترکہ میں سے ملنے والے مال تجارت ہی کی ایک کڑی ہے۔

محمد احسان الحق، مولانا شبلی نعمانی کی عربی تالیف "بدر السلام" کے ترجمہ "سیرت طیبہ" از میمونہ سلطان شاہ بانو کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت مکہ کے ایک مشہور تاجر تھے۔ تجارتی امور میں آپ ﷺ کی مہارت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی امانت و دیانت کا ہر کوئی معترف تھا۔ عام تاریخی کتب سے یہ جو تاثر ابھرتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گویا اپنا

ملازم یا تجارتی کارندہ مقرر کیا تھا۔ وہ بالکل غلط ہے، حضور ﷺ ایک خود مختار اور خوشحال تاجر تھے۔ آپ ﷺ نے کسی تاجر کی ملازمت کبھی اختیار نہیں فرمائی تھی۔"

ڈاکٹر تحسین فراقی نے کتاب کے تعارف میں لکھا:

"ایک عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کو اپنا ملازم یا تجارتی کارندہ مقرر کیا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح سے بہت پہلے حضور ﷺ ایک خود مختار اور خوشحال تاجر کے طور پر معروف ہو چکے تھے، اور اس ذیل میں قیس بن السائب کی روایت استناد کا درجہ رکھتی ہے۔

ولادت و بچپن کے معجزات

رسول اللہ ﷺ پیر کے روز ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، جس سال اصحاب الفیل نے مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی تھی۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''میں سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا، میں نے سنا ایک یہودی یثرب (مدینہ) کے ایک بلند ٹیلے پر چڑھا ہوا غل مچا رہا ہے:

''یا معشر یہود! یا معشر یہود!''

یہاں تک کہ جب یہودی اس کے قریب جمع ہو گئے، اور انہوں نے کہا:

''خرابی ہو تجھ کو، کیا ہوا کیوں چیختا ہے؟''

اس یہودی نے کہا:

''آج رات وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ جس کے طلوع کے ساتھ احمد ﷺ کی ولادت واقع ہونے والی تھی۔''

جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو یہ خوشخبری بھجوائی:

''آپ کے ہاں پوتا ہوا ہے، آ کر ان کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کر لیں۔''

عبدالمطلب یہ خبر سن کر فوراً چلے آئے۔

حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو میرے بدن سے ایک نور طلوع ہوا، جس سے شام کے محل اور اکناف عالم منور ہو گئے، آپ ﷺ کسی گندگی کے بغیر پاک صاف پیدا ہوئے۔"

عثمان بن ابی العاص کی والدہ فرماتی ہیں:

"ولادت کے وقت جدھر نظر جاتی تھی، نور ہی نور تھا۔"

جس رات حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو کسریٰ شاہ ایران کا محل جنبش کھا گیا، اس کے چودہ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس جو ایک ہزار سال سے روشن تھا، بجھ گیا، ایسا سرد پڑ گیا کہ ہر چند اسے جلانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر نہ جلتی تھی، کسریٰ کے ایوان کے چودہ کنگرے گرے، اس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد ملک فارس خادمان اسلام کے قبضہ میں آ جائے گا، بحیرہ ساوہ جس کے کنارے شرک و بت پرستی ہوا کرتی تھی یکا یک خشک ہو گیا، بحیرہ ساوہ جاری ہو گیا۔

قریش کے چند معتبر افراد ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل، عبیداللہ بن جحش اور عثمان بن حویرث ایک بت کے پاس جمع ہوا کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے اس بت کو منہ کے بل گرا ہوا پایا۔ انہوں نے اس بات کو مکروہ جانتے ہوئے اس بت کو سیدھا کھڑا کر دیا اور وہ پھر منہ کے بل گر گیا، بعد میں عثمان بن حویرث نے بتایا:

"یہ حضور ﷺ کی ولادت کی رات تھی۔"

حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جب آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کا وقت آیا تو اس وقت میں گھر میں تنہا تھی، حضور ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب اس وقت طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ اچانک میں نے ایک زور دار آواز سنی جس سے میں ڈر گئی، پھر میں نے دیکھا کہ انتہائی سفید رنگ کا پرندہ میرے قریب آیا اس نے اپنا پر میرے سینے پر ملا، اس سے میرا ڈر ختم ہو گیا، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک پیالہ شربت سے بھرا میرے قریب پڑا ہے، میں نے اسے پی لیا اس سے مجھے سکون مل گیا۔ پھر

میں نے دیکھا کہ میرے پاس دراز قد خوبصورت عورتیں آئیں، ان عورتوں کا قد عبد مناف کے قبیلے کی عورتوں جیسا لمبا تھا، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ان کو میری حالت کا علم کیسے ہوا ہے، ان عورتوں میں سے ایک نے کہا:

''میں آسیہ، فرعون کی بیوی ہوں۔''

دوسری عورت نے کہا:

''میں مریم بنت عمران ہوں، اور یہ عورتیں جنت کی حوریں ہیں۔''

اب مجھے تکلیف کا احساس ہونے لگا، اس کے ساتھ ہی ایک اور گرجدار آواز سنائی دی، اور میں نے دیکھا کہ آسمان وزمین کے درمیان ایک سفید ریشمی چادر پھیلا دی گئی ہے، پھر میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک جماعت کی شکل میں زمین وآسمان کے درمیان کھڑے ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے سفید آفتابے ہیں، مجھے کستوری سے زیادہ اچھی خوشبو آنے لگی، پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کا ایک غول میرے سامنے آگیا ہے، ان پرندوں کے پر یاقوت اور چونچیں سبز زمرد سے بنی ہوئی تھیں، ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری نگاہوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا اور مجھے مشرق ومغرب کے افق نظر آنے لگے۔ مجھے تین علم نظر آئے جو لہرا رہے تھے۔ اس حالت میں جبکہ میں یہ مشاہدہ کر رہی تھی مجھے درد ہوا، اب ان عورتوں نے میری مدد کی، اور حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے، اور اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے رو کر التجا فرما رہے ہوں۔''

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''عین اسی وقت میں نے سفید رنگ کا ایک بادل کا ٹکڑا دیکھا، جس نے حضور ﷺ کو لپیٹ کر اٹھالیا اور آپ ﷺ کو میری نظروں سے چھپا دیا۔ اسی دوران میں نے ایک آواز سنی، کوئی منادی کر رہا ہے۔ وہ ندا یہ تھی:

''انہیں مشرق ومغرب میں لے جاؤ، بحرو بر پر لے جاؤ اور سیر کراؤ تاکہ ہر کوئی

آپ ﷺ کو پہچان لے، اور اچھی طرح جان لے کہ آپ ﷺ کی تبلیغ دین سے دنیا سے شرک کے آثار ختم ہو جائیں گے۔"

پلک جھپکتے ہی بادل کا یہ ٹکڑا اوجھل ہوگیا، اور حضور ﷺ ریشم کے سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے میرے سامنے تھے۔

ابھی حضور ﷺ لیٹے ہوئے تھے کہ میں نے ایک بہت بڑا نورانی بادل دیکھا، جو پہلے والے بادل سے بڑا تھا۔ مجھے اس بادل سے گھوڑوں کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں، اور بادل کے ٹکڑے نے حضور ﷺ کو دوبارہ میری نظروں کے سامنے سے اوجھل کر دیا، یہ وقفہ پہلے سے زیادہ طویل تھا، اسی وقت میں نے ایک منادی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا:

"حضور ﷺ کو زمین کے تمام گوشوں کی سیر کراؤ، تمام پیغمبروں کے سامنے لے جاؤ، تمام جن وانس کی روحوں کو زیارت سے مشرف ہونے دو، فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اس بچے کو حضرت آدم علیہ السلام کے اخلاق وصفات، حضرت شیث علیہ السلام کی معرفت، حضرت نوح علیہ السلام کی رقت وشجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت دانیال علیہ السلام کی محبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت یونس علیہ السلام کی طاعت، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عصمت وزہد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کرم دو، تمام انبیاء کرم کے اخلاق کو یکجا کر کے فطرت مصطفیٰ ﷺ میں رکھ دو۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزید فرماتی ہیں:

"اس کے بعد بادل کا یہ ٹکڑا اوجھل ہوگیا اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ سبز ریشمی کپڑے میں اچھی طرح لپٹے ہوئے ہیں، اوراس ریشم سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ مجھے ایک منادی کی آواز آئی:

"مبارک ہو، حضور ﷺ کس شان سے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ دنیا کی تمام مخلوق آج سے آپ ﷺ کے تابع ہے۔ سب ہی کو آپ ﷺ کے قبضہ قدرت میں دیا گیا ہے، تمام مخلوق آپ ﷺ سے فرمان خداوندی حاصل کرے گی۔"

اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کی طرف نگاہ کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ ﷺ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں، اور آپ ﷺ کے بدن اطہر سے مشک وعنبر کی خوشبوئیں آرہی ہیں، اور اسی دوران مجھے تین شخص کھڑے نظر آئے، جن کے چہرے آفتاب سے زیادہ روشن تھے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے اسی آفتابہ سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا ایک طشت تھا، اس کے چار پہلو تھے۔ ہر پہلو پر مروارید رکھا ہوا تھا، تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ایک ایسی انگشتری نکالی جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اس انگشتری کو آفتابے کے سفید پانی سے سات مرتبہ دھویا، پھر اس انگشت سے حضور ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت رکھی گئی اس پر حریر کا کپڑا باندھا گیا، اور تھوڑی دیر تک اپنی آغوش میں لینے کے بعد میرے بچے کو میری گود میں رکھ دیا۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو آپ ﷺ سجدہ میں پڑ گئے، اور دونوں انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ نے سجدہ میں جانے کے بعد انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فصیح زبان میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔"

جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ ﷺ نے کلام فرمایا، اور کہا:

"میرے پروردگار کا جلال بہت بلند ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے۔اسی کے لیے کبریائی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے بہت تعریفیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے صبح و شام پاکیزگی ہے۔"

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"میں اللہ کا بندہ ہوں، اور اس وقت سے خاتم النبیین ہوں کہ ابھی آدم گندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں، جو اس نے اور انبیاء کی ماؤں نے دیکھا تھا۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"میرے رب کی عنایتوں سے جو اس نے مجھ پر کی ہیں۔ایک یہ بھی ہے کہ میں مادرزاد مختون پیدا ہوا، کسی شخص نے میرا ستر نہیں دیکھا۔"

حضور ﷺ کی ولادت کے وقت دایہ نے آپ ﷺ کو نہلانے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فصیح زبان سے فرمایا:

"میں آبِ رحمت سے غسل دیا گیا ہوں، ازل میں بھی پاک تھا اور اب بھی پاک پیدا ہوا ہوں۔"

سال ولادت نبوی ﷺ کی خصوصیت

جس سال رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی، اس سال کو قریش کے لیے فراخی، کشادگی اور خوشحالی کا سال کہا جاتا ہے، اس سے پہلے قریش تنگی اور قحط کا شکار تھے۔

حضور ﷺ کی برکت سے اس سال زمین سرسبز و شاداب ہوگئی، درخت بارآور ہوگئے،

اور قریش کے پاس ہر طرف سے زور کی بارش آنے لگی۔

اس سال لڑکے پیدا ہوئے

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”قحط سالی کی وجہ سے تین عورتیں پریشان تھیں۔ ایک دن ہم وادی مکہ میں سبزی اور دودھ لینے گئیں تو ہمیں ایک طرف سے آواز آئی:

”اس سال تمام عرب اور عجم کی عورتوں پر لڑکی کی پیدائش حرام کر دی گئی ہے۔ ہر عورت لڑکا ہی جنے گی، کیونکہ قریش میں ایک ایسا لڑکا آنے والا ہے، جو فخر عرب اور رشک عجم ہوگا، وہ ماں کتنی خوش بخت ہوگی، جو اس لڑکے کو دودھ پلائے گی۔

بنی سعد کی عورتو! تم خوش قسمت ہو، دوڑو اور جلدی کرو، مکہ کے لڑکوں کو اپنا لو۔“

عورتوں نے یہ آواز سنی تو پہاڑوں سے نیچے اتر آئیں، اور اپنے شوہروں کو اطلاع دی کہ وہ بشارت سن کر آئی ہیں تمام عورتوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مکہ میں جائیں گی۔

اس سال تمام عورتوں کے ہاں لڑکے پیدا ہوئے۔

سواری کا سجدہ کرنا

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”جب میں حضور ﷺ کو گود میں اٹھا کر اپنی سواری پر چڑھی تو وہ بہت چست ہوگئی اور اپنی گردن تان کر چلنے لگی، جب ہم کعبہ کے سامنے پہنچے تو سواری نے تین سجدے کیے، اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، اور پھر دوسرے جانوروں سے آگے آگے دوڑنے لگی۔“

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

”میری سواری بہت سست تھی، مگر جب حضور ﷺ اس پر سوار ہوئے تو وہ سب قافلہ کے آگے آگے چلنے لگی۔ قافلہ کی عورتیں حیرت زدہ ہوگئیں اور بولیں:

”اے حلیمہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیا تم اس پر سوار ہو کر آئی تھیں، اس وقت یہ اتنی سست تھی کہ سب سے پیچھے تھی اور آج سب سے آگے ہے، تم نے کون سا

عظیم کام سرانجام دیا ہے۔"

برکات کا نزول

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو لے کر بنی سعد کی طرف سفر کر رہی تھیں، بنی سعد کو جاتے ہوئے راستے میں انہوں نے کچھ بکریوں کو چرتے ہوئے دیکھا۔ ان بکریوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فصیح زبان میں کہا:

"اے حلیمہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس بچے کو جانتی ہے۔ یہ مالک زمین و آسمان کا پیغمبر ﷺ اور اولاد آدم کا سرور اور جن و انس سے بہتر ہے۔"

اس کے بعد ایک بوڑھا آدمی نظر آیا اور حضور ﷺ کو دیکھتے ہی کہنے لگا:

"یہ لڑکا ختم المرسلین ﷺ ہے۔"

وادی حبشہ میں کئی عالم ٹھہرے ہوئے تھے، انہوں نے بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر کہا:

"بے شک یہ لڑکا پیغمبر آخر الزماں ﷺ ہے۔"

وادی ہوازن میں بھی ایک بوڑھا آدمی نظر آیا کہنے لگا:

"یہ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں۔ انہیں کے پیدا ہونے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی"۔

جس جگہ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قافلہ قیام کرتا، وہ جگہ سرسبز و شاداب ہو جاتی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

"جب میں حضور ﷺ کو لے کر اپنے علاقے کی طرف چلی تو جہاں سے گزرتی وہ سرسبز و شاداب ہو جاتا، اور ہر درخت حضور ﷺ کو سلام کرتا، اور اس کا سایہ آپ ﷺ کی طرف جھک جاتا"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

"ہم جب حضور ﷺ کو لے کر اپنی آبادی میں پہنچے تو تمام آبادی خوشبو سے مہک گئی۔ جیسے مشک کی خوشبو ہے"۔

نشوونما میں ترقی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

"حضور ﷺ کی نشوونما اتنی تیزی سے ہوئی تھی کہ دوسرے لڑکے اتنا نہیں بڑھتے تھے"۔

حضور ﷺ جب دو ماہ کے ہوئے تو گھٹنوں کے بل چلنے لگے۔ جب تین ماہ کے ہوئے تو دونوں پاؤں سے زمین پر کھڑے ہونے لگے، چار ماہ کے ہوئے تو دیوار پکڑ کر کھڑے ہونے لگے، پانچویں ماہ میں آپ ﷺ کی رفتار میں طاقت آ گئی۔ ساتویں ماہ آپ ﷺ اچھی طرح ہر طرف اپنے پاؤں سے چلنے پھرنے لگے"۔

سیرت حلبیہ میں لکھا ہے:

"جب حضور ﷺ کی عمر مبارک آٹھ ماہ ہوئی تو آپ ﷺ نے گفتگو فرمائی جس کو سنا جاسکتا تھا۔ جب نو ماہ کے ہوئے تو فصیح گفتگو فرمائی، اور جب دس ماہ کو پہنچے تو بچوں کے ساتھ تیر اندازی فرمائی"۔

حضور ﷺ بچوں سے تیز دوڑتے تھے، اور عام بچوں کی طرح تتلا کر بات نہیں کرتے تھے، آپ ﷺ دو سال کے ہوئے تو نوجوان معلوم ہونے لگے، اور عام بچوں کے برعکس اچھے خاصے مضبوط اور توانا ہو گئے۔

چہرۂ انور کی چمک

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"حضور ﷺ کا چہرہ اقدس اس قدر روشن ہوتا کہ مجھے چراغ جلانے کی حاجت نہ رہتی"۔

حضور ﷺ کے نا معلوم خدمتگار

حضور ﷺ جب صبح اٹھتے بغیر سرمہ کے آنکھیں سرمگیں ہوتیں، اور بالوں میں تیل نہ لگانے کے باوجود بالوں میں تیل لگا ہوتا۔

چاند سے کھیلنا

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

"آپ ﷺ کے دین میں شامل ہونے کی وجہ آپ ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل تھی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ انگلی سے جس طرف اشارہ فرماتے، چاند

ادھر کو چلا جاتا تھا"۔

فرشتے جھولا جھلاتے تھے

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"حضور ﷺ کا جھولا کبھی ہمارے ہلانے کا محتاج نہ ہوا"۔

آپ ﷺ جب جھولے میں ہوتے تھے تو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا گھر کے کسی دوسرے فرد کو کبھی جھولا جھلانے کی ضرورت نہ پڑتی، بلکہ آپ ﷺ کا جھولا خود بخود جھولتا رہتا تھا، فرشتے حضور ﷺ کے پنگھوڑے کو ہلاتے تھے۔

بنی سعد میں خیر و برکت کا نزول

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے:

"تم بھی اپنی بکریوں کو اس چراگاہ میں چراؤ جہاں بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں"۔

پھر انہوں نے بھی اپنی بکریاں ہماری بکریوں کے ساتھ چرانی شروع کردی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال اور بکریوں میں بھی خیر و برکت پیدا کردی، اور حضور ﷺ کی وجہ سے سارے قبیلے میں خیر و برکت پھیل گئی۔

بیمار ہاتھ پکڑتا تو تندرست ہو جاتا

حضور ﷺ سے محبت و عقیدت ہر شخص کے دل میں راسخ ہوگئی۔ سب لوگ آپ ﷺ سے پیار کرتے تھے۔ جب کسی کو تکلیف ہوتی تو وہ آپ ﷺ کا دست مبارک اس جگہ پر رکھواتا تو شفایاب ہوجاتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے جانوروں کا علاج بھی حضور ﷺ کے دست مبارک سے کرتے تھے۔

بکریوں کا سجدہ کرنا

ایک دن ایک بکری آئی اور حضور ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئی۔ آپ ﷺ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور چلی گئی۔ ایک دن حضور ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں

بیٹھے ہوئے تھے کہ چند بکریاں ادھر سے گزریں۔ ایک بکری نے حضور ﷺ کو سجدہ کیا، اور سر مبارک کو بوسہ دیا۔

ستارہ شناس کی موت

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو لے کر ذی المجاز سے گزریں۔ وہاں ایک ستارہ شناس کی نظر حضور ﷺ پر پڑی۔

اس ستارہ شناس نے حضور ﷺ کی مہرِ نبوت اور چشمانِ مقدس کے سرخ ڈوروں کو دیکھا تو اس نے چلاتے ہوئے کہا:

"اے اہل عرب اس بچے کو قتل کر دو۔ یہ تمہارے دین والوں کو قتل کرے گا۔ تمہارے معبودوں کو توڑے گا اور اپنا امر تم پر ظاہر کرے گا۔ یہ آسمانی امر کا منتظر ہے"۔

پھر وہ حضور ﷺ سے لڑائی پر آمادہ ہوا تو اسی وقت اس کی عقل جاتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

اشیائے خورد و نوش میں برکت

حضور ﷺ کے چچا ابو طالب جب کھانا کھانے کے لیے بیٹھتے تو حضور ﷺ کو پاس بٹھا لیتے، پھر کھانا تناول فرماتے اور تمام افراد سیر ہو جاتے، اور کھانا بچ بھی رہتا۔ اگر دودھ نوش فرماتے تو سب سے پہلے حضور ﷺ پیتے، اس کے بعد ابو طالب اور ان کے اہل خانہ پیتے، دودھ کی مقدار اتنی ہوتی کہ اسے پینے والوں میں سے کوئی اکیلا پی سکتا تھا، لیکن دودھ بچ رہتا تو ابو طالب کہتے:

"اے بیٹا! یہ سب تیری ہی برکت ہے"۔

ابو طالب کی شدت پیاس

ایک بار حضور ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ سفر پر گئے، اس موقع پر ابو طالب کو پیاس کی شدت محسوس ہوئی تو حضور ﷺ نے زمین پر اپنے پاؤں کو حرکت دی، وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، جب ابو طالب نے اپنی پیاس بجھائی تو حضور ﷺ نے پھر پاؤں مبارک ہلایا،

وہ جگہ پہلے جیسے ہوگئی۔

درخت اور پتھروں کا سجدہ

بحیرا راہب اس قافلے کو گزرتے دیکھ رہا تھا جس میں حضور ﷺ شریک تھے۔ بحیرا نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا ایک ہستی پر سایہ فگن ہے، وہ جس طرف بھی جاتے ہیں، بادل بھی اسی طرف ہو جاتا ہے، جب وہ رکتے ہیں تو بادل بھی ٹھہر جاتا ہے۔

سید محمد عابد رقمطراز ہیں:

''بحیرا راہب عبادت کر رہا تھا کہ یکا یک عبادت خانہ میں زلزلہ آیا۔ راہب گھبرا کر باہر نکلا اور چاروں طرف حیران ہو کر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ چاروں طرف سے درخت اور پہاڑ جھکے جاتے ہیں۔ بحیرا سوچنے لگا کہ کس کو سلام اور سجدہ کر رہے ہیں۔ اچانک اس کی نظر ایک قافلے پر پڑی۔ اس قافلے میں ایک اونٹ پر نو عمر بچہ اور ایک بوڑھا سوار تھا، اور ایک نورانی ابر اس پر سایہ کرتا تھا، اور تمام کے تمام درخت اور پہاڑ ان کے سامنے سجدہ کرتے تھے، اس واقعہ کو دیکھ کر راہب سمجھ گیا کہ آج ضرور نبی آخر الزماں ﷺ تشریف فرما ہیں''۔

اس نے اہل قافلہ کے لیے کھانا پکوایا۔

آخر راہب نے ابو طالب کے سامنے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''اللہ انہیں رحمت اللعالمین ﷺ بنا کر مبعوث کرے گا''۔

ابو طالب نے فرمایا:

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

بحیرا راہب کہنے لگا:

''جب تم گھاٹی سے نیچے اتر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ راستے کے سب درخت اور پتھر ان کو سجدہ کر رہے تھے''۔

ظہورِ قدسی

ننھے حضور ﷺ کی دنیا میں آمد

آج ۱۲ ربیع الاول روز دوشنبہ بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔

آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے، جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جان نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضاو قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ خورشید کی فروغ انگیزیاں۔ ابر وبار کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیمؑ، جمال یوسفؑ معجز طرازی موسیٰؑ، جان نوازی مسیحؑ، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں اور شہنشاہ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جان نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے۔

آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہو گیا، لیکن یہ سچ ہے کہ ایوان کسری نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتش فارس نہیں بلکہ چشم شر، آتش کدہ کفر، آذر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازہ مجوست بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

آج سورج کی سنہری کرنیں لپک لپک کر خانہ کعبہ کے مقدس غلاف کو چھو رہی تھیں۔

صبح صادق کا وقت تھا، لوگ اپنے اپنے گھروں میں اپنے نرم نرم بستروں پر آرام کر رہے تھے، ہر طرف سناٹا طاری تھا، اس پر اسرار سکوت اور سناٹے میں حرم مقدس کی پاک سرزمین کے اندر ۳۶۵ بُت ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔

ایسے میں قریش کے سردار عبدالمطلب خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے گڑگڑا کر التجا کر رہے تھے۔

"کعبہ کے خدا! تو نے میرے چہیتے بیٹے عبداللہ کو تو مجھ سے چھین لیا ہے، اب مجھ بوڑھے پر اتنی مہربانی فرما کہ میری زندگی کو خوشیوں سے بھر دے"۔

"اے کعبہ کے دیوتاؤ! اے کعبہ کے خداؤ! اگر تم پتھر کے نہیں ہو تو مجھے میرے پیارے بیٹے عبداللہ کی نشانی عطا فرما دو۔ میں نے اپنی پوری جوانی تمہاری خدمت میں گزار دی ہے، اب میں بڑھاپے کی آخری دہلیز پر کھڑا ہوں، مجھے میری اس محنت کا ثمر دے دو، مجھے میری خدمت کا کچھ تو انعام دو"۔

"اے کعبہ کے خداؤ! اے کعبہ کے دیوتاؤ! مجھے میرے عبداللہ کی نشانی دے دو"۔

فضاء میں عبدالمطلب کی دل سوز التجا کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ عبدالمطلب گڑگڑا کر کعبہ کے ۳۶۵ بتوں سے التجا کر رہے تھے، ان کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے، اتنے میں ایک پرمسرت آواز عبدالمطلب کی سماعت سے ٹکرائی:

"سردار جلدی گھر چلیے، کعبہ کے خداؤں نے آپ کو پیارا سا پوتا دیا ہے"۔

"سچ، برکہ تم سچ کہہ رہی ہو، مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا"۔

عبدالمطلب خوشی سے چلائے:

"میرا پوتا، میرے عبداللہ کا بیٹا"۔

عبدالمطلب کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ آئی تھی، ان کا رواں رواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ حرم کعبہ میں بکھرے ہوئے پتھر کے خداؤں پر کپکپی طاری ہو گئی، کعبہ کی مقدس عمارت نور میں نہا کر رہ گئی، عبدالمطلب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑے، ان کی کنیز برکہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے، وہ ہستی جس کے لیے اللہ

تعالیٰ نے اس دنیا کو تخلیق فرمایا تھا۔

عبدالمطلب تیز تیز قدموں سے گھر میں داخل ہوئے، اور ننھے حضور ﷺ کو دیکھ کر فرط مسرت سے جھوم جھوم اٹھے، انہوں نے پوتے کو گود میں لیا اور خوب پیار کیا، اپنی محبت بوسوں کی شکل میں ان کے رخساروں پر لٹانے لگے۔

عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا نام محمد ﷺ رکھا۔ جبکہ والدہ نے احمد ﷺ نام رکھا۔

اللہ کے آخری رسول اللہ ﷺ حادثہ فیل کے سال مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ جو اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

آپ ﷺ پیر کے دن ۹ ربیع الاول اور بعض کے نزدیک ۱۲ ربیع الاول کو اس دنیا میں تشریف لائے، تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

”میں سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا، میں نے سنا ایک یہودی مدینہ کے ایک بلند ٹیلے پر کھڑا ہوا غل مچا رہا تھا“۔

”یا معشر یہود! یا معشر یہود!“

یہاں تک کہ جب یہودی اس کے پاس جمع ہو گئے، اور انہوں نے کہا:

”خرابی ہو تجھ کو، کیا ہوا کیوں چیختا ہے؟“

اس یہودی نے کہا:

”آج رات وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے، جس کے طلوع کے ساتھ احمد ﷺ کی ولادت واقع ہونے والی تھی“۔

❁❁❁

دورِ رضاعت

دُرِ یتیم

ننھے حضور ﷺ کو دودھ پلانے کی سب سے زیادہ سعادت اسی ہستی کے نصیب میں تھی جس کے نام کا جز و بھی سعدیہ ہے، شرفائے عرب کا دستور تھا کہ اپنے نومولود بچوں کو بدوی قبائل میں پرورش کے لیے دیہات بھیج دیا کرتے تھے تاکہ کھلی ہوا میں بچوں کی بھرپور نشوونما ہو، عربوں کی فطری خصوصیات اور فصاحت زبان پیدا ہو۔ اس غرض سے بنی سعد کی دودھ پلانے والی عورتیں کھاتے پیتے گھرانوں میں شیر خوار بچوں کی تلاش میں سال میں دو بار مکہ آتی تھیں۔ اس خدمت کے عوض لڑکے کا باپ ان کو نہال کر دیتا تھا۔ اس بار وہی عورتیں آئی تھیں، اور سوائے حلیمہ سعدیہ کے سب کو بچے مل گئے تھے، حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ بھی آئے تھے۔

بچے کی تلاش میں سب ہی عورتیں عبدالمطلب کے گھر پہنچیں، لیکن بچے کے یتیم ہونے کے سبب لوٹ گئیں۔ انہیں تو باپ ہی سے حسن سلوک کی امید ہوتی تھی۔ ساتھ والیاں دوسرے گھروں سے بچوں کو لے کر واپس ہو گئیں۔ حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر سے کہا:

"شہر میں ایسا کوئی نومولود نہیں جس کا باپ زندہ ہو، اور بچہ لیے بغیر لوٹنا برا معلوم ہوتا ہے"۔

حارث بن عبدالعزیٰ نے جواب دیا:

"اس بچے کو لے لو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں ہمارے لیے خیر و برکت دے"۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حوصلہ پا کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں، درِ یتیم کو دیکھا تو فریفتہ ہو گئیں۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے:

"آپ ﷺ ایسے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ نیچے سبز حریر بچھا ہوا تھا، جسم سے مشک کی مہک پھیل رہی تھی، آپ ﷺ سو رہے تھے، آپ ﷺ کی معصومیت اور ملکوتی حسن نے مسحور کر دیا۔ آہستہ سے قریب گئیں۔ اپنا ہاتھ سینہ مبارک پر رکھا، آپ ﷺ نے ایک دلنواز تبسم کے ساتھ دونوں آنکھیں کھول دیں، مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے آنکھوں سے نور کے دو دھارے نکل کر فضا کو منور کر رہے ہوں، میں نے آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا"۔

رات آئی تو ان کے شوہر اپنی مریل اور بوڑھی اونٹنی کو چارہ دینے کے لیے اٹھے، اونٹنی پر ہاتھ پھیرا تو اس کے تھنوں کو دودھ سے چھلکتا ہوا پایا، خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"ایک رات دیر گئے میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک نور نے آپ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، اور ایک سبز پوش شخص آپ ﷺ کے سرہانے کھڑا ہے، میں نے آہستہ سے اپنے شوہر کو جگایا، اس نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا جب وہ کیفیت جاتی رہی تو کہا:

"اے حلیمہ! اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ وہ ذات گرامی ہے جس کی پیدائش پر یہودی پریشان ہیں۔ ان کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں"۔

قحط اور خشک سالی نے وادی بنو ہوازن کو بنجر بنا دیا تھا، بنی سعد کے گھرانے کی زمینیں سب سے ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں، جانوروں کے تھن سوکھ گئے تھے، وہ لاغر اور بے دم ہو گئے تھے، لیکن اللہ کے آخری رسول ﷺ کے قدم کی برکت سے بنت ابوذویب کی زمینیں شاداب ہو گئیں، بکریاں شام کو لوٹتیں تو ان کے پیٹ اور تھن بھرے ہوتے۔

بغض یہود

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

"بنی سعد کے کنبہ میں رہتے چند روز گزرے تھے کہ اس آبادی سے چند یہودیوں کا گزر ہوا، میں نے اس مقدس بچے کی شان انہیں بتائی، یہ سن کر ایک یہودی نے کہا:

"اس بچے کو قتل کر ڈالو"۔

اتنے میں دوسرے یہودی نے کہا:

"کیا اس بچے کا باپ زندہ ہے؟"

ڈر کر میں نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اس بچے کا باپ یہ ہے، اور میں اس کی ماں ہوں"۔

یہودیوں نے کہا:

"اگر یہ یتیم ہوتا تو ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا تھا، کیونکہ ہماری کتابوں میں نبوت کی نشانیوں میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانا بھی شامل ہے"۔

ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"میں نے پھر کبھی آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑا، ہر وقت آپ ﷺ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھا۔ ایک دن شیما آپ ﷺ کو لے کر باہر نکل گئی، دن گرم اور دھوپ تیز تھی۔ تلاش کرتے کرتے میں شیما کے پاس پہنچی اور اسے برا بھلا کہنے لگی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر موسم کی شدت کا کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ آپ ﷺ پر ابر کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ جدھر جاتے ابر کا ٹکڑا سایہ پوش ہو جاتا"۔

دو سال تک حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گدڑی کے لعل کو اپنے دودھ میں محبت، فصاحت اور بلاغت گھول گھول کر پلائی، جب مدت پوری ہوئی تو آپ ﷺ کا دودھ چھڑایا گیا، آپ ﷺ کی نشوونما اور بچوں کی نسبت بہت اچھی تھی۔ آپ ﷺ بہت توانا، تندرست اور اپنے ہم

عمروں سے زیادہ اونچے پورے تھے۔ جسمانی اعتبار سے چار برس کے دکھائی دیتے تھے۔ حسب معاہدہ اب بچے کو ماں کے حوالے کرنے کا وقت آ گیا۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مغموم تھیں کہ یہ منبع خیر و برکت جلد جدا ہو جائے گا، ان کا دل انہیں چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امانت انہیں سونپنے مکہ آئیں اتفاق کی بات کہ مکہ میں کسی وبا کا زور تھا، جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ننھے حضور ﷺ کو چند سال اور رکھنے کا خیال ظاہر کیا تو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وبا کی وجہ سے واپسی پر اصرار نہیں کیا، یوں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد بر آئی، اور وہ خوشی خوشی ننھے حضور ﷺ کو لے کر اپنے گھر آئیں، جو خانوادۂ حارث کے لیے رحمت ہی رحمت تھے۔

ولادت پاک

حضور ﷺ کو نوزائیدہ بچے کی حالت میں دیکھنے والی خواتین حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور مکہ کی دیگر خواتین فرماتی ہیں:

"حضور ﷺ بہت ہی خوبصورت تھے"۔

حضور ﷺ بے حد تندرست تھے کہ جو آپ ﷺ کو دیکھنے آتے، وہ سمجھتے کہ آپ ﷺ کئی ماہ کے ہیں۔

عبدالمطلب کے دعائیہ اشعار

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبدالمطلب کو پوتے کی ولادت کی خبر پہنچائی تو وہ بہت خوش ہوئے، اور پوتے کو دیکھنے کے لیے آئے، پھر وہ حضور ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے اور وہاں دعائیں کرتے رہے اور اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

حضور ﷺ کے دادا نے درج ذیل چند دعائیہ اشعار کہے:

(۱) سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ پاکیزہ لباس اور منزہ ذات والا مقدس پوتا عطا فرمایا ہے۔

(۲) جو پنگھوڑے میں ہوتے ہوئے سب بچوں پر فوقیت لے گئے ہیں، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے مبارک ارکان اور اطراف و اکناف والے گھر کی پناہ میں دیتا ہوں۔

(۳) حتیٰ کہ میں ان کو اس حال میں دیکھوں کہ وہ مکمل اور مضبوط وتوانا جوان ہوں۔ میں ان کو کینہ اور دشمن کے شر سے (اللہ تعالیٰ کی) پناہ میں دیتا ہوں۔ اور اس حاسد کے شر سے جس کی آنکھیں مرض حسد کی وجہ سے بے چین و بے قرار ہیں۔

حضرت عبدالمطلب نے پوتے کی مدح وثنا میں چند اشعار کہے، اور حضور ﷺ کو خانہ کعبہ سے لا کر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں دے دیا۔

ایک یہودی کی پیشین گوئی

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، اور انوار محمدیہ میں لکھا ہے:

''ایک یہودی مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھا۔ وہ یہودی تجارت کیا کرتا تھا، اور مکہ میں آیا ہوا تھا، اس یہودی نے حضور ﷺ کی شب ولادت قریش کی ایک مجلس میں پوچھا:

''تم میں سے کسی کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی ہے؟''

قریش نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

یہودی کہنے لگا:

''میں تم کو بتاتا ہوں کہ اس رات آخری امت کے نبی ﷺ پیدا ہو چکے ہیں، اور ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے شانوں کے درمیان ایک مہر نبوت ہے۔ اس کے علاوہ کتب قدیمہ میں یہ نشانی بھی ہے کہ وہ دو راتیں دودھ نہیں پئیں گے''۔

قریش یہ سن کر حیران ہوئے اور اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ گھر والوں سے معلوم ہونے پر کہ عبدالمطلب کے ہاں پوتے کی پیدائش ہوئی ہے، قریش اس یہودی کے پاس پہنچے اور اسے بتایا۔

یہودی نے بچے کو دیکھنے کی خواہش کی۔ جب حضور ﷺ کی مہر نبوت کو دیکھا تو بے ہوش ہو گیا۔

ہوش میں آیا تو قریش نے پوچھا:

”تمہیں کیا ہوگیا تھا؟“

اس پر یہودی کہنے لگا:

”واللہ! بنی اسرائیل سے نبوت چلی گئی۔ اے گروہ قریش! اچھی طرح سن لو، خدا کی قسم! یہ نبی ﷺ تم پر ایسی شوکت وسطوت قائم کریں گے جس کی خبر مشرق سے مغرب تک پہنچے گی“۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

”جس وقت حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، اس وقت میری عمر سات یا آٹھ برس کی ہوگی، میں نے اس رات ایک یہودی کو دیکھا جو اونچی جگہ پر کھڑا چلا رہا تھا:

”اس رات وہ ستارہ طلوع ہوگیا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی پیدائش مبارک ہوچکی ہے“۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”وہ یہودی ہجرت مدینہ کے وقت بھی موجود تھا، مگر حسد وعناد کی وجہ سے کفرو ضلالت سے مرا مگر اسلام کی دولت نہ سمیٹ سکا“۔

ابن سعد کہتے ہیں:

”جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے جگر گوشہ کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کیا تو اس موقع پر اشعار کہے۔“

حضور ﷺ کی پہلی بات

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”حضور ﷺ کی ولادت کے وقت حضرت حوا علیہ السلام، حضرت ہاجرہ حضرت زلیخا اور حضرت آسیہ موجود تھیں۔ ان چاروں نے حضور ﷺ کو ایک زریں طشت پر آبِ کوثر سے نہلایا۔ اور سر مبارک پر سبز کپڑا باندھ کر عطر بہشت مل دیا،

اور میری گود میں لٹا دیا، تو اس وقت حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور کہا:

رَبِّ هَبْ لِيْ أُمَّتِيْ

"اے اللہ! میرے واسطے میری امت کو بخش دے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میں نے تیری بلند ہمتی کی وجہ سے تیری امت کو بخش دیا"۔

پھر فرشتوں سے کہا:

"گواہ رہنا کہ میرا حبیب ﷺ اپنی ولادت کے وقت بھی اپنی امت کو نہیں بھولا، تو قیامت کے دن کس طرح بھولے گا"۔

حضور ﷺ کا عقیقہ

سردار عبدالمطلب کا مکان مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، محمد ابن عبداللہ ﷺ کو تشریف لائے آج ساتواں دن تھا، آج سردار عبدالمطلب نے اپنے پیارے پوتے محمد ابن عبداللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ایک عظیم جشن کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اس جشن میں اونٹوں کی قربانی دی گئی، اور تمام قریش کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس دعوت میں قریش کے تمام اکابر شریک تھے۔

حارث کی کنیزوں اور سردار عبدالمطلب کے غلاموں نے مہمانوں کے سامنے ثرید کے پیالے بڑے سلیقے سے چن رکھے تھے۔ بکری کے شوربے میں بھگوئی ہوئی شام کی گندم کی روٹیاں ہاشمی گھرانے کا خاص پکوان تھا، اور عرب میں ہر جگہ اس کی تقلید ہوتی تھی۔

اس ثرید کو چکھنے کے لیے مکہ کی سرحدوں پر رہنے والے قریشی بھی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یتیم فرزند کو دیکھنے کے لیے آ گئے تھے۔

نام محمد ﷺ

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت مغموم تھیں، انہیں عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج شدت سے یاد آ رہے تھے۔ ان کے بیٹے کی آج رسم عقیقہ تھی، اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ تھے۔ ننھے حضور ﷺ گہری نیند سو رہے تھے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچے کا نام رکھنے کے لیے بے چین تھیں، وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سماعت سے ایک آواز ٹکرائی:

"اے وہ مبارک ماں! جس نے اس ذات قدسی ﷺ کو جنم دیا۔

جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

"اے احمد ﷺ کی مبارک ماں"۔

"احمد..........احمد.........."

بے اختیار حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لبوں پر یہ نام مچل اٹھا۔

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لبوں پر مسکراہٹ کھل اٹھی۔ اتنے میں برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کمرے میں داخل ہوئیں، اور بولیں:

"سردار مکہ نے ننھے سردار ﷺ کو بلوا بھیجا ہے، قوم اپنے نئے سردار کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہے"۔

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو لے کر سردار عبدالمطلب کے پاس آئیں، ننھے حضور ﷺ کی آمد نے مہمانوں میں تحرک پیدا کر دی۔ سب لوگ ننھے حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ سب نے ننھے حضور ﷺ کی بہت تعریف کی۔ اللہ رب العزت نے نبی آخر الزماں ﷺ کو فراخ دلی سے حسن عطا کر رکھا تھا۔

ننھے حضور ﷺ اپنے شفیق دادا سردار عبدالمطلب کے چوڑے سینے سے لگے ہوئے تھے۔ وہ پیار سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اپنا سارا پیار اپنی آنکھوں کے راستے ان پر لٹا رہے تھے۔

سردار عبدالمطلب نے اپنے پیارے پوتے کا نام محمد ﷺ تجویز کیا، وہ پیار سے ننھے حضور ﷺ کو دیکھتے ہوئے بولے:

"آج کے بعد ہم انہیں محمد ﷺ کے نام سے پکاریں گے"۔

محمد اور احمد ایک لفظ کے دو پہلو تھے۔ آسمانوں پر آپ ﷺ کا نام احمد ﷺ تھا تو زمین پر محمد ﷺ۔

عرب میں اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں تھا۔ اس لیے ہر شخص حیران ہوا؟

"محمد ﷺ"۔

حرب ابن امیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔ میرے پوتے کا نام محمد ﷺ ہے۔ مگر تم اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو؟"

سردار عبدالمطلب نے تفاخر سے کہا:

"نام تو اچھا ہے، میں صرف حیران ہو رہا تھا۔ قریش میں یہ نام کبھی سننے میں نہیں آیا"۔

حرب بن امیہ نے آہستہ سے کہا:

"قریش کیا۔ پورے عرب میں یہ نام کہیں نہیں ہے"۔

سردار عبدالمطلب نے کہا:

قریش نے کہا:

"اے سردار! آپ نے اس نام محمد ﷺ میں کیا خوبی دیکھی کہ اپنے آباؤ اجداد کے ناموں کو فراموش کر دیا۔"

اس پر سردار عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا منہ چوم کر کہا:

"میں چاہتا ہوں آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اور زمین میں اس کی مخلوقات اس کی تعریف کریں، اور میرے پوتے کے گن گائیں"۔

وقت ولادت عرب کی حالت زار

اللہ کے آخری رسول ﷺ کی ولادت مبارک کے وقت عرب کی سیاسی حالت یہ تھی کہ اس وقت جنوبی حصے پر حبشہ کا، اور مشرقی حصے پر سلطنت فارس کا قبضہ تھا، اور شمالی ٹکڑا سلطنت روم کے زیر اثر تھا۔ عرب کا ملک اندرونی لحاظ سے اگرچہ آزاد تھا، لیکن ہر سلطنت اس پر قبضہ کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ خوش قسمتی سے دو بڑی طاقتوں فارس اور روم کے تعلقات آپس میں اچھے نہ تھے۔ ان کے تعلقات استوار نہ ہونے کی وجہ سے عرب کے لوگ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔

جب حضور ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو ان وقت ساری دنیا جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اخلاقی طور پر حبشہ فارس (ایران) اور روم کا بہت برا حال تھا، لیکن عربوں کی

اخلاقی حالت ان سے بھی زیادہ خراب تھی۔ ہر طرف شراب، جوا، سود، رہزنی اور بے حیائی وفحاشی کا دور دورہ تھا۔

کعبہ مقدسہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا۔ اب وہاں ۳۶۰ بت رکھ دیئے گئے تھے۔ جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی مورتیاں بھی شامل تھیں۔

اہل عرب اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے ان بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مختلف علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں عورتیں اور مرد یہاں جمع ہوتے اور برہنہ ہو کر ان بتوں کا طواف کرتے اور انہیں سجدے کرتے، اور بتوں کے ساتھ ساتھ وہ پتھر، درخت، سورج، پہاڑ اور دریا کو بھی اپنا معبود سمجھتے تھے۔

خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت مختلف قبائل آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، اور ان میں ہمیشہ تلوار چلتی رہتی تھی۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی کی کوئی قدر وقیمت نہ تھی۔ وہ نیند یا غفلت کی حالت میں دشمن پر جا پڑتے۔ بچوں کو تیروں کا نشانہ بناتے۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا۔ دشمن کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کاٹ کر زمین میں ڈال دیتے تاکہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ عورتیں دشمن مردوں کے اعضا کاٹ کر ہار بناتیں۔ ان کا خون پیتیں اور کلیجہ نکال کر چبا جاتیں۔ جنگی قیدی حتیٰ کہ چھوٹے بچے قتل کر دیئے جاتے، یا انہیں زندہ آگ میں جلا دیا جاتا۔ اور ان باہمی جنگوں کا یہ حال تھا کہ ان کا سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہتا، اور آنے والی نسلیں اپنے باپ دادا کے خون کا انتقام لیتی رہتیں۔

ایک آدمی جتنی عورتوں سے چاہے شادی کر لیتا۔ انسان منڈیوں میں فروخت ہوتے، جس کا جی چاہتا انہیں خرید کر غلام بنا لیتا، اور پھر ان کو اپنے غلاموں کی زندگی اور موت پر پورا اختیار حاصل ہو جاتا۔

یہ وہ حالات تھے جن میں اللہ کے آخری رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، تاکہ انسانوں کو ان تمام برائیوں سے نکال کر نیکی اور ہدایت کا راستہ دکھائیں۔

اہل قریش پر برکات کا نزول

حضور ﷺ کی پیدائش کے سال قریش کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ ہر طرف قحط سالی کا

دور دورہ تھا۔

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد خوب زور کی بارش ہوئی، اور آپ ﷺ کی برکت سے قحط کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

حضور ﷺ کا گہوارہ اور لوری

ابن شیخ نے خصائص میں ذکر کیا ہے:

''حضور ﷺ کا جھولا فرشتوں کی جنبش سے ہلا کرتا تھا''۔

حضور ﷺ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب حضور ﷺ کو گود میں اٹھا کر لوریاں دیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا کھلونا

حضور ﷺ اپنے بچپن میں پنگھوڑے میں لیٹے ہوتے تو چاند کی طرف راغب ہوا کرتے تھے اور اکثر اس سے باتیں کیا کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تو چاند حضور ﷺ کی مقدس واطہر انگشت مبارک کے اشارے سے حرکت کرتا تھا۔

بیہقی، صابونی، خطیب اور ابن عساکر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس بات نے ایمان لانے پر مجبور کیا کہ آپ ﷺ بچپن میں چاند سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ جدھر اشارہ فرماتے تھے، چاند اسی طرف ہو جاتا تھا''۔

ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سعادت

حضور ﷺ کی ولادت کے وقت ابولہب کی لونڈی حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابولہب کو بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے اس خوشی میں انہیں آزاد کر دیا۔

ابولہب نے حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا، کہ وہ حضور ﷺ کو دودھ پلائیں، اس طرح حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور ﷺ کی رضاعی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضور ﷺ نے حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضاعت کی وجہ سے ہمیشہ ان کا خیال رکھا۔ نہ صرف مکہ مکرمہ بلکہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی انہیں کپڑے، اشیاء اور تحائف دیا کرتے تھے، اور ان کی وفات کی خبر سن کر غمگین ہو گئے۔

حلیمہؓ کی قسمت جاگ اٹھی

عام الفیل جو کہ نبی مکرم ﷺ کی ولادت کا سال بھی ہے، اس میں قحط وخشک سالی کی سی کیفیت تھی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے قبیلے کی دس عورتوں کے ساتھ بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئیں۔

عرب کے شہری باشندوں کا یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لیے اور ان کی زبان میں فصاحت وبلاغت پیدا کرنے کے لیے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے، تاکہ ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ، شیر خوار بچہ عبداللہ اور ایک سبزی مائل رنگ والی کمزور سی دراز گوش خچر اور ایک بوڑھی اونٹنی جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا، اور نہ ہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چھاتیوں میں کافی دودھ تھا۔ اس لیے بچہ بے چین رہتا تھا۔ اس کے رونے کے سبب میاں بیوی رات کو آرام نہ کر سکتے تھے۔

دراز گوش بھوک کے مارے مشکل سے قدم اٹھاتی تھی، جس کی وجہ سے سارا قافلہ مصیبت میں تھا۔ نہ قافلے والے چھوڑ کر آگے جا سکتے تھے، اور نہ یہ لاغر گدھی چلنے کا نام لیتی تھی۔ بڑی مشکل سے مکہ پہنچے۔ سب نے بچے تلاش کرنے کے لیے گھر گھر چکر لگانے شروع کیے۔ بنی سعد کی عورتیں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نونہال کے پاس بھی گئیں۔ جب پتہ چلتا کہ یہ یتیم ہے، اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمات پر انعام واکرام سے مالا مال کر دے گا۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کرے گا۔

حالانکہ سردار عبدالمطلب کوئی معمولی حیثیت کے انسان نہ تھے، مگر اس کے باوجود کسی عورت نے اس در یتیم ﷺ کو گود نہ لیا۔

چند دنوں میں ہر عورت کو بچہ مل گیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غربت وتنگ دستی اور خستہ حالی آڑے آئی اور انہیں کسی نے بچہ نہ دیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر سے کہا:

"میں اس یتیم بچے ﷺ کو لے آتی ہوں میں خالی گود واپس نہ جاؤں گی"۔

دوسرے دن حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سردار عبدالمطلب کے پاس آئیں اور بولیں:

"میرا نام حلیمہ سعدیہ ہے۔ میں بنو سعد سے ہوں۔ ہمارا قبیلہ حجاز کی سرحدوں کو عبور کر کے کبھی باہر نہیں گیا۔ ہماری زبانوں پر گونگوں کا اثر نہیں ہوا، اور نہ ہی ہماری ہواؤں پر شہر کی گندگی اور غلاظت کا اثر ہے، بچوں کے ساتھ ہماری بہت شفقت قریش بھر میں مشہور ہے، اور ہم بنو سعد والیاں جانتی ہیں کہ روتے بچوں کو کس طرح ہنسایا جاتا ہے، اور کمزور جسم والوں کو کن ترکیبوں سے توازن اور مضبوط کیا جاتا ہے"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سب کچھ خالص کاروباری انداز میں کہا تھا، اور حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان باتوں سے بے خبر نہ تھیں، ان کی سماعت ان الفاظ کو سننے کے لیے مدت سے بے قرار ہو رہی تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرش پر بچھی ہوئی ایک چٹائی پر مؤدب بیٹھ گئیں۔ برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منتظر کھڑی تھیں۔

"محمد ﷺ کے گھر آج پہلا مہمان آیا ہے برکہ اس کی کیا خاطر ہوگی۔ جاؤ اور گھر میں جو کچھ ہے مہمان کے لیے لے آؤ"۔

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دروازے کی طرف پلٹی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے پیشے کی حسین ترین مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی اور کہا:

"سرداروں کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے۔ محمد ﷺ عرب کے شریف ترین گھرانے میں تشریف لائے ہیں۔ شریف ابن شریف ابن شریف ابن شریف۔

سردار قصی سے لے کر سردار عبدالمطلب تک اس گھرانے کا ہر فرد عرب کا روشن ترین ستارہ ہے"۔

"یہ ٹھیک ہے بچے کی شرافت ونجابت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن شاید تم نے سن لیا ہو، محمد ﷺ یتیم پیدا ہوئے ہیں"۔

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"میں سن چکی ہوں۔ شہر بھر میں اس کا شہرہ ہے کہ محمد ﷺ یتیم پیدا ہوئے ہیں، لیکن ان کے دادا قریش کے سربراہ ہیں۔ ان کے چچا مکہ کے متمول ترین رئیس ہیں، اور میں نے لونڈی کی خبر بھی سن لی ہے جو ننھے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کی گئی تھی"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک ہی سانس میں تمام بات کہہ سنائی۔

"تم نے غلط نہیں سنا، سردار عبدالمطلب کو اپنے یتیم پوتے سے بڑی محبت ہے۔ ان کے چچا حارث نے بھی میری دلجوئی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی سب ہی مہربان اور شفیق ہیں، سب نے میرا غم بانٹ لینا چاہا ہے، لیکن سعدیہ، میں چاہتی ہوں میرا بچہ اپنی زندگی کا پہلا قدم صرف اپنے باپ کے سہارے پر اٹھائے، اور اس کا باپ اس دنیا میں موجود نہیں"۔

اتنے میں برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بڑا طبق لیے دروازے پر ظاہر ہوئیں۔

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مسکرا کر برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف دیکھا، پھر وہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گویا ہوئیں:

"کچھ کھالو سعدیہ"۔

طبق میں کیا کچھ نہ تھا بھنا ہوا گوشت جو گھی میں بھونا گیا اور جس کے بہترین مسالوں کی خوشبو پورے کمرے کو محیط ہوگئی۔ شوربا، خمیری روٹیاں، کھجوریں، انگور اور آلو چے، اتنا کچھ تھا کہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھوک چمک اٹھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلا لقمہ توڑا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا، لذیذ

کھانے ان کے حلق میں اٹکنے لگے، بھوکی شیما اور ھیسہ کی صورتیں ان کی آنکھوں تلے پھرنے لگیں۔ کھانے کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ رک گئے، وہ سوچنے لگیں:

”میں کھا رہی ہوں اور میری بچیاں، ھیسہ اور شیما................“

اس لمحے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

”سعدیہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟“

”تین بچے، دو بیٹیاں اور ایک بیٹا، بڑی بیٹی کا نام شیما ہے اور چھوٹی کا نام ھیسہ اور بیٹے کا نام عبداللہ“۔

”اور تمہارے خاوند وہ بھی تو آئے ہوں گے“۔

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

”جی ہاں! حارث بن عبدالعزیٰ، وہ بھی میرے ساتھ آئے ہیں“۔

یہ سن کر حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

”برکہ یہ سب ننھے محمد ﷺ کے مہمان ہیں۔ مہمان نوازی ہاشمیوں کے شایانِ شان ہونی چاہیے“۔

یہ سنتے ہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے پر اطمینان طاری ہوگیا۔ اب ان کی بچیاں بھی بھوکی نہیں رہیں گی، اور حارث، وہ بھی خوب سیر ہو کر سوئیں گے، یہ سوچ کر حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لبوں پر مسکراہٹ طاری ہوگئی۔

پکوان کی دو بڑی بڑی سینیاں غلاموں کے سروں پر رکھی ہوئی تھیں۔ برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کپڑوں کی سینی اٹھا رکھی تھی، اور ان دونوں کے آگے آگے بڑی تمکنت وفخر سے چل رہی تھیں۔ برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آگے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، جن کی دونوں بانہوں میں محمد ﷺ لیٹے ہوئے تھے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوش قسمتی کو دیکھ کر اکثر قبیلے والیوں نے اپنی انگلیاں دانتوں تلے داب لیں۔ وہ محمد ﷺ کو اس لیے چھوڑ آئی تھیں کہ وہ یتیم تھے، اور انہیں ان کے ہاں سے زیادہ کچھ ملنے کی امید نہ تھی، مگر یہاں تو معاملہ اس کے برعکس تھا۔ انہوں نے کتنا غلط سمجھ لیا تھا، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تو تمام دلدر دور ہوگئے تھے۔

سردار عبدالمطلب نے اپنے پوتے کی آیا حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت کچھ دیا تھا۔ پھر ان کے چچا حضرت حارث نے اپنی طرف سے درہم دیئے۔

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے پاس رکھے ہوئے بہترین جوڑے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بخش دیئے، یہاں تک کہ اپنی انگلی کی انگوٹھی بھی دے ڈالی۔ دادو دہش کی اس فراوانی نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔

واللہ! سواری وہی ہے سوار بدل گیا

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرور دو جہاں ﷺ کو اپنے دراز گوش خچر پر سوار کر لیا، دراز گوش نے پہلے کعبہ کی طرف منہ کر کے تین سجدے کیے اور سر آسمان کی طرف اٹھایا، اس طرح گویا اس خدمت کا شکریہ ادا کیا جو اس سے لی جا رہی تھی۔ اب تو اس کی حالت ہی بدل گئی، یوں تیز قدم اٹھاتی تھی گویا چل نہیں رہی تھی بلکہ اڑ رہی تھی۔

قافلے والیاں کہنے لگیں:

"اے ابو ذویب کی بیٹی! ہم پر رحم کر اپنی دراز گوش کو آہستہ آہستہ چلا"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دراز گوش سرور دو عالم ﷺ کے سوار ہونے کی برکت سے ایسی چست و چالاک بن گئی کہ تمام جانوروں سے آگے چل رہی تھی، حالانکہ پہلے کمزوری و لاغری کی وجہ سے سب سے پیچھے رہ جاتی تھی۔

ساتھ کی عورتیں حیران ہو کر پوچھتی تھیں:

"اے ابو ذویب کی بیٹی! کیا یہ وہی سواری ہے؟"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جواب دیتیں:

"واللہ! سواری تو وہی ہے، سوار بدل گیا ہے"۔

بنو سعد کے قبیلہ میں سخت قحط و خشک سالی تھی، مگر رحمۃ اللعالمین ﷺ کی برکت سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مویشی سیر ہو کر لوٹتے اور خوب دودھ دیتے۔

آبادی کا خوشبو سے مہک جانا

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

"جب ہم آقائے نامدار ﷺ کو لے کر اپنی آبادی میں پہنچے تو تمام
سے مہک گئی، جیسے عنبر و مشک کی خوشبو ہے۔ آپ ﷺ سے محبت
آدمی کے دل میں موجزن ہوگئی، اور آپ سید الشاہدین ﷺ
کرتے تھے، جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو وہ آپ ﷺ کا دست مبارک
جگہ مس کرتا، اور اللہ کے حکم سے شفایاب ہوتا، یہاں تک کہ اپنے مویشیوں اور
جانوروں کا علاج بھی آپ ﷺ کے دست مبارک سے کرتے تھے"۔

دودھ میں برکت

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

"جب میں اس دولتِ سرمدی کو اٹھائے ہوئے اپنے خیمہ میں واپس آئی تو میں
نے ننھے محمد ﷺ کو دودھ پلایا۔ اکمل و اجمل ﷺ کے دودھ پینے کی برکت سے
چھاتیاں دودھ سے لبالب بھر گئیں۔ دائیں چھاتی سے طیب و اطہر ﷺ نے
دودھ پیا اور بائیں چھوڑ دی، جس سے میرے بیٹے عبداللہ نے دودھ پیا۔ اس
کے بعد بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔"

بچوں کو سلانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند حارث بن
عبدالعزیٰ بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گئے۔ یہ دیکھ کر حیرت و خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اونٹنی کی
کھیری دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ بکریوں کی کھیریاں بھی دودھ سے لبالب تھیں۔

حارث بن عبدالعزیٰ جانوروں کا دودھ دوہ رہے تھے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے یہ نظارہ ناقابل یقین تھا، وہ بکری جواب سے
چند گھنٹے پہلے ایک بوند دودھ دینے کے قابل نہ تھی، کسی معجزہ کے زیر اثر یکایک ایسی سیراب ہوگئی
کہ اس کے تھنوں سے سفید خوشبودار دودھ کی نہر سی بہنے لگی تھی۔ برتن لبالب بھر گیا تھا، اور اس پر
موٹی سفید آہستہ سرسراتی ہوئی جھاگ کناروں سے باہر چھلکی پڑتی تھی۔

دونوں میاں بیوی نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور رات بڑی راحت و آرام سے
گزاری۔ جتنے اور شیر دار جانور تھے ان سب کی کھیریاں بھی دودھ سے بھر گئی تھیں۔

برکات کا نزول

جب آپ ﷺ قبیلہ بنی سعد میں تشریف لائے تو برکات نازل ہونے لگیں قحط دور ہوگیا۔ چراگاہیں ہری بھری ہوگئیں، نخلستان بار آور ہوگئے۔ قبیلہ بنی سعد دیکھتے ہی دیکھتے خوشحال ہوگیا۔ قبیلہ والے جان گئے کہ برکات کا اصل منبع وہ مقدس بچہ ہے جو حلیمہ کی گود میں ہے۔ قبیلہ کے لوگ آپ ﷺ کی زیارت کو آنے لگے، ان میں عورتیں، مرد، بوڑھے، جوان اور بچے سب ہی شامل تھے۔ کوئی آپ فخر دو جہاں ﷺ کی پیشانی چومتا، کوئی مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیتا، کوئی آپ ﷺ کے ننھے منے پاؤں چومتا تھا، اللہ رب العزت نے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت ڈال دی تھی۔

بادیہ بنو سعد میں

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوش قسمتی سرِ شام اور شام سے صبح تک بنو سعد کے پورے ڈیرے کا موضوع بحث بنی رہی۔ ننھے محمد ﷺ کے دادا، چچا اور والدہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اتنا کچھ دے دیا تھا کہ قبیلے کی تمام عورتیں حیران رہ گئی تھیں، لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات بکریوں کا بے اندازہ دودھ تھا جو ان کی کھیریوں میں فراوانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔

پہلے تو سب یہی سمجھے کہ یہ کسی جڑی بوٹی کا کرشمہ ہے جو حارث بن عبدالعزیٰ کے ہاتھ لگ گئی ہے، جسے کھا کر بکریاں اس طرح دودھ دینے لگی ہیں۔ مگر یہ بات بھی محض خام خیال ہی ثابت ہوئی۔

یہ قافلہ تین دن تک وہیں رکا رہا۔ پھر تیسرے دن یہ قافلہ بنو سعد کے صحراؤں کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

برکہ بنت ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور ﷺ سے بے حد محبت تھی، وہ ہر روز حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت لے کر آتیں، اور ننھے حضور ﷺ کو گھنٹوں گود میں لیے کھلایا کرتی تھیں۔

آج ننھے محمد ﷺ بنو سعد کی طرف کوچ فرمانے والے تھے۔

برکہ بنت ثعلبہ آج بھی تحائف لے کر آئی تھیں۔

سردار عبدالمطلب، حارث اور ابوطالب ننھے حضور ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے صحرانشینوں کے خیموں میں پہنچ چکے تھے۔

خیمے لدرہے تھے۔ شمعیں جل رہی تھیں، اور پھر قافلہ چل پڑا۔

ہدی خوانوں کی مانوس آوازیں سنائی دینے لگیں، پھر قافلہ بوقبیس کے دوسری طرف اتر گیا۔ مکہ سے بادیہ بنوسعد کو جانے والا راستہ خاصا طویل اور صبر آزما تھا۔ لٹکی ہوئی بھربھری چٹانیں قدم قدم پر آتی تھیں۔ جن سے بچ کر جانے کے لیے طویل چکر کاٹنے پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ راستے میں جتنے کنوئیں اور باغات تھے وہ سب یہودیوں کی ملکیت تھے۔ جنہیں قریش اور قریش کے حلیف قبائل سے خداواسطے کا بیر تھا، ان یہودیوں سے کسی قسم کی امداد یا پناہ کا ملنا ناممکن تھا۔ اس لیے قبیلے کو ان باغات سے ہٹ کر اپنے خیمے نصب کرنا پڑے، اور اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا، کہ کوئی بکری یا دراز گوش ان باغات میں نہ جا گھسے۔ ورنہ عام رسم کے مطابق دوسرے کے باغ میں چرنے والی بکری یا دراز گوش باغ کے مالک کی ملکیت بن جاتے۔

بنوسعد کا قافلہ تین دن کی مسافت کے بعد صبح صادق کے وقت ایک بلند ٹیلے پر کھڑا تھا، جسے بنوسعد کا ٹیلہ کہا جاتا تھا۔

ٹیلے کے نیچے دور دور تک پھیلے ہوئے ریگستان کے درمیان کھجوروں کا ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ باغ کے کنارے کنارے ہلالی شکل میں خیموں کی قطاریں تھیں۔

ہدی خوان ساری رات صحرا کو اپنی زمزمہ باری سے جگاتے آئے تھے۔ ٹیلے پر پہنچ کر ہدی خوانوں کا نغمہ بدل گیا۔

اس سفر میں کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں ہوا تھا۔ جسے بنوسعد والے اپنے خیموں میں بیٹھ کر سناتے، لیکن اس کے باوجود مکہ سے آنے والوں نے اپنے خیموں میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حارث بن عبدالعزیٰ کی خوش قسمتی کا عام چرچا ہو رہا تھا۔

حضور ﷺ کی نشوونما

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

"حضور ﷺ کی نشوونما اتنی تیزی سے ہوئی تھی کہ دوسرے لڑکے اتنے نہیں بڑھتے تھے"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزید فرماتی ہیں:

"جب ننھے حضور ﷺ کی عمر مبارک آٹھ ماہ ہوئی تو آپ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ جب نو ماہ کے ہوئے تو فصیح گفتگو فرمائی، اور جب دس ماہ کے ہوئے تو بچوں کے ساتھ تیر اندازی بھی فرمائی"۔

عاداتِ کریمہ

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"ننھے حضور ﷺ نے عام بچوں کی طرح کبھی کپڑوں میں بول و براز نہیں فرمایا، بلکہ ہمیشہ ایک مقررہ مدت پر رفع حاجت فرمایا کرتے، اگر کبھی آپ ﷺ کی شرمگاہ کھل جاتی تو آپ ﷺ رو رو کر فریاد کرتے اور جب تک شرمگاہ چھپ نہ جاتی، کسی طرح چین و قرار حاصل نہ ہوتا، اگر کبھی آپ ﷺ کی شرمگاہ چھپانے میں تاخیر ہو جاتی تو غیب سے کوئی آپ ﷺ کی شرمگاہ چھپا دیتا"۔

حضور ﷺ کی عادت کریمہ میں سے یہ عادت بھی تھی کہ کوئی چیز بائیں ہاتھ سے نہ پکڑتے اور ہر چیز کو بسم اللہ کہہ کر پکڑتے۔

حلیمہؓ اور برکاتِ محمد ﷺ

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی برکات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

"جب حضور ﷺ کو لے کر اپنے گھر کی طرف چلی تو جس مقام پر اترتے تھے، اللہ تعالیٰ اسے سرسبز و شاداب کر دیتا تھا"۔

جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو لے کر اپنے علاقہ میں پہنچیں تو حضور ﷺ کی برکت سے سوکھے پودوں اور مرجھائی ہوئی ڈالیوں میں ایکا ایکی جان سی پڑ گئی۔ خشک کھیتیاں لہلہانے لگیں، جیسے کسی نے ان پر آبِ حیات چھڑک دیا ہو۔

نہ صرف سارا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا، بلکہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ اور بکریاں بھی زیادہ ہو گئیں، اور تمام مکان میں مشک کی خوشبو پھیل گئی، اور حضور ﷺ کے

لیے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت ڈال دی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بنی سعد کے لوگوں میں سے کسی کے جسم پر کوئی بیماری پیدا ہوتی تو وہ شخص آپ ﷺ کا دست مبارک اپنی بیماری کی جگہ پر رکھتا اور اسے فوراً شفا ہو جاتی، نہ صرف انسان بلکہ کوئی اونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی تو آپ ﷺ کے دست مبارک سے اسے بھی شفا ہو جاتی۔

حلیمہ سعدیہؓ اور یہودی

حضور ﷺ کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے لیے حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کیا تو انہیں حضور ﷺ کے متعلق تمام باتیں بتائیں، کچھ دن بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے چند یہودیوں کا گزر ہوا تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو وہ تمام باتیں بتائیں جو حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتائی تھیں۔

یہ سن کر وہ یہودی ایک دوسرے سے کہنے لگے:

”اسے قتل کر دو“۔

پھر ان یہودیوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

”کیا یہ یتیم ہیں؟“

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں:

”نہیں، یہ ان کے باپ ہیں اور میں ان کی ماں ہوں“۔

یہودیوں نے کہا:

”اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اسے ضرور قتل کر دیتے“۔

شیماؓ کی لوریاں

حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو گود میں لے کر کھلایا کرتیں اور لوریاں سنایا کرتی تھیں۔

✿✿✿

میرا بیٹا سردار ہوگا

سردار عبدالمطلب کا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا

ننھے حضور ﷺ آج سات روز کے ہو چکے تھے۔ آج ان کے نام رکھنے کی رسم ادا ہونا تھی۔ سردار مکہ نے اس خوشی میں پورے مکہ کی دعوت کر ڈالی تھی۔ بلکہ سردار مکہ کے مہمانوں میں مکہ کے قرب و جوار سے بھی مہمان آئے تھے۔

ان میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، اور معمولی بدو بھی، ان میں وہ قبائل بھی شامل تھے جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ جو ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ جن کا اپنے دشمنوں کو دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا تھا۔ جن کی تلواریں ہر وقت نیام سے نکلنے کے لیے بے چین رہتی تھیں۔

آج وہ سب ایک چھت تلے جمع تھے۔ الگ الگ ٹکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی خوف آلود اور قہر سے بھری نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتے، مگر سردار عبدالمطلب کی شخصیت نے ان سب کو خاموش کر رکھا تھا۔ کسی کی جرأت نہ تھی کہ وہ سردار عبدالمطلب کے فیصلے کے خلاف جائے، یا ان کے سامنے اونچے لہجے میں بات کرے، سردار عبدالمطلب کی عزت اور ان کا احترام ان کے دلوں میں پل رہا تھا۔ وہ سب ایک چھت تلے جمع تو تھے۔ مگر کبھی کبھی غصے سے ایک۔ دوسرے کی طرف دیکھ ضرور لیتے تھے۔ مہمانوں کی ثرید سے تواضع کی جا رہی تھی۔

حارث کی کنیزوں اور سردار عبدالمطلب کے غلاموں نے مہمانوں کے سامنے ثرید کے پیالے سلیقے سے چن دیئے تھے۔ بکری کے شوربے میں بھیگی ہوئی گندم کی روٹیاں ہاشمی گھرانے کا خاص پکوان تھا۔ پورے عرب میں اس ثرید کی تعریف کی جاتی تھی۔

دعوت میں موجود لوگ شوق سے ثرید کھا رہے تھے۔ گرم گرم ثرید سے اٹھنے والی مہک پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ کھانا بڑا پرتکلف تھا۔ مگر اس کے باوجود ایک چیز کی کمی محسوس کی جارہی تھی۔ لوگ کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کررہے ہوں، اور پوچھ رہے ہوں کہ آج ایسا کیوں ہوا۔ مگر کسی کو پوچھنے کی جرأت نہیں ہورہی تھی۔ سردار عبدالمطلب کا رعب و دبدبہ انہیں پوچھنے کی اجازت نہیں دے رہا۔

بالآخر حرب بن امیہ جو ایک عرب نوجوان تھا۔ بول اٹھا:

"اس محفل میں شراب کی کمی محسوس کی جارہی ہے۔"

محفل میں موجود لوگوں نے سنا، انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اس نوجوان نے ان کے دل کی بات کتنی مہارت سے کہہ ڈالی تھی۔ وہ بات جس کے کہنے کی ان میں ہمت پیدا نہیں ہورہی تھی۔ آخر اس نوجوان نے کہہ ہی ڈالی۔

سردار عبدالمطلب مہمانداری میں مصروف تھے۔ انہوں نے ابوسفیان بن حرب کی بات نہ سنی تھی۔ اب حرب بن امیہ نے خاصی گونجدار آواز میں سردار عبدالمطلب کے غلاموں سے کہا:

"شراب کہاں ہے، جلدی سے شراب لے کر آؤ۔"

آواز کی گونج سردار عبدالمطلب کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے پلٹ کر حرب بن امیہ کی طرف دیکھا، پھر ان کے لب ہلے:

"آج یہاں شراب کوئی نہیں پیئے گا۔"

"کیوں ابن عبداللہ کی ولادت سے شراب ہم پر حرام ہوگئی ہے کیا؟"

کسی نے پوچھا:

"نہیں...... مگر آج یہاں شراب کوئی نہیں پیئے گا۔"

سردار عبدالمطلب نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔

لوگ خاموشی سے ثرید کھانے لگے، کسی میں اتنی تاب نہ تھی کہ وہ سردار عبدالمطلب کے سامنے زبان کھول سکے، البتہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو اب وہ ننھے حضور ﷺ کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ننھے سردار کو کس نام سے پکارا جائے گا۔

سردار عبدالمطلب لوگوں کی ضیافت میں مصروف تھے، بڑی شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عرب کے تمام قبائل ایک چھت تلے جمع تھے۔ ننھے حضور ﷺ نے اپنی آمد کے بعد ہی عرب کے تمام دشمن کے قبائل کو ایک چھت تلے جمع کر دیا تھا۔ وہ قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ جن کی پیاسی تلواریں اپنے دشمنوں کا خون پینے کے لیے تڑپ تڑپ اٹھتی تھیں۔

O

ثرید کی خوشبو تیرتی ہوئی اوپر کے کمرے کی فضاء میں پہنچ چکی تھی۔ آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے پلنگ پر لیٹیں ان خوشبوؤں کو محسوس کر رہی تھیں۔ ان کا دل خوش بھی تھا، اور دل میں ایک غم بھی تھا۔ انہوں نے ایک نظر اپنے سرہانے پڑے مٹی کے اس پیالے کی طرف دیکھا جس میں موجود گرم گرم ثرید سے بھاپ کی پتلی سی لکیر بل کھاتی ہوئی اوپر اٹھ رہی تھی۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز برکہ ان کے لیے ثرید کا پیالہ لے کر آئی تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ مالکن اس ثرید کو چکھ لے۔ مگر آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انکار کر دیا تھا۔ برکہ نے ہر ممکن کوشش کی، اس نے ضد کی، خوشامد کی، روٹھ کر مان کر، مگر آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ثرید کو نہ چکھا، اور برکہ کی طرف سے کروٹ بدل کر منہ دیوار کی طرف کر کے لیٹ گئیں۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مرحوم سردار عبداللہ بن عبدالمطلب کے متعلق سوچ رہی تھیں، ننھے حضور ﷺ کے والد کے متعلق سوچ رہی تھیں۔ مکہ کے تمام لوگ اس چھت تلے جمع تھے۔ ہر کوئی خوش تھا۔ لذت طعام اٹھائی جا رہی تھی۔

اگر ان میں نہیں تھا تو اس در یتیم کا باپ نہیں تھا۔ ننھا منا پھول بن باپ کے رہ گیا تھا۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پلنگ سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹی سی رنگین پیڑھی پر ایک ننھی سی جان سو رہی تھی۔ جس پر باریک کتان کی اوڑھنی ڈال دی گئی تھی۔

چھوٹی چھوٹی بھنچی ہوئی مٹھیاں، کھلے کرتے میں نکلا ہوا خوبصورت اور معصوم چہرہ ننھے منے گھٹنے مٹھیوں کی سیدھ میں پڑے تھے۔ پیٹ تیزی سے اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوچنے لگیں۔

"نا جانے ننھے حضور ﷺ کا کیا نام رکھا جائے گا، اس معصوم جان کو کس نام سے پکارا جائے گا۔"

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھیں، کہ انہیں یوں محسوس ہوا کہ کمرے کی دیواریں تحلیل ہو رہی ہیں۔ بلکہ پورا مکہ تحلیل ہوگیا۔ نظروں کے سامنے سے ہر چیز ہٹ چکی تھی۔ بوقبیس کی پتھریلی راہگذاریں نور میں بہہ گئی تھیں۔ پوری کائنات تحلیل ہو کر ایک عجیب ملکوتی فضا میں تبدیل ہوگئی ہے۔

اب انہیں ہر طرف خلاء ہی خلا نظر آ رہا تھا۔ آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آوازیں سنیں جوان دیکھے ہونٹوں سے نورانی فواروں کی طرف اچھلتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

"اے مبارک ماں جس نے اس ذات قدسی کو جنم دیا، جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

اے احمد (ﷺ) کی ماں مبارک

اے احمد (ﷺ) کی ماں۔

احمد (ﷺ)۔ احمد (ﷺ)۔ احمد (ﷺ)......"

یہ نغمہ گونج رہا تھا۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا محویت کے عالم میں یہ نغمہ سن رہی تھیں۔ یہ نام ان کے دل میں اترتا جا رہا تھا۔ ایک خوبصورت اور میٹھا نام۔ جس کی مٹھاس انہیں اپنی زبان کے ذائقے میں محسوس ہو رہی تھی۔

بوقبیس کی پتھریلی راہگذاریں چاروں طرف کھی ہوئی دیواریں جو نور کی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ دوبارہ آہستہ آہستہ اپنی اصل شکل میں واپس آ رہی تھیں۔ نور کا سیلاب نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار پھر خود کو اپنے پلنگ پر موجود پایا۔ ان کے ہونٹ خود بخود ہل رہے تھے۔ انہوں نے چونک کر محسوس کیا۔ کہ ان کے ہونٹ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ خود کو احمد ﷺ کی ماں کہہ رہی تھیں۔

''احمد (ﷺ)۔ احمد (ﷺ)، ابن عبداللہ''

یہ کتنا پیارا نام ہے، یہ نام ان کے لخت جگر کا نام ہوگا۔ وہ پوری دنیا میں تعریف کے لائق ہوگا۔ میرا بیٹا سردار ہوگا، لیکن ابھی تو کوئی نام تجویز نہیں ہوا۔ سردار عبدالمطلب سے ننھے حضور ﷺ کے چچاؤں نے پوچھا۔ سردار عبدالمطلب کا جواب یہی تھا۔ ابھی تو کوئی نام تجویز نہیں ہوا۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ کعبہ میں موجود بتوں کے ناموں میں سے کسی ایک بت کے نام پر اس ننھے حضور ﷺ کا نام رکھ دیا جائے۔ مگر سردار عبدالمطلب نے یہ تجویز سختی سے مسترد کر دی تھی۔ اور سخت الفاظ میں کہا تھا۔

''خبردار کسی قسم کا کوئی نام نہ رکھا جائے۔''

وہ کیا سوچ رہے تھے، اپنے پوتے کو کس نام سے پکارا جائے۔ اس کا کسی کو علم نہیں تھا۔

تو پھر یہ عجیب وغریب نام احمد ﷺ ان کی روح نے یہ نام کہاں سے سنا ہے؟ ان کی سماعت میں یہ نغمہ کہاں سے آیا۔

مگر آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین تھا کہ ان کے لخت جگر کا نام احمد (ﷺ) ہوگا۔

مکہ کی امانت

برکہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ ننھے حضور ﷺ کی پیڑھی کے پاس آ کر رک گئی، اور بولی:

"قوم اپنے ننھے سردار کو دیکھنا چاہتی ہے۔"

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کچھ نہیں کہا تھا، لیکن ان کے دل میں موجود کسی دوسری طاقت نے جواب دیا:

"لیکن سردار تو آرام فرما رہے ہیں۔"

اور پھر آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے الفاظ پر خود ہی چونک اٹھیں۔

"مگر قوم اپنے سردار کو دیکھنا چاہتی ہے۔"

برکہ نے پھر کہا:

برکہ لپک کر آگے بڑھی۔ کتان کا ہلکا پردہ اٹھا دیا۔ آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھلی آنکھوں سے دیکھا، اوڑھنی کے ہٹتے ہی کمرہ نور سے بھر گیا تھا۔ عجیب مسحور کن ماحول تھا۔ وہ چونک اٹھیں۔ ابن عبداللہ گہری اور میٹھی نیند سو رہے تھے۔

برکہ ننھے حضور ﷺ کو گود میں لینے کے لیے جھکی تو آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

"آخر بات کیا ہے؟"

"قریش اپنے نئے سردار کو دیکھنا چاہتے ہیں؟"

برکہ نے جواب دیا۔

"شاید نام کا اعلان ہوگا۔"

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہولے سے کہا:

"شاید یہی بات ہو، مگر مالکن نام تو ابھی کوئی تجویز بھی نہیں ہوا۔"

برکہ ننھے حضور ﷺ کو اٹھاتے ہوئے بولی۔

ننھے حضور ﷺ یکایک چونک گئے۔ چہرے کی سرخیوں میں گندھے ہوئے زرد زرد روئیں یکایک کھڑے ہوگئے۔ کالی کالی ...... چمکدار ...... تیز آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ نچلا ہونٹ بھنچا اور رونے کی آواز موتیوں کی طرح ہوا میں بکھر گئی۔

"برکہ ذرا آرام سے۔"

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تڑپ اٹھیں۔

"نہ ...... نہ ...... میرے آقا ...... میرے سردار۔"

برکہ نے ننھے حضور ﷺ کو سینے سے لپٹاتے ہوئے پیار سے کہا۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"نام تو تجویز ہوگیا برکہ۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے برکہ سے کہا۔

"کیا ...... ننھے سردار ﷺ کا نام تجویز ہوگیا اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔"

برکہ نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

"ہاں ...... نام تو تجویز ہوگیا، بڑا پیارا، معصوم اور خوبصورت سا نام۔"

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس مسکراہٹ سے جواب دیا۔

برکہ حیرت سے آمنہ بنت وہب علیہا کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں پر آگئی تھی۔ خوشی سے اس کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔

"نام تجویز ہوگیا۔"

وہ زیرلب بولیں۔

"برکہ ننھے حضور ﷺ کو لے جاؤ، ورنہ سردار ناراض ہو جائیں گے۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اسے کہا:

برکہ ننھے حضور ﷺ کو لے کر چل دی۔

ننھے حضور ﷺ کی آمد نے مہمانوں میں جوش پیدا کر دیا تھا۔ ہر کوئی ننھے حضور ﷺ کو دیکھنے کے لیے بڑے بے تابانہ انداز میں آگے بڑھا۔ سارے مہمان برکہ کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ وہ اپنے ننھے سردار ﷺ کو دیکھنا چاہتے تھے۔

دشمن شانے سے شانہ بھڑائے کھڑے تھے۔ وہ اپنی پرانی دشمنیوں کو بھول چکے تھے۔ ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملائے ننھے حضور ﷺ کو دیکھ رہے تھے۔

سب نے ننھے حضور ﷺ کی تعریف کی۔ چمکدار آنکھوں اور ناک سے اوپر ملتی ہوئی بھنوؤں کی محراب کو خوب سراہا گیا۔ بچے کے حسن کی تعریفیں کی گئیں۔ ہر کوئی محویت کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ اتنا خوبصورت، پیارا اور معصوم بچہ اہل عرب نے آج تک نہ دیکھا تھا۔

ننھے حضور ﷺ برکہ کی آغوش میں پڑے آہستہ آہستہ آنکھیں جھپک رہے تھے۔ شوروغل، نظروں کی کثرت اور انگلیوں کے لمس نے ان کے ننھے منے اور معصوم چہرے پر کوئی تبدیلی پیدا نہ کی۔ ننھے حضور ﷺ سکون سے برکہ کی آغوش میں ان سب کو دیکھ رہے تھے۔

سردار عبدالمطلب آگے بڑھے انہوں نے برکہ کی آغوش سے اپنی دولت کو سمیٹا اور اپنے چوڑے بوڑھے سینے سے لگا لیا۔ ایک عجیب فرحت اور سکون کا احساس ان کے پورے جسم میں پھیل گیا، خوشی و مسرت سے وہ جھوم جھوم اٹھے۔ پھر انہوں نے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ جہاں سے بوقبیس کی پہاڑیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ان پہاڑیوں کی راہگذر ان کی آنکھوں کے سامنے تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں نا جانے کتنی بار ان راہگذار پگڈنڈیوں پر سفر کیا تھا۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے کی حدود تک نا جانے کتنی بار وہ ان پہاڑیوں کو دیکھ چکے تھے۔ مگر آج...... آج پہاڑیوں میں کوئی خاص بات تھی۔ جو انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی، اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

سردار عبدالمطلب سوچ کے سمندر میں اتر چکے تھے، ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو کانپ رہے تھے، وہ اپنے ننھے پوتے کو اپنے سینے سے چمٹائے نہ جانے کس دنیا میں کھو چکے تھے۔

''سردار! ہم اپنے بھتیجے کو کس نام سے پکاریں۔''

اس آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے ایک نظر اپنے پوتے کی طرف دیکھا۔

سردار عبدالمطلب کی نظریں ایک بار پھر بوقبیس کی پہاڑیوں کی طرف اٹھ گئیں۔ یہ پہاڑیاں ان کے لیے نئی نہیں تھیں۔ ان کے سنگریزوں کو وہ کئی بار کچل چکے تھے۔ اپنے قدموں سے ادھر ادھر بکھیر چکے تھے۔ مگر آج کچھ نئی بات ہی تھی۔ مٹی کی یہ اونچی نیچی پہاڑیاں، بے جان، بے روح مٹی، پتھر کے یہ ڈھیر، آج انہیں جاندار نظر آ رہے تھے۔ یہ سب کچھ انہیں ایک جاندار لفظ کی صورت میں نظر آ رہی تھیں۔

یہ وہ لفظ تھا، جو روز اول سے اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑیوں کے سینے پر لکھ رہا تھا۔ مگر آج تک کسی نے بھی اس لفظ کو نہ دیکھا تھا۔ کسی کا دھیان ہی اس طرف نہ گیا تھا کسی نے اسے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ مگر آج...... آج وہ لفظ ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔

انہوں نے اس لفظ کو غور سے پڑھا۔ اس کے مفہوم پر غور کیا، دوبارہ پڑھا، دوبارہ اس کے معنی پر غور کیا پھر مسکراتے ہوئے اپنے ننھے پوتے کی طرف دیکھا۔

''محمد (ﷺ)۔''

بے اختیار ان کے لبوں سے یہ میٹھا سا نام چشمے کی طرح جاری ہو گیا۔

''محمد (ﷺ)۔''

وہ بے تابانہ انداز میں پکار اٹھے:

''تم اپنے بھتیجے کو محمد ﷺ کے نام سے پکارو گے۔''

''محمد ﷺ۔''

بیک وقت کئی آواز گونجیں۔

آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سن کر مسکرا اٹھی تھیں۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ انہوں نے یہ لفظ غلط نہیں سنا تھا۔

"محمد (ﷺ)"

حرب بن امیہ نے حیرت سے سردار عبدالمطلب کی طرف دیکھا:

"کیا ابن عبداللہ (ﷺ) کو محمد (ﷺ) کے نام سے پکارا جائے گا۔"

ایک اور عرب سردار نے سردار عبدالمطلب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

"ہاں...... میرے پوتے کا نام محمد ﷺ ہے۔"

سردار عبدالمطلب نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"نام تو اچھا ہے، مگر حیرت اس بات پر ہو رہی ہے کہ قریش میں یہ نام کسی کا نہیں ہے۔ ایسا نام تو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔"

حرب بن امیہ نے کہا:

"قریش ہی نہیں، بلکہ پورے عرب میں یہ کسی کا نام نہیں ہے۔ مگر یہ نام مکہ کے سینے پر روز اول سے محفوظ ہے۔ آج مکہ اپنی امانت سے سبکدوش ہو رہا ہے۔ اس نے امانت کا حق ادا کر دیا۔"

سردار عبدالمطلب نے کہا:

پھر انہوں نے اپنے ننھے اور معصوم پوتے کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

عرب حیرت و مسرت کے ملے جلے انداز میں سردار عبدالمطلب اور ننھے حضور ﷺ کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

۞۞۞

خیر البشر ﷺ کا دورِ رضاعت

بغض یہود

ایک دفعہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو لے کر عکاظ کے میلے میں گئیں، وہاں ایک کاہن کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو چیخنے لگا:

''اے عکاظ والو! اس بچے کو موت کے گھاٹ اتار دو، ورنہ یہ بڑا ہو کر تم سب کو مٹا ڈالے گا۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً وہاں سے کھسک گئیں، اور میلہ کے ہجوم میں ادھر ادھر ہو گئیں۔

سائبانِ ابر

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''میں نے پھر کبھی آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑا۔''

ایک دن حضرت شیما (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ ﷺ کو لے کر نکل گئیں۔ دن گرم اور دھوپ تیز تھی۔ تلاش کرتے کرتے شیما کے پاس پہنچی اور اسے برا بھلا کہنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر موسم کی شدت کا کوئی اثر نہ تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ پر ابر کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ جدھر جاتے، ابر کا ٹکڑا سایہ پوش ہو جاتا۔''

حضور ﷺ کی عادات مبارکہ

حضور ﷺ نے کبھی کپڑوں میں بول و براز نہیں کیا۔ بلکہ دونوں کے وقت مقرر تھے۔ کہ اس وقت پرورش کرنے والا آپ ﷺ کو اٹھا کر پیشاب کروا دیتا، اور کبھی حضور ﷺ کا ستر ننگا نہ ہوتا، اور اگر کپڑا اتفاقاً اٹھ جاتا تو فرشتے فوراً ستر چھپا دیتے۔

بوجھل دل

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی برکات سے ہمیں مستفید کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ دو برس کے ہو گئے۔ اب حضور ﷺ کو واپس مکہ چھوڑ کر آنے کا وقت آ گیا تھا۔ مگر دل نہیں مانتا تھا۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دو سال تک ننھے حضور ﷺ کو اپنے دودھ میں محبت، فصاحت اور بلاغت گھول گھول کر پلائی، جب مدت پوری ہوئی تو آپ ﷺ کا دودھ چھڑایا گیا۔ آپ ﷺ کی نشو و نما عام بچوں سے بہت اچھی تھی۔ آپ ﷺ تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ بہت توانا تندرست اور اپنے ہم عمر بچوں سے زیادہ اونچے پورے تھے۔ جسمانی اعتبار سے آپ ﷺ چار سال کے دکھائی دیتے تھے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"حسب معاہدہ اب بچے کو ماں کے حوالے کرنے کا وقت آ گیا، میں بہت مغموم تھی کہ یہ منبع خیر و برکت جدا ہو جائے گا، میرا دل انہیں چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ میری یہی خواہش تھی کہ کاش چمن ہاشمی کا یہ غنچہ نورس یہیں پھول بنے۔ دل پر پتھر رکھ کر حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امانت انہیں سونپنے مکہ آئی۔ مگر دل سے ہم انہیں پاس رکھنے کے خواہش مند تھے۔ کیونکہ ہم نے حضور ﷺ کی بہت سی برکات کا مشاہدہ کیا تھا۔"

اتفاق کی بات ہے کہ ان دنوں مکہ میں کسی وبا کا زور تھا۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے کو چند سال اور رکھنے کا خیال ظاہر کیا تو حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ

تعالیٰ عنہا نے اس وبا کی وجہ سے واپسی پر اصرار نہیں کیا، اور یوں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد برآئی، اور وہ خوشی خوشی اس ہستی کو دوبارہ اپنے گھر لے آئیں، جو خانوادۂ حارث کے لیے رحمت ہی رحمت تھی۔

دودھ چھڑانے پر حضور ﷺ کا کلام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"جب میں نے حضور ﷺ کا دودھ چھڑایا تو حضور ﷺ نے اس موقع پر فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً

غسلِ قلب (شقِ صدر)

کئی سیرت نگاروں نے لکھا ہے:

"حضور ﷺ کی عمر مبارک کے چوتھے سال شق صدر کا واقعہ ہوا۔ ملائکہ آئے، انہوں نے حضور ﷺ کو لٹا دیا۔ آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا اور نعوذ باللہ شیطانی حصہ نکال دیا۔"

یہ بات عقل سے ماورا ہے کہ سردار الانبیاء ﷺ کے دل میں کوئی ایسا جزو ہو سکتا تھا جسے شیطانی قرار دیا جاسکے۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ولادت سے لے کر وصال تک پاک واطہر تھے۔ ان میں کوئی آلائش نہ تھی۔ ہم تک اس سلسلے میں جو روایات پہنچی ہیں وہ سب یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ اگر ہم سے کوئی غلطی یا گستاخی ہو تو اللہ بڑا رحیم وکریم ہے۔ وہ ہماری اس غلطی و کوتاہی کو معاف فرما کر ہمیں سچا اور سیدھا راستہ دکھائے، اور ہمارا ہمیشہ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے غلاموں میں شمار ہو سکے۔ اصل واقعہ اللہ جانتا ہے۔ ہم اس پر شک نہیں کرتے۔ اور وقت نزع انہی کا کلمہ ہمارے ورد زبان ہو۔ (آمین)

کئی اور لوگوں کی طرح مولانا شبلی نعمانی بھی اس کے قائل نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے سیرت النبی ﷺ جلد اول میں اس کا ذکر نہیں کیا، البتہ تیسری جلد میں مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

روایت ہے:

''بنو سعد میں لوٹنے کے دو ماہ بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جسے شق صدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک بنی عامر کا بوڑھا شخص حاضر ہوا۔ کچھ دیر بعد اس نے عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ! اپنی ابتدائی زندگی کا حال سنائیے۔''

ان کی خواہش پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی مجسم دعا اور اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

''جب میں اپنی ماں کے بطن سے عالم ظاہر کی طرف منتقل ہوا تو شیر خوارگی کا زمانہ بنی سعد بن بکر میں گزارا۔ ایک دن میں اپنے ہم عمروں کے ساتھ وادی میں نکل گیا۔ اتنے میں ایک ٹولی نے جن کے ہاتھوں میں سونے کے تھال میں برف بھری ہوئی تھی مجھے پکڑلیا، میرے ساتھی ڈر کر بھاگ گئے، دور سے انہوں نے کہا:

''یہ بچہ قریشی ہے ہم میں سے نہیں، اسے چھوڑ دو۔''

اتنے میں ان لوگوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا۔ اندرونی اجزاء نکال کر برف سے اچھی طرح دھوئے، اور پھر انہیں اپنی جگہ رکھ دیا۔ اب دوسرے نے میرے سینے میں ہاتھ ڈالا۔ یہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے میرا دل چیرا اور ایک سیاہ رنگ کا ٹکڑا باہر پھینک دیا۔ پھر اپنے ہاتھ کو فضاء میں بلند کیا، اچانک ایک نور کی مہر اس کے ہاتھ میں آ گئی، اس نے مہر دل پر لگائی تو دل نور سے بھر گیا، دل کو مقام پر رکھ دیا۔ اس مہر کی لذت اور ٹھنڈک میں عرصہ دراز تک محسوس کرتا رہا۔ اب تیسرے نے سینے سے ناف تک ہاتھ پھیرا تو زخم مندمل

ہو گیا، میں آرام سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تینوں نے باری باری مجھے سینے سے لگایا اور میری پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا: "اے حبیب خدا ﷺ گھبرانے اور ڈرنے کی ضرورت نہیں آپ ﷺ خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ اگر آپ ﷺ کو علم ہو جاتا کہ مستقبل میں آپ ﷺ کو کیا کیا خیر و برکت، رفعت اور بلندیٔ مقامات حاصل ہوں گی۔"

آپ ﷺ کے دودھ شریک بھائی نے یہ منظر دیکھا تو سخت گھبراہٹ میں دوڑتا ہوا اپنے والدین کے پاس پہنچا اور کہا:

"میرے قریشی بھائی کا دو سفید پوش آدمیوں نے پیٹ چاک کر دیا ہے۔"

رضاعی والدین بھاگ کر وہاں پہنچے۔ دیکھا آپ ﷺ کا رنگ فق ہے، بے اختیار گلے لگایا۔ گھر لائے تو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ نے کہا:

"مجھے آسیب کا ڈر ہے۔ اس سے پہلے کہ بچے کو کچھ ہو جائے اسے گھر پہنچا دینا چاہیے۔"

چنانچہ وہ مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے غیر متوقع آمد پر پوچھا:

"کیا بات ہے؟"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"ہم نے پال پوس کر بڑا کر دیا۔ اب ہماری ذمہ داری تمام ہوئی۔"

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"تم پچھلی بار لے جانے پر اصرار کر رہی تھیں۔ اب کیا ہو گیا؟"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تمام واقعہ گوش گزار کیا۔

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں، خدا کی قسم! اس پر کوئی آسیب نہیں آ سکتا، اس بچے کی بڑی شان ہے۔"

غرض ایک بار پھر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر خوش بختیوں اور سعادتوں

کا گہوارہ بن گیا۔

ماورائے سخن بھی ہے اک بات

محمد ابن سعد نے ''اخبار النبی'' میں لکھا ہے:

''شق صدر کا واقعہ چار برس کی عمر میں پیش آیا۔''

مواہب لدنیہ میں احمد بن محمد قسطلانی کا خیال ہے۔

''غسل قلب کا واقعہ شیر خوارگی ہی کے زمانے پر موقوف نہیں، بلکہ متعدد بار ہوا۔ پہلی بار عالم طفلی میں، دوسری بار صحرا میں جبکہ آپ ﷺ کی عمر مبارک دس سال تھی۔ تیسری دفعہ یہ واقعہ پیش آیا، غار حرا میں نزول وحی اور چوتھی مرتبہ سفر معراج کے موقع پر۔''

ان روایات کو سند اور روایت کی میزان میں تولنا ہمارا منصب نہیں۔ اگر کوئی بات ناقص انسانی فہم سے بالاتر ہو تو اس کا انکار جہالت کی دلیل ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر الم نشرح میں لکھا ہے۔

''پہلی بار دل سے لہو ولعب نکالا گیا۔ دوسری دفعہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف متوقع جوانی کی رغبتوں کے تدارک کے لیے۔ تیسری مرتبہ دل کو وحی کے تحمل کے قابل بنایا گیا۔ معراج کے موقع پر چوتھی بار تاکہ دل کو عالم ملکوت کے مشاہدے کی قوت حاصل ہو۔''

الم نشرح لک صدرک کی قرآنی آیت ''شق صدر'' کے واقعہ کی تصدیق کرتی ہے، خورد سال خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''میں بچپن میں سینہ اقدس پر زخم کی سلائی کرنے کے نشانات دیکھا کرتا تھا۔''

شق صدر کی روایات

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ بعض سیرت نگار لکھتے ہیں۔

''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو دو سال بعد مکہ مکرمہ لے گئیں، پھر واپس لائیں تو دو ماہ بعد شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔''

بعض سیرت نگار لکھتے ہیں:

''حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شق صدر کے واقعہ سے ڈر گئیں، اور آپ ﷺ کو مکہ میں آپ ﷺ کے گھر پہنچا دیا۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں بیان کیا گیا۔

حضور ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بھیڑ بکریوں میں موجود تھے کہ آپ ﷺ کا رضاعی بھائی بھاگا بھاگا آیا اور اس نے بتایا:

''میرے قریشی بھائی کو سفید لباس میں ملبوس دو مردوں نے لٹایا، اس کا پیٹ چاک کیا۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے تو حضور ﷺ کا رنگ متغیر تھا، اور انہوں نے ہمیں بتایا:

''ایک ٹولی نے جن کے ہاتھوں میں سونے کے تھال میں برف بھری ہوئی تھی، مجھے پکڑ لیا میرے ساتھی ڈر کر بھاگ گئے، ان لوگوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا۔ اندرونی اجزاء نکال کر برف سے اچھی طرح دھوئے اور پھر انہیں اپنی جگہ رکھ دیا۔ اب دوسرے نے میرے سینے میں ہاتھ ڈالا اور دل کو نکالا۔ اس نے میرا دل چیرا اور ایک سیاہ رنگ کا ٹکڑا باہر پھینک دیا، پھر اپنے ہاتھ کو فضاء میں بلند کیا، اچانک ایک نور کی مہر اس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ اس نے مہر دل پر لگائی تو وہ نور سے بھر گیا۔ دل کو اپنے مقام پر رکھ دیا۔''

سورہ الم نشرح کی تشریح میں ابن کثیر بھی اور کچھ دیگر مفسر بھی انشراح قلب کو انشقاق قلب قرار دیتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''پہلی بار کا شق صدر اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کے دل سے وہ لہو ولعب جو لڑکوں کے دل میں ہوتا ہے، نکال ڈالیں، اور دوسری بار اس لیے کہ جوانی میں آپ ﷺ کے دل میں رغبت ایسے کاموں کی ہو جو بہ تقاضائے جوانی خلاف مرضی

الٰہی سرزد ہوتے ہیں، نہ رہے، اور تیسری بار اس لیے کہ آپ ﷺ کے دل کو قوت تحمل وحی کی ہو، اور چوتھی بار اس لیے کہ آپ ﷺ کے دل کو طاقت مشاہدہ عالم ملکوت اور لاہوت کی ہو۔"

علامہ شبلی نعمانی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور جعفر سبحانی "شق صدر" کے قائل نہیں چنانچہ سیرت النبی ﷺ جلد اول، رحمت اللعالمین ﷺ اور فروغ ابدیت میں شق صدر کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔

عبدالعزیز دباغ شق صدر کو مانتے ہیں، لیکن فرماتے ہیں:

"شق صدر نہ تو کسی اوزار سے کیا گیا، اور نہ اس میں خون بہا اور بغیر سلائی اور آلہ کے آپ ﷺ کا سینہ مبارک پھر سے جڑ گیا، اس تمام عمل کے باوجود حضور ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کا فعل ہے۔"

عبدالعزیز دباغ تو سلائی کے بغیر سینہ مبارک جڑنے کی بات کرتے ہیں، لیکن حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو یہ روایت منقول ہے کہ وہ بچپن میں سینہ اقدس پر زخم کی سلائی کرنے کے نشانات دیکھا کرتے تھے۔

محمد حسین ہیکل "مستشرقین اور مسلمان دونوں کا شق صدر سے انکار" کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

"شق صدر کی روایت پر نہ تو مستشرقین مطمئن ہیں اور نہ کچھ مسلمان اسے تسلیم کرتے ہیں۔"

محمد حسین ہیکل نے ان مسلمان اہل علم کا نام نہیں لیا، جو شق صدر کی روایت یا روایات پر مطمئن نہیں۔ البتہ اردو کی حد تک مولانا شبلی نعمانی، سلیمان منصور پوری، جعفر سبحانی، پروفیسر فضل احمد، اپنی تصانیف میں ان واقعات سے پہلوتہی کر جاتے ہیں، اور سر سید احمد خاں اور سید سلیمان ندوی اس کے خلاف لکھتے ہیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کی روایات سات مختلف سلسلوں اور مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لوگوں نے نقل کی ہیں۔ ان سب رواتیوں پر سید سلیمان ندوی نے الگ الگ بحث کی ہے۔

شق صدر کی حقیقت" اس عنوان سے لکھتے ہیں:

"علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا، اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا، اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے، لیکن صوفائے حقیقت میں اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں، اور تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں لکھتے ہیں۔"

"لیکن سینہ مبارک کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت بشری کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہو تو اس کے قبول کے لیے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔"

روایات میں تو یہ ہے:

حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں چار بار شق صدر ہوا۔"

بعض سیرت نگار اسے پانچ بار لکھتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں:

"یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک وصاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے، اور وہ ایک دفعہ پاک ومنور ہو کر پھر دوبارہ پاکی وطہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا۔"

شیخ محمد رضا اپنی کتاب محمد رسول اللہ ﷺ کے ص نمبر ۳۹ پر رقمطراز ہیں:

"ہم کہتے ہیں کہ اور کسی نبی کا سینہ تو آلودگیوں سے بھرا ہوا نہیں تھا، صرف نبی الانبیاء، امام الانبیاء ﷺ ہی کی صفائی اور طہارت کی بار بار ضرورت پیش آتی رہی، اور ہر چند برس کے بعد نعوذ باللہ ملائکہ آکر چیر پھاڑ کر دیتے تھے۔ ہم حضور ﷺ کو سب انبیاء اور رسل کا سرتاج بھی مانتے ہیں، انہیں اللہ کا محبوب بھی سمجھتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے ہیں۔

"یہ عمل (شق صدر) ممکنہ آلائشات سے آپ ﷺ کی تطہیر اور ممکنہ شیطانی اثرات کو زائل کرنے کے لیے تھا۔"

سید سلیمان ندوی نے قبیلہ بنوسعد والے، پہلے شق صدر کی روایات پر جس طرح جرح و تنقید کی ہے اور راویوں کی بحث اٹھائی ہے، اس پر مزید غور وخوض اور تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ عزیز احمد عزیز قاضی نے شق صدر کے ایک واقعہ پر کچھ سوال اٹھائے ہیں۔

''سرجن'' مردوں کو قدسیہ قدرتیں، سونے کے طشت کو نوری توانائیوں کا حیرت انگیز منظر، چیر پھاڑ کے عمل کو ایکسرے میں استعمال ہونے والی توانائیوں کی طرح توانائیاں اور اندرونی وجود کو آبِ زمزم سے دھوئے جانے کو محاکمہ، نور کی شعاعوں، موجوں، رووں اور کششوں کا برسر عمل ہونا کہا ہے۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور ﷺ کے مقام اور مرتبہ والی سیکڑوں بلکہ ہزاروں احادیث درست ہیں (اور یقیناً وہ درست ہیں) اور انبیاء و رسل پر حضور ﷺ کی فوقیت و افضلیت مسلم ہے، تو شق صدر کے مسئلہ میں شرح صدر ہونا مشکل ہے۔

شرح صدر یا شق صدر

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ

''کیا اے پیغمبر! ہم نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا۔''

سید سلیمان ندوی سیرت النبی ﷺ کی تیسری جلد میں رقمطراز ہیں:

''منجملہ نبوت کے ان خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں، شق صدر یا شرح صدر بھی ہے، چنانچہ یہ رتبہ خاص پیش گاہ الٰہی سے آنحضرت ﷺ کو مرحمت ہوا، شق صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا۔

بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپ ﷺ پر گزری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ ﷺ پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک جب آپ ﷺ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

ہاں پرورش پا رہے تھے، دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب آپ ﷺ بیس سال کی عمر کو پہنچے۔ چوتھے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام سب سے پہلی وحی لے کر آئے، پانچویں معراج کے موقع پر۔

یہ مسئلہ کہ شرح صدر واقع ہوا (تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، البتہ وقت کی تعین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں، تیسری دفعہ کی روایت میں جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گزرنا بیان کیا گیا ہے، محدثین بلکہ خود ارباب سیَر کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے۔ باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں۔ تسلیم کیا ہے، امام سہیلی روض الانف میں صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، ایک دفعہ صغر سنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں، اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغر سنی میں اس لیے ہوا کہ بچپن ہی سے حضور ﷺ کے قلب مبارک سے ایک حصہ کو نکال دیا جائے، اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے کہ اس لیے تاکہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوٰۃ کا جو طہارت محض ہے تحمل کیا جائے اور ملائکہ کی امامت نماز میں فرما سکیں، لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک وصاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے اور وہ ایک دفعہ پاک ومنور ہو کر پھر دوبارہ پاکی وطہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاس اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں، اور وہ صغر سنی میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پرورش پا رہے تھے، اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں، لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ شرح صدر کی روایت جن طریقوں کے ساتھ آئی ہے۔ ان میں سب سے صحیح، سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شب معراج میں ہونا بیان ہوا ہے، اس لیے اس موقع پر راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصول روایت

سے صحیح نہیں۔

شق صدر کی ضعیف روایتیں

اصل یہ ہے کہ شق صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا مکرر اور بار بار پیش آنا، مختلف روایات کے پیش کر دینے سے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے، اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلہ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت حفظ وضبط پر بھی تنقید کی جائے، دس برس کے سن میں شق صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ ﷺ پر نبوت کی علامات طاری ہوئی، حسب ذیل ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ ایک نے کہا یہ وہی ہیں، دوسرے نے کہا، ہاں! پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پھاڑا۔ ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا۔ پھر ایک نے کہا: سینہ کو چاک کرو۔ تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی، پھر ایک نے کہا، دل کو چاک کرو، تو اس نے دل کو چاک کیا پھر اس نے کہا، اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو، تو اس میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی پھر کہا، اس میں مہربانی اور رحم رکھ دو تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی پھر اس نے چند گھنڈیاں جو اسکے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینے میں لگا دیں، پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا، جاؤ جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا، یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی۔''

یہ روایت زوائد مسند احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عساکر اور ابونعیم میں ہے، لیکن ان تمام کتابوں میں مرکزی سلسلہ سند ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور اپنے باپ معاذ ابن محمد سے اور وہ اپنے دادا ابی ابن کعب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب "العلل" میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے:

"یہ مدنی حدیث ہے اس کی سند تمام تر مجہول ہے ہم لوگ نہ محمد کو جانتے ہیں اور نہ اس کے باپ کو اور نہ اس کے دادا کو۔"

حافظ ابونعیم نے دلائل میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے، صاف لکھ دیا ہے:

"یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے، اور وہی اس عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں (یعنی اس روایت کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے) بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہ ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد صحیح ابن حبان، حاکم، بیہقی اور مختارہ ضیاء میں ہے لیکن اس سلسلہ میں روایت کا حال آپ سن چکے ہیں کہ وہ معتبر نہیں۔

آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، مسند طیالسی اور مسند حارث میں ہیں، یہ روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغاز وحی والی حدیث بخاری مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے، اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل، صحیح اور محفوظ ہے، لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق صدر کا مطلق ذکر نہیں۔ اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔

علاوہ بریں، ابونعیم، بیہقی، طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابو عمران الجونی بن یزید بن بابنوس عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے، یزید بن بابنوس مجہول ہے اور اس سے صرف ابوعمران الجونی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا ہے۔

طیالسی میں (صفحہ ۲۱۵ حیدرآباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ ابو عمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہے۔ معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابوعمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے۔ ابونعیم میں (ص ۶۹ حیدرآباد) میں روایت کا جو سلسلہ سند

ہے۔ اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بانبوس کے نام سے پر کی گئی ہے جس کا حال ابھی اوپر گزر چکا ہے، علاوہ ازیں ابونعیم کی روایت میں اس کے نیچے داؤد بن المجر ایک شخص آتا ہے، جس کو اکثر محدثین ضعیف بلکہ دروغ گو تک کہتے ہیں ،اس کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا، یارسول اللہ ﷺ! جب آپ ﷺ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ ﷺ کی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ اور آپ ﷺ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میں مکہ میں ترائی میں تھا کہ دوفرشتے میرے پاس آئے۔ ایک زمین پر آیا دوسرا آسمان پر تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا: یہی وہ ہیں" پھر کہا، ان کو تولو، پہلے ایک سے پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار سے مجھ کو تولا، لیکن میرا پلہ بھاری رہا تو کہا، یہ تمام امت سے بھاری ہیں۔ بعد ازاں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی۔"

اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں، مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بنو ہوازن میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے، پھر اس میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو نبی بنانا چاہا گیا، اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور امامت کا ذکر ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے یہ روایت مسند دارمی (صفحہ نمبر ۶) اور دلائل ابونعیم (صفحہ نمبر ۱۷) میں ہے، ان کے مشترک راوی بہ ترتیب ابوداؤد، جعفر بن عبداللہ بن عثمان القریشی، عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں، جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تنقید کی ہے، کہ اس

میں ''وہم'' تھا یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی اور اضطراب تھا، یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا، پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی، یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے، پھر بعینہٖ یہی واقعات شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ابونعیم، ابویعلیٰ اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلاً) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے اس کا باہم تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے، یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت سے تمام تر خالی ہیں، اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔

(۱) اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم، عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں، اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں، اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے، اس نے کہا کہ عبداللہ بن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا، ابونعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے، بلکہ اس میں تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے، مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔

(۲) دوسرا طریقہ واقدی ہے، ابن سعد نے اس روایت کو اس سلسلہ سے ذکر کیا ہے، ج ۱ ص ۷۰۔ مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں، اس کی تفصیلی سند تک اس میں مذکور نہیں، اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

(۳) ابونعیم نے ایک اور سلسلہ سے ان کو بیان کیا ہے جو یہ ہے، عبدالصمد بن محمد

السعدی اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بکریاں چرایا کرتا تھا، بیان کرتے ہیں، یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

(۴) بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے، اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔

(۵) ابن عساکر نے شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کے واسطہ سے ایک طویل داستان نقل کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک پیر مرد نے خدمت نبوی ﷺ میں آ کر آپ ﷺ کے ابتدائی حالات دریافت کیے، آپ ﷺ نے پورا پورا حال بیان کیا، منجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شق صدر کا بیان کیا، لیکن خود ابن عساکر اس راویت کو غریب (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں، اس کے سوا اس سلسلہ سند کے بیچ میں ایک بے نام ونشان راوی ہے، اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی اس میں ابو یحییٰ ہے جو شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے اس قصہ کو سننا بیان کرتا ہے، امام بخاری نے تاریخ صغیر (ص ۱۴۳، الہٰ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے۔ فی حدیثہ نظر۔ اس کی حدیث بحث طلب ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں، لیس حدیثہ بالقائم، یعنی اس کی حدیث ٹھیک نہیں (تہذیب التہذیب ومیزان)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مکحول شامی کے واسطہ سے ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہٖ اس واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے۔ مگر اس میں یہ کمی ہے کہ مکحول اور شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے، یعنی روایت منقطع ہے۔ کیونکہ مکحول نے حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے، مکحول تدلیس میں بدنام تھے۔

یعنی ان کی عادت یہ تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آ جاتا تو وہ اس کا نام چھپا

دیتے تھے یا بیچ میں اس کو حذف کر کے اگلے سے سلسلہ جوڑ دیتے تھے، میرا خیال ہے کہ مکحول اور حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیچ میں دراصل وہی ابو العجفاء تھا، مکحول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجروح ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے، اس لیے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

(۶) عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کمسن صحابی ہیں۔ ان سے ایک ہی سلسلہ سند کے ذریعے حاکم، دارمی، ابو یعلیٰ، ابن عساکر اور ابن حنبل نے واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا، کھانا ساتھ نہ تھا، میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لیے بھیجا، وہ گیا تو دیکھا کہ گدھ کی طرح کے دو پرندے آئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا، یہی ہے دوسرے نے کہا ہاں! پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا، اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور ٹھنڈے پانی سے دھویا۔''

یہ حاکم کے الفاظ ہیں۔ دارمی وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ دھونے کے بعد ایک نے کہا، سکینت یعنی تسکین قلبی لاؤ، اس کو لا کر میرے سینہ میں چھڑک دیا، پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے، میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کہا، وہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی، اس نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں، اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی۔ والدہ نے کہا۔ تم نے یہ امانت پوری طرح ادا کی۔ دایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا لیکن والدہ نے واقعہ سن کر کوئی خوف یا تعجب نہیں کیا۔ فرمایا:

''جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔''

حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے جس کو گو بذات خود بعضوں نے ثقہ

کہا ہے، تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت بے احتیاط تھا۔

ابن مبارک کہتے ہیں:

"وہ راست گو ہے، مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا۔"

ابن عینیہ کہتے ہیں:

"بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو، ثواب فضائل کی روایتیں لے لیا کرو۔"

امام ابن حنبل اور امام یحییٰ کا قول ہے:

"اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر ورنہ مت لیا کرو۔"

ابو حاتم کہتے ہیں:

"اس کی حدیث لکھی جائے، مگر وہ دلیل میں نہ پیش کی جائے۔"

امام نسائی فرماتے ہیں:

"جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عَن بیان کرے تو نہ لو (یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ بہ طریق عن عن ہی ہے)

ابن عدی کا قول ہے:

"اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں۔"

امام احمد بن حنبل ایک شخص سے فرماتے ہیں:

"میں سمجھتا ہوں بقیہ مجہول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے، لیکن دیکھا تو وہ مشہور لوگوں سے بھی اس قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے، تم نے جانا کہ وہ کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟

"مخاطب نے جواب دیا۔" ہاں! تدلیس کے ذریعہ سے (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کر کے آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا)

ابو عبداللہ حاکم کہتے ہیں:

"اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ اپنی روایتیں کرتا ہے۔ جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور اس کی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے۔"

خطیب کہتے ہیں:

"اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں گو وہ بذات خود راست گو تھا۔"

ابن القطان کا قول ہے:

"وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کر کے بیان کرتا ہے، اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے۔ یہ الزام اگر اس پر سچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔"

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم

بچپن میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلہ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت البنانی سے اور ثابت، انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم، مسند احمد، ابن سعد اور دلائل ابونعیم میں ایک ہی سلسلہ سند سے مذکور ہے۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا، اور دل کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا اور کہا، یہ شیطان کا اتنا حصہ تم میں تھا، پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زم زم سے دھویا، پھر شگاف کو جوڑ دیا، پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

لڑکے دوڑے ہوئے آپ ﷺ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے اور جا کر کہا، محمد (ﷺ) مار ڈالے گئے، لوگ آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ سینہ مبارک میں زخم کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے۔

مسند ابن حنبل میں یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے یعنی مجھ کو نظر آتے تھے کی جگہ پر یہ ہے کہ ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے۔ اس سلسلہ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شق صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مروی ہیں۔ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے قتادہ، زہری، شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں، ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں۔ سلیمان بن خیرہ اور حماد بن سلمہ، حماد کے علاوہ اور جو طرق اوپر مذکور ہوئے ان سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شق صدر کا ذکر ہے، لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شق صدر کے ذکر کو ترک کردیتے ہیں اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں، حالانکہ نہ صرف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے کوئی حماد کے دوسرے ہم درس طلباء میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا، غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث حماد کے واسطہ سے نقل نہیں کی ہے۔حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا۔اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں۔امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کرکے خرابی حافظہ سے پہلے کی جوان کی روایتیں ہیں ان کو چن کر اپنی کتاب میں لائے ہیں، میرا میلان تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے کہ انہوں نے تمام معتبر راویوں کے خلاف شق صدر اور معراج کے مشترکہ واقعہ کو رد کردیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم بھی اپنی ترتیب بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شق صدر کو وہ الگ الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے۔چنانچہ واقعات معراج کے ذکر میں امام مسلم یہ کرتے ہیں کہ پہلے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔جس میں معراج کے شق صدر کا ذکر نہیں۔پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے جس میں شق صدر کے ساتھ معراج کا ذکر ہے، اس کے بعد حماد کی وہ روایت ہے۔جس میں تنہا بچپن کے شق صدر کا تذکرہ ہے۔بعدازاں حضرت انس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں، جس میں شق صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے۔

حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کسی عمر میں بھی گزری ہو مگر بہرحال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا۔ گزشتہ تمام مستند اور مجروح روایتوں میں حسد، بغض حصہ شیطانی، سکینت، تسلی، رحمت، شفقت، ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینہ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے، ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں، بایں ہمہ حماد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے۔ اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں۔ یہ مذکور نہیں علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بیان کی ہے مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا، ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہو سکتی ہے۔

دو دفعہ شق صدر ہو تو اس کی تاویل

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کو قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی جو ہر انسان کے اندر ہے، اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے۔ ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز نہیں رکھی گئی، مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا، جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے، کہ ایک شب آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے، آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبرائیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے، آپ ﷺ کو اٹھا کر وہ چاہ زم زم کے پاس لے گئے، یا آب زم زم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا، پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا، اس کے بعد فرشتے آپ ﷺ کو آسمان کی طرف لے چلے۔

شق صدر کی حقیقت

علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ چاک کیا گیا، اور قلب اقدس کو اس آب زم زم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے، لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں، اور ان تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

اما شق الصدر وملؤه ایمانا فحقیقه غلبة انوار الملكية وانطفأ لهب الطبيعة وخضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس.

”لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت بشری کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو

فیضان ہو تو اس کے قبول کے لیے طبیعت کا آمادہ ہو جاتا ہے۔"
ان کے نزدیک معراج بھی اس عالم کی چیز تھی، اس لیے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔
ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے۔

فشرح صدری الی کذا و کذا

(میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اسی سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے، اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ.

"کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔" (سورہ الم نشرح)

شرح کے لغوی معنی عربی میں "چیرنے پھاڑنے" کے ہیں۔ اس سے طب کی اصطلاح علم تشریح اور تشریح اجسام نکلی ہے۔ چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھول کر سامنے ہو جاتی ہے، اسی لیے اس سے "تشریح امر" اور "تشریح کلام" "شرح بیان اور "شرح کتاب" وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں، اسی سے ایک اور محاورہ "شرح صدر" کا پیدا ہوا ہے۔ جس کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں، اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ.

"اے پروردگار! میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور

میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔"

انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ کا علم اور فہم، انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک ومبرا ہوتا ہے، اور وہ اپنے اخذ نتائج اور ثبات دعویٰ کے لیے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں ان کا ماخذ تعلیم الٰہی القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اس کا نام علم لدنی ہے "لدن" کے معنی عربی زبان میں "پاس اور نزدیک" کے ہیں۔ چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے، اس لیے عرف عام میں علم لدنی کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

"ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا" (سورہ الکہف)

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَ قَدْ اٰتَيْنَاكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا.

"اسی طرح ہم تجھ سے گزشتہ زمانوں کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (ذکر) بخشا ہے۔ (سورہ طٰہٰ: ۹۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوتا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ.

"ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعاً اس سے بے خبر تھا۔" (سورہ یوسف: ۳)

سورہ الشوریٰ میں ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا

اِلْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔

''اور اس طرح ہم نے اے محمد (تیری طرف اپنے) حکم سے ایک روح کو وحی کیا تو تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔ (سورہ الشوریٰ:۵۲)

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہتے ہیں:

یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ

''اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا جو آپ کے پاس نہیں آیا''

(سورہ مریم:۴۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ج

اور ہم نے داؤد وسلیمان کو علم بخشا۔ (سورہ النمل:۱۵)

حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے:

اٰتَیْنَاہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا

''ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔'' (سورہ یوسف:۲۲)

حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں:

ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ

''یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں:

(سورہ یوسف:۳۷)

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے:

وَلُوْطًا اٰتَیْنَاہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا

''اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔'' (سورہ الانبیاء:۷۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ کے ذکر کے

بعد ہے:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا

''ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔''

(سورہ الانبیاء:۷۹)

الغرض انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے، اور غور وفکر، تجربہ وامتحان تحصیل واکتساب اور جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آجاتی ہیں۔ صرف وہم وتمثیل کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ کبھی کبھی شعرا، مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بغیر غور وتامل ایک بات اس طرح خطوط کر جاتی ہے گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا، اور ایک چیز اندر داخل ہوگئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے۔ اس منصب خاص کے سینکڑوں مدارج ہیں، جو انبیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں۔

یعنی بلا حجت وبرہان اسلام کی صداقت ان کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور یہ اصرار کیا کہ قرآن مجید کو اوراق ومصاحف میں لکھوا دیجئے، لیکن حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

''یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لیے میرے سینہ کو کھول دیا۔''

(بخاری، تالیف القرآن)

مفسر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے

آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اس کی نشانی کیا ہے، ارشاد ہوا، حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق، اور اس فریب کدہ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری، یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ چاک کیا جانا اور اس میں نور وحکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لیے مناسب موقع اور مصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیہ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے، اس میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ بھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم وحکومت اور فیصلہ احکام کے لیے بے غوروفکر کے بدیہی صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے، چونکہ معراج اور ہجرت کا اعلان اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا۔ جس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لیے شرح صدر کے عطیہ کے لیے یہی مناسب موقع تھا، علاوہ ازیں معراج کے حقائق ومناظر جو نفوس نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحدیں ان کے احاطہ کے لیے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔"

یہ وہ تحریر ہے جو سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی ﷺ کی جلد سوم کے صفحہ نمبر ۲۷۴ تا ۲۸۱ میں رقم کی ہے۔

ابن ہشام میں واقعہ شرح صدر کا بیان

علامہ ابو محمد عبدالملک بن محمد بن ہشام رحمتہ اللہ علیہ اپنی تالیف سیرۃ ابن ہشام میں رقمطراز ہیں:

"حضور ﷺ پورے دو سال کے ہوئے تو مثل ایک ہوشیار لڑکے کے تھے۔"

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"حضور ﷺ کو لے کر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور حضور ﷺ کی برکتوں کو دیکھ کر مجھ کو یہی حرص تھی کہ آپ ﷺ میرے ہی پاس رہیں۔ چنانچہ اسی واسطے میں نے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ سے عرض کیا:

"اگر آپ اپنے فرزند کو میرے ہی پاس رہنے کی اجازت دے دیں تو بہتر ہے کیونکہ مجھ کو مکہ کی آب وہوا سے اس کے واسطے اندیشہ ہے۔ جب یہ ذرا بڑے ہو جائیں گے اس وقت اندیشہ نہ رہے گا، اور میں نے اس قدر اصرار کے ساتھ التجا کی کہ آخر انہوں نے اجازت دے دی، اور میں حضور ﷺ کو ساتھ لے آئی۔"

ابن ہشام مزید لکھتے ہیں:

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"پس قسم ہے خدا کی مجھے حضور ﷺ کو لائے ہوئے چند ہی ماہ گزرے ہوں گے کہ ایک روز آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھر کے پیچھے بکریوں کے چرانے میں مشغول تھے کہ آپ ﷺ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہا:

"میرے بھائی یعنی محمد ﷺ کو دو آدمی سفید کپڑوں والے لے گئے ہیں اور ان کو لٹا کر ان کا سینہ چاک کر دیا ہے۔"

یہ خبر سن کر ہم دونوں دوڑتے ہوئے گئے اور وہاں جا کر دیکھا تو حضور ﷺ کو کھڑے ہوئے پایا، اور چہرہ پر آپ ﷺ کے آثار خوف پائے جاتے تھے۔ میں نے پوچھا: "اے فرزند کیا ہوا؟" اور میں نے آپ ﷺ کو سینے سے لگایا، اور آپ ﷺ کے باپ نے بھی آپ ﷺ کو سینہ سے لگا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھے لٹا کر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اس میں کچھ ڈھونڈنے لگے مجھ کو نہیں معلوم کہ میرے سینہ میں وہ کیا ڈھونڈتے تھے۔"

پس میں آپ ﷺ کو مکان میں لے آئی، اور میرے خاوند نے مجھ سے کہا:

"اے حلیمہ! اس بچے کو اس کے گھر پہنچا دینا مناسب ہے۔ کیونکہ اس کے یہاں رہنے سے ہم کو اندیشہ ہے کہ کسی قسم کی برائی اس کو نہ پہنچے۔ ورنہ ہم کو جواب دہی کرنا ہوگی۔"

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"پس میں حضور ﷺ کو لے کر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی، انہوں نے فرمایا:

"اے حلیمہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہا، تم کیسے آئیں؟ حالانکہ تم اس بچے کو اپنے پاس رکھنے پر اصرار کرتی تھیں؟"

میں نے کہا:

"ہاں! یہ تو سچ ہے، مگر میں اب اپنا حق ادا کر چکی ہوں، اور زمانہ کے حوادث سے خوف زدہ ہو کر اس فرزند کو یہاں لائی ہوں، چنانچہ بصحت وسلامت آپ کی امانت آپ کو پہنچا دی جیسا کہ آپ چاہتی تھیں۔"

انہوں نے فرمایا:

"سچ سچ کہو، کیا معاملہ ہے کہ تم اس بچے کو واپس لے آئیں۔"

اس پر مجھ کو سارا واقعہ بیان کرنا پڑا۔ جب میں بیان کر چکی تو انہوں نے فرمایا:

"تم کو اس بچے پر شیطان کا خوف ہوا۔"

میں نے عرض کیا:

"ہاں۔"

اس پر انہوں نے فرمایا:

"یہ خوف تمہارا لاحاصل ہے۔ قسم ہے خدا کی اس بچے پر شیطان کا کچھ اختیار نہیں ہے اور یہ میرا فرزند شان والا ہے۔ میں تم سے وہ حالات بیان کرتی ہوں جو اس کے حمل میں مجھ کو درپیش ہوئے۔"

میں نے عرض کیا:

"فرمایئے۔"

وہ کہنے لگیں:

"جب مجھ کو اس فرزند کا حمل ہوا تھا تو میرے اندر سے ایک ایسا نور نکلا، جس کی روشنی میں مجھ کو شہر بصریٰ کے محل دکھائی دیئے اور حمل نہایت خفیف اور ہلکا تھا، اور کوئی مشقت مجھ کو نہ معلوم ہوتی تھی، اور جس وقت یہ فرزند پیدا ہوا تو میں

نے دیکھا کہ اس نے اپنے ہاتھ زمین پر رکھے اور آسمان کی طرف سر بلند کیا۔
اے حلیمہ! اس کو یہاں چھوڑ دو اور تم بخوشی وخرمی اپنے وطن کو جاؤ۔"

حضور ﷺ کا اپنے مطلق ارشاد

ابن ہشام سیرت ابن ہشام میں رقمطراز ہیں:

چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! کچھ اپنا حال آپ ﷺ ہم سے بیان فرمائیں۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اچھا میں بیان کرتا ہوں، (سنو) میں اپنے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اور جب میری والدہ کو میرا حمل ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک ایسا نور نکلا، جس کی روشنی میں ان کو ملک شام کے محل نظر آئے، اور قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک عورت کو مجھے دودھ پلانے کے واسطے سپرد کیا، ایک روز کا ذکر ہے کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ اپنے گھر کی پشت بکریاں چرا رہا تھا کہ یکایک دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لے کر آئے، اور مجھ کو پکڑ کر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرے دل کو نکال کر شگاف دیا، اور اس میں سے ایک سیاہ ٹکڑا نکال کر پھینک دیا' پھر میرے سینہ اور دل کو اس برف سے دھویا' یہاں تک کہ خوب پاک کر دیا' پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

"ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ ان کو وزن کرو۔"

چنانچہ ان کے ساتھ مجھ کو وزن کیا گیا، میں ان پر غالب ہوا پھر کہا:

"سو آدمیوں کے ساتھ ان کو وزن کرو۔"

پس میں ان پر بھی غالب ہوا۔ پھر کہا:

"ہزار آدمیوں کے ساتھ ان کو وزن کرو۔"

پس میں ان پر بھی غالب ہوا، اس شخص نے کہا:

"قسم ہے خدا کی، اگر ساری امت کے ساتھ ان کو وزن کرو گے تب بھی ان پر غالب ہوں گے۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے بھی چرائی ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں، میں نے بھی چرائی ہیں۔"

واپسی پر حضور ﷺ کا کھو جانا

لوگوں کا بیان ہے:

"جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ میں آئیں، تو مکہ کے اندر انہوں نے حضور ﷺ کو کھو دیا، ہر چند تلاش کیا مگر حضور ﷺ نہ ملے، تب وہ سردار عبدالمطلب کے پاس آئیں اور کہا:

"میں محمد (ﷺ) کو لے کر آئی تھی، جب میں مکہ کے اوپر کے محلہ میں پہنچی تو وہاں محمد (ﷺ) کھو گئے۔"

سردار عبدالمطلب کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔

صحرائی تربیت

حضور ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئے تو ہر شخص آپ ﷺ سے پیار کرتا اور آپ ﷺ پر جان چھڑکتا تھا۔ آپ ﷺ کی آمد کی برکت سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دن پھر گئے تھے۔ ہر وقت فیوض و برکات کی برسات برستی، اور اہلِ خانہ خدا کی نعمتوں کو سمیٹتے رہتے۔

ننھے حضور ﷺ اپنے رضاعی بہن بھائیوں سے کھیلتے، خصوصاً حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کھیلتے، اور حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھاتے۔

رضاعی بہن بھائیوں میں حضرت شیما بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ننھے حضور ﷺ سے بہت انس تھا، یہ حضور ﷺ سے بے حد محبت اور پیار کرتی تھیں۔

حضور ﷺ کا بکریاں چرانا

جب ننھے حضور ﷺ کی عمر مبارک تین برس ہوئی تو ایک دن رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"اماں میرے بہن بھائی کہاں جاتے ہیں؟"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"میری جان آپ ﷺ پر فدا ہو۔ آپ ﷺ کے بہن بھائی تو بکریاں چرانے جاتے ہیں اور رات کو واپس آتے ہیں"۔

اس پر ننھے حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں بھی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کروں گا۔''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روکا، لیکن آپ ﷺ نہ مانے اور اصرار کیا۔

آخر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت دے دی اور حضور ﷺ ہر روز اپنے دودھ شریک بہن بھائی کے ہمراہ جنگل میں بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔

تین سال کی عمر میں جب ننھے حضور ﷺ اپنے رضاعی بہن بھائی کے ہمراہ بکریاں چرانے کے لیے چراگاہوں میں جانے لگے تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بکریوں کی تعداد روز افزوں زیادہ ہوتی گئی۔ دودھ دینے والی بکریاں پہلے سے زیادہ دودھ دینے لگیں، بکرے تروتازہ ہونے لگے، اور چراگاہ میں ہریالی بڑھنے لگی یہ دیکھ کر بنو سعد بہت خوش ہو گئے۔

کھیل کود سے اجتناب

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رہنے کے دوران جب حضور ﷺ بڑے ہوئے، اور بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو ان سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دودھ شریک بھائی کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''بھائی! ہم کھیل کود اور باتوں کے لیے نہیں پیدا ہوئے''۔

ننھے حضور ﷺ بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ خود کھیل میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ جب لڑکے آپ ﷺ کو کھیلنے کے لیے بلاتے تو حضور ﷺ فرماتے:

''میں کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہوں''۔

بھوک اور پیاس کا احساس

جن لوگوں نے حضور ﷺ کا بچپن دیکھا ہے، وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نا واجب مذاق نہیں کیا۔ گھر میں کبھی مانگ کر کھانا نہیں کھایا۔ جو کچھ کھانے کو دیا جاتا، کھا لیتے۔ کبھی کسی کھانے والی چیز میں کوئی نقص یا عیب نہیں نکالا۔

حضرت ام ایمن (برکہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے نہیں دیکھا کہ رسول خدا ﷺ نے کبھی بھوک پیاس کی شکایت کی ہو۔
آپ ﷺ صبح صبح آب زم زم پی لیتے۔ ہم ناشتہ دیتے تو فرماتے:
''میرا پیٹ بھرا ہوا ہے''۔
اس روایت کو ابن سعد دوسری سند سے نقل کرتے ہیں۔ جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:
''آپ ﷺ نے بچپن میں اور نہ بڑے ہو کر بھوک پیاس کی کبھی شکایت کی''۔

اس بچے کو قتل کردو

عمر گراں مایہ کی تین منزلیں گزر گئیں، اور آپ ﷺ چوتھی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔
یہی وہ دن تھے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو ایک کاہن کے پاس لے گئیں۔ کاہن نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور ننھے حضور ﷺ کو اٹھالیا اور کہنے لگا:

''لوگو! آؤ اس بچے کو قتل کردو، اور مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کردو، اگر یہ بچہ جوان ہو گیا تو تمہیں تمہارے دین سے ہٹا دے گا اور خدا کی وحدانیت کی طرف بلائے گا''۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

''جب میں نے اس کاہن کا شوروغوغا سنا تو اس کے ہاتھوں سے ننھے حضور ﷺ کو چھین لیا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑی، اور اس کاہن سے کہا:
''کیا تم دیوانے ہو؟ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس قسم کی یاوہ گوئی کرو گے تو میں یہاں کبھی نہ آتی۔ تم کسی شخص کو بلاؤ جو تمہیں قتل کردے، ہم تو محمد ﷺ کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ زندہ رہیں گے''۔

اس کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو لے کر فوراً اپنے گھر آگئیں۔

کاہن اور یہود کی دشمنی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں:

"جب کسی یہودی جماعت کا گزر ہوتا، اور میں انہیں ننھے حضور ﷺ کے حالات بتاتی تو وہ لوگ آپ ﷺ کو مار ڈالنے کی ترغیب دیتے"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزید بیان فرماتی ہیں:

"جب میں ننھے حضور ﷺ کو لے کر بازار میں کاہنوں کے پاس جاتی تو وہ بھی آپ ﷺ کو مار ڈالنے کی صدائیں بلند کرتے اور کہتے:

"اس بچے کو مار ڈالو ورنہ یہ بڑا ہو کر تمہارے ہم مذہبوں کو قتل کرے گا، تمہارے بت توڑ ڈالے گا، اور تم پر اس کی حکومت قائم ہو جائے گی"۔

قیافہ شناس کی دہائی

ایک بار حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو لے کر ہذیل کے ایک قیافہ شناس کے پاس پہنچیں، وہ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پکارا:

"اے قوم عرب! اس بچے کو قتل کر دو کیونکہ یہ تمہارے ہم مذہب لوگوں کو مارے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور تم پر غالب آ جائے گا"۔

یہ سن کر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو لے کر وہاں سے چلی آئیں۔

سچائی اور راست گوئی

ننھے حضور ﷺ بچپن ہی سے صادق اور امین مشہور تھے، کیونکہ حضور ﷺ ہمیشہ سچ بولتے اور امانت میں کبھی خیانت نہ کرتے۔

بچپن ہی سے آپ ﷺ کی شرافت نفس، اخلاق فاضلہ، فہم وفراست کے غیر معمولی آثار دیانت وامانت کے اعلیٰ ترین شاہکار، آپ ﷺ کی ذات اقدس میں ہمہ وقت مشاہدہ کیے جاسکتے تھے۔

حجر وشجر کا جھکنا اور سلام کرنا

ننھے حضور ﷺ جب اپنے بہن بھائیوں کے ہمراہ بکریاں چرانے کے لیے جانے لگے تو جلد ہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچوں نے ایک عجیب وغریب چیز دیکھی، انہوں نے درختوں اور پتھروں میں سے عجیب آواز نکلتی سنیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا ننھا رضاعی

بھائی ﷺ جب کسی درخت یا چٹان کے پاس سے گزرتا ہے تو اس درخت یا چٹان کے پاس سے آواز آتی ہے:

"اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ پر سلام ہو"۔

بچے اس بات پر بڑے حیران ہوئے، انہوں نے یہ سب ماجرا اپنی ماں کو سنایا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو پہلے ہی باخبر تھیں کہ ان کا رضاعی بیٹا کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے۔

انہوں نے اپنے بچوں سے کہا:

"بچو! اس بات کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا۔ تمہارا بھائی کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے۔ وہ بڑا ہو کر بہت بڑا سردار بننے والا ہے۔ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرو، اور خیال رکھو، اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے"۔

یہ بات سن کر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچوں نے پہلے سے زیادہ ننھے حضور ﷺ کا خیال رکھنا شروع کر دیا، اور پہلے سے زیادہ جان چھڑکنے لگے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جب پہلے دن ننھے حضور ﷺ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ہمراہ جنگل میں بکریاں چرانے کے لیے گئے، تو اس دن شام کو ہم لوگ ان کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ننھے حضور ﷺ کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، اور بکریاں مبارک قدموں سے لپٹی چلی آتی ہیں۔ ایک بکری کا پاؤں میرے لڑکے نے توڑ دیا تھا، جب آپ ﷺ نے اس کے پاؤں پر ہاتھ پھیرا تو وہ فوراً اچھا ہو گیا۔ پھر میں نے اس اپنے بیٹے سے دریافت کیا:

"آج تم نے اپنے بھائی محمد ﷺ کا کیا حال دیکھا؟"

میرے بیٹے نے کہا:

"آج ہم نے دیکھا کہ ہمارے اس بھائی کے سامنے جو بھی درخت اور پتھر اور پہاڑ آتا یا جنگل کے جانور، یہ سب بلند آواز سے کہتے تھے۔ "السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ" اور جس مقام پر یہ قدم رکھتے وہاں فوراً سبزہ نمودار ہو جاتا۔ جب ہم بکریاں کو پانی پلانے کنوئیں پر گئے تو پانی جوش مار کر لبریز ہو گیا۔ ہمیں

ایک خونخوار شیر بھی ملا۔ اس نے ہم پر حملہ کا ارادہ کیا کہ اچانک اس کی نظر ہمارے بھائی محمد ﷺ پر پڑگئی، تو وہ فوراً محمد ﷺ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ اور قدموں پر لوٹ گیا اور کہا: "السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ۔" پھر محمد ﷺ نے اس کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ اس وقت چلا گیا"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے بچوں سے کہا:

"اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا"۔

سراجِ منیر

ننھے حضور ﷺ اندھیری راتوں کے روشن چراغ تھے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جب سے ننھے حضور ﷺ میرے گھر میں رونق افروز ہوئے تھے، مجھے راتوں کو چراغ جلانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی، کیونکہ ننھے حضور ﷺ کے نور سے سارا گھر روشن رہتا تھا"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزید فرماتی ہیں:

"جب تک آپ ﷺ ہمارے گھر پر رہے، آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے نور سے میرا گھر ہمیشہ روشن و درخشاں رہتا تھا۔ جب مجھے اندر جانے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ کے نور سے اندھیری کوٹھری روشن ہوجاتی، اور جو چیز مجھے درکار ہوتی، میں بلاتکلف اس روشنی سے حاصل کرلیتی تھی"۔

ہوش مندی و بیدار مغزی

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رقمطراز ہیں:

"حضور ﷺ نے جو ابتدائی چار سال بنی سعد کے درمیان صحرا میں گزارے۔ وہاں گزارے ہوئے وقت میں قوت، صحت وتندرستی، فصاحت وبلاغت اور بے باکی وجرات جیسی صفات سے مالا مال ہوئے، بچپن ہی میں بہترین شہ سوار

ہوئے ۔اس صحرا میں آپ ﷺ کی صلاحیتوں کو پروان چڑھنے اور سورج کی دھوپ اور کھلی ہوا میں جسمانی وروحانی تربیت حاصل کرنے کے بہترین مواقع میسر آئے۔آپ ﷺ بچپن ہی سے نجابت وشرافت کا پیکر تھے ۔ہوش مندی اور بیداری مغزی چہرے سے عیاں تھی، جو ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی"۔

آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچوں کے ہمراہ بکریاں چرانے جاتے، بلکہ قدرت کی ہر چیز کو غور سے دیکھتے اور پھر اس سے متعلق کبھی اپنے بھائیوں سے اور کبھی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مختلف سوالات کیا کرتے ، اور ایسے ایسے سوالات پوچھا کرتے کہ وہ لوگ دنگ رہ جاتے ۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ سے یہ عقل مندی کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔

ذوالمجاز کے قیافہ شناس

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو لے کر ان کی والدہ محترمہ سے ملوانے کے لیے گئیں تو راستے میں حبشہ کے لوگوں سے ڈر کر واپس آ گئیں۔اس کے بعد دوبارہ اس ارادہ سے چلیں اور جب ذوالمجاز سے گزریں، تو وہاں ایک قیافہ شناس تھا۔لوگ اس قیافہ شناس کو اپنے بچے دکھانے کے لئے جاتے تھے۔

جب اس قیافہ شناس نے ننھے حضور ﷺ کو دیکھا، اور آپ ﷺ کی آنکھوں کی سرخی اور مہر نبوت کو دیکھا تو چیخ اٹھا:

"اے اہل عرب! اس بچے کو قتل کر دو ، یہ تمہارے اہل دین کو قتل کرے گا۔
تمہارے بت توڑ دے گا اور تمہارے اوپر غلبہ پا لے گا"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو لے کر وہاں سے نکل آئیں، اور پھر انھوں نے حضور ﷺ کو کبھی کسی کو بھی نہیں دکھایا۔

کتابِ فطرت کے اوراق اور درسگاہِ فطرت

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سال میں دوبار حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ

تعالیٰ عنہا سے ان کے نورِ نظر ﷺ کو ملانے لاتیں۔

ایک روایت کے بموجب چار سال اور دوسری روایت کے مطابق پانچ سال بعد صحرائی تربیت کے اس شاہکار کو آغوشِ مادر میں بٹھا کر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوجھل دل کے ساتھ بنوسعد کے ٹھکانے لوٹیں۔ وہ نورِ دیدہ زندگی بھر حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھیں روشن کرتا رہا، خیر کا دروازہ جو اس ذات کے طفیل کھلا تھا، بنوسعد پر پھر کبھی بند نہ ہوا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے:

"عالمِ طفلی میں کوئی گندی حرکت آپ ﷺ سے سرزد نہ ہوئی۔ آپ ﷺ دوسرے بچوں کی طرح گریہ وزاری نہیں فرماتے تھے۔ حوائج ضروری سے فراغت کا وقت متعین تھا۔ آپ ﷺ چاند کی طرف بہت راغب تھے۔ اکثر اس سے باتیں کرتے رہتے، کوئی غیبی ہاتھ آپ ﷺ کا پنگھوڑا ہلاتا رہتا۔ بڑے ہوئے تو عام بچوں کی طرح کھیل کود میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ خود بھی وہاں سے ہٹ جاتے اور انہیں بھی کھیلنے سے منع فرماتے"۔

حضور ﷺ نے ہوش سنبھالا تو کتابِ فطرت کے اوراق، ریگستان کی وسعتوں، آسمان کی رفعتوں، پہاڑوں کی بلندیوں، موسم کی تندیوں، ہوا کی سبک ساریوں اور چشموں کی نغمہ سنجیوں کی صورت میں کھلے تھے۔

صحرا کی وسعتوں میں ایک مقناطیسی کشش ایک کیفیت جمال وجلال اور ایک قوت نمو ہوتی ہے، جو جسم وجاں کی صلاحیتوں کو بیدار کرتی ہے۔ وہ جسے اللہ تعالیٰ معلم کتاب وحکمت بنانے والا تھا، اس کی خبر ونظر کے لیے درسگاہ فطرت کھول دی۔

بدویوں کی سادہ زندگی، انسانی فطرت کے شریفانہ جوہر اور زبان وبیان کی فصاحت عطا فرمائی جب ہی تو ارشاد ہوا:

"میں تم سے سب سے خالص عرب ہوں، میں قریشی ہوں، اور میں نے بنی سعد بن بکر کے قبیلے میں دودھ پی کر پرورش پائی ہے"۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

"میں تم سب میں زیادہ فصیح اس لیے ہوں کہ قریش سے ہوں، اور میری زبان

بنی سعد بن بکر کی زبان ہے"۔(جو فصحائے عرب میں بہت مشہور تھے)

پاس رضاعت

حضور ﷺ نے اس رضاعت کا پاس عمر بھر رکھا، اور پھر آپ ﷺ کے خلفاء نے بھی ان کا احترام ملحوظ رکھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بھی آتیں، آپ ﷺ ان کا احترام فرماتے، ایک بار حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہو جانے کے بعد آئیں۔ اپنے علاقے کی خشک سالی اور جانوروں کی ہلاکت کا شکوہ کیا۔

حضور ﷺ نے اس موقع پر انہیں چالیس بکریاں اور ساز و سامان خورد و نوش سے لدا ہوا اونٹ عطا فرمایا۔

جب آپ ﷺ نے اعلائے کلمتہ الحق بلند فرمایا تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے، اور آپ ﷺ کے دست حق پرست سے ایمان کی دولت بھی پائی۔ شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسلمان ہوئے۔

حضرت عمر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

> "ایک عورت آئی اور آپ ﷺ سے ملنے کی اجازت چاہی، جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو بے اختیار "میری ماں، میری ماں" کہتے ہوئے اٹھے، اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا۔ فرط محبت سے اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا اور "ماں ماں" کہتے رہے۔ ان کی ہر ضرورت پوری فرمائی"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی مدینہ آئیں، انہوں نے بھی اجازت کے ساتھ اپنے آقا ﷺ کا عمل دہرایا، اور انہیں بہت کچھ عطا فرمایا۔

حضور ﷺ کے دودھ شریک بھائی نے کسی وقت آپ ﷺ سے پوچھا تھا:

"کیا اب کسی کی بعثت ہونے والی ہے"۔

اس کے جواب میں آپ ﷺ نے اشارتاً فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن میں تجھے پہچان کر تیرا ہاتھ پکڑ لوں گا"۔

حضور ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد یہ صاحب ایمان لائے تو اکثر بیٹھ کر رویا کرتے تھے، اور پھر خوشی سے مسکراتے اور کہتے:

"مجھے تو صرف یہ امید ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ میرا ہاتھ پکڑ لیں گے تو میری بخشش ہو جائے گی"۔

منبع رحمت

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا۔ اس میں قبیلہ ہوازن اور بنی سعد بن بکر کے لوگ بھی مدمقابل تھے۔ جنگ کے بعد بہت مال ومنال اور مرد وزن مال غنیمت میں آئے اور مجاہدین میں تقسیم ہو گئے۔ حضور ﷺ لوٹتے ہوئے مقام جعرانہ میں مقیم تھے کہ ہوازن کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور ایمان لے آیا۔

ان کے سردار اور خطیب نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ان اسیران جنگ میں آپ ﷺ کی بہنیں، خالائیں، پھوپھیاں شامل ہیں۔ جو دور کے رشتے دار ہیں، وہ بھی آپ ﷺ سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا، انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی گودی میں اٹھایا ہے، آغوش میں بٹھایا ہے۔ زانوؤں پر کھلایا ہے، اور اپنی چھاتیوں سے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔ اگر ہم شاہان غسان اور حیرہ سے یہ سلوک کیے ہوتے یا جو منزلت آپ ﷺ کی ہے، ان کو حاصل ہوئی ہوتی تو ان سے بھی ہم آس لگائے ہوتے سو بات کی ایک بات آپ ﷺ تو بہترین کفیل ہیں"۔

یہ تقریر سن کر اللہ کے آخری رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم نے آنے میں بڑی تاخیر کی، میں نے گمان کیا کہ شائد تم نہ آؤ گے۔ سب کچھ بانٹا جا چکا ہے۔ اب یوں کرو کہ جب میں نماز ظہر پڑھا چکوں تو تم کہنا مسلمانوں سے رسول اللہ ﷺ کے طفیل اور رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی

بدولت ہم طلب گار شفاعت ہیں"۔

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اپنے اور بنی عبدالمطلب کے حصہ کے بنی ہوازن کے لونڈی وغلام انہیں واپس کر دیئے، یہ دیکھ کر مہاجرین اور انصار نے اپنا حصہ پیش کر دیا۔ قبائل عرب نے بھی ان کی تقلید کی۔

یوں رشتہ رضاعت کے لیے ابر جود وکرم بن کر برسا۔

درود وسلام اس شیر خوار بنی ہوازن پر جس نے اس قبیلہ کے ہزاروں غلاموں اور لونڈیوں کو آزادی اور دولت ایمان سے سرفراز فرمایا۔

آغوشِ مادر

بارِ امانت

سعادتوں اور نیک بختیوں کے اس منبع کو لوٹانے کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کی سرحدوں کی طرف روانہ ہوئیں۔

غیب سے ندا آئی:

"اے مکہ کی سرزمین تجھے مبارک ہو۔ آج سے تیرا نور کمال اور تیرا چاند واپس آرہا ہے، آج سے مکہ کی سرزمین قحط سے محفوظ ہو گئی ہے، اور اب قیامت تک خزانوں سے مالا مال ہوگی"۔

اور جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو لے کر حرم کے متصل پہنچیں تو ایک آواز سنی:

"اے حلیم! تجھے مبارک ہو آج آفتاب جود و سخا شاہِ جواں دولت تشریف لاتا ہے"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کے قریب پہنچیں تو شہر کے بڑے دروازے کے قریب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جگر گوشہ کو ایک جگہ بٹھایا، اور خود قضائے حاجات کے لیے گئیں، اتنے میں ایک لرزا دینے والی خوفناک آواز سنائی دی، گھبرا کر بچے کی طرف دوڑیں تو انہیں وہاں موجود نہ پایا۔ ادھر ادھر دیکھا جب کہیں آپ ﷺ کو نہ پایا، تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور کہا:

"یہاں میرا بچہ تھا"۔

لوگوں نے کہا:

"کون سا بچہ؟"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"وہی بچہ جو میرے ساتھ تھا، جس کا نام محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرا سرمایہ افتخار میرا مخزن اعتبار میرا باعث روزگار، اس امانت کو ماں کے سپرد کرنے آئی تھی۔ وہ ابھی ابھی یہاں تھے، اگر وہ مجھے نہ ملے تو پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرا دوں گی"۔

ادھر ادھر دیکھا، نا امید ہو گئیں، جب حضور ﷺ کا کوئی سراغ نہ ملا تو "وامحمدا وامحمدا" کہتی بلک بلک کر رونے لگیں، ان کی دلخراش آواز نے سب کے دل ہلا دیئے، ان کی بے قراری اور آہ وزاری سے جس نے انہیں دیکھا، بے اختیار اشکبار ہو گیا، ان کی پریشانی دیکھ کر ایک بوڑھا آیا اور سب واقعہ سننے کے بعد کہنے لگا:

"بت ہبل سے جا کر معلوم کرو کہ تمہارا بچہ کہاں ہے؟ کیونکہ وہ سب جانتا ہے"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"تو نہیں جانتا کہ ان کی ولادت کے وقت ان بتوں کا کیا حال ہوا تھا"۔

اس بوڑھے نے کہا:

"تو پاگل ہے، میں خود جا کر معلوم کرتا ہوں کیونکہ پریشانی کی وجہ سے تیری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی ہے"۔

وہ بوڑھا گیا اور بتوں کے گرد سات چکر لگا کر دریافت کیا۔

ہبل نے یہ سنا اور گر پڑا، اور تمام دوسرے بت سرنگوں ہو گئے، اور بولے:

"ہمارے سامنے محمد ﷺ کا نام مت لو، وہ تو ہمیں ہلاک کرنے والا ہے۔ یہ شخص تو ہمیں سنگسار اور بے اعتبار کر دے گا۔ ہماری کیا مجال کہ اس کے معاملے میں دخل دیں، جس کا نام سنتے ہی ہمارے سب حیلے اور فتنے مٹ گئے"۔

وہ بوڑھا لرزیدہ باہر آیا، اور کہنے لگا:

''اے حلیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ! تیرا خدا تیرے محمد (ﷺ) کو ضائع نہیں کرے گا''۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ڈرتی تھیں کہ جب سردار عبدالمطلب کو اس گمشدگی کا علم ہوگا تو ان پر کیا گزرے گی۔ آخر وہ دوڑی دوڑی سردار عبدالمطلب کے پاس گئیں۔

سردار عبدالمطلب نے انہیں اس بدحواسی سے آتا دیکھ کر کہا:

''کیا میرے محمد ﷺ کو کھو بیٹھی ہو؟''

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''ہاں سردار! ننھے محمد ﷺ کہیں کھو گئے ہیں''۔

سردار عبدالمطلب تلوار سونت کر باہر نکلے، اور ''یا آل غالب'' کا نعرہ لگایا۔

بنی قریش جمع ہو گئے۔

عبدالمطلب نے کہا:

''میرا بیٹا کھو گیا ہے۔ میرے ساتھ ڈھونڈنے چلو''۔

قریش نے کہا:

''سردار آپ بیٹھیں، ہم آپ کے بیٹے کو پہاڑوں، صحراؤں اور جنگلوں میں تلاش کریں گے''۔

قریش کے ان پرجوش نوجوانوں نے قسمیں کھائیں:

''جب تک ہم محمد (ﷺ) کو تلاش نہ کرلیں، نہ کھانا کھائیں گے، نہ نہائیں گے اور نہ خوشبو کا استعمال کریں گے''۔

انہوں نے مکہ مکرمہ کی ہر وادی چھان ماری، مگر آپ ﷺ نہیں ملے۔

آخر تھک ہار کر سردار عبدالمطلب بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، طواف کیا، اور بارگاہ رب کعبہ میں التجا کی:

''اے میرے رب کریم! میری کسی سواری پر سوار ہو کر چلے جانے والے سوار محمد ﷺ کو مجھ پر لوٹا دے، اور مجھ پر اپنا خصوصی احسان فرما''۔

ایک روایت کے مطابق یوں کہا تھا:

"اے اللہ! میرے پردیسی اور مفقود الخبر سوار کو واپس فرما اور مجھے احسان و کرم سے سرفراز فرما دے، اور تو نے ان کو میرا دست و باز و اور معاون و مددگار بنایا تھا"۔

الوفا میں لکھا ہے۔

ایک روایت کے مطابق:

"سردار عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو ایک ضروری کام کے لیے بھیجا تھا۔

اس موقع پر یہ اشعار کہے تھے۔

یہاں مترجم لکھتے ہیں:

"نہ کے آپ ﷺ کے کھو جانے کے وقت"۔

غیب سے ندا آئی:

"لوگو! آہ وزاری کی ضرورت نہیں۔ محمد ﷺ کا رب انہیں ضائع نہیں کرے گا۔

وہ وادی تہامہ میں شجر یمن کے پاس بیٹھے ہیں"۔

سردار عبدالمطلب یہ سنتے ہی وہاں پہنچے تو آپ ﷺ کو وہاں موجود پایا۔

سردار عبدالمطلب نے انہیں اونٹ پر اپنے پیچھے سوار کیا، ہر چند چاہا مگر اونٹ نے قدم نہ اٹھایا۔ جب حضور ﷺ کو اپنے آگے بٹھایا تو اونٹ چلنے لگا۔

شرف النبی میں لکھا ہے:

"سردار عبدالمطلب کے حضور ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے وہاں ابو مسعود ثقفی پہنچے کیونکہ وہ آگے آگے جا رہے تھے۔ جب انہوں نے ایک بچے کو ایک درخت کے نیچے بیٹھا دیکھا تو پوچھا؟"

"بیٹا آپ (ﷺ) کون ہیں؟"

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

"ثقفی یہاں سے ہٹ جاؤ"۔

ابو مسعود بڑا حیران ہوا کہ یہ بچہ اور اس قدر جرات مندانہ حاضر جوابی۔

ابو مسعود ثقفی نے پھر کہا:

"مگر آپ (ﷺ) کون ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں سید عرب کا بیٹا محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں''۔

اس پر ابو مسعود لوٹے کہ سردار عبدالمطلب کو اطلاع پہنچائیں۔

سردار عبدالمطلب نے حضور ﷺ کو اپنے کندھے پر بٹھا لیا، اور اس طرح کعبہ کے گرد گھومتے جاتے اور آپ ﷺ کے لیے دعا کرتے اور پناہ مانگتے جاتے۔

حلیمہ ؓ کی واپسی

ننھے محمد ﷺ کے ملنے کی خوشی میں سردار عبدالمطلب نے بکریاں اور گائے ذبح کر کے اہل مکہ کی ضیافت کی، اور اس کے علاوہ بے شمار اونٹ اور بہت سا سونا صدقہ میں دیا۔

اب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سردار عبدالمطلب کا شکریہ ادا کیا اور اجازت طلب کی۔ سردار عبدالمطلب نے خوش ہو کر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قسم قسم کے انعام واکرام سے مالا مال کر دیا، اور وہ خوش وخرم اپنے قبیلہ کو روانہ ہوئیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو ان کے دادا سردار عبدالمطلب کے حوالے کرنے کے بعد کے حالات کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

''میں حضور ﷺ کی خدمت کے بعد ہمیشہ خوشحال اور فارغ البال رہی۔ میں ان نعمتوں کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ جو مجھے حضور ﷺ کی خدمات کے صلہ میں ملیں''۔

برکہ ؓ کی سرپرستی اور خدمت

جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کر کے اپنے علاقہ کو روانہ ہوئیں تو حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سرپرستی میں ننھے حضور ﷺ کی پرورش وخدمت میں شریک ہوئیں۔ یہ آپ ﷺ سے بے حد محبت کرتیں، اور دن رات حضور ﷺ کی خدمت گزاری اور خبر گیری میں گزار دیتیں۔ ہمہ وقت آپ ﷺ کی دیکھ بھال کرتیں آپ ﷺ کے کپڑے دھوتیں اور پہنایا کرتیں۔

قریش کا خوف

ابو رحام سے مروی ہے:

"جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کو پانچ سال کی عمر میں آپ ﷺ کے دادا سردار عبدالمطلب اور والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کر گئیں، تو انہی دنوں ایک کاہن مکہ مکرمہ آیا۔ اس کاہن نے جب ننھے حضور ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگا:

"اے گروہ قریش! اس بچے کو قتل کر دو۔ یہ تمہارے اندر تفریق و انتشار پیدا کر دے گا اور تمہیں ہلاک کر دے گا"۔

یہ سن کر سردار عبدالمطلب جلدی سے آپ ﷺ کو وہاں سے نکال لائے۔ قریش کاہن کی یہ باتیں سن کر ہمیشہ حضور ﷺ سے خوف زدہ رہتے تھے۔

آنکھوں کا نور

حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوشی کا کیا اندازہ کہ ان کا لخت جگر اور نور نظر جس کی پیشانی سے اقبال اور سعادت کا نور ہویدا تھا۔ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے تھا انہیں دیکھ کر عمر میں جوان اور غم سے نڈھال بیوہ اپنا بوجھ ہلکا کرتیں۔ اس زمانے کا ایک گھریلو واقعہ حضور ﷺ کو یاد رہا وہ یہ تھا۔

آپ ﷺ کی والدہ سوکھا گوشت (قدید) کھایا کرتی تھیں۔ حبشی کنیز حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف تھیں۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کا خیال آیا۔ آپ ﷺ کے اکثر ننھیالی رشتے دار یثربی تھے۔ ان سے ملنا بھی منظور تھا۔ دو اونٹوں پر سوار مختصر سا قافلہ حضرت برکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھلائی کے ساتھ روانہ ہوا۔ دار النابغہ میں اترا۔ جہاں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون تھے۔ ایک ماہ وہاں قیام کیا۔

ان دنوں کا ایک ایک واقعہ چھ سالہ بچے کی ذہن کے اوراق پر نقش تھا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ کے حافظہ میں یہ باتیں تازہ ہوئیں۔ والد کا مدفن، والدہ کا قیام، بنی نجار کا وہ

کنواں جہاں آپ ﷺ نے تیرنا سیکھا۔ بنی نجار کی وہ گڑھی جس کے سامنے ننھیالی لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتے جس کی منڈیر پر بیٹھی چڑیاں اڑاتے۔

ان دنوں ایک یثربی لڑکی انیسہ اکثر آپ ﷺ کی شریک کھیل ہوا کرتی۔

حضرت برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

''یثرب کے یہود آپ ﷺ کو بہت غور سے دیکھتے، میں نے ان میں سے ایک کو کہتے سنا:

''یہ اس امت کے نبی ﷺ ہیں، اور یہی ان کا دارالہجرت ہے''۔

میں نے اس کی بات گرہ میں باندھ لی۔

لوٹتے وقت بدر کے قریب ابواءُ کے مقام پر حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا علیل ہو گئیں۔ یہ مختصر سا قافلہ وہیں رک گیا۔

وقت آخر آپ ﷺ اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے تھے، ماں نے اپنے جلیل القدر بیٹے کو جی بھر کر دیکھا اور چند اشعار پڑھے۔

نوید دمِ واپسیں

''اے بیٹے! اللہ تجھ میں برکت دے، تو اس شخص کا فرزند ہے، جس کا فدیہ ایک سو قیمتی اونٹ تھے۔

''میرے نورِ نظر! میں نے تیری نبوت کا جو خواب دیکھا ہے، اگر وہ سچ ہے تو یقیناً تو جن وانس کی طرف مبعوث ہوا ہے''۔

''اے لڑکے! صاحب جلال وصاحب اکرام نے تجھے حلال وحرام کے نافذ کرنے کے لیے بھیجا ہے''۔

''اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اللہ نے تجھے بتوں سے دور رکھا، اور تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کا مطیع بنایا، تو حق کو باطل سے جدا کرنے کے لیے آیا ہے''۔

بیٹے کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"ہر زندہ ایک نہ ایک دن مرجائے گا، ہر نئی شے کی قسمت میں پرانا ہونا ہے۔ ہر ایک کی منزل فنا ہے، میں مروں گی لیکن میرا ذکر باقی رہے گا۔ اس لیے کہ میں نے خیرِ عظیم کو بطور نشانی چھوڑا ہے۔ میں نے ایک طیب وطاہر ﷺ کو جنم دیا ہے"۔

اس وقت حضور ﷺ کی عمر چھ سال اور تین ماہ تھی۔

دادا عبدالمطلب کے زیرِ سایہ

چراغ تہہِ داماں

چھ سالہ بچے پر کیا گزری ہوگی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، زندگی کا یہ پہلا سانحہ تھا اور بڑا ہی سخت، ماں کی ابدی جدائی اور وہ بھی پردیس میں۔

یتیم اب یسیر بھی ہوگیا، اس کا حامی وہ تھا جو بے سہاروں کا سہارا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو اپنی ماں کی قبر یاد تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب ابواء پر سے گزر ہوا تو فرمایا:

"اللہ نے محمد (ﷺ) کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی"۔

آپ ﷺ نے قبر کو درست کیا، اور بے اختیار روئے، یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی رونے لگیں، پھر عرض کیا:

"آپ ﷺ نے تو رونے سے منع فرمایا تھا"۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان کی ممتا مجھے یاد آگئی، اور میں رو دیا"۔

حضرت برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس چراغ تہہِ داماں کو سینے سے لگایا اور ماں کی طرح نگراں رہیں اور یہ ماں کہتی ہیں:

"میرے اس جلیل القدر بیٹے نے کبھی بھوک اور پیاس کی شکایت نہیں کی۔ اکثر صبح کو زم زم میں شربت نوش فرماتے، پھر رات تک کسی چیز کو نہ کھاتے، دوپہر

میں کھانا سامنے رکھا جاتا تو فرماتے:

"مجھے بھوک نہیں ہے"۔

حضور اکرم ﷺ اکثر فرمایا کرتے:

"یہ خاتون میری ماں کے بعد میری ماں ہیں"۔

گھنا سایہ

مکہ مکرمہ پہنچے تو عبدالمطلب نے یتیم و یسیر پوتے کو سایہ عاطفت میں لے لیا۔ اسی سال پوتا شدید آشوب چشم میں مبتلا ہوا تو توجہ سے علاج کروایا، افاقہ نہ ہوا تو عکاظ میں ایک عیسائی خانقاہ کے راہب کو بھی دکھلایا۔

مختلف رواتیوں سے پتہ چلا ہے کہ انہیں یقین تھا کہ عبداللہ کا یتیم اور آمنہ کا جگر گوشہ بڑا نام پانے والا ہے۔ بنی مدلج کی ایک جماعت سردار مکہ سے ملنے آئی، یہ کھوجی اور قیافہ شناس تھے۔ دریتیم کا نقش کف پا دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش پا (جو مصلّٰی ابراہیم کہلاتا ہے) کے مشابہ پایا، انہوں نے عبدالمطلب سے کہا:

"اس بچے کی بطور خاص حفاظت اور نگرانی کریں"۔

دادا نے حقیقی چچا ابو طالب سے کہا:

"اس بات کو غور سے سن لیں"۔

سردار عبدالمطلب کے بیٹھنے کے لیے کعبۃ اللہ کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا۔ حطیم میں ان کی جگہ مخصوص تھیں، معززین قریش میں سے خود حرب بن امیہ تک ادب سے اس کے اطراف میں بیٹھتا تھا، ان کی عظمت و وجاہت کی وجہ سے ان کے بیٹے تک مسند پر قدم نہ دھرتے، پوتا سنِ شعور کو پہنچ چکا تھا، بڑھ کر مسند پر بیٹھ جاتا، چچا پیچھے ہٹانے کے لیے بڑھتے تو سردار عبدالمطلب جن کی بینائی کمزور تھی، آواز سن کر کہتے:

"میرے بچے کو نہ ہٹاؤ، اس میں خود شناسی کا نادر جوہر ہے، رب کعبہ کی قسم۔ اس کی تو بہت بڑی شان ہے"۔

پھر قریب بٹھا کر پشت پر ہاتھ پھیرتے۔

شاہ یمن سیف ذی یزن نے ۵۷۵ء میں حبشہ فتح کیا تو عرب کے وفود مبارکباد دینے

گئے۔ قریش کے وفد کے سردار عبدالمطلب بیت اللہ کے متولی تھے۔ ایک دن انہیں بطور خاص تخلیہ میں بلایا، بہت غور سے دیکھنے کے بعد کہا:

''میں اپنے خاندانی مخفی علم اور پوشیدہ کتاب سے ایک عظیم خبر آپ کو سناتا ہوں۔ تہامہ میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا، جس کے شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مہر ہوگی۔ اسے قیامت تک تمام عالم کی سرداری حاصل ہوگی۔ وہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس کے والدین وفات پاگئے ہیں۔ دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے، اللہ اسے علانیہ مبعوث فرمائے گا۔ اس کے دوستوں کو عزت اور دشمنوں کو ذلت سے ہمکنار کرے گا۔ روئے زمین کے بہترین سے بہترین علاقے وہ فتح کرے گا۔ اس کے اعوان وانصار کی مثالیں دی جایا کریں گی۔ اس کا قول محکم اور فیصلہ کن ہوگا۔ وہ مبنی برانصاف ہوگا''۔

عبدالمطلب نے مزید وضاحت طلب کی۔ ابن ذی یزن نے عزت، حشم اور جاہ کی قسم کھا کر کہا:

''اے عبدالمطلب! تم ہی اس ہستی کے دادا ہو''۔

عبدالمطلب نے تمام باتوں کی تصدیق کی۔ اس نے کہا:

''اپنے اس فرزند کی خاص طور پر یہودیوں سے حفاظت کیجئے۔ اس راز کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھیے تا آنکہ حق تعالیٰ خود اس راز کو افشا نہ کردے''۔

پھر ابنِ ذی یزن نے انعام واکرام کے ساتھ عبدالمطلب کو رخصت کیا۔

یہی وجہ تھی کہ عبدالمطلب اپنے پوتے کو آنکھوں کے سامنے سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ جب کھانا کھاتے تو کہتے:

''میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ''۔

آپ ﷺ آتے تو کھانا تناول فرماتے، اور دوسروں کو بھی طعام میں شریک کرتے۔ آپ ﷺ جو کام بھی کرتے اسے دیکھ کر انہیں خوشی ہوتی۔ جب سوئے ہوئے ہوتے تو کسی اور کو ان کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوتی، مگر بلند اقبال پوتا جا کر ان کے بستر پر بیٹھ جاتا۔

❁❁❁

دادا کی محبت وشفقت

گمشدہ اونٹ ڈھونڈ لاتے

حضور ﷺ کے دادا سردار عبدالمطلب کی کوئی قیمتی چیز کھو جاتی تو حضور ﷺ کو وہ چیز ڈھونڈنے کے لیے کہتے۔ آپ ﷺ وہ چیز لے کر ہی پہنچتے۔ کبھی خالی ہاتھ واپس نہ آتے۔

معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں:

''ایک بار میں عمرہ کی غرض سے خانہ کعبہ پہنچا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جو طواف کر رہا تھا، اور یہ کلمات کہہ رہا تھا:

''محمد (ﷺ) میرے اونٹ لے کر آ جاؤ''۔

''اے خدا محمد (ﷺ) کو واپس لے آ اور مجھ پر رحم فرما''۔

میں نے کہا:

''یہ کون ہیں؟''

لوگوں نے بتایا:

''یہ شخص سردار قریش عبدالمطلب ہیں۔ ان کے پاس کثیر اونٹ ہیں، جب ان کے کچھ اونٹ کھو جاتے ہیں تو یہ اپنے بیٹے کو تلاش کے لیے بھیجتے ہیں، اور اگر وہ تلاش نہ کر سکے تو پھر سردار مکہ اپنے پوتے کو بھیجتے ہیں، اب بھی انہوں نے ان کو بھیجا ہوا ہے، دیر ہو جانے کی وجہ سے پریشان ہو گئے ہیں''۔

سردار مکہ عبدالمطلب بے چین تھے، بے حد پریشان ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ کمسن بچے کو پہاڑوں میں اکیلا بھیج دیا ہے، پریشانی میں بیت اللہ کا طواف کیا اور اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگیں، کچھ وقت نہیں گزرا تھا کہ حضور ﷺ اونٹوں کو لے کر واپس تشریف لے آئے۔

مسندِ عبدالمطلب

کعبہ کے سایہ میں سردار عبدالمطلب کے لیے مسند لگائی جاتی تو حضور ﷺ بھی اس مسند پر تشریف رکھتے، سردار عبدالمطلب انہیں اپنے پاس بٹھاتے اور طرح طرح سے محبت و شفقت کا اظہار فرماتے، اور جب آپ ﷺ چاہتے تو ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے، حالانکہ ان کی دوسری اولاد ان کی ہیبت کی وجہ سے یہ جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

اگر حضور ﷺ کے کوئی چچا آپ ﷺ کو مسند سے اٹھانا چاہتے تو سردار عبدالمطلب فرماتے:

"میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم اس کی بڑی شان ہونے والی ہے"۔

پھر آپ ﷺ کو اپنے پاس بٹھا لیتے، اور آپ ﷺ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے، اور جو بھی آپ ﷺ کرتے، اسے دیکھ کر خوش ہوتے۔

ایک بار کسی نے آپ ﷺ کو روکا تو سردار عبدالمطلب نے فرمایا:

"میرے بیٹے کو بلاؤ وہ اس پر بیٹھیں کیونکہ میں خود ان کے لیے بزرگی اور شرف محسوس کر رہا ہوں، اور میں امید کرتا ہوں کہ ان کو وہ شرف حاصل ہوگا جو نہ کسی عربی کو پہلے ملا، نہ آئندہ ملے گا"۔

حرام اور مشتبہ غذاؤں سے پرہیز

جس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک سات برس تھی تو یہودیوں نے آپس میں کہا:

"ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ پیغمبر حرام اور مشتبہ غذاؤں کو استعمال نہیں کرتا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ہم ان کا امتحان لیں"۔

چنانچہ انہوں نے ایک مرغ چرایا اور کھانا پکایا۔ یہودیوں کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہ تھا کہ مرغ چوری کا ہے۔ اس لیے سب نے کھایا مگر حضور ﷺ نے اس کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھایا۔

جب سبب دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"یہ حرام ہے، اور خدا مجھے حرام سے محفوظ رکھتا ہے"۔

اس کے بعد یہودیوں نے مزید امتحان کے لیے اپنے پڑوسی کا مرغ پکڑ لیا اور خیال کیا:

"یہ غذا مشتبہ ہے"۔

اس کے بعد یہودیوں نے کہا:

"اس کی قیمت بعد میں دے دیں گے"۔

اس کھانے کو بھی سب نے کھایا' مگر حضور ﷺ نے ہاتھ تک نہ بڑھایا اور فرمایا:

"یہ غذا مشتبہ ہے"۔

اس کے بعد یہودیوں نے کہا:

"یہ بچہ بڑی عظمتوں کا مالک ہے، اور اس کی شان نرالی ہے"۔

ایک دعوت میں آپ ﷺ کے سامنے اس جانور کا گوشت آیا جو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔

میرا پوتا بڑے رتبہ والا ہوگا

حضور ﷺ کے واقعات ولادت اور اس کے بعد رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات سے حضور ﷺ کی شخصیت اور عظمت کی ترجمانی ہوتی ہے، آپ ﷺ کے بچپن میں آپ ﷺ کی باتیں اور آپ ﷺ کا کردار دوسرے بچوں سے مختلف اور ممتاز رہا۔ اس بات کا اندازہ سردار عبدالمطلب کو بخوبی ہو گیا تھا، اس لیے وہ حضور ﷺ کا بخوبی احترام کیا کرتے تھے، اور جب لوگ حضور ﷺ کو بچہ سمجھ کر ان کی مسند پر بیٹھنے سے روکتے تو سردار عبدالمطلب فوراً مداخلت کرتے اور فرماتے:

"بچے میں خود شناسی کا نادر وصف ہے، اور یہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہے، اور مجھے امید ہے کہ میرا پوتا بڑے رتبہ والا ہوگا"۔

ابوطالب کو ہدایت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

حضور ﷺ کے بچپن میں بنی مدلج کی ایک جماعت سردار مکہ عبدالمطلب سے ملنے کے لیے آئی۔ یہ جماعت کھوجی اور قیافہ شناس تھی۔ انہوں نے ننھے حضور ﷺ کے نقش کف پا کو دیکھ لیا تو سردار عبدالمطلب سے عرض کیا:

"سردار! اس بچے کی اچھی طرح سے حفاظت و نگرانی فرمائیں، کیونکہ ان کے قدم مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم اقدس سے بہت مشابہ ہیں"۔

یہ باتیں سن کر سردار عبدالمطلب نے حضور ﷺ کے جاں نثار چچا ابو طالب سے فرمایا:

"ان لوگوں کی بات غور سے سنو"۔

چنانچہ ابو طالب اپنے والد کی ہدایت کے مطابق حضور ﷺ کا زیادہ خیال رکھنے لگے۔

برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہدایت

سردار عبدالمطلب کی نگرانی میں حضرت برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا ننھے حضور ﷺ کی پرورش و خدمت میں مصروف رہا کرتی تھیں۔

حضرت برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"ایک دن سردار عبدالمطلب نے مجھ سے فرمایا:

"اے برکہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تم میرے بچے (ﷺ) سے غفلت نہ کیا کرو، کیونکہ اہل کتاب کے مطابق یہ اس امت کے نبی (ﷺ) ہیں"۔

اور جب بنی مدلج کے قیافہ شناسوں نے سردار عبدالمطلب کو بتایا:

"اس بچے کے قدم مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک سے ملتے ہیں، اس لیے ان کی حفاظت کریں"۔

یہ سن کر سردار عبدالمطلب نے حضرت برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی یہ بات فرما کر انہیں حضور ﷺ کی حفاظت و نگرانی کا حکم دیا۔

لعاب دہن کی تاثیر

جب حضور ﷺ سردار عبدالمطلب کے زیر سایہ محبت و شفقت پرورش پا رہے تھے تو آپ ﷺ کی آنکھیں دکھنے لگیں۔

ابن جوزی کے مطابق:

''اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک سات برس تھی۔ آنکھیں دکھنے پر مکہ میں علاج کروایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لوگوں نے عبدالمطلب کی خدمت میں عرض کیا:

''عکاظ کے قریب ایک کہن سال تجربہ کار، جہاندیدہ اور شب زندہ دار راہب رہتا ہے، آپ ان سے اپنے پوتے کا علاج پوچھیں، یہ راہب علاج چشم کے لیے مشہور ہے''۔

سردار عبدالمطلب ننھے حضور ﷺ کو گود میں اٹھا کر عکاظ کی چل پڑے، سرِ شام وہاں پہنچے۔ لوگوں سے راہب کا پتہ دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک ایک سال تک مکان میں بند رہتا ہے اور عبادت کرتا ہے، جب وہ حضور ﷺ کو گود میں اٹھائے ہوئے راہب کے مکان کے سامنے پہنچے تو واقعی مکان کو بند پایا، لیکن چند ثانیہ بعد ہی راہب گھبرایا ہوا باہر نکلا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

سردار عبدالمطلب کو دیکھ کر ان کے پاس آیا اور حضور ﷺ کو بہ نظر تعمق دیکھ کر پوچھنے لگا:

''یہ کس کے نور چشم ہیں؟''

سردار عبدالمطلب نے جواب دیا:

''میرے پوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں، میں معالجہ کی غرض سے ان کو تمہارے پاس لایا ہوں''۔

راہب نے کہا:

''آپ اپنے نور چشم کو ایسے شخص کے پاس لائے ہیں، جو خود طالب علاج ہے۔ آپ ان ﷺ کی شان عظمت سے واقف نہیں ہیں، ان ﷺ کا دہن مبارک خود چشمہ شفا ہے اور یہ ﷺ خود جہاں بھر کے طبیب ہیں، انہی ﷺ کا لعاب دہن ان ﷺ کی آنکھوں پر لگایئے، پھر اس کے معجزانہ اثرات کو دیکھئے، آپ کو مبارک ہو کہ آپ کے خاندان میں ایسی جلیل القدر ہستی کی پیدائش ہوئی ہے۔ جس کی انقلاب آفرین صدا سے مشرق و مغرب گونج اٹھیں گے، اور دین و دنیا کی برکتیں جس کے قدموں کی خاک میں لوٹیں گی۔ اس بچے کا خاص خیال رکھیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ خدا نے اس کو ایک عظیم الشان کام کے لیے اس

دنیا میں بھیجا ہے، جو کام سابق انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ انجام دیتے تھے"۔

اس راہب نے سردار عبدالمطلب کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا:

"جب آپ تشریف لائے تھے تو میں عبادت میں مصروف تھا کہ اچانک مکان میں ایسا زلزلہ آیا کہ اگر میں باہر نہ نکلتا تو شاید چھت کے نیچے دب کر مر جاتا۔ یہ واقعہ ان کی حیرت انگیز بزرگی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے"۔

سردار عبدالمطلب ننھے حضور ﷺ کو لے کر واپس آئے، اور آپ ﷺ کا لعاب دہن آنکھوں پر لگایا۔ لعاب لگانے سے آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

بارش کے لیے دعا کی قبولیت

اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔

حضرت رقیہ بنت ابی صفی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

"چند برسوں سے قریش قحط اور تنگی میں مبتلا تھے، زمین پر گھاس نہ اگتی تھی اور جانور کمزور ہو رہے تھے، میں نے اس زمانہ میں خواب دیکھا اور خواب میں ہاتف کو یہ کہتے سنا:

"اے گروہ قریش! تم میں نبی ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ ان کے نکلنے کا وقت ہے، وہ تمہارے لیے زندگی اور شادابی لائیں گے، تو ایسے شخص کو دیکھو جو تم میں بزرگ، بلند قامت، ستواں ناک والا، خوش رو، لانبی پلکوں والا اور لائق افتخار حسب والا ہو، وہ اپنے بیٹے کو اور تم اپنے بیٹوں کو لے کر نکلو، اور ہر وادی سے ایک شخص خوشبو لگا کر نکلے، اور کعبہ کا طواف کرنے کے بعد کوہ ابوقبیس پر جاؤ، وہ دعا کرے اور تم امین کہو تو بارش ہو جائے گی، اور زندگی عمدہ ہو جائے گی"۔

حضرت رقیہ بنت ابی صفی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

میرا خواب سن کر ہر شخص پکار اٹھا:

"خواب میں بتائی گئی تمام خوبیاں سردار عبدالمطلب میں ہیں"۔

سب نے خواب کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ سردار عبدالمطلب نے ننھے حضور ﷺ کو دوش مبارک پر بٹھایا اور ان کے توسط سے دعا کی۔

راوی کا بیان ہے:

"خدا کی قسم ابھی لوگ پہاڑ سے اترے بھی نہ تھے کہ ایک بادل بیت اللہ کی طرف سے اٹھا اور خوب برسا اور سب نالے بہہ نکلے۔"

لوگوں نے مل کر کہا:

"بطحاً کے سردار مبارک ہو"۔

یہ بارش ہر جگہ ہوئی مگر قیس اور مضر کے شہروں میں نہ ہوئی۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا:

"سردار عبدالمطلب کے پاس چلتے ہیں کہ ہمارے لیے بھی بارش کی دعا کریں"۔

یہ لوگ مکہ مکرمہ آئے اور سردار عبدالمطلب سے مل کر دعا کے لیے کہا:

سردار عبدالمطلب نے کہا:

"میں نے تمہاری بات سن لی ہے اور مان بھی لی ہے اور تمہارے ساتھ کل کا وعدہ ہے"۔

صبح ہوئی تو عبدالمطلب تشریف لائے۔ ننھے حضور ﷺ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ دوسرے لوگ بھی اپنے لڑکوں کو لائے تھے۔ سردار عبدالمطلب بیٹھے تو گود میں حضور ﷺ کو بٹھا لیا اور خدا سے قیس اور مضر کے شہروں میں بارش کی دعا کی۔ ابھی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ بارش شروع ہوگئی۔

عبدالمطلب نے قیس و مضر کے لوگوں سے کہا:

"اے قیس و مضر کے گروہ! واپس جاؤ، تمہارے ہاں بارش ہوگئی ہے"۔

جب وہ اپنے علاقے میں پہنچے تو ان کے ہاں بارش ہو رہی تھی۔

دادا کا دستر خوان

سردار عبدالمطلب اپنے پوتے ننھے حضور ﷺ سے بے حد محبت کرتے تھے، اور انہیں اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ چاہتے اور محبت وشفقت کا اظہار فرماتے۔ سردار عبدالمطلب ننھے حضور ﷺ کے ساتھ نہایت عزت واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے، اور آپ ﷺ کے بغیر دستر خوان بچھانے نہیں دیتے تھے، اور خلوت وجلوت کے تمام اوقات میں ننھے حضور ﷺ سردار

عبدالمطلب کے پاس آتے جاتے تھے، اوران کی مسند پر بیٹھ جاتے تھے۔

سردار عبدالمطلب اس وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک حضور ﷺ اس میں شریک نہ ہوں، اور کبھی کبھی کھانے کے وقت حضور ﷺ کو گود میں بٹھا لیتے تھے۔

اسرافیلؑ خدمت پر مامور تھے

اللہ تعالیٰ نے ننھے حضور ﷺ کی نگہبانی اور خدمت پر حضرت اسرافیل علیہ السلام کو مامور فرمایا۔

بقول مجدالدین فیروز آبادی:

"صاحب صراط مستقیم کے حضرت اسرافیل علیہ السلام حیات پاک ﷺ کے ساتویں برس سے گیارھویں برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہے، اور اس دوران آپ ﷺ کے سامنے ظاہر بھی ہوتے"۔

❁❁❁

شفیق دادا کا سایہ سر سے اٹھ گیا

ابر کرم

ایک دفعہ مکہ میں شدید قحط پڑا، لوگ بلبلا اٹھے۔ یہ مصیبت چند سال جاری رہی، آخر سب کوئی تدبیر کرنے سردار مکہ عبدالمطلب کے پاس جمع ہوئے۔ انہیں اشارہ غیبی ہوا، پوتے کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر سب کے ساتھ کوہ ابوقبیس کا رخ کیا۔ ان کے واسطے سے رب کعبہ سے بارش کی دعا کی۔ پہاڑ سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ کالی بدلی گھر آئی، پھر ابر رحمت یوں برسا کہ جل تھل ایک ہو گئے۔

جب کوئی قیمتی چیز کھو جاتی تو دادا عبدالمطلب آپ ﷺ کو ڈھونڈنے کے لیے کہتے۔ آپ ﷺ کی ذہانت پر حد درجہ اعتماد تھا، اور آپ ﷺ بھی چیز لے کر ہی پہنچتے۔ ایک دفعہ کچھ اونٹ گم ہو گئے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا۔ ناکام لوٹے۔ دادا نے پوتے سے کہا، آپ ﷺ اس کام پر گئے تو بہت دیر ہو گئی۔ اب کوئی دادا کی بے چینی دیکھتا، بے حد پریشان ادھر ادھر ٹہلنے لگے، اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔

''ناحق اس کم سن کو پہاڑوں پر بھیج دیا۔ جانے کیا آفت پیش آئی ہو گی''۔

بہت مضطرب ہو گئے تو بیت اللہ پہنچ کر طواف کیا۔ اللہ سے رو رو کر سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ کچھ وقت نہیں گزرا کہ پوتا اونٹوں کو لیے لوٹ آیا۔ دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھے، اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی اکیلا نہیں بھیجوں گا۔

آخری وقت آیا تو برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب کیا اور فرمایا:

"اے برکہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! میرے اس بیٹے کی طرف سے کبھی غفلت اور بے پروائی نہ برتنا، کیونکہ اہل کتاب کہتے ہیں:

"یہ اس امت کا نبی ﷺ ہے"۔

ابو طالب کو بلایا، اور ان کے حقیقی بھائی عبداللہ کی نشانی ان کے سپرد کی۔

ایک روایت یہ بھی ہے:

"آپ نے پوتے کو اختیار دے دیا کہ جس کے ساتھ رہنا پسند کریں وہ کفالت ونگرانی کرے۔"

دوسری روایت ہے:

"حضرت زبیر کو کفالت کی ذمہ داری سپرد ہوئی۔"

سب سے بڑے بیٹے حارث کا تو ان کی زندگی میں انتقال ہو چکا تھا۔ مرتے وقت اپنے بڑے بیٹے زبیر کو اپنا وصی جانشین اور سردار قبیلہ نامزد کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کعبہ کی تولیت بخشی حالانکہ وہ بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

بیٹیوں سے کہا:

"نوحہ کے اشعار سناؤ"۔

ایسے میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت پوتا دادا کے سرہانے کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔ ماں کے بعد اب محبت کرنے والا دادا بھی وہاں سے جا رہا تھا، جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر قریباً آٹھ سال تھی۔

جب ان کا جنازہ حجون کے گورستان لے جایا جا رہا تھا، تو آٹھ سالہ پوتا بھی میت کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، لیکن عبداللہ کے یتیم ﷺ کی نظر کعبہ پر تھی، جو بے آسروں کا آسرا اور بے سہاروں کا سہارا ہے۔

سربراہان بنی ہاشم

حضرت عبدالمطلب کی موت نے دفعتاً بنو ہاشم کا رتبہ گھٹا دیا۔ اب اقتدار کے لحاظ سے

بنوامیہ کا خاندان غالب آ گیا تھا۔ قریش کی مسند امارت پر اب حرب بن امیہ متمکن ہوا۔ مناصب ریاست میں صرف سقایہ یعنی حجاز کو پانی پلانے کی خدمت بنی ہاشم میں رہ گئی۔

حضرت عبدالمطلب نے وفات سے پہلے اپنے بڑے بیٹے حضرت زبیر کے حق میں صدر خاندان کی وصیت کی، یہی ان کے وصی اور جانشین ہوئے۔ انہیں حکومت اور خانہ کعبہ سے متعلقہ امور کا انتظام سپرد کیا، یہ کوئی تیرہ سال تک بنو ہاشم کے سردار رہے، ان کے انتقال کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک اکیس یا بائیس سال کی تھی۔

ان کے بعد ابو طالب بنی ہاشم کے ۲۸ سال سربراہ رہے۔ بعثت کا دسواں سال اور حضور ﷺ کی حیات مبارک پچاس سال کے قریب تھی کہ ابو طالب کا انتقال ہوا۔

اب بنی ہاشم کی سربراہی دشمنِ خدا اور دشمن دینِ خدا ابولہب کے حصہ میں آئی۔ اس نے حسن کی دولت پائی تھی لیکن متاع ایمان سے محروم رہا۔ پانچ سال سے زائد عرصہ تک سردار رہا۔ ۲ھ میں غزوہ بدر کے چھ ماہ بعد طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر عبرت ناک موت پائی۔

الفت کے تانے بانے

حضرت زبیر بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھائی تھے، یعنی دونوں کی ماں ایک تھیں، ان کی بیوی عاتکہ بنت وہب بن عمرو بڑی شفیق خاتون تھیں۔ ان دونوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جگر گوشہ کی نگہداشت میں برابر کا حصہ لیا۔

ابو طالب کے زیرِ کفالت

شبانی سے کلیمی تک

اپنے والد کی نصیحت کے مطابق ابو طالب اپنے بھائی کی نشانی اپنے گھر لے آئے۔ وہ بہت کشادہ تھے۔ بہت کریم النفس تھے، اپنی اولاد سے بڑھ کر بھتیجے کو چاہتے تھے، ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ ﷺ سے بے حد پیار کرتی تھیں۔

ابو طالب حضور ﷺ کو اپنے ساتھ سلاتے، جب باہر نکلتے تو ساتھ لے جاتے، ان کے بغیر کھانا نہ کھاتے۔ ابو طالب کے گھر میں بچوں کے لیے جب ناشتہ آتا تو بچے ناشتے کے گرد جمع ہو جاتے ابو طالب نے دیکھا کہ یتیم بھتیجا اس میں شریک نہیں ہوتا تو انہیں اپنے ساتھ کھلانے لگے۔ نوعمری میں یہ سنجیدگی مستقبل کی شخصیت کا پتہ دیتی تھی۔ جب منبع خیر و برکت شریک طعام ہوتے تو سب آسودہ ہو کر کھاتے ورنہ سیری نہ ہوتی۔ اسی لیے ابو طالب اپنے بھتیجے کے بارے میں کہتے:

"تو حقیقت میں بابرکت ہے"۔

یہ فرزند جب کھانے پر بیٹھتا تو "بسم اللہ" کہتا، اور فراغت پاتا تو "الحمدللہ" کہتا۔ کسی نے اسے جھوٹ بولتے نہیں سنا، اور نہ اس نے کبھی کوئی جاہلانہ بات کی، نہ انہیں کبھی بے جا ہنستے دیکھا، کھیل کود سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، سب بچے صبح کو بیدار ہوتے تو آنکھوں میں میل ہوا کرتا اور بال پراگندہ، لیکن یہ بابرکت ہستی خواب سے بیدار ہوتی تو آنکھیں سرگیں ہوتیں، بالوں پر قدرتی طور پر تیل لگا ہوتا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

ایک بار ہم لوگ اراک (پیلو کے درخت) کے پھل چن رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو سیاہ ہو گئے ہوں وہ لو کہ وہی سب سے اچھے ہوتے ہیں، جب میں بکریاں چراتا تھا تو میں بھی انہیں چنتا تھا"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے؟"

اللہ کے آخری ﷺ نے فرمایا:

"کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں"۔

مشغلہ تجارت اختیار کرنے تک دس بارہ سال یہ سلسلہ جاری رہا، صبح ہوئی بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے ہانکتے صحرا اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے۔ کہ... فطرت کھلی ہوتی، ابھرتا چڑھتا اور ڈوبتا سورج، ٹھنڈا، دہکتا اور جھلستا صحرا، نرم، گرم اور غضب ناک بادِ صرصر، رنگ بدلتے پہاڑ، سایہ دیتی وادیاں اور سرسبز نخلستان۔ یہی خالق ارض وسما کے مصور اوراق تھے۔ جسے ید قدرت لوحِ فطرت پر ابھار رہی تھی۔ ان کا غور و فکر سے مطالعہ اور دقتِ طلب سے مشاہدہ وہ کر رہا تھا۔ جسے قدرت نے دنیا میں سیکھنے کے لیے نہیں بلکہ سکھانے کے لیے پیدا کیا تھا۔

لہو ولعب سے تحفظ

ابو طالب کے ساتھ رہتے ہوئے دو اہم واقعات آپ ﷺ کی شخصیت کی تعمیر کا ایک اہم حصہ ہیں۔ مکہ میں ایک جگہ گانے بجانے کی محفل تھی گرمی کے دن تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی چرواہے سے طے کر لیا کہ وہ بکریوں کی نگرانی کرے' تاکہ آپ ﷺ گانے بجانے سے لطف اندوز ہوں۔ چراگاہ سے شہر پہنچے تو تھکن اور گرمی سے چور تھے۔ تقریب شروع ہونے میں وقت تھا۔ ایک درخت کے سائے میں ستانے لگے تو آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو اہل سرود اپنی دکان بڑھا چکے تھے۔ آئندہ کبھی اس طرح کے لہو ولعب میں حصہ لینے کا خیال تک نہیں آیا۔

ایک ... کے دو مقدس درخت تھے۔ جن میں پھل کی بہتات ہوتی' وہاں

بوانہ نامی بت نصب تھا۔ لوگ وہاں جاتے' اور بوانہ بت پر جانور بھینٹ چڑھاتے۔ سر منڈواتے اور مشرکانہ رسوم انجام دیتے۔ حضور ﷺ اس تقریب میں شریک ہونے سے ہر سال انکار کرتے۔ آخر ایک دن تمام پھوپھیوں اور چچاؤں کے سخت اصرار پر وہاں گئے۔ وہاں پہنچ کر بڑی دیر تک ان کی نظروں سے اوجھل رہنے کے بعد جب آپ ﷺ ظاہر ہوئے تو چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ پھوپھیوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

"جب بھی میں اس بت کے قریب جانا چاہتا ہوں تو ایک سفید رنگ' دراز قد شخص میرے قریب آ جاتا ہے' اور کہتا ہے:

"اے محمد (ﷺ) پیچھے ہٹ جایئے' بت کو ہاتھ مت لگایئے۔"

حضرت برکہ (ام ایمن) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں:

"اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ کبھی کسی ایسی تقریب میں نہیں گئے۔ جہاں بت پر بھینٹ چڑھائی جاتی ہو۔"

شرِ بولہبی

اسی زمانے میں ایک بار ابو طالب اور ابولہب کے درمیان کشتی ہو گئی۔ ابولہب نے ابو طالب کو پچھاڑ دیا' اور سینہ پر چڑھ کر بے تحاشا مارنے لگے۔ کمسن بھتیجے نے اسے دھکیل دیا۔ اب موقع پا کر ابو طالب حاوی ہو گئے' اور ابولہب پٹنے لگا۔ جب معاملہ ختم ہوا تو ابولہب نے کہا:

اے محمد (ﷺ) میں بھی تیرا چچا ہوں اور وہ بھی۔ تو نے یہ جانب داری کیوں کی۔ خدا کی قسم! میرا دل اب تجھ سے کبھی محبت نہ کرے گا۔"

بابِ رحمت

مکہ میں ایک بار پھر خشک سالی نے قدم جمائے' لوگ پریشان ہو کر ابو طالب کے پاس آئے' انہوں نے کہا:

"اپنے اپنے بچوں کو لے کر آؤ۔ کعبۃ اللہ میں دعا کریں گے۔"

سب جمع ہو گئے تو ابو طالب کو اپنے والد کا وقت یاد آیا' کمسن اور مقبول بارگاہِ حق بھتیجے ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور بیت اللہ سے ان کی پشت ملا دی۔ معصوم لڑکے نے دعائیہ انداز میں اپنے

ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔ صاف آسمان پر ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے۔ سوکھی زمین کی زبان تر ہوگئی' بدلی کھل کے برسی' خشک دھرتی کی کوکھ سے سرسبزی نے جنم لیا۔

اس واقعہ پر ابوطالب نے مدحیہ شعر کہا:

"وہ روشن جبیں، منور ہستی جس کے روئے زیبا کے واسطے میں بادلوں سے بارش کی دعائیں مانگی جاتی ہیں، وہ تو یتیموں کا سہارا، مظلوموں کا فریاد رس اور بیواؤں کا آسرا ہے"۔

سردار عبدالمطلب کی طرح حطیم میں ابوطالب کے لیے بھی الگ مسند بچھائی جاتی تھی جس پر کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا، مگر ننھے حضور ﷺ ان کے ساتھ جا کر بیٹھتے تھے۔ اس پر وہ کہا کرتے۔

"ربیعہ کے خدا کی قسم! میرے اس بھتیجے پر سرداری جچتی ہے"۔

قیافہ شناس کی پیشین گوئی

ایک مرتبہ قبیلہ لہبہ کا علم قیافہ کا ایک ماہر مکہ آیا، سب لوگ اپنے اپنے بچوں کو اس کے پاس لے گئے ابوطالب بھی اپنے بچوں کے ہمراہ ننھے حضور ﷺ کو لے گئے، اس نے آپ ﷺ کو دیکھا، اور پھر کسی کام میں مشغول ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اس نے بے تابی سے کہا:

"ذرا اس بچے کو میرے پاس لاؤ، جسے ابھی میں نے دیکھا ہے"۔

چچا نے اس کے اضطراب کو بھانپ کر آپ ﷺ کو گھر بھیج دیا۔

آپ ﷺ کو نہ پا کر اس نے کہا:

"اس کو میرے پاس لاؤ، خدا کی قسم! وہ بہت بڑا آدمی بننے والا ہے"۔

دعائے محمد ﷺ

ﷺ کی دعائے بارش

مکہ پر سخت قحط کے بادل منڈلا رہے تھے، خشک سالی نے لوگوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ جھاڑیاں سوکھ کر رہ گئی تھیں۔ درخت مرجھا گئے تھے۔ نخلستان خزاں میں بدل چکے تھے۔ پانی خشک ہو کر کنوؤں کی تہہ میں اتر چکا تھا۔ زمین پانی کی بوند بوند کو ترس رہی تھی، بہتے ہوئے چشمے خشک ہو چکے تھے، بکریوں کا دودھ ان کے تھنوں میں خشک ہو چکا تھا، اور گوشت سوکھ کر چمڑا ہو چکا تھا۔ ہڈیوں کے ڈھانچے ابھر آئے تھے۔ مویشی بھوکوں مر رہے تھے۔ اونٹوں کے کوہان دب گئے تھے۔ لوگوں کے چہرے موت کے خوف سے زرد ہو رہے تھے۔ بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے۔ کاروبار ختم ہو چکے تھے۔ ہر طرف موت کے عفریت منڈلا رہے تھے۔ لوگ دیوتاؤں کے استھانوں پر جھک گئے تھے۔ ان پر نذرونیاز چڑھا رہے تھے۔ گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ بارش کے لیے التجائیں کر رہے تھے۔

گرمی اپنے پورے شباب پر تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ زمین اور آسمان تنور کی طرح دہک رہے تھے۔ بھوک کے مارے لوگوں پر نقاہت طاری تھی۔ لوگ اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ کچھ تو قیلولہ کر رہے تھے اور کچھ بھوک کی نقاہت کی وجہ سے نیم مرگ تھے، وحوش وطیور کی آواز تک سنائی نہ دیتی تھی۔

شہر مکہ کے سردار ابو طالب ایسے میں اپنے گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں موجود

تھے ۔ اس خوبصورت کمرے میں دو پلنگ بچھے ہوئے تھے ۔ ان میں سے ایک پر تو ابو طالب نیم دراز تھے ، اور دوسرے پلنگ پر محمد ﷺ نیند کے عالم میں تھے ۔ حضور ﷺ کی عمر مبارک نو برس تھی ۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور پر پسینے کے موتی ڈھلک رہے تھے ۔ آپ ﷺ کبھی ایک کروٹ ہوتے تو کبھی دوسری کروٹ ، گرمی کی وجہ سے نیند بھی صحیح طور پر نہیں آ رہی تھی ۔

ابوطالب نے لیٹے لیٹے اپنے بھائی عبداللہ کی نشانی محمد ﷺ کی طرف دیکھا اور ان کی نگاہوں کے سامنے اپنے مرحوم بھائی کی تصویر ابھر آئی ، اور ان کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہوئے ۔ ان کے لبوں سے آہ سی نکلی ، اور خیالات کی لہریں ماضی کے اوراق کی ورق گردانی کرنے لگیں ۔

"میرا بھتیجا محمد ﷺ اپنے باپ کی جیتی جاگتی تصویر ہے ۔ آہ ، میرا مرحوم بھائی اپنے بیٹے کو بھی نہ دیکھ سکا ، اور اس کی ولادت سے پہلے ہی اس دنیا سے چل بسا ، آمنہ بھی زیادہ دنوں تک اپنے لخت جگر کو پیار نہ کر سکی ، اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملی ، سردار عبدالمطلب جو اپنے پوتے کو دیکھ کر جیتے تھے ۔ افسوس کہ وہ بھی انہیں زیادہ دنوں تک اپنی گود میں نہ کھلا سکے ۔ موت نے آخر انہیں بھی غائب کر دیا ، اور وہ اپنے یتیم پوتے کو روتا ہوا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ اب اور اب .... اس درِ یتیم محمد ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری میرے سر ہے ، اللہ تعالیٰ مجھے اس فرض کو بخوبی نبھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائیے" ۔

ابو طالب ابھی خیالات کے تانے بانے میں الجھے ہوئے تھے کہ اچانک دروازے پر دستک کی آواز نے ان کے خیالات کے تسلسل کو تحلیل کر دیا ۔ انہوں نے پلنگ پر لیٹے لیٹے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا ۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے ۔ اتنی شدت کی گرمی میں" ۔

دروازے پر ایک بار پھر دستک دی گئی ۔ ابو طالب اٹھ کر دروازے کی طرف گئے ۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو چند آدمیوں پر نظر پڑی ، ان کے چہرے پریشانی سے دھواں ہو رہے تھے ۔

ان میں سے ایک آگے بڑھا اور بولا :

"سردار ابوطالب ! یہ سب تمہارے الطاف وکرم کے امید وار ہیں ۔ یہ بڑی آس اور امیدیں لے کر تمہارے پاس آئے ہیں" ۔

ابو طالب نے معنی خیز انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ وہ بات سمجھ نہ پائے تھے۔

''ہاں کہو۔ کیا بات ہے؟''

ابو طالب نے پوچھا:

''سردار! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ قحط اور خشک سالی نے ہمیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمارے مویشی چارے کے بغیر ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہمارے بچے ہماری آنکھوں کے سامنے تڑپ رہے ہیں۔ مویشیوں کے دودھ خشک ہو چکے ہیں۔ ان کے جسم سوکھ کر چمڑا بن گئے ہیں۔ ہماری زمین پانی کے لیے ترس رہی ہے۔ ہماری تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اب ہم آپ کے پاس استمداد کے لیے حاضر ہوئے ہیں''۔

جلہمہ بن عرفطہ نے لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی۔

''میرے برادرم! یہ مدد کا نہیں دعا کا وقت ہے۔ تم سب مل کر دعا کرو اللہ ضرور تمہاری دعاؤں کو سنے گا''۔

ابو طالب نے کہا:

''سردار! ہم دعاؤں سے بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہماری جبینیں اساف اور نائلہ کے آگے جھکتے جھکتے تھک چکی ہیں۔ دیوتا ہم سے سخت ناراض ہیں۔ وہ ہماری کسی دعا کو نہیں سنتے۔ ہماری تمام منتیں اکارت گئی ہیں۔ ہماری قربانیاں اور نذر و نیاز بھی دیوتاؤں کو خوش نہیں کر سکیں۔ ہمارے معبود ہم سے روٹھ گئے ہیں۔ وہ ہم پر عذاب نازل کر رہے ہیں۔ سردار اب تو ہماری ساری امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔ آپ عبدالمطلب کے منظورِ نظر ہیں۔ تولیت کعبہ آپ کے خاندان میں ہے۔ سقایہ اور رفادہ کا شرف بھی آپ ہی کے حصے میں ہے۔ رب کعبہ آپ کی بات ضرور سنے گا۔ آپ دیوتاؤں سے ہمارے لیے بارش کی دعا کریں۔ تاکہ قحط اور خشک سالی سے ہماری جان چھوٹے۔ آپ ہی ہمیں اس قحط سے نجات دلوا سکتے ہیں''۔

اس سے پہلے کہ ابو طالب کوئی جواب دیتے۔ ایک نوجوان بولا:

"میں نے تو ان سے کہا ہے لات، عزیٰ اور منات کے استھانوں پر چلو، وہاں اپنی پیشانیاں جھکا دو، اور اس وقت تک سر نہ اٹھاؤ جب تک دیوتا ہم پر راضی نہ ہو جائیں۔ ہماری دعائیں قبول کرلیں اور ہم پر بارش برسا دیں۔ قربانیوں کے خون سے قربان گاہ کو سرخ کردو۔ ان سے التجائیں کرو، گڑگڑاؤ اپنی خطاؤں کی معافی مانگو، دیوتا ضرور ہم پر مہربان ہوں گے۔

مگر یہ بوڑھا ہمیں تمہارے پاس لے آیا ہے، یہ کہتا ہے کہ ہمارے اس مسئلے کو تم ہی حل کرسکتے ہو، اگر تم چاہو تو ہم پر زمین اپنے اناج اگل سکتی ہے، ہم پر آسمان سے پانی برس سکتا ہے، ہم پر پھر سے خوشحالی برس سکتی ہے۔

اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں، تم جانتے ہو ہمارے جنگل سوکھ گئے ہیں، زمین نے چارہ اگلنا بند کردیا ہے، کنوؤں نے اپنا پانی کھینچ لیا ہے، نخلستان مرجھا کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے بچے بھوک سے بے قرار ہیں، ہمارے مویشی چارے کے لیے ترس رہے ہیں۔ ان کے جسموں سے گوشت سوکھ گیا ہے۔ آسمان دھواں ہو رہا ہے۔ ہم سب پر موت کے مہیب سائے منڈلا رہے ہیں۔

اے سردار ابوطالب! چلو اور ہمارے لیے بارش کی دعا مانگو، دعا مانگو کہ آسمان کے تمام دروازے کھل جائیں، اور بادل اتنا پانی برسائیں کہ ہر طرف جل تھل ہو جائے"۔

ابوطالب سر جھکائے اہل مکہ کی فریاد سن رہے تھے۔ ان کی آنکھیں نمناک ہوگئی تھیں۔ وہ کتنے ہی لمحے سر جھکائے کھڑے رہے۔ پھر وہ کچھ کہے بغیر اندر چلے گئے۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد ابوطالب دوبارہ باہر آئے، اب ان کے ساتھ ایک نو سال کا بچہ تھا۔ یہ یتیم ﷺ ان کے بھائی عبداللہ کی نشانی تھا۔ وہ عبداللہ جس کی دیت میں سو اونٹ قربان کئے گئے تھے مگر افسوس کہ اجل نے پھر بھی انہیں لقمہ بنا لیا۔

محمد ﷺ ننھے محمد ﷺ اپنے شفیق اور مہربان چچا کے ہمراہ باہر آئے تھے۔ لوگ حیرت سے ننھے محمد ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔

ننھے محمد ﷺ جن کا چہرہ آفتاب کی طرح چمک رہا تھا، ان کے گرد کچھ اور لڑکے بھی

تھے۔ جوان کے گرد ہالہ کئے ہوئے تھے۔ وہ ان کے درمیان بدرمنیر کی طرح روشن اور چمکدار آنکھوں میں سرخ ڈورے، بالوں میں مانگ نکلی ہوئی، چاندی کی طرح چمکتی ہوئی فراخ پیشانی خم دار ابرو، لمبی مژگان، بلند بینی جس پر نور کی شعاع کھیل رہی تھی۔

ننھے محمد ﷺ نے اس مجمع پر نظر ڈالی، ان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ابو طالب ننھے محمد ﷺ کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے، لوگوں کا ہجوم بھی ان کے ساتھ تھا،

ابو طالب نے حرم میں پہنچ کر محمد ﷺ کی پشت دیوار کعبہ سے لگا دی اور کہا:

"بھتیجے بارش کے لیے دعا کیجئے۔ اللہ تمہاری دعا رد نہیں کرے گا، اور آپ ﷺ کی دعا کی فضیلت و برکت سے ان لوگوں سے قحط سالی کو ہٹا لے گا"۔

ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے:

"میں مکہ مکرمہ پہنچا تو اس وقت لوگ قحط میں تھے، قریش نے کہا:

"اے ابو طالب! قحط کے موقع پر پانی کے لیے دعا مانگنے کے لیے چلیں۔ جب ابو طالب گھر سے نکلے تو ان کے ساتھ ایک حسین لڑکا بھی تھا، گویا تاریک دن کے لیے وہ ایسا آفتاب تھا جس سے سیاہ بادل مٹ گیا۔ اس بچے کے اطراف میں چھوٹی عمر والے بہت سے لڑکے تھے۔ ابو طالب نے اس لڑکے کو لیا اور اس کی پشت کعبہ سے لگا دی۔ اس بچے نے اپنی انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ حالانکہ اس وقت آسمان پر کہیں بدلی کا نشان تک نہیں تھا، مگر انگلی کا اشارہ کرتے ہی سب طرف سے بادل آنا شروع ہو گئے اور خوب مینہ برسا"۔

ننھے محمد ﷺ کعبہ سے پشت لگائے کھڑے تھے۔

شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ گرم ہوا چہروں کو جھلسا رہی تھی۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے۔ سورج کی تمازت سے ہر چیز جھلس رہی تھی۔ تپ رہی تھی۔ دیوار کعبہ بھی انتہائی گرم تھی۔ لوگ گرمی سے بلبلا رہے تھے۔ جسم پسینے سے شرابور تھے۔ اب نگاہیں ننھے محمد ﷺ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اور بیم ورجا کے عالم میں کھڑے تھے۔ ابو طالب بھی ٹکٹکی باندھے اپنے پیارے بھتیجے ﷺ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ننھے محمد ﷺ نے ملتجی انداز میں اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف بلندی کی، اور دور

خلاؤں میں نظریں گاڑ دیں۔ دل ہی دل میں دعا کی۔ پھر ان کے لب ہلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ایک لمحہ بعد انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا، اور نظریں جھکا لیں۔ دور دور تک بادل کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ آسمان آگ برسا رہا تھا۔

ننھے محمد ﷺ کے اشارہ کو تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ افق پر بادلوں کے ٹکڑے نمودار ہوئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کارکنانِ قضا وقدر ننھے محمد ﷺ کی انگلی کے اشارے کے منتظر تھے۔ جونہی ننھے محمد ﷺ کی انگلی بلند ہوئی فوراً حرکت میں آ گئے۔

کالی گھٹائیں چھا چکی تھیں، اور پھر بارش کا پہلا قطرہ زمین پر اترا، اس کے پیچھے دوسرا لپکا، اور تیسرے نے بھی سبقت کی، اور پھر یکے بعد دیگرے بارش کے قطرے ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہوئے پیاسی زمین کو سیراب کرنے لگے۔ زمین کی پیاس بجھ رہی تھی۔ لوگوں کے چہروں پر رونق چھا رہی تھی۔ پرندے چہچہانے لگے، نخلستان نکھر آئے درختوں پر بھی جوبن آ گیا۔ گھاس نے زمین کا سینہ چیر کر سر باہر نکالا اور مستی میں جھومنے لگی۔

گھر گھر میں ابوطالب کے بھتیجے محمد ﷺ کے چرچے ہونے لگے۔ یہ محمد ﷺ کا کرشمہ تھا، جس کا اعلان بارش کا قطرہ قطرہ کر رہا تھا اور گھاس کا پتہ پتہ کر رہا تھا۔

قحط سالی ختم ہوگئی اور خوشحالی نے ڈیرے [illegible]۔

[illegible] قع پر ابوطالب نے جو قصیدہ لکھا، جس کو ابن اسحاق نے اس کے طول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور وہ قصیدہ اسی اشعار سے زیادہ کا ہے۔

حضور ﷺ اور ابوطالب

ابوطالب فرماتے ہیں:

"محمد ﷺ میرے ساتھ بستر پر سوتے تھے۔ کئی بار آپ ﷺ بستر سے غائب ہوتے، اور جب میں محمد ﷺ کو آواز دیتا تو آپ ﷺ کی آواز آتی۔"

"چچا جان! میں یہاں ہوں"۔

ابوطالب فرماتے ہیں:

"اکثر محمد ﷺ نیند میں عجیب قسم کا کلام پڑھتے، جو مجھے بہت اچھا لگتا"۔

مسند ابوطالب پر

ابو طالب کے لیے تکیوں والا فرش بچھایا جاتا تو ان کے ساتھ ننھے حضور ﷺ بھی تشریف فرما ہو جاتے۔"

ابوطالب فرمایا کرتے:

"میرے بھائی کا یہ بیٹا عظیم شان کا مالک ہے"۔

کھانے کا آغاز

ننھے محمد ﷺ سے ابوطالب اس قدر محبت فرماتے تھے کہ جب گھر میں کھانا تیار ہوتا، اور گھر والے صبح شام کھانے کا ارادہ کرتے تو ابوطالب فرماتے:

"تم لوگ جس حال میں بھی ہو، رک جاؤ، یہاں تک کہ میرا بیٹا آ جائے"۔

اس وقت تک کھانا شروع نہ کرتے، جب تک کہ آپ ﷺ تشریف نہ لے آتے۔

ننھے حضور ﷺ کی شرکت کی برکت سے سب لوگوں کے خوب کھانا کھانے کے بعد بھی کھانا بچ جاتا، اور جب یہ لوگ دودھ پیتے تو ابوطالب سب سے پہلے دودھ کا برتن ننھے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے اور پھر گھر والے اس پیالے سے باقی دودھ پیتے۔ یہاں تک کہ ایک پیالے سے سب گھر والے سیر ہو جاتے۔

ابوطالب کی محبت

ابوطالب ننھے حضور ﷺ سے اس قدر محبت کیا کرتے تھے کہ اپنی اولاد کو بھی اتنا نہ چاہتے تھے، ہمیشہ اپنے ساتھ سلایا کرتے اور جہاں جاتے ساتھ لے کر جاتے۔

ابوطالب نے حضور ﷺ کی بے انتہا حمایت اور حفاظت کی۔ وہ اپنے والد عبدالمطلب کی طرح کبھی حضور ﷺ کے بغیر دستر خوان پر نہ بیٹھتے۔ ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور اپنے دائیں پہلو میں سلاتے، اور اپنے ساتھ ہی باہر لاتے اور کسی وقت بھی خود سے جدا نہ کرتے۔

ابوطالب جب تک حیات رہے حضور ﷺ کے ناصر و فدائی رہے۔

✿✿✿

پاسبانِ بنی آدم

صبح صادق کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔

رب کائنات نے رات کے سیاہ اندھیرے سے سفید دن کو کھینچ نکالا تھا۔ گلی کوچوں میں اونٹوں کے بلبلانے اور بکریوں کے منمنانے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ چوپایوں کی گھنٹیاں فضا کو مترنم کر رہی تھیں۔ ہلکا ہلکا غبارِ راہ دھند کی مانند اٹھ کر بادل کی طرح تحلیل ہو رہا تھا۔

صبح نو طیور کی آوازیں ماحول کو اور زیادہ خوشگوار بنا رہی تھیں۔

بکریوں کے کچھ ریوڑ چرنے کے لیے چراگاہ کی طرف جا رہے تھے، اور کچھ لوگ اپنے ریوڑوں کو لے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

سورج نے آہستہ آہستہ مشرق سے اپنا چہرہ نکالنا شروع کیا۔ مکہ کے بازاروں میں رونق عود کر آئی تھی۔ کہیں کہیں لوگ چہل قدمی میں مصروف تھے۔

ایسا ہی ایک ریوڑ مکہ کی ایک سنسان گلی سے نمودار ہوا۔ بکریوں کے گلے میں بندھے گھنگھرو فضا میں رس گھول رہے تھے۔ بکریوں کے منمنانے کی آوازیں زندگی کا پتہ دے رہی تھیں۔ اس ریوڑ کو تین نو عمر لڑکے ہانک رہے تھے۔ تینوں کی عمریں نو دس سال کے لگ بھگ تھیں۔ تینوں خوبصورت تھے، اور ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان میں سے ایک طالب تھے، اور دوسرے محمد ﷺ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لختِ جگر اور آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل کے نور تھے۔

تینوں کے ہاتھوں میں لمبی چھڑیاں تھیں، جس سے وہ بکریوں کو ہانک رہے تھے۔ محمد ﷺ کا چہرہ نور سے دمک رہا تھا۔ طالب نے سر پر ایک گٹھڑی اٹھا رکھی تھی جس میں خور و نوش کا سامان تھا۔ اُن کا معمول تھا کہ صبح سویرے بکریوں کو لے کر چراگاہ کی طرف روانہ ہو جاتے اور پھر شام تک وہ اپنی بکریوں کو چراگاہ میں چراتے اور اندھیرا ہوتے ہی گھر لوٹ آتے۔

فضا میں ہلکا ہلکا غبار چھایا ہوا تھا۔ اس غبار کے دھندلکے میں دونوں اپنی بکریوں کو لیے جنگل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ غبار چھٹتا جا رہا تھا۔ محمد ﷺ کے چہرے پر وقار تھا، ان کے چہرے پر عجیب طرح کی دلکشی تھی، اور وہ نپے تلے قدموں سے چل رہے تھے، ان کی آنکھوں میں تجسس اور پیشانی پر تدبر کے آثار تھے۔

وہ عم زاد تھے، اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔

مکہ سے کچھ دور جانے کے بعد بکریوں کو چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا گیا۔ بکریوں ادھر ادھر اُگی ہوئی جھاڑیوں میں چلی جاتی، اور چرنے لگتیں، اور یہ تینوں لڑکے ایک جگہ بیٹھ کر باتوں میں مشغول ہو جاتے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ وہ دوپہر کا کھانا وہیں جنگل میں کھاتے اور شام گئے بکریوں کو لیے لوٹ آتے۔

آج بھی انہوں نے بکریوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا، بکریوں ادھر ادھر بکھر چکی تھیں، اور جنگل کی جھاڑیوں اور جڑی بوٹیوں سے اپنا پیٹ بھر رہی تھیں۔ وہ تینوں حسب معمول ایک جگہ پر آ کر بیٹھ گئے، اور باتوں میں مشغول ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جہاں وہ بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد ننھے محمد ﷺ وہاں سے اٹھے، شاید وہ کہیں جانا چاہتے تھے۔

ان میں سے ایک لڑکے نے پوچھا:

”محمد (ﷺ) کہاں جا رہے ہو؟“

”بکریاں دور جا رہی ہیں، میں دوسری طرف جا کر بیٹھتا ہوں، کہیں بکریاں دور نہ نکل جائیں“۔

محمد ﷺ نے جواب دیا۔

”تم اس کی فکر نہ کرو، یہ ہماری بکریاں ہیں، ہماری آواز سن کر پلٹ آئیں گی، تم یہاں ہمارے پاس بیٹھو“۔

محمد ﷺ نے اس کی طرف دیکھا پھر بولے:

''تم یہاں بیٹھو، میں ان کی پاسبانی کے لیے جا رہا ہوں''۔

طالب نے کہا:

''محمد ﷺ آؤ کچھ دیر ہمارے ساتھ کھیلو، بکریاں کہیں نہیں جاتیں''۔

مگر محمد ﷺ اپنی چھڑی لے کر وہاں سے روانہ ہو گئے، وہ دونوں انہیں جاتا ہوا دیکھنے لگے، پھر ان میں سے ایک کے لب ہلے:

''ہمارے عم زاد بھی عجیب ہیں، انہیں کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہیں، حالانکہ یہ عمر کھیل کود کی ہے''۔

''محمد (ﷺ) کو تنہائی سے پیار ہے، یہ ہر وقت تنہا رہنا چاہتے ہیں۔ نہ جانے کیوں ان کا دل کھیل کود کی طرف مائل نہیں ہوتا''۔

دوسرے نے جواب دیا۔

''ہر وقت کچھ سوچتے رہتے ہیں''۔

طالب نے کہا:

''انہیں سوچنے دو، چلو ہم کھیلیں''۔

طالب نے کہا:

دونوں لڑکے کھیل کود میں مصروف ہو گئے، اور محمد ﷺ ان سے کافی دور ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، بکریاں چرنے میں محو تھیں۔ ان کے گلے میں بندھے گھنگھرو خاموشی کا سینہ چیرتے۔

محمد ﷺ کی نگاہیں آسمان کی وسعتوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ وہ مسلسل آسمان کے خلاؤں میں گھور رہے تھے۔ یوں جیسے وہاں کچھ تلاش کر رہے ہوں۔ شاید انہیں وہاں خدا کی ذات اقدس کا احساس ہوا ہو۔ وہ مسلسل آسمان کی طرف دیکھے جا رہے تھے، کبھی کبھی ایک نظر اپنی بکریوں کی طرف بھی دیکھ لیتے اور پھر دوبارہ آسمان کی وسعتوں پر نگاہیں مرکوز کر لیتے۔

محمد ﷺ کے دل سے پکار اٹھتی:

''پیارے محمد (ﷺ)! اس جہان کا خالق و مالک کون ہے، کس نے اس زمین

آسمان کو بغیر ستون کے پھیلا رکھا ہے، یہ اونچی اونچی پہاڑیاں کس کے حکم سے زمین پر سینہ تانے کھڑی ہیں۔ اس کائنات کو پیدا کرنے والا کون ہے۔ کیا یہ سب خود بخود وجود میں آ گئیں، یا پھر ان کا کوئی خالق و مالک بھی ہے۔

یقیناً یہ از خود وجود میں نہیں آئیں۔ ضرور ان کا بنانے والا کوئی ہے۔ جس نے یہ صنعت گری کی۔ اس زمین کو بچھایا، اس کے سینے میں پہاڑوں کی میخیں ٹھونکیں، اس کے سینے سے میٹھے پانی کے چشمے جاری کیے۔ اس کی کوکھ سے پھل اور سبزیاں اگائیں، یہ چرند پرند، یہ کائنات، یہ انسان، یہ ہوائیں، یہ سب کس کے تابع فرمان ہیں۔"

صحرا کا ذرہ ذرہ پکار رہا تھا:

"محمد ﷺ! ہم سب کا مالک سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اس نے وسیع آسمان بنایا، اور زمین کی چادر پھیلائی، وہی سب کائنات کا رب ہے۔ اس نے سب کو پیدا کیا۔ آپ اسے تلاش کیجئے"۔

اب محمد ﷺ کی نگاہوں کے سامنے دیوی دیوتاؤں کے بے شمار بت ابھر آئے۔ بے جان بت، پتھر کے بت، گمراہ لوگوں کے جھوٹے خدا، جو نہ خود ہل سکتے ہیں، اور نہ کسی کی مدد پر قادر ہیں۔ پتھر کے وہ خدا جنہیں انسانی ہاتھوں نے تخلیق کیا، اور پھر خود ہی اپنی تخلیق کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔ اس کی عبادت کرنے لگے، اس کے آگے اپنی پیشانیاں سجدوں میں رگڑنے لگے۔ ان کے استھانوں پر اپنی پیشانیوں کو خاک آلود کرتے۔ ان کے ساتھ رقص کرتے، اپنی مرادیں ان سے مانگتے۔ کوئی ان کے سامنے فریاد کناں ہے، کوئی قربانیاں پیش کر رہا ہے، کچھ برہنہ طواف کر رہے ہیں کچھ ہاتھ جوڑے آنکھیں بند کیے خود بت بنے بیٹھے ہیں۔ اس کی حمد و ثنا کر رہے ہیں۔ کہیں ساز بجائے جا رہے ہیں، کہیں خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی ہیں۔ ان کے نام پر نذر و نیاز دی جا رہی ہے۔ یہ پتھر کی بے حس و حرکت مورتیاں اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کرتیں۔ یہ بھلا کسی کو کیا دے سکتی ہیں۔ یہ تو خود انسانی ہاتھوں کی محتاج ہیں۔ جو خود کسی کا محتاج ہو، بھلا وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے۔ پتھر کی یہ بے حس مورتیاں، پتھر کے یہ جھوٹے خدا مدتوں سے یونہی کھڑے تھے۔

"یہ سب کیا ہے۔ پتھر کی یہ بے جان مورتیاں، یہ خدا کیسے ہو سکتی ہیں۔ انہیں تو خود

انسانی ہاتھوں نے تراشا ہے، لیکن انسان کو کس نے بنایا۔ کون ہے اس کا خالق"۔

ننھے محمد ﷺ اکثر ان خیالات میں اتر جاتے۔ وہ گھنٹوں اس پر سوچتے۔ مگر وہ ابھی تک اس کے جواب سے محروم تھے۔

آج بھی محمد ﷺ انہیں خیالوں میں تھے۔ اتنے میں ان کے چند ہم عمر گڈریے اپنے ریوڑ لیے وہاں آئے، وہ محمد ﷺ کو یوں خیالات میں مگن دیکھ کر رک گئے۔

"محمد (ﷺ) کیا سوچ رہے ہو؟"

ان میں سے ایک لڑکے نے پوچھا:

محمد ﷺ چونک کر حقائق کی دنیا میں واپس آ گئے۔ خیالات کی لہریں پریشان ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں سوچ رہا ہوں، ہمارا خالق و مالک کون ہے، یہ زمین و آسمان کس نے تخلیق کیے۔ زمین کے سینے سے پانی کی نہریں کس نے جاری کیں، یہ سبزہ کس نے اگایا۔ پہاڑیاں کیسے وجود میں آئیں صحرا کے ذرے کیسے بنے"۔

وہ لڑکا یہ سن کر سہم گیا۔ خوف کے سائے اس کے چہرے پر پھیل چکے تھے۔ وہ محمد ﷺ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"محمد (ﷺ) ایسا نہیں سوچتے۔ یہ سب ہمارے دیوی دیوتا ہیں۔ یہ ہم سے ناراض ہو جائیں، پھر ان کا عذاب ہم پر نازل ہوگا"۔

محمد ﷺ زیر لب مسکرائے، اور اب لڑکے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا:

"مگر میرا دل اس بات کو نہیں مانتا"۔

لڑکا یہ سن کر بھونچکا رہ گیا۔ اس کے ساتھی بھی خوف زدہ ہو گئے۔ اس لڑکے نے کہا:

"محمد ﷺ! ایسی باتیں نہیں سوچتے، ہمارے دیوتا ناراض ہو جائیں گے"۔

"پھر کیا ہوگا"۔

محمد ﷺ نے پوچھا:

"پھر ہم پر عذاب نازل ہوگا۔ آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، ہمارے مویشی اور ہم بھوکوں مرنے لگیں گے۔ وہ ہمیں برباد کر دیں گے"۔

لڑکے نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''یہ پتھر کے بے جان ٹکڑے ہمیں کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ تو خود اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کر سکتے ۔ یہ بے حس وحرکت ہمیں کیا نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ یہ تو انسانی ہاتھوں کی تخلیق ہیں۔ یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ میرا دل اس بات کو نہیں مانتا۔ یہ پتھر کے جھوٹے خدا ہیں، یہ سچے نہیں، سچا خدا تو کوئی اور ہے، وہ جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا، ہمارے لیے زمین کی چادر بچھائی ۔ آسمان کا سائبان بنایا۔ تمام نعمتیں ہمارے لیے تخلیق کیں''۔

اتنے میں ایک اور لڑکا ان کے قریب آیا، اور آتے ہی بولا:

''آج بنو کنانہ کے ہاں راگ رنگ کی محفل ہے۔ ہم سب وہاں جا رہے ہیں۔ محمد (ﷺ) تم بھی آج رات ہمارے ساتھ وہاں چلو۔ بڑا لطف آئے گا''۔

محمد ﷺ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔

''ہاں، ہاں، محمد (ﷺ) تم ہمارے ساتھ ضرور چلنا، یہاں سارا دن جنگل میں بکریاں چراتے چراتے دن گزر جاتا ہے، ہماری زندگی میں کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے ۔ اب اگر ہم رات کو اس محفل میں چلے جاتے ہیں تو کیا مضائقہ ہے۔ تم ضرور چلنا، بڑا لطف آئے گا۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟''

محمد ﷺ نے بلا توقف فرمایا:

''میرے دل میں ایسی کوئی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی، میں تو نہ جا سکوں گا، تم چلے جانا''۔

پہلا لڑکا بولا:

''محمد (ﷺ) ایک بار جا کر تو دیکھو، ایسی ہزاروں خواہشیں خود بخود تمہارے دل میں پیدا ہو جائیں گی''۔

دوسرے لڑکے نے تائید کرتے ہوئے کہا:

''محمد (ﷺ) یہاں تم سارا دن جنگل میں بکریاں چراتے رہتے ہو، یا پھر دور خلاؤں میں گھورتے رہتے ہو، اور انہونی باتیں سوچتے رہتے ہو۔ اسی لیے

تمہارے دل میں ایسی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ اسی لیے تم ایسی محفلوں سے واقف نہیں ہو، مگر آج تو ہم تمہیں لے کر ہی جائیں گے چاہے کچھ ہو جائے۔ انکار نہ کرنا''۔

محمد ﷺ ان کھیل تماشوں کی طرف راغب نہیں تھے ان کے دل میں کبھی بھی ان کھیل تماشوں کو دیکھنے یا ان محفلوں میں جانے کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ وہ عمر ہوتی ہے جب جوانی اپنے ساتھ رنگوں اور ولولوں کو لے کر آتی ہے، عمر میں طوفان کا آغاز ہوتا ہے۔ ذرا سی تحریک پر ہزاروں خوابیدہ خواہشات بیدار ہو جاتی ہیں، اور کھیل کود کے لیے اپنے رفیقوں کے ساتھ چل پڑنا فطری تقاضا بن جاتا ہے۔

محمد ﷺ کے ساتھیوں نے بہت اصرار کیا۔ آخر محمد ﷺ اس محفل میں جانے کے لیے رضا مند ہو گئے۔ طے یہ پایا کہ محمد ﷺ بکریوں کا ریوڑ اپنے عم زاد طالب کے حوالے کریں گے، اور خود رات کو کنانہ کی محفل میں جائیں گے۔

محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''تم اصرار کر رہے ہو تو میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا''۔

محمد ﷺ کے ساتھی یہ سن کر خوش ہو گئے، اور آگے بڑھ گئے۔

محمد ﷺ ان کے جانے کے بعد تنہا رہ گئے۔ اب فطرت آپ ﷺ کو سرگوشیوں میں کہنے لگی:

''یا محمد ﷺ! آج تو آپ بکریاں کی پاسبانی کر رہے ہیں، مگر کل آپ کو جہانبانی کرنا پڑے گی۔ آپ ﷺ جس دل سوزی سے بکریوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں امت کی نگرانی کے لیے کل آپ ﷺ کو اس سے بھی زیادہ دل سوزی کرنا پڑے گی۔ یہ کھیل تماشے تو دوسروں کے لیے ہیں۔ آپ ﷺ کے لیے یہ نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کو آگے چل کر بنی آدم کی پاسبانی کرنا ہو گی۔ ایک سخت اور مشکل کام آپ ﷺ کا منتظر ہے۔ ایک دشوار گزار راہ پر آپ ﷺ کو چلنا ہے۔ اس امت کی رہنمائی کرنا ہے۔ اسے ظلمت سے نکال کر نور میں لانا ہے''۔

☆☆☆

رات پوری تاریکی سے اتر آئی تھی۔ زمین کے ماتھے پر مشعلیں اور قندیلیں رات کے اندھیرے کو کم کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ بنوکنانہ نے آج محفل رقص و سرود منعقد کر رکھی تھی۔ لوگ اس محفل میں شرکت کے لیے آ رہے تھے۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ کنیزیں اور غلام ادھر ادھر کاموں میں مصروف تھے۔

محفل کی ابتدا ہوئی تو شراب کے دور چلنے لگے۔ لوگ اپنے اپنے جام بھر کر اپنے لبوں کی تشنگی کم کرنے لگے۔ وہ زہر کو بڑی خوشی سے اپنے حلقوم سے اتار رہے تھے۔ ام الخبائث کے جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے کچھ مدہوش تھے تو کچھ مدہوشی کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کنیزیں محو رقص تھیں۔ سازندے اپنی دھن میں مست تھے۔ سر اور تال ملائے جا رہے تھے۔ ہوہا کی آوازیں سماعت میں گھل رہی تھیں۔ شیطان اپنی پوری جلوہ نمائیوں کے ساتھ اس رقص و سرود کی محفل پر پردہ ڈالے ہوئے تھا۔ لوگ خرمستیوں میں مصروف تھے۔ فضا پر عجیب سا سحر طاری تھا۔ لوگ شرم و حیا اور ننگ و ناموس کی دھجیاں بکھیر رہے تھے۔

ایسی محافل عربوں کی روح حیات تھیں۔ وہ ان میں اپنی زندگیوں کا لطف پاتے، ان کے نزدیک یہ محفلیں زندگی کا بہترین اثاثہ تھیں۔ وہ ان سے اپنے لیے خوشیاں کشید کرتے۔

یہی وہ محفلیں تھیں جہاں فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری جنم لیتے، عشقیہ داستانیں تفاخر سے سنائی جاتیں، اشعار کا تبادلہ ہوتا، جو بے ہودہ گوئی کی عمدہ مثال ہوتی۔ اس میں اعلانیہ تفاخر سے محبوب دلربا کے جسم کی خوبیوں کو آشکارہ کیا جاتا، ان کی خلوت و جلوت کے قصے سنائے جاتے، انھیں سر عام اور سر بازار رسوا کیا جاتا، مگر یہ رسوائیاں انھیں ندامت سے دوچار نہ کرتیں، بلکہ وہ تو اس پر فخر و غرور کرتے۔ اسے زندگی کا حاصل سمجھتے۔

یہ وہ زمانہ تھا، جب جہالت اپنے پورے عروج پر تھی۔ عشق و محبت کی یہ داستانیں کبھی کبھی قتل و خونریزی پر منتج ہوتیں، اور پھر یہ سلسلہ پشت ہا پشت سفر جاری رکھتا۔

یہی وہ محفلیں تھیں، جہاں عربوں کی مہمان نوازی، فیاضی، بہادری اور شعر و اشعار اپنے عروج پر نظر آتے ان سے وہ اپنی محفلوں کی رونق دوبالا کرتے۔ مے نوشی و رقص و سرود اور شاعری گویا ان کی نس نس میں رچ بس چکی تھی۔ فصیح و بلیغ اشعار کہیں تو عشق و محبت کی داستانیں گھڑتے اور کبھی ان اشعار کے ذریعے غیرت و حمیت کا خون کھولا دیا جاتا، جنگ و قتال میں یہی اشعار

لوگوں میں خون کی روانی کو تیز کر دیتے، اور اپنے مدمقابل کو خون میں لت پت کر دینے کے لیے بے قرار کر دیتے۔

جب عیش ونشاط کی ایسی محفلیں آراستہ ہوتیں داستان گوئی اور ہرزہ سرائی جنم لیتی، داستان گو اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ساری ساری رات حرف وحکایات کی نذر ہو جاتی، اور سننے والے رات آنکھوں میں کاٹتے۔

محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے ایماء پر بنو کنانہ کی محفل میں شرکت کے لیے تیار تو ہو گئے، مگر مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا، وہ آپ ﷺ کو ان لہو ولعب محفلوں سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ ایسی محفلیں آپ ﷺ کے شفاف پاک وپاکیزہ دامن کو آلودہ نہیں کر سکتی تھیں، یہ کھیل تماشے، رقص وسرود یہ ہنگامے آپ ﷺ کے لیے نہیں تھے، یہ تو سب شیطان کی کارستانیاں تھیں۔ آپ ﷺ ان کاموں سے مبرا تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک عظیم مقصد کے لیے چن لیا تھا، بلکہ یہ دنیا ہی آپ ﷺ کے لیے تخلیق کی گئی تھی۔ آپ ﷺ دنیا کے لیے تخلیق نہیں کیے گئے تھے۔

آپ ﷺ تو اللہ کے آخری رسول ﷺ تھے۔ آپ ﷺ تو اس وقت بھی نبی تھے۔ جب ابھی آدم علیہ السلام کے پتلے میں روح نہیں سمائی تھی، بلکہ ابھی تو حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بھی تخلیق نہیں ہوا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام گندھی ہوئی مٹی کی صورت میں تھے۔ دنیا معرضِ وجود میں نہیں آئی تھی۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ کے لیے ہی تو تخلیق کیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ ازل سے اللہ کے رسول ﷺ تھے، اور ابد تک ہیں۔ بلکہ کائنات کے تحلیل ہو جانے کے بعد بھی آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ رہیں گے۔

اس وقت بھی آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ تھے، ابھی آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا، ابھی آپ ﷺ کی نبوت لوگوں کے شعور سے پوشیدہ تھی۔ ابھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت کو ظاہر نہیں فرمایا تھا۔ ابھی اس کے درمیان پردہ تھا۔ یہ پردہ اٹھنے والا تھا، مگر ابھی اس میں وقت تھا، یہ کام اپنے وقت پر ہونا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے اپنے اور لوگوں کے درمیان سے نبوت کا یہ پردہ ہٹانا تھا، پھر لوگوں پر آپ ﷺ کی نبوت ظاہر ہونا تھی۔ جو نیکوکار لوگ تھے، انہوں نے آپ ﷺ پر ایمان لانا تھا، اور جو گم کردہ راہ لوگ تھے، انہوں نے آپ

ﷺ کی تکذیب کرتا تھی۔ آپ ﷺ کی نبوت سے انکار کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت ودوزخ دونوں تخلیق کرڈالی تھیں۔ جو اللہ کے نیک بندے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے انعام کے لیے جنت کو مقرر کر رکھا تھا، اور جو جہالت وظلمت میں گھرے ہوئے تھے، ان کے لیے دوزخ کو دہکایا جا رہا تھا۔ اس کی آتش کو تیز کیا جا رہا تھا۔

محمد ﷺ ہر برائی سے مبرا تھے۔ آلودگی آپ ﷺ کی دامن کو چھو بھی نہ سکی تھی، اور نہ ہی وہ چھوسکتی تھی۔ آپ ﷺ کے چاروں طرف کفروشرک کا بازار گرم تھا، بت پرستی اپنے انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ لوگ کفروگناہ میں گردنوں تک دھنس چکے تھے۔ یہ دلدل آہستہ آہستہ انہیں اپنے اندر نگل رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لیوا نہ تھا، لوگ پتھر کے بے جان ٹکڑوں سے اپنی منتیں مرادیں مانگتے ان کے آگے اپنی پیشانیاں رگڑتے۔ ان کے استھانوں پر اپنی قربانیاں پیش کرتے۔ نذرونیاز دیتے۔ چڑھاوے چڑھائے جاتے۔ ہر قبیلے کا علیحدہ علیحدہ خدا تھا، کوئی لات کا پجاری تھا، تو کوئی عزیٰ کے آگے گھٹنے ٹیکتا، کوئی ہبل کا نعرہ بلند کرتا، کوئی اساف کو اپنا معبود گردانتا، کوئی نائلہ کے آگے اپنی پیشانیوں کو گرد آلودہ کرتا، کوئی یعوق کو خدا مانتا، کوئی یغوث کی تعریفیں کرتا، کوئی یعوق کے گرد منڈلاتا، غرض ہر قبیلہ اپنا علیحدہ علیحدہ خدا لیے بیٹھا تھا، وہ ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے، پتھر کے ان بے جان ٹکڑوں سے مرادیں مانگتے، کچھ لوگ آگ کی پرستش میں منہمک تھے۔ کچھ سورج، چاند، شجر اور حجر کو خدا سمجھتے۔

ہر طرف کفروشرک کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ کوئی بھی ایسا نہ تھا جو انہیں اصل معبود کی راہ پر چلاتا، انہیں بتاتا کہ تمہارے معبود یہ نہیں ہیں، تمہارا اصل معبود تو کوئی اور ہے۔ وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو پھیلادیا، بغیر ستون کے تمہارے لیے آسمان پیدا کیا۔ جو آسمان سے تمہارے لیے بارش برساتا ہے۔ زمین کے سینے سے تمہارے لیے نباتات پیدا کرتا ہے۔ زمین کے اندر سے تمہارے لیے میٹھے پانی کے چشمے کشید کرتا ہے۔ جو ان ہواؤں پر قادر ہے۔ جس نے زمین کے سینے پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک رکھی ہیں۔ جس کے حکم سے موسم تغیر وتبدل کا شکار ہوتے ہیں۔ جو جن وانس کا مالک وخالق ہے۔ جس نے جنوں کو آگ کی لپٹوں سے پیدا فرمایا، جس نے انسان کو مٹی سے تخلیق کیا۔ کھنکھناتی ہوئی مٹی سے۔ وہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔

وہ اشرف المخلوقات ہو کر جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اللہ نے اسے شعور کی دولت سے نوازا ہے۔ اسے علم کی دولت سے بہرہ مند کیا ہے۔ اس کے سامنے نیکی اور بدی کا راستہ کھول دیا ہے۔ اس پر اپنی تمام نعمتیں اتاریں۔ ان کی ہدایت کے لیے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام والصلوٰۃ کو بھیجا، مگر یہ نخوت کے پتلے، یہ سرکش یہ باغی اللہ کی وحدانیت سے منکر ہیں، اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں، انہیں ایذا دیتے ہیں۔

وہ اللہ کے احسانوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ وہ جنت و دوزخ سے منکر ہیں۔ یوم آخرت پر ایمان نہیں، مر کر دوبارہ جی اٹھنے کو تسلیم نہیں کرتے یہ نہیں مانتے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔

یہ وہ ماحول تھا، جب اللہ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا۔ وہ بچپن میں بھی پاکیزہ تھے، جوانی میں بھی ان کی حیا اپنے عروج پر تھی۔

آج ننھے محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے کہنے پر بنو کنانہ کی محفل میں شرکت کے لیے تیار ہو گئے تھے، لیکن جب اس طرف کا رخ کیا، تو اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کو اس طرف جانے سے روکنے کا سبب پیدا فرما دیا۔

ننھے حضور ﷺ بنو کنانہ کی محفل میں شرکت کے لیے جا رہے تھے ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ انہیں ایک گھر سے گانے کی آواز سنائی دی، آواز بہت شریں تھی، آواز میں قیامت کا جادو تھا۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ کچھ دیر یہ گیت سنیں، لیکن جب آواز کا رس کانوں کے ذریعے دماغ میں پہنچا تو آپ ﷺ پر نیند غالب آ گئی، آپ ﷺ وہیں بیٹھے بیٹھے سو گئے، قدرت خود تھپکیاں دے کر آپ ﷺ کو سلا رہی تھی، یہ کھیل تماشے آپ ﷺ کے لیے نہیں تھے، جبکہ یہ تو دوسروں کے لیے تھے، آپ ﷺ کی شان تو سب سے اعلیٰ و ارفع تھی۔

بنو کنانہ کی محفل طرب آراستہ تھی، اسی محلے کے ایک گھر سے گیت کی آواز بدستور ترنم و ریز تھی، مگر ننھے حضور ﷺ اس سے بے نیاز محوِ راہ خواب تھے۔ معصومیت ہالہ کیے ہوئے تھی۔ ابلیس اپنے سر پر خاک اڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ننھے حضور ﷺ نے میٹھی اور گہری نیند میں ساری رات گزار دی۔ آپ ﷺ دنیا و مافیہا سے بے نیاز تھے۔ جب سورج کی شعاعوں نے رخ روشن کا طواف کیا تو حرارت سے آپ ﷺ

بیدار ہو گئے۔ آپ ﷺ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور واپس ریوڑ کی طرف چل پڑے۔

ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ راستے میں اس لڑکے سے ملاقات ہوگئی، جس نے آپ ﷺ کو اس محفل میں جانے کے لیے کہا تھا، اس نے پوچھا:

"اے محمد (ﷺ) میں تو ساری رات تمہیں محفل میں تلاش کرتا رہا، مگر تم تو مجھے کہیں نظر نہ آئے"۔

محمد ﷺ نے جواب دیا:

"میں وہیں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک گھر سے کسی گیت کی آواز سنائی دی میں کچھ دیر وہیں ٹھہر گیا، اور مجھ پر نیند کا غلبہ ہوگیا، اور ساری رات محو خواب رہا، اب بیدار ہوا ہوں"۔

لڑکے نے مسکرا کر ننھے محمد ﷺ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اچھا رات آجانا، آج بھی وہاں پر محفل ہے، یاد رہے کہ آج آخری دن ہے"۔

محمد ﷺ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"میں نہیں آؤں گا"۔

یہ کہہ کر آپ ﷺ آگے بڑھ گئے، وہ لڑکا آپ ﷺ کو تکے جا رہا تھا۔

حضور ﷺ اپنے ریوڑ کی طرف جا رہے تھے، اور فطرت چپکے چپکے کہہ رہی تھی:

"پیارے محمد ﷺ! یہ ساری کائنات کھیل تماشہ ہے۔ کیا زندگی کا مقصد صرف کھیل تماشہ ہے، اور کچھ نہیں، زندگی کا مقصد کھیل تماشہ نہیں، نہ ہی زندگی عیش ونشاط کی ہے۔ ان لوگوں کے خالق ومالک سے پوچھیے، زندگی کی حقیقت کیا ہے۔ انسان دنیا میں کس لیے آیا ہے۔ اس قادر مطلق کو تلاش کیجیے۔ جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے، اس کا پیغام سنیے، پھر زندگی کا راز از خود معلوم ہو جائے گا۔ اس پر سوچیے اور سوچتے رہیے۔ یہ کھیل تماشہ آپ ﷺ کے لیے نہیں ہے۔ اس میں تو دوسروں کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ ان چیزوں سے پاک ہیں"۔

❀❀❀

چچا سے محبت

طبرانی عمار سے روایت کرتے ہیں:

''ابو طالب اہل مکہ کے لیے کھانا تیار کروایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ وہاں تشریف لاتے تو اس وقت تک تشریف فرما نہ ہوتے جب تک نیچے کوئی چیز نہ رکھ لیتے۔ یہ دیکھ کر ابو طالب بڑا خوش ہوتے اور کہتے:

''میرا بھتیجا بڑا اکرم ہے''۔

ایڑی مارنے سے پانی کا چشمہ ابل پڑا

امام ابن اسحاق اپنی مغازی میں روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں:

ابو طالب نے فرمایا:

میں سوق ذوالمجاز میں تھا۔ یہ ایک بازار تھا جو عرفہ کے نزدیک تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب وہاں جمع ہو کر لین دین کیا کرتے تھے۔ میرے ساتھ میرے بھتیجے محمد ﷺ بھی تھے۔ (یہ حضور ﷺ کی زندگی کا دسواں سال تھا) مجھے سخت پیاس لگی، تو میں نے ان سے شدت عطش کی شکایت کی۔ یہ اس لیے نہ تھا کہ میں نے ان کے پاس کوئی پانی دیکھا تھا۔ بلکہ ویسے ہی اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ بظاہر ہم دونوں ہی بھوک اور پیاس کی شدت سے دوچار تھے، میرے عرض

کرتے ہی محمد ﷺ سواری سے اترے اور پوچھا:

"چچا واقعی بہت پیاس لگی ہے؟"

میں نے کہا:

"ہاں، بات اسی طرح ہے"۔

محمد ﷺ نے اپنی ایڑی زور سے زمین پر ماری تو پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"چچا جان پانی پی لیں"۔

میں نے اس چشمہء فیض سے اپنی پیاس بجھالی۔ اس وقت عمر مبارک دس برس تھی۔"

ابن سعد اور ابن عساکر نے عمرو بن شعیب سے بھی روایت کی ہے:

"محمد ﷺ اپنی سواری سے ایک پتھر پر اترے، اور کچھ پڑھ کر پتھر کو ٹھوکر ماری، وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا"۔

ابوطالب کہتے ہیں:

"میں نے آج تک ایسا پانی نہ دیکھا۔ میرے سیراب ہونے کے بعد محمد ﷺ نے اس جگہ دوبارہ ٹھوکر ماری تو پانی نکلنا بند ہوگیا، اور وہ پہلے کی طرح ہوگیا"۔

تعمیر کعبہ میں حصہ

جب حضور ﷺ کی عمر دس برس تھی تو مکہ مکرمہ میں شدید بارش ہوئیں ان بارشوں کی وجہ سے خانہ کعبہ کی دیواریں گر گئیں، اور اہل مکہ نے اس کی مرمت شروع کر دی۔ خانہ کعبہ کی اس مرمت میں دوسرے بچوں کے ہمراہ حضور ﷺ نے بھی شرکت فرمائی، اور حضور ﷺ اپنے ساتھی بچوں کے ہمراہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔

ابوطالب اور یہودی تاجر

ابونعیم۔ ابن عوف سے روایت کرتے ہیں:

عمرو بن سعید نے کہا:

"ایک بار کچھ یہودی ابوطالب کے پاس کچھ سامان خریدنے کے لیے آئے۔

معاملات ابھی طے پا رہے تھے کہ اسی وقت حضور ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ اس وقت حضور ﷺ ابھی بچے ہی تھے۔ یہودیوں نے جب حضور ﷺ کو دیکھا تو سب کچھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

ابو طالب نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا:

''بھاگ کر جاؤ اور ان کو فلاں فلاں راستے پر روکو، اور انہیں دیکھ کر اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہو: ''بڑے تعجب کی بات دیکھی ہے''۔ اور پھر دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں''۔

یہ صاحب گئے اور ابو طالب کے کہنے کے مطابق تالی بجا کر وہی بات کہی۔

اس پر یہودی بولے:

''تم نے کیا عجیب بات دیکھی ہوگی۔ ہم نے تو تم سے بھی زیادہ عجیب بات دیکھی ہے۔ ہم نے تو ابھی محمد (ﷺ) کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھا ہے''۔

شام کا پہلا سفر

عمرِ گراں مایہ کی بارہ منزلیں گزر چکی تھیں۔

ابو طالب اپنے کاروبار کے سلسلہ میں اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال ہوئی تو ابو طالب کو ایک قافلے کے ہمراہ شام کے لیے تجارتی سفر پر روانہ ہونا پڑا۔

ملک شام جانے کے لیے قریش کے تاجر قافلوں کی فرودگاہ میں جمع ہو رہے تھے۔ فرودگاہ میں خاصی چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں ان کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ لوگ افراتفری میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ تجار کے غلام اپنی ننگی پیٹھوں پر اور کچھ اپنے سروں پر بڑے بڑے گٹھڑ اٹھائے ہوئے تھے۔ بعض گدھوں سے باربرداری کا کام لے رہے تھے، کہیں غلاموں کے چیخ وپکار کی آواز سنائی دیتی، کہیں آقاؤں کے ہاتھ تیزی سے کوڑے گھماتے نظر آتے، جو بے بس اور مظلوم غلاموں کی پیٹھوں پر تڑ تڑ برستے۔ ان غلاموں سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔

بے چارے غلام اپنی ننگی پیٹھوں پر باربرداری کا کام انجام دے رہے تھے۔ وہ بھاری سامان اٹھائے، لڑکھڑاتے قدموں، زرد چہروں، مضمحل دماغ اور پسینے سے بھیگے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھے۔ مگر ان کے آقا پھر بھی ان کی مشقت سے خوش نہ تھے۔ ان کے آقاؤں کی جبینیں شکن آلود تھیں، اور زبانیں یادہ گوئی میں چل رہی تھیں۔ گویا یہ غلام انسان نہیں جانوروں سے بھی بدتر کوئی جنس ہے جن کی جانیں ان کے رحم وکرم پر ہیں۔ جو ان کی زندگی اور موت کے

مالک ہیں۔ جو اگر چاہیں تو ان پر کوڑے برسائیں اور اگر ان کا دل اس سے بھی ٹھنڈا نہ ہو تو انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت سے دوچار کر دیں۔

فرودگاہ میں عجیب چہل پہل تھی، کہیں تو سامان تجارت کو پرکھا جا رہا تھا، کہیں مول تول کی باتیں ہو رہی تھیں، کوئی سونگھ رہا تھا، کوئی چکھ رہا تھا، کوئی صرف دیکھ رہا تھا، کسی کی آنکھیں بند ہیں لیکن دماغ سوچ اور انگلیاں گننے میں مصروف ہیں۔

کہیں وزن ہو رہا ہے، کچھ اونٹوں پر سامان لادا جا چکا ہے، کہیں کنیزیں کام میں مصروف ہیں، کہیں دخترِ رز کے رسیا جام وسبو اور مینا وساغر سے دل بہلا رہے ہیں۔

سورج کے مغرب میں روپوش ہوتے ہی یہ ہنگامہ شروع ہو گیا تھا، جوں جوں سورج پر زردی چھا رہی تھی مختلف راستوں سے چھوٹے بڑے قافلے نمودار ہوتے اور فرودگاہ میں پہنچنے لگے، ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ جلد از جلد قافلہ روانگی کے لیے تیار ہو جائے۔

یہ قریش کا تجارتی قافلہ تھا جسے پہر رات گزرنے پر شام کی طرف عازم سفر ہونا تھا۔ قریش کے ایسے قافلے ہر سال وافر مقدار میں سامان تجارت لے کر ملک شام روانہ ہوتے، اور وہاں سے اناج، ظروف، پارچاجات اور ضروریات زندگی کی دیگر اشیاء خرید کر لاتے۔ یہ ان کا معمول تھا، یہی ان کی تجارت تھی، اس سے وہ روزگار حاصل کرتے، اور اسی پر ان کی گزر بسر ہوتی، یہی ان کی شہرت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ اس سے وہ تجربات حاصل کرتے، اور مشاہدات کی دولت سے مالا مال ہوتے۔

قریش مکہ تجارت کی غرض سے اندرون ملک اور بیرون ملک طرح طرح کے سفروں کے عادی ہوتے تھے۔ ان کے اس تجارتی معمول کا مختصر ذکر قرآن کریم کی سورہ القریش میں یوں ہوا ہے:

ترجمہ: ”چونکہ قریش مانوس ہوئے،
یعنی موسم سرما اور گرما کے سفروں سے مانوس۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا“۔ (سورہ القریش: 4-1)

موسم گرما میں قریش شمال کی طرف شام اور فلسطین میں تجارت کی غرض سے سفر کیا

کرتے تھے، کیونکہ یہ سرد خطے تھے۔ اسی طرح موسم سرما میں یہ قافلے عرب کے جنوب میں یمن کی طرف جاتے تھے۔ کیونکہ یہ علاقے گرم تھے، قریش کے کاروباری مشاغل انہیں شام، مصر، عراق، یمن اور حبشہ سے تجارتی اور ثقافتی تعلقات استوار کرنے کے بہترین مواقع فراہم کرتے، اور پھر یوں رفتہ رفتہ ان کے ہاں مال و دولت کی فراوانی ہوگئی۔ تجارت کے ساتھ ساتھ تجارتی میل جول سے ان کا معیار دانش و حکمت اور غور و فکر میں اس قدر لطافت آگئی کہ تمدنی اعتبار سے بھی انہیں سارے علاقے میں فضیلت و برتری حاصل ہوگئی۔

ابو طالب بھی اپنے کاروبار کے سلسلہ میں اکثر ملک شام جایا کرتے تھے، جب ننھے محمد ﷺ بارہ برس کے ہوئے تو ابو طالب کو ایک قافلے کے ہمراہ شام کے لیے جانا پڑا۔ محمد ﷺ بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ یوں تو ابو طالب کو لمحہ بھر کے لیے بھی آپ ﷺ سے جدائی گوارہ نہ تھی، مگر اتنے طویل اور پر خطر سفر کی ممکنہ تکالیف کی وجہ سے اپنے پیارے بھتیجے کو ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ تھے۔

شام کے اس سفر مبارک کے بارے میں روایات میں آتا ہے:

"حضور ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال ہوگئی تو ابو طالب جو کہ آپ ﷺ کے چچا تھے، انہوں نے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ تاجرانہ حیثیت سے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے بھی اس سفر میں ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ چونکہ ابو طالب کا حضور ﷺ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں تھا، اس لیے سوچ میں پڑ گئے۔ مگر جب حضور ﷺ نے ان کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر فرمایا:

"اے چچا جان! مجھے اس شہر میں کس امید پر چھوڑے جا رہے ہیں"۔

اس پر ابو طالب کا دل بھر آیا اور قلب پر رقت طاری ہوگئی اور کہا:

"خدا کی قسم! ضرور انہیں اپنے ساتھ لے کر چلوں گا، وہ ہرگز مجھ سے جدا نہ ہوں گے، اور میں کبھی ان سے جدا نہ ہوں گا"۔

جب ابو طالب نے قسم کھائی تو دیگر عزیز و اقارب نے اس پر افسوس کا اظہار کیا:

"اس فرزند کو جس سے سورج کی گرمی بھی پرہیز کرتی ہے، بارہ سال کی عمر میں اسے کوئی شخص سفر میں کیسے لے جا سکتا ہے"۔

اس پر ابو طالب شش و پنج میں پڑ گئے، اور آپ ﷺ کو واپس کر دینا چاہا، اچانک دیکھا کہ حضور ﷺ ایک گوشہ میں تنہا بیٹھے رو رہے ہیں۔

ابو طالب نے پوچھا:

"اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! کیا بات ہے کہ تم آنسو بہا رہے ہو؟"

حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

ابو طالب کہنے لگے:

"شاید آپ ﷺ اس لیے آنسو بہا رہے ہیں کہ ہم سے جدا ہونا پڑ رہا ہے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"ہاں، چچا محترم یہی بات ہے"۔

یہ سننا تھا کہ ابو طالب نے کہا:

"خدا کی قسم! اس کے بعد کبھی بھی آپ ﷺ سے جدائی نہ کروں گا"۔

چنانچہ شام کے اس سفر میں حضور ﷺ کو لے کر چل پڑے۔

شام کے اس پہلے تجارتی سفر کے دوران حضور ﷺ نے مظاہر قدرت اور تاریخ امم کے بہت قریبی مشاہدات فرمائے۔ آپ ﷺ کی طبعی عمر تو بارہ سال سے زائد نہ تھی مگر ذہانت و فطانت آپ ﷺ میں بے انتہا تھی، آپ ﷺ پختہ عمر دانشور نظر آتے تھے، آپ ﷺ کا فطری تجسس اور ذوق مشاہدہ ہر ایک کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا تھا، آپ ﷺ پیچیدہ ترین معاملات کی تہ تک پلک جھپکنے میں پہنچ جایا کرتے تھے۔

اس تاریخی سفر میں حضور ﷺ کی روشن نگاہیں شفاف آسمان کے چمکتے ستاروں سے بہت زیادہ مانوس ہوئیں۔ اس کے علاوہ زمین پر موجود مناظر قدرت سے بھی آپ ﷺ لطف اندوز ہوئے۔ شام کے سرسبز میدانوں اور دلفریب چمن زاروں کے سامنے طائف کے ماحول اور باغات کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی۔

سرسبز شامی خطہ مکہ کے بے آب وگیاہ پہاڑوں سے کہیں زیادہ شگفتہ وشاداب تھا۔ آپ ﷺ نے راستہ بھر ان تمام قدرتی مناظر کا بڑی بصیرت اور تدبر سے مشاہدہ کیا۔

مدین کے علاقوں، وادیٔ القریٰ اور دیار ثمود سے آپ ﷺ گزرے۔ آپ ﷺ نے

اس خطہ زمین اور پہلی اقوام کے بارے میں بہت کچھ سن کر اپنے حافظہ میں محفوظ کر رکھا تھا، اور جب آپ ﷺ نے اپنی پرتجسس نگاہوں سے ان آثار کو ملاحظہ فرمایا تو آپ ﷺ کی فہم وفراست میں معنی خیز اضافہ ہوا۔

امور علم ودانش اور مذاہب ومسالک عالم کے بارے میں آپ ﷺ کو پہلے ہی خاصی معلومات تھیں۔ دوران سفر انسانی معیار واقدار اور فکر وکردار کے معاملوں میں اپنی فطری دلچسپی کی مزید تشفی ہوئی۔

سایۂ ابر

رات کا ایک پہر گزر چکا تھا، فضا میں خنکی رچی بسی تھی، کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، حدی خواں کی آواز بلند ہوتی، تو سوئی ہوئی پہاڑیاں خوابیدگی سے جاگ جاگ اٹھتیں۔ ریت کا ذرہ ذرہ ہمہ تن گوش ہو جاتا، اور آواز دور دور تک گونجتی، اونٹ اپنی رفتار تیز کر دیتے نگاہوں سے اپنے ماحول کا جائزہ لیتے۔

ستارے آسمان کی وسعتوں پر پھیلے ہوئے تھے، ان ستاروں نے نہ جانے اب تک کتنے قافلوں کو ان رہگوروں سے گزرتے دیکھا ہوگا۔ ان کی آن بان اور شان اپنی بوڑھی آنکھوں میں بسائی ہوگی۔ ان کے نقش اپنی پلکوں پر ثبت کیے ہوں گے۔ مگر یہ قافلہ...... اس قافلے کی تو شان ہی نرالی تھی۔ اس قافلے میں ایک ایسی ہستی موجود تھی، جس کے انتظار میں ستاروں نے لاکھوں سال سے شب بیداری کی، جو اس کے دیدار کے لیے ازل سے بے تاب تھے، دن میں لوگوں کی نظروں سے چھپ چھپ کر ڈھونڈا تھا، اور رات کے اندھیرے میں اسے دیکھنے کے لیے آسمان کی وسعتوں پر پھیل جاتے تھے۔

جو آج تارہ ہے، وہ کل بدر منیر ہوگا، پرسوں آفتاب رسالت کی ضوفشانیوں سے جلوہ گر ہوگا، اور کائنات کا ذرہ ذرہ انوار وتجلیات سے مستنیر ہو جائے گا۔ جس کی رسالت کی ضوفشانیاں ظلمت کو دور کردیں گی، جو کفر وشرک کے اندھیروں کو انوار میں بدل دے گا۔ جس کی ضوفشانیوں سے باطل خدا چکنا چور جائیں گے۔ جو ہر طرف رحمت ہی رحمت ہوگا۔

یہ ہیں محمد ﷺ، ابو طالب کے بھتیجے جان آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جگر گوشہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالمطلب کی آنکھ کا تارہ، اور اس کائنات کا وارث۔

محمد ﷺ سو رہے ہیں۔ محمل سبک رفتار ہے، کجاوہ جھول رہا ہے، حدی خواں کی آواز بلند ہو چکی ہے۔

صبح کی روشنی رات کی چادر کو لپیٹ کر کائنات پر پھیل رہی ہے۔ لوگ بیدار ہو رہے ہیں۔ آنکھوں میں ہلکی ہلکی خوابیدگی ہے۔ آنکھیں نیند سے قدرے بوجھل ہیں۔ دماغ پر ہلکی سی غنودگی چھائی ہوئی ہے۔ پورا قافلہ صبح کے استقبال کے لیے بیدار ہو رہا ہے۔

محمد ﷺ نے بھی آنکھیں وا کیں۔ انہوں نے ماحول پر ایک نظر ڈالی۔ صبح کی ٹھنڈی روشنی میں عجب ہی لطافت ہوتی ہے۔

اونچے اونچے پہاڑوں پر روئیدگی کا نشان تک نہیں تھا، پہاڑ حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ ایک طرف صحرا تھا، جہاں ریت کا سمندر موجزن تھا، ریت کے ننھے سے ذروں کو اونٹ اپنے پیروں تلے روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مسافروں کے جسم نیند کی وجہ سے کسل مند تھے۔ اونٹوں کی لمبی قطاریں صحرا میں آگے بڑھ رہی تھیں۔ سورج اپنا مکھڑا بلند کرتا جا رہا تھا، دور کہیں نخلستان دکھائی دیتے تو کہیں ریوڑ نظر آتے، کہیں کہیں اکا دکا مسافر آتے جاتے بھی دکھائی دیتے۔ کہیں بے ترتیب جھونپڑیاں نظر آتیں۔

رفتہ رفتہ سورج کی تمازت بڑھنے لگی، حدی خوانوں کی آواز بھی خاموش ہے۔ اب وہ اونٹوں کو تیز تیز ہانک رہے ہیں تاکہ دوپہر سے پہلے ہی اگلی منزل پر پہنچ کر پڑاؤ کریں۔

اونٹوں کی قطاریں سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہیں۔ سب سے آخری قطار میں ایک ساربان کی نظر سب سے اگلی قطار پر پڑی تو وہ حیرت سے اچھل ہی پڑا۔ اس نے آج تک ایسا نظارہ نہ دیکھا تھا، وہ حیرت سے وہ منظر دیکھنے لگا، جب اس کی حیرت اور بڑھی تو اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور پھر دوبارہ وہ منظر دیکھنے میں محو ہو گیا۔

"کمال ہے۔ حیرت ہے۔ یہ سب کیا دیکھ رہا ہوں؟"

وہ زیر لب بڑبڑایا۔

اس کے ساتھی ساربان نے اسے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے دیکھا تو اسے یوں

دیکھنے لگا، جیسے اس کی دماغی حالت مشکوک ہو۔

”کیا بات ہے۔تم کچھ بوکھلائے ہوئے ہو، اور یہ کیا خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے ہو؟“

ساربان نے حیرت سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرے بھائی! بات ہی کچھ ایسی ہے۔میری آنکھوں نے آج تک ایسا حیرت انگیز منظر نہیں دیکھا، مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا۔ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار سفر کیے ہیں، مگر آج تک ایسا حیرت انگیز منظر میں نے نہیں دیکھا“۔

وہ ساربان حیرت سے بولا۔

”آخر ہوا کیا ہے، کچھ مجھے بھی پتہ چلے؟“

اب تو دوسرے ساربان پر بھی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

”وہ دیکھو سامنے“۔

ساربان نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

دوسرے ساربان نے سامنے دیکھا، مگر اسے تو قافلے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”وہاں تو سوائے اونٹوں کی لمبی قطار کے کچھ بھی نہیں“۔

اب ساربان کے چہرے پر بیزاری تھی۔

”وہ سامنے ابو طالب کے اونٹوں کی قطار میں دیکھو سرخ جھول والی ناقہ کے اوپر ایک ابر سایہ کیسے ہوئے ہے“۔

ساربان نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی ساربان نے سرخ جھول والی اونٹنی کی طرف دیکھا، اور پھر اچھل ہی پڑا، ناقہ پر ایک ابر سایہ فگن تھا، وہ ابر سوار کا احاطہ کیے ہوئے تھا، اور ایک ہلکا سا دھبہ معلوم ہو رہا تھا۔

دوسرا ساربان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، وہ انگشت بدنداں رہ گیا۔

”ہاں تم درست کہہ رہے ہو، مگر اس ناقہ پر سوار کون ہے؟“

دوسرے ساربان نے پوچھا۔

''ابوطالب کا بھتیجا محمد (ﷺ)''۔

''ہوں.......... معلوم ہوتا ہے ہمارے دیوتا اس نوجوان پر مہربان ہو گئے ہیں، جبھی تو یہ سایہ..........''

پہلے ساربان نے اس کی بات ادھوری کاٹتے ہوئے کہا:

''دیوی دیوتاؤں کو میں نے بہت سے لوگوں پر مہربان ہوتے دیکھا ہے۔ ان کے ہاں اولادیں ہوئیں، انہیں مال وزر سے نوازا گیا، ان کی پیداوار میں اضافہ ہوا ان کا ریوڑ پھلا پھولا، انہوں نے جنگوں میں فتح حاصل کی، ان کی لونڈی اور غلاموں کی بھرمار ہوئی، مگر میں نے آج تک ایسا سایہ کبھی نہیں دیکھا، یہ تو کچھ اور ہی بات ہے۔ یہ وہی لڑکا ہے، جس کی دعا سے خشک سالی کا خاتمہ ہوا تھا، اور بارش برسی تھی، حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پوری قوم نے دیوی دیوتاؤں کے استھانوں پر اپنی پیشانیاں جھکا دی تھیں، نذر و نیاز کے انبار لگا دیئے تھے، قربانیوں سے استھانوں کو سرخ کر دیا تھا، بارش پھر بھی نہیں ہوئی تھی، مگر اس لڑکے کی دعا سے بارش برسی اور خوب کھل کر برسی، سب جگہ جل تھل ہو گیا، زمین نے چارہ اور اناج اگلنا شروع کر دیا، دھرتی نے چشمے اگل دیئے، ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہو گئی، مردہ تن جی اٹھے''۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میرے دوست، یہ لڑکا بڑا بابرکت ہے۔ میں نے اس سے پہلے ابوطالب کے ساتھ بیسیوں بار سفر کیا، مگر اس کے اونٹوں کی تیز رفتاری ہم نے آج تک نہیں دیکھی، ابوطالب کے مریل اونٹوں میں بجلیاں کوند رہی ہیں، اور وہ سب سے آگے آگے چل رہے ہیں۔ ان پر سامان بھی پہلے سے زیادہ لدا ہوا ہے۔ پھر بھی اونٹ تھکے نہیں، بلکہ خراماں خراماں چلے جا رہے ہیں، یوں جیسے ان پر سامان لدا ہوا نہ ہو، اور یہ بالکل تازہ دم ہوں''۔

پہلے ساربان نے کہا:

''ہاں...... یہ لڑکا بڑا بابرکت ہے، حلیمہ سعدیہ کی بکریاں اس کی گواہ ہیں۔ جن کا دودھ اس لڑکے کی بدولت اس قدر بڑھ گیا تھا کہ پورے قبیلے میں چہ میگوئیاں

ہونے لگی تھیں۔ اس کی بدولت حلیمہ سعدیہ کا گھرانہ فیوض و برکات سے بھر گیا تھا، اس پر خوشحالی برسنے لگی تھی"۔

محمد ﷺ اپنی ناقہ پر سوار محوِ سفر ہیں، وہ راستے میں آنے والی ہر چیز کا بغور مشاہدہ کر رہے ہیں، اور ماحول سرگوشیاں کرتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔

"پیارے محمد ﷺ! زندگی کی راہیں ہماری گھاٹیوں سے کہیں زیادہ دشوار گزار اور پر پیچ ہیں۔ آپ ﷺ ہر پست و بالا کو دیکھ لیں، تاکہ آپ ﷺ کے قدموں میں لغزش نہ آئے، زندگی کا سفر مضبوط جسم، بلند حوصلے اور عقل نکتہ رس سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے سفر کی تکالیف سے ہراساں نہ ہونا"۔

بحیرا کی پیشین گوئی

مسافتیں طے کرتا ہوا یہ قافلہ شام کی سرحد پر بصریٰ کے گاؤں کعربہ میں پہنچا۔ اس گاؤں میں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا گرجا اور خانقاہ تھی، گرجا کا نگران عالم نصرانیوں کا بہت بڑا عالم بحیرا تھا۔ اس نے جب سے رہبانیت اختیار کی، اس کلیسا میں اس نے قیام رکھا، اس کلیسا میں ایک مقدس کتاب تھی، جس کا علم اس راہب کو تھا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ کتاب اس کے اسلاف میں ورثہ میں چلی آ رہی تھی، راہب بحیرا اپنا زیادہ تر وقت لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر سوچ وبچار میں غرق گزارتا، بحیرا بڑا زیرک عالم تھا۔

اس سال قافلہ بحیرا کی خانقاہ کے قریب اترا، اور ایک سایہ دار درخت تلے پڑاؤ کیا۔ عرب کے تجارتی قافلے وہاں سے گزرتے ہوئے اکثر وہاں قیام کرتے، بحیرا نے آج تک کسی مسافر تاجر سے بات تک نہ کی تھی، جب قافلے کے لوگوں نے یہاں پڑاؤ کیا تو بحیرا نے ان کے لیے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔

اصل واقعہ یہ تھا کہ جب یہ قافلہ آ رہا تھا، تو اس وقت بحیرا خانقاہ کی چھت پر موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ قافلہ کے ایک دس بارہ سالہ لڑکے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ جب یہ لڑکا درخت کے نیچے بیٹھا تو ساری شاخیں مزید سایہ کے لئے اس طرف جھک گئیں، اور آپ ﷺ اسی سایہ میں تشریف فرما تھے۔

بحیرا نے یہ ساری باتیں ملاحظہ کیں تو وہ کلیسا کی چھت سے نیچے اترا، اس نے کھانے

کی تیاری کا حکم دے دیا، جب کھانا تیار ہو گیا تو بحیرا نے اہل قافلہ کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ تمام قافلہ کو بلا لائے۔

قریش کو جب اس ضیافت کا علم ہوا تو وہ بہت حیران ہوئے۔ یہ بڑی انوکھی بات تھی۔ وہ اس کلیسا کے پاس سے اس سے پہلے بھی کئی بار گزر چکے تھے، مگر اس راہب نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا تھا، کبھی ان سے بات کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی، مگر اس روز تو وہ نہ صرف مائل ملاقات نظر آتا تھا بلکہ ان کے لیے بڑی محبت سے پر تکلف ضیافت کا اہتمام بھی کر رہا تھا۔

قافلے والوں نے بحیرا کی طرف سے ضیافت کی دعوت قبول کر لی، اس سایہ دار درخت کے نیچے اپنے سامان کی حفاظت کے لیے محمد ﷺ کو بٹھا کر سب کے سب کلیسا میں پہنچ گئے۔

بحیرا نے اہل قافلہ سے کہا:

"اے گروہ قریش! میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے، میری خواہش ہے کہ تم سب کے سب آؤ، خواہ تم میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، غلام ہو یا آزاد"۔

اہل قافلہ میں سے ایک شخص نے کہا:

"آج تو تمہاری حالت ہی کچھ اور ہے، ہم تو تمہارے پاس سے بارہا گزرے ہیں تم ایسا سلوک تو ہمارے ساتھ نہیں کرتے تھے، آج ایسی کون سی غیر معمولی بات ہو گئی؟"

بحیرا کہنے لگا:

"تم نے بالکل سچ کہا ہے، جو کچھ تم کہہ رہے ہو میری حالت ویسی ہی تھی، لیکن تم لوگ مہمان ہو، اور میری خواہش یہ ہے کہ تمہاری عزت کروں اور تمہارے لیے کھانا تیار کروں تاکہ تم سب کھاؤ"۔

محمد ﷺ اپنی کم عمری کی وجہ سے اہل قافلہ کے کجاووں کے پاس اسی درخت کے نیچے تشریف فرما رہے، جب بحیرا نے ان لوگوں کو دیکھا، اور وہ صفت جو اس کے خیال میں تھی اور جسے وہ جانتا تھا، نہ دیکھی تو پھر کلیسا کی چھت پر چڑھا اور اس بادل کو اسی درخت کے اوپر سایہ فگن دیکھا تو چھت سے نیچے اتر آیا، اور کہنے لگا:

"اے گروہ قریش! میری درخواست یہ تھی کہ تمام لوگ دعوت میں تشریف

لائیں، میرا خیال ہے کہ بعض لوگ پیچھے رہ گئے ہیں"۔

اہلِ قافلہ نے جواب دیا:

"اے بزرگ! صرف ایک کم عمر لڑکا پیچھے رہ گیا ہے، جسے ہم سامان کی حفاظت کے لیے درخت کے نیچے چھوڑ آئے ہیں۔"

بحیرا نے کہا:

"ایسا نہ کرو، میری خواہش ہے کہ وہ بھی تشریف لائیں، اور اس کھانے میں تمہارے ساتھ شریک ہوں"۔

اسی اثنا میں زبیر بن عبدالمطلب بول اٹھے:

"لات و عزیٰ کی قسم! ہمارے لیے باعث ندامت ہے کہ ہم عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند کو ضیافت میں شرکت کے لیے ساتھ نہ لائیں"۔

یہ کہہ کر زبیر بن عبدالمطلب فوراً اٹھے، اور جا کر محمد ﷺ کو ساتھ لے آئے اور آپ ﷺ کو بڑی شفقت اور احترام کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے پاس لا کر بٹھا دیا۔

کلیسا میں حضور ﷺ کی تشریف آوری پر بحیرا کی جان میں جان آئی، اپنی مقدس کتاب میں دی ہوئی نشانیوں کی روشنی میں اس نے آپ ﷺ کو پہچان لیا، اور تعظیماً کھڑے ہو کر آپ ﷺ کا استقبال کیا۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے:

"بحیرا نے مہمانوں کو درخت کے سایہ میں بٹھایا ہوا تھا، پیچھے سے محمد ﷺ کو بھیجا، جب حضور ﷺ تشریف لائے تھے تو بادل سایہ فگن تھا، اور جب آپ ﷺ مجلس میں داخل ہوئے تو اس درخت کا سایہ جس میں مہمان بیٹھے ہوئے تھے، حضور ﷺ کی طرف جھک گیا"۔

بحیرا نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگا:

"دیکھو، اس درخت کا سایہ آپ ﷺ کی طرف کیسے مائل ہوتا ہے"۔

محمد ﷺ وہاں آ کر بیٹھ گئے، بحیرا آپ ﷺ کو غور سے دیکھنے لگا، اور جسم پاک کے ان خاص خاص حصوں کا معائنہ کرنے لگا، جن کے صفات آپ ﷺ کی شناخت میں اپنے پاس پاتا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر لوگ ادھر ادھر ہونے لگے تو بحیرا اٹھ کر آپ ﷺ کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا:

"اے صاحبزادے! میں تجھے لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں، جو کچھ میں تم سے پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے جانا"۔

بحیرا نے آپ ﷺ سے ایسا اس لیے کہا تھا کہ اس نے قریش کو لات وعزیٰ کی قسمیں کھاتے دیکھا اور سنا تھا۔

محمد ﷺ نے فرمایا:

"لات وعزیٰ کی قسم دے کر مجھ سے کوئی بات نہ پوچھ، اللہ کی قسم! مجھے ان دونوں سے جتنی نفرت اور جتنا بغض ہے، کسی اور چیز سے کبھی نہیں رہا"۔

بحیرا نے آپ ﷺ سے کہا:

"اللہ کی قسم! آپ ﷺ! مجھے وہ بتایئے جو میں آپ ﷺ سے پوچھتا جاؤں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو تمہیں مناسب معلوم ہو، وہ مجھ سے دریافت کرو"۔

بحیرا نے حضور ﷺ سے متفرق سوالات کیے، بعض نیند اور بیدار ہونے کے بارے میں اور بعض دیگر امور کے بارے میں، حضور ﷺ ان سوالات کے جوابات دیتے رہے۔

اور خواب کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"میری آنکھ سو جاتی ہے، لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے"۔

حضور ﷺ اپنی ذات بابرکات کی علامت وصفات بیان فرماتے جاتے تھے، اور بحیرا راہب ان صفات کو جو اس نے کتب سابقہ میں آخری نبی ﷺ کی صفات کے ضمن میں پڑھ رکھی تھیں، اس کے موافق پایا تھا۔

بحیرا حضور ﷺ کے جوابات کو اپنی مقدس کتاب کے عین مطابق پا کر بہت خوش اور بے حد مطمئن ہوا۔

حضور ﷺ کی سرخ چمکیلی چشمان مبارک کی طرف دیکھ کر اس نے ابوطالب اور بعض مخصوص لوگوں سے جو ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ان سے پوچھا:

"کیا یہ سرخی کبھی زائل بھی ہوتی ہے یا نہیں"؟

انہوں نے کہا:

"ہم نے کبھی اسے زائل ہوتے نہیں دیکھا"

چنانچہ یہ علامت بھی درست نکلی، اسے اور زیادہ یقین ہوگیا، لیکن دل کی تسلی اور یقین کو تقویت پہنچانے کی غرض سے بحیرا نے حضور ﷺ سے درخواست کی:

"دوش مبارک سے کپڑا ہٹائیں تاکہ میں مہر نبوت کا مشاہدہ کر سکوں"۔

حضور ﷺ شرم وحیا کی وجہ سے دکھانا نہیں چاہتے تھے، اس پر ابو طالب نے کہا:

"اے میری دونوں آنکھوں کے نور! بحیرا کو مہر نبوت کے دیدار سے محروم نہ رکھو"۔

چنانچہ حضور ﷺ نے دوش مبارک سے کپڑا ہٹایا۔

بحیرا نے آپ ﷺ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کی زیارت کی۔ بحیرا فرط مسرت اور شدت جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، اس کی آنکھوں سے عقیدت کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بڑے ادب سے مہر نبوت کا بوسہ لیا۔

حضور ﷺ کی زندگی کے بارے میں سوال وجواب، آپ ﷺ کی جسمانی خصوصیات کے قریبی مشاہدے اور مہر نبوت کی سعادت زیارت سے بحیرا کا چہرہ تمتما اٹھا۔ ہر بات اور ہر نشانی اس کی مقدس کتاب کے عین مطابق ثابت ہوتی چلی جا رہی تھی۔

بحیرا راہب کی معنی خیز ضیافت کامیاب رہی۔ اسے پورا یقین ہوگیا کہ محمد ﷺ وہی عظیم و برتر ہستی ہیں جن کی نشانیوں اور حفاظت کا ذکر اس کی مقدس کتاب میں بھی درج تھا۔

حضور ﷺ سے بات چیت سے فارغ ہو کر بحیرا ابو طالب کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے پوچھا:

"اس صاحبزادے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟"

ابو طالب نے کہا:

"یہ میرا فرزند ہے"۔

بحیرا بولا:

"نہیں۔ یہ تمہارا فرزند نہیں ہے۔ اس فرزند کے والدین زندہ نہیں ہو سکتے"۔

اس پر ابو طالب نے بتایا:

"یہ میرے بھائی کا فرزند ہے"۔

بحیرا نے بے تاب ہو کر پوچھا:

"پھر ان کا باپ کہاں ہے؟"

ابو طالب نے جواب دیا:

"ان کا انتقال ہو چکا ہے"۔

بحیرا راہب نے کہا:

"آپ نے سچ کہا"۔

پھر بحیرا راہب بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا:

"ہماری کتابوں اور پرانی روایتوں کے حساب سے یہ سید المرسلین ﷺ ہیں۔ ان کی شریعت دنیا میں پھیلے گی، اور ان کا روشن دین تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دے گا، آپ انہیں ساتھ لے کر شام کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھیں کیونکہ وہاں فتنہ پرور یہودیوں کا غلبہ ہے، اگر کہیں ان یہودیوں کو بھی وہ سب باتیں معلوم ہو گئیں جو مجھے معلوم ہیں تو وہ آپ ﷺ کے خلاف ضرور کوئی نہ کوئی خطرناک سازش کریں گے، اور آپ ﷺ کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ آپ انہیں ساتھ لے کر یہیں سے فوراً مکہ واپس لوٹ جائیں"۔

ابو طالب نے یہ سنا تو بہت فکر مند ہوئے، سامان تجارت کو بصریٰ ہی میں فروخت کیا، اور مکہ مکرمہ کو واپس تشریف لے گئے۔

ایک روایت میں آتا ہے:

"حضور ﷺ کو اس مقام سے واپس مکہ مکرمہ بھیج دیا گیا، اور خود تجارت کی تکمیل کے لیے شام کی طرف گئے"۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے:

"ابو طالب جب شام کی تجارت سے فارغ ہو گئے تو وہاں سے جلد نکلے اور

آپ ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ چلے آئے''۔

اس سفر کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی روایت میں آتا ہے:

''شام میں تین یہودی اکھٹے رہتے تھے، جن کے نام یہ تھے۔

(۱) زریر (۲) دریس (۳) تمام، اپنی قدیم مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے انہوں نے بھی یہ حقیقت معلوم کر لی تھی کہ اس وقت کا آخری نبی ﷺ اس روز بحیرا کے کلیسا کے سامنے درخت کے نیچے اترے گا، چنانچہ جس دن ابو طالب کا تجارتی قافلہ اس درخت کے نیچے رکا تو یہ تینوں بدفطرت یہودی کاہن بھی حضور ﷺ کے قتل کی ناپاک نیت سے وہاں آپہنچے تھے، یہ یہودی بحیرا راہب سے بھی ملے تھے، انہوں نے بحیرا کو راز میں لے کر بتادیا تھا کہ وہ مقدس کتابوں میں مذکور اس آخری نبی ﷺ کے قتل کے ارادے سے وہاں آئے ہیں، اور یہ کہ ان کے حساب سے وہ شخص اس جگہ پہنچ چکا ہے، قتل کی اس ناپاک سازش میں انہوں نے بحیرا سے بھی مدد مانگی تھی، بحیرا یہ سن کر چونک اٹھا۔ اس نے انہیں سمجھایا:

''اگر وہ آخری نبی ﷺ ہیں جس کی تعریف وصفات تم نے آسمانی کتابوں میں پڑھی ہیں، تو وہ شخص جو توریت، زبور اور انجیل پڑھتا ہے، ان کو نبی ﷺ ہونے کے اعتبار سے کیسے نہیں پہچانے گا، اور ان کے قتل کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے جب اللہ کسی سے کوئی نیک کام کروانا چاہے تو کیا کوئی شخص اسے روک سکتا ہے؟''

ان یہودیوں نے کہا:

''نہیں''۔

اس پر بحیرا نے کہا:

''تم اس کام سے باز آجاؤ، اور واپس لوٹ جاؤ، وہ برگزیدہ ہستی (ﷺ) اللہ کی امان میں ہے، اور تم جتنا بھی چاہو اسے کبھی ختم نہ کر سکو گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے اس ناپاک ارادہ سے باز آجاؤ اور فوراً واپس چلے جاؤ۔''

وہ کاہن واپس جانے کا نام نہیں لیتے تھے، مگر بحیرا کے واضح دلائل اور شدید

اصرار پر آخر انہوں نے اس ناپاک ارادے کو ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

جب ابو طالب تجارت کے بعد حضور ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ آئے تو جب بھی کبھی سفر کا ارادہ کرتے اور حضور ﷺ ان کے ساتھ جانا چاہتے، تو ابو طالب بحیرا راہب کی وصیت کی وجہ سے اور حضور ﷺ پر یہود کے تعرض کے خوف سے اپنے ساتھ نہ لے جاتے، اور خود بھی جب تک شدید ضرورت لاحق نہ ہوتی بالکل سفر نہ کرتے، کیونکہ حضور ﷺ کی جدائی ان کے لیے برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔

تجارت کے اسرار ورموز

آج بصریٰ کے بازاروں میں بڑی رونق تھی۔ دور دور تک کاروان قریش کی دھوم مچی ہوئی تھی ۔ وادیٔ مکہ کی کھجوریں، کھالیں اور دلفریب دستکاریاں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔شامی تاجر بھی اناج ، اسلحہ ، پارچاجات اور دیگر مصنوعات کے ڈھیر لیے بیٹھے تھے ۔خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔کہیں جنس کے بدلے جنس کا سودا ہو رہا تھا۔کہیں درہم و دینار کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دونوں طرف سے خرید وفروخت ہو رہی تھی۔ ہر سوداگر اپنے مال کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا رہا تھا، رطب اللسان تھا۔قریش کو اپنی قادرالکلامی پر غرور تھا، انہیں اس پر ناز تھا، وہ خود کو فصاحت وبلاغت کا شہنشاہ کہتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہ تھا، ان کی فصیح وبلیغ زبان سننے والے کے دل موہ لیتی ۔انہیں اپنی طرف راغب کر لیتی۔زبان کی شیرینی کانوں کے رستے دل میں اتر جاتی اور گھر کر لیتی ۔

شامی تاجروں کو سودے بازی پر ناز تھا، اس لیے بھاؤ چکانے کا معاملہ ہنوز حل طلب تھا۔

شامی تاجروں کی ایک ٹولی ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہوئے دبلے پتلے اونٹوں کی ایک قطار کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ جو دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ ابوطالب کے اونٹ تھے۔ یہاں سامان تجارت کے ڈھیر ایک ہی جگہ لگے ہوئے تھے ۔

ابو طالب نے سامان تجارت کو اس خوبصورتی سے سجا رکھا تھا کہ ہر تاجر کی نگاہ اس پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ۔

بڑھ چڑھ کر بولیاں لگ رہی تھیں۔ ردوکد کا شور تھا۔ لمبی قباؤں، عباؤں اور توندوں والے شامی تاجر آپس میں الجھ رہے تھے۔ چیزوں کو پرکھ رہے تھے۔ مول تول میں مصروف تھے، کچھ تو ان میں سے آپس میں الجھ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر کینہ، جھوٹا اور دھوکہ بازی کا لیبل چسپاں کر رہے تھے۔ کچھ ایسے تھے کہ رشک وحسد سے اس مال کو دیکھ رہے تھے۔

کوئی ابوطالب کے مال کے عیب گنتا تو دوسرا اسے احمق، بے وقوف، اندھا اور ناجنس شناس کہہ کر اس کا تمسخر اڑاتا، ہر طرف چہ میگوئیاں اور سرگوشیوں کا بازار گرم تھا۔ کچھ مال دیکھتے سونگھتے، مسلتے، الٹ پلٹ کر دیکھتے اور پھر ہٹ کر آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگتے۔

ابوطالب نہایت تحمل مزاجی سے اپنے مال کے ہر اعتراض کا معقول جواب دے رہے تھے۔ لوگوں کو مطمئن کر رہے تھے، گاہکوں کو قائل کر رہے تھے۔

محمد ﷺ یہ سب کچھ نہایت باریک بینی سے دیکھ رہے تھے، جذب کر رہے تھے۔ مشاہدہ کی آنکھ سے پرکھ رہے تھے۔ تجارت کے گر دیکھ اور سیکھ رہے تھے۔ یہ بھی ایک دلچسپ مشغلہ تھا، بکریاں چرانے سے تو یہ کام بہت ہی دلچسپ لگ رہا تھا۔

دوسری طرف ابوطالب کے ساتھی حیران تھے کہ آخر ان شامی تاجروں کو کیا ہوگیا ہے۔ کوئی ادھر کا رخ ہی نہیں کر رہا، سب ابوطالب کے مال کے گرد جمع ہیں، اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ پھر اس بار ایسی کون سی بات ہوگئی۔ شامی تاجر ابوطالب کا مال خریدنے کے لیے بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے تھے، ان کا مال خریدنے کے لیے آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔

بات ان کی سمجھ سے ماوراتھی۔ ان کا مال ابوطالب کے مال سے کسی طرح بھی گھٹیا نہ تھا، پھر یہ سب، یہ سب کیا تھا۔ قریشی تاجر ابوطالب کے مال کے خریدار کو رشک وحسد کی نگاہ سے دیکھتے۔

محمد ﷺ چچا کے ساتھ سامان کی نمائش میں نہایت سرگرم تھے۔ وہ خریداری کے جوڑ توڑ ہوتے دیکھ رہے تھے۔ گاہکوں کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے، بھاؤ تاؤ کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ ان مشاہدات کو اپنے حافظہ کی تختی پر محفوظ کر رہے تھے طرح طرح کے انسانی چہرے، بھاؤ تاؤ کے انمول گر، معاملات کے رنگ برنگے مختلف پہلو سب ان کے سامنے تھے، اور وہ بغور ان کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

یہ ان کا پہلا تجربہ تھا، جو کافی دلچسپ اور خوشگوار تھا۔

ابوطالب کا سارا سامان فروخت ہو چکا تھا۔ اب وہ مکہ جانے کے لیے مال تجارت کی خریداری میں مصروف تھے۔ یہاں سے انہیں مکہ میں فروخت کے لیے سامان خریدنا تھا۔ دوسری طرف کارواں قریش کے تجار کو اپنا مال فروخت کرنے میں کئی دن لگ گئے، اور انہیں منافع بھی ابوطالب کے مقابلے میں کم ہوا تھا، ان کے چہرے پژمردہ تھے۔ اس بار قدرت ابوطالب پر کچھ زیادہ ہی مہربان تھی۔

محمد ﷺ نے اپنا مال فروخت کرنے کے بہت سے گر سیکھ لیے تھے، گاہکوں سے نپٹنا اب انہیں آسان نظر آ رہا تھا۔ صبر وتحمل کی اہمیت کا انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ تربیت قدرت کی طرف سے تھی۔ اس سفر میں انہوں نے صبر وتحمل کا جو سبق سیکھا تھا، وہ ان کے لیے کل جب انہیں بار نبوت کو اپنے کندھوں پر اٹھانا تھا، ایک سنگ میل ثابت ہونا تھا، انہیں صبر وتحمل، عفوودرگزر سے کام لینا تھا۔

جس طرح حلم وبردباری سے انہوں نے گاہکوں سے نمٹنا سیکھا تھا، بالکل اسی طرح کل کو جب نبوت کا تاج ان کے سر پر سجنا تھا، انہوں نے اس حلم وبردباری سے اللہ کے پیغام کو عام کرنا تھا، منکرین کی تیز وتند باتوں کو برداشت کرنا تھا، اذیتوں کے دکھ سہنے تھے، کفروشرک کے تاجروں سے ٹکرانا تھا۔ غرور تکبر کے پتلوں سے نمٹنا تھا۔

تجارت کرنا انہیں بکریاں چرانے سے زیادہ دلچسپ مشغلہ نظر آیا۔ انہوں نے پختہ ارادہ کیا۔

"اب میں تجارت میں اپنے چچا کا ہاتھ بٹاؤں گا"۔

ابوطالب خریداری مکمل کر چکے تھے۔ اب وہ روانگی کا قصد کیے ہوئے تھے۔ محمد ﷺ نے خریداری کے اسرار ورموز بھی بخوبی سیکھ لیے تھے۔

محمد ﷺ اپنے چچا کے ساتھ سامان باندھ رہے تھے۔ ایک بوڑھا تاجر انہیں اس قدر مستعدی اور فعال انداز میں کام کرتے دیکھ کر ان کے پاس آیا، اس نے ابوطالب سے پوچھا:

"کیا یہ نوجوان آپ کا بیٹا ہے؟"

"ہاں"۔

ابوطالب نے مختصر سا جواب دیا:

"تم بہت خوش قسمت ہو، اس بچے کی پیشانی پر تدبر اور معاملہ فہمی کے آثار ہویدا ہیں۔ اس کے چہرے میں بلا کی دلکشی اور آنکھوں میں غضب کی کشش ہے۔
اس قد و قامت اور اس سن کے بچے میں عجیب مقناطیسی قوت ہے۔
سنجیدگی اور زبان و بیان کی شرینی صاف صاف بتا رہی ہے کہ یہ لڑکا غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے، اور یہ ایک نہ ایک دن ستارہ بن کے چمکے گا۔ تم اس کی حفاظت کرو۔ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ میں نے قیصر و کسریٰ کے درباروں میں گلفام شہزادوں کو دیکھا ہے۔ مگر تمہارا یہ لاڈلا امی ہونے کے باوجود فہم و فراست میں یکتا و تنہا ہے"۔

پھر بوڑھے تاجر نے محمد ﷺ کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا:

"جیتے رہو میرے بیٹے"۔

کاروان قریش شام کے مختلف شہروں میں خرید و فرخت کرنے کے بعد مکہ کی طرف محو خرام ہے۔ ابوطالب مطمئن ہیں، اس بار انہیں توقع سے زیادہ منافع ہوا ہے۔ ان کے چہرے پر شادابی ہے، جبکہ ان کے ساتھیوں کے چہرے بجھے بجھے سے ہیں۔

قافلہ اپنی رفتار سے مکہ کی طرف محو سفر ہے، محمد ﷺ نے اس سفر میں تجربات کی جنس گرانمایہ کا وافر خزانہ سمیٹ لیا ہے۔ اب واپسی پر رہ گزر کا چپہ چپہ پہلے سے کہیں زیادہ پر کشش معلوم ہو رہا ہے۔

مکہ میں دن ڈھلے قافلے کی آمد کی اطلاع پہنچ جاتی ہے۔ ایک غلغلہ سا مچ جاتا ہے۔ لوگ اپنے عزیز و اقارب کے استقبال کے لیے فرودگاہ کی طرف چل رہے ہیں، بنو ہاشم کے گھرانے سے عباس، حمزہ اور طالب آرہے ہیں۔ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنہوں نے حضور ﷺ کو ماں بن کر پالا اور جنہیں حضور ﷺ نے متعدد بار امی کہہ کر پکارا، وہ بھی والہانہ انداز میں چلی آرہی ہیں۔ انہیں محمد ﷺ کی جدائی گوارہ نہ تھی۔ یہ دن انہوں نے آنکھوں میں کاٹے، آج ان کا محمد ﷺ آرہا تھا۔ وہ ان کے استقبال کے لیے کیوں نہ آتیں۔

اتنے میں قافلہ گھاٹی سے نمودار ہوا۔ لوگ ناچتے گاتے ہوئے قافلے کی طرف بڑھے۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگاہیں محمد ﷺ کو ڈھونڈتی ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک

اور دل کے سکون محمد ﷺ کو بے تابی سے تلاش کر رہی ہیں انہیں جگر گوشہ عبداللہ سے بے پناہ پیار ہے، انہوں نے جان آمنہ کو بے پناہ لوریاں دی ہیں اپنی بانہوں میں جھولا جھلایا ہے۔ انہیں گودوں کھلایا ہے۔ ان کی خدمت و پرورش کی ہے۔ اچانک ان کی نظر محمد ﷺ پر پڑتی ہیں۔ سانسوں کی رفتار بے ربط ہو کر تیز ہو جاتی ہے۔ مسرت کی لہریں ان کے پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں۔

وہ اپنے محمد ﷺ کی بلائیں لینے لگتی ہیں۔ ان کا دل چاہتا ہے کہ ان کے پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر اپنے بیٹے کے پاس اپنے محمد ﷺ کے پاس جا پہنچیں۔

قافلہ فرودگاہ میں داخل ہو رہا ہے، بلبلاتے ہوئے اونٹوں کو بٹھایا جا رہا ہے۔ ہر طرف آوازیں ہی آوازیں ہیں۔ آقا اپنے غلاموں کو چیخ چیخ کر حکم دے رہے ہیں، لوگ مستعدی سے اونٹوں سے سامان اتار رہے ہیں تاکہ غروب آفتاب سے پہلے پہلے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔

چچا کے ساتھ عازمِ سفر

محمد ﷺ کی عمر مبارک جب تیرہ سال یا اس سے تجاوز ہوئی تو اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ عازم سفر ہوئے، اثنائے سفر میں ایک وادی پر گزر ہوا تو وہاں ایک مست اونٹ تھا، جو راہ روکے ہوئے تھا۔ وہاں سے کسی کو گزرنے نہ دیتا تھا۔ لوگ اس اونٹ سے دہشت زدہ ہو جاتے تھے، اور وہاں سے گزرنے کا ارادہ ترک کر دیتے تھے۔

جب اس قافلہ نے اپنے راستے میں ایک بدمست اونٹ کو کھڑا دیکھا تو وہیں رک گیا۔ اونٹ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام تک نہ لے رہا تھا، اور ان کا راستہ روکے کھڑا رہا۔ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اونٹ وہاں سے ہٹ جائے، انہیں راستہ دے دے، اور یہ قافلہ بخیر وعافیت وہاں سے گزر جائے۔ مگر انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

لوگ تھک ہار کر خاموش ہو رہے۔ پھر قافلے نے واپسی کا ارادہ کیا۔ جب تمام لوگ مجبور ہو گئے تو محمد ﷺ نے فرمایا:

''میں اس معاملہ میں تمہاری کفالت وحمایت اور نگرانی کروں گا''۔

اب ننھے محمد ﷺ اس قافلے کے آگے ہو لیے، جب اس اونٹ نے بدر کامل ﷺ کو دیکھا تو بیٹھ گیا، اور اپنے سینہ کو زمین پر رگڑنے لگا۔ آپ ﷺ اونٹ سے اترے اور اس بدمست اونٹ پر سوار ہو گئے، اس اونٹ نے کوئی حرکت نہ کی۔ پھر وہ اونٹ اٹھ کھڑا ہوا اور چلنا

شروع کر دیا۔

قافلہ اس اونٹ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ جب اس وادی کو عبور کرلیا، تو حضور ﷺ اس مست اونٹ سے اتر کر اپنے اونٹ پر سوار ہو گئے، اور اس اونٹ کو رخصت کر دیا۔

جب سفر سے واپس ہوئے تو راہ میں پانی سے لبالب بہتی وادی پر گزر ہوا، جس کی موجیں دل لرزا دینے والی تھیں، سب سہم کر کھڑے ہو گئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''میرے پیچھے چلتے آؤ''۔

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس پانی پر قدم رکھا تو وہ خشک ہوگیا۔ سارا قافلہ خشک راہ پر چل پڑا، اور وادی سے صحیح سلامت گزر گیا۔ ان کے گزرنے کے بعد وہ پانی پھر اسی طرح موجزن ہوگیا۔

جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ہمراہیوں نے لوگوں کو اثنائے سفر کے واقعات وکمالات اور خوارق عادات واقعات بیان کیے تو سب نے کہا:

''اس جوان کی شان نرالی ہے''۔

حربِ فجار کا پس منظر

عراق کا پایہ تخت حیرہ قرب وجوار میں عروس البلاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ عرب کے کونے کونے میں اس کا شہرہ تھا۔ خورنق اور سدیر کے محلات ضرب المثل بن گئے تھے۔ نعمان اکبر شاہ حیرہ نے ان کے معمار کو قلعہ کی دیوار سے گرا کر محض اس لیے ہلاک کر دیا تھا کہ وہ اس سے اعلیٰ یا اس کی مثل کوئی دوسرا محل تعمیر نہ کر سکے۔

ابو قابوس نعمان بن منذر، گورخر کے شکار کا دلدادہ تھا۔ شراب وکباب کا رسیا تھا۔ عیش و نشاط کی محفلوں کا شوقین تھا۔ اس کا شہرہ دور دور تک تھا۔ شاہ حیرہ کی دختر حرقا کے حسن وجمال کی داستان دور دور تک مشہور تھی۔ شہنشاہ فارس کسریٰ پرویز نے اسے اپنے حرم کی زینت بنانا چاہا تھا، مگر نعمان نے دوستی ہونے کے باوجود اس رشتہ سے انکار کر دیا اور کہا:

''ہم عرب غیر عربوں کو لڑکیاں نہیں دیا کرتے''۔

حالانکہ بعد میں اسی غیرت مندی کی سزا میں کسریٰ پرویز نے اسے بھرے دربار میں ہاتھی کے پاؤں تلے ڈلوا دیا تھا، جس کا انتقام لینے کے لیے عرب پہلی بار متحد ہوئے، اور ذی قار کے میدان میں انہوں نے جنگ چپاول کے ذریعے اہل فارس کی عظیم فوج کو شکست سے دوچار کر دیا تھا، اور شاہ فارس کو یہ باور کرا دیا تھا:

''غیر مند قومیں اپنے ننگ وناموس کا سودا نہیں کرتیں، اور عرب اپنے مقتولوں کا انتقام لینا خوب جانتے ہیں۔ خواہ مقابلے میں شاہ فارس کسریٰ ہی کیوں نہ ہو''۔

نعمان بن منذر اپنے دربار میں موجود تھا۔ اس کے دربار میں بنو کنانہ اور بنو ہوازن کے نمائندے بھی موجود تھے۔ اور عکاظ کے بازار کی باتیں ہو رہی تھیں۔ عکاظ کا بازار نواح مکہ میں لگتا تھا۔ یہ عظیم ترین سالانہ میلہ ہوتا تھا۔ یہاں خرید وفروخت کی بہت بڑی منڈی لگتی تھی۔ اس کا شہرہ دور دور تک تھا۔ لوگ قرب وجوار اور دور دراز کی مسافت طے کر کے یہاں آتے ان میں سے کچھ تو میلے ٹھیلے کے شوقین ہوتے، اور کچھ خرید وفروخت کے لیے یہاں کا رخ کرتے۔ یہاں دور دور سے تاجر اپنا مال لے کر آتے، اور خوب درہم و دینار کماتے۔

اس بازار میں عرب کے تاجر، شاعر، شہسوار، پہلوان، داستان گو اور دیگر علوم وفنون کے ماہر جمع ہوتے تھے۔ تجارت کے ساتھ ساتھ اپنی قادر الکلامی اور پہلوانی کے جوہر دکھاتے، فخر وغرور کے تذکرے کیے جاتے۔ داستان گوئیاں ہوتیں، حسن مقال، حسن خیال اور حسن کمال کے ساتھ ساتھ شجاعت وجوانمردی کی داستانوں کو ہوا دی جاتی۔

اس بازار کی بھی عجیب ہی حالت تھی۔ یہاں کوئی خالی ہاتھ آتا تو لاکھوں پاتا، کوئی لاکھوں لیے آتا تو خالی ہاتھ لوٹتا، کوئی یہاں پاتا تو کوئی گنواتا، کوئی ڈوبتا تو کوئی ابھرتا، کسی کا دیا جلتا تو کسی کا چراغ گل ہوتا۔ ہر وقت یہاں گہما گہمی کا سماں ہوتا۔ اس بازار کی ایک منفرد اور نرالی شان تھی۔ یہ بازار حرمت کے مہینوں یعنی ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینوں میں لگتے۔ چونکہ یہ مہینے جنگ وجدال، قتل وغارت گری، لوٹ مار کے لیے حرام تھے۔ اس لیے لوگ بے دھڑک یہاں آتے۔ کسی قسم کا کوئی خوف وخطرہ نہ تھا۔ ان مہینوں میں امن وامان برقرار رہتا۔

آج نعمان بن منذر کا قافلہ عکاظ کے بازار میں جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ ان سے روانگی کی اجازت کے طالب تھے۔

نعمان بن منذر نے روانگی سے پہلے حسب دستور اپنے بازار میں موجود اپنے ان نمائندوں سے پوچھا:

"آپ دونوں اشراف عرب میں سے ہیں۔ میرا تجارتی قافلہ بازار عکاظ جانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ کیا تم دونوں میں سے کوئی اس کی پناہ کا ذمہ لیتا ہے؟"

دونوں نمائندے شاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

بنو کنانہ کے نمائندہ براض نے کہا:

”عالی جاہ! میں آپ کے قافلے کو بنو کنانہ سے پناہ دیتا ہوں“۔

نعمان بن منذر نے کہا:

”میں تو کسی ایسے شخص کا متلاشی ہوں، جو میرے قافلے کو تمام اہل عرب نجد و تہامہ سے پناہ دے“۔

یہ سن کر بنو ہوازن کا رئیس عروہ رحال بڑی تمکنت سے اٹھا اور بڑی کبر و نخوت سے بولا:

”عالی جاہ! یہ تو قوم کا دھتکارہ ہوا کتا ہے، یہ آپ کے قافلے کو کیا پناہ دے گا۔ آپ اپنا قافلہ میرے حوالے کر دیں، آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ میں آپ کے قافلہ کو نجد و تہامہ سے پناہ دیتا ہوں“۔

یہ سن کر براض کا غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔ وہ غصے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا:

”کیا تو اس قافلہ کو بنو کنانہ سے پناہ دیتا ہے؟“

عروہ رحال نے بڑے غرور اور تکبر سے کہا:

”ہاں! میں اس قافلہ کو بنو کنانہ سے پناہ دیتا ہوں، بلکہ بنو کنانہ کیا میں تو اسے پوری مخلوق سے پناہ دیتا ہوں“۔

براض رتبہ میں عروہ کا ہمسر نہ تھا۔ یہ تلخ باتیں سن کر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ انتقام کی آگ اس کے اندر ہی اندر سلگ اٹھی تھی۔ اب یہ آگ عروہ کے خون سے ہی ٹھنڈی ہو سکتی تھی۔ براض موقع شناس انسان تھا۔ اس نے خاموشی ہی میں مصلحت جانی، اور دل میں عروہ سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔

نعمان بن منذر نے اپنا قافلہ عروہ رحال کے سپرد کیا۔ دربار برخواست ہو گیا، اور رئیس بنو ہوازن عروہ بن رحال اس قافلہ کو لے کر رعونت کے ساتھ چل پڑا۔ اس کے لبوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ تھی۔ اس نے نہ صرف براض کو شکست دی تھی۔ بلکہ اسے بھرے دربار میں ذلیل و رسوا بھی کر کے رکھ دیا تھا۔

براض دل پر شدید چوٹ کھائے ہوئے تھا۔ ذلت و رسوائی کا تیر ابھی تک اس کے سینے میں پیوست تھا۔ عروہ بن رحال براض کی دلی کیفیات سے نا آشنا نہ تھا، وہ جانتا تھا کہ براض ایک مکار بھیڑیا ہے، جو موقع ملتے ہی اسے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ اس کے باوجود وہ اس بات کو کوئی

خاص اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ قافلہ اپنی منزل کی طرف محو سفر تھا۔ براض مسلسل موقع کی تاک میں تھا۔

آخر ایک دن براض کو موقع ہاتھ آ گیا، اس نے عروہ بن رحال پر وار کر کے خون میں لت پت کر دیا، عروہ اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

انتقام لینا عربوں کی گھٹی میں پڑا ہے۔ جو شخص انتقام لینے سے عاری ہو، عرب اسے انسان کی صف میں شمار نہیں کرتے تھے۔ خواہ یہ سلسلہ پشت ہا پشت چلتا، دل میں کینہ و بغض پروان چڑھتا رہتا۔ جب موقع ملتا دشمن پر وار کر جاتے۔

بنو ہوازن مرنے مارنے پر تل گئے تھے۔ قریش نے بڑی ردوکد اور مزید خون خرابے سے بچنے کے لیے قصاص کے لیے براض کو پیش کر دیا تھا، مگر بنو ہوازن کے سر میں تو شدید خون خرابے کا سودا سمایا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا۔

بنو ہوازن کا قائم مقام سردار بار بار کہہ رہا تھا۔

"براض کتا ہے یہ عروہ کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا۔ عروہ ہمارا سردار تھا۔ اب ہم اس کے قصاص میں قریش کے کسی سردار کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کریں گے، اس کتے کے خون سے ہماری تلواریں رنگین ہونا نہیں چاہتیں"۔

قریش کے وفد کے سربراہ نے کہا:

"خون کا بدلہ خون ہے۔ اس لیے عروہ کے قتل پر براض ہی کو قتل کیا جائے۔ ہم اس کے عوض کسی دوسرے کو ہرگز نہ دیں گے۔ خواہ کچھ ہی ہو"۔

اب تو بنو ہوازن کا سردار غرایا:

"ہم بزور شمشیر تمہارے سرداروں کو قتل کریں گے۔ میں دیکھتا ہوں ہمیں کیسے روکتے ہو"۔

"اس کا فیصلہ تلوار کرے گی"۔

قریش کا سردار یہ کہہ کر وہاں سے چلا جاتا ہے۔

امن کی گفتگو ناکام ہو کر رہ گئی تھی۔ اب ہر طرف جنگ کے شعلے لپکنے کے لیے تیار تھے۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے کے لیے مچل رہی تھیں۔ انتقام کی آگ نے ہمیشہ عربوں کو خون

میں نہلا کر رکھ دیا تھا۔ ہر طرف تباہی پھیلائی تھی۔ ہنستے بستے گھر اجاڑ دیئے تھے۔ سہاگوں کے سہاگ چھین لیے تھے۔ معصوم بچوں کے سروں سے باپ کا سایہ چھین لیا تھا، ماؤں کی گودیں اجاڑ دی تھیں، مگر پھر بھی انتقام کے شعلے سرد نہ ہوتے، اور یہ سلسلہ کئی پشتوں تک چلتا رہتا۔ کاروبار تباہ ہو جاتے۔ امن وامان کو گھن لگ جاتا۔

یہی وہ جذبہ تھا جس نے اب بنو ہوازن کے انتقام کو ہوا دے رکھی تھی۔ ان کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی چڑھ چکی تھی۔ وہ حرمت والے مہینوں کے تقدس کو فراموش کر چکے تھے۔ انہیں تو صرف انتقام لینا تھا۔

بنو ہوازن کے ہتھیار بند نوجوان تلواروں کو باڑ پر لگا رہے تھے۔ تیروں کی گنتی کی جا رہی تھی۔ نیزوں اور ڈھالوں کی جانچ پڑتال ہو رہی تھی۔ جنگ کی تیاریاں اپنے پورے عروج پر تھیں۔ کتنی جاہلیت کی بات تھی کہ ایک خون کے بدلے میں ہزاروں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔

صلاح ومشورے ہو رہے تھے۔ عروہ کا قتل تباہی وبربادی کے عفریتوں کو دعوت دے رہا تھا۔

قریش بھی بنو ہوازن کی ان تیاریوں سے غافل نہیں تھے۔ ان کا ہر گھر اسلحہ خانہ بن چکا تھا۔ وہ اپنے دفاع اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جگہ جگہ دفاعی جنگ کی تدابیر سوچی جا رہی تھیں۔ قریش کو خوب معلوم تھا کہ تیر اندازی میں بنو ہوازن کا کوئی ثانی نہیں۔ انہوں نے میدان جنگ میں آج تک پیٹھ نہیں دکھائی۔

بنو کنانہ کے سب قبائل نے اتفاق رائے سے اپنے تین سردار نامزد کر دیئے۔

حضور ﷺ کی عمر مبارک چودہ یا پندرہ سال کی ہوئی تو حرب فجار کا واقعہ پیش آیا۔ یہ جنگ قریش اور بنی کنانہ کی بنی قیس عیلان سے ہوئی تھی، اور اس کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ کہ عروہ الرحال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن نے نعمان بن منذر کے سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، جس پر بنی کنانہ کے ایک شخص براض بن قیس بن ضمرہ بن بکر بن عبد منات بن کنانہ نے برا منایا اور موقع پا کر عروۃ الرحال کو قتل کر ڈالا

اس پر بنی کنانہ اور بنی قیس میں جنگ چھڑ گئی۔ قریش نے بنی کنانہ کا ساتھ دیا۔ قریش

اور کنانہ میں ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا۔ ایسا ہی بنی قیس میں بھی ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا۔

حضور ﷺ بھی اس جنگ میں شریک تھے، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

''میں اپنے چچاؤں کو وہ تیر اٹھا کر دیا کرتا تھا، جو ان کے دشمنوں کی طرف سے آتے تھے''۔

ایک روایت یہ ہے:

''جب یہ جنگ ہوئی تو حضور ﷺ کی عمر مبارک بیس برس تھی''۔

اس جنگ کا نام حرب فجار اسی سبب سے ہوا کہ دونوں فریقوں نے حرمت والے مہینوں میں جنگ کی، اور جنگ میں قریش اور کنانہ کا سردار حرب بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ حرب فجار زمانہ جاہلیت کی جنگوں میں سب سے زیادہ مشہور اور عظیم الشان لڑائی سمجھی جاتی ہے، اور پھر اس لحاظ سے بھی خاص شہرت حاصل ہے کہ یہی وہ سب سے پہلی جنگ ہے جس میں حضور ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔

حضور ﷺ کی شمولیت سے جو خصوصیت اس لڑائی کو حاصل ہو گئی ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ اس کی تفصیلی کیفیت یہاں بیان کی جائے جو دلچسپ بھی ہے، اور زمانہ جاہلیت کے حالات کی آئینہ دار بھی۔

ابن ہشام نے بہت ہی اختصار کے ساتھ اس جنگ کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے قارئین کی تشفی نہیں ہوتی۔

تاریخ الکامل سلامہ ابی الحسن علی المعروف بہ ابن الاثیر الجزری میں درج ہے:

''یہ جنگ عبدالمطلب کی وفات سے بارہ سال بعد اور مکہ پر اصحاب فیل کے حملہ سے بیس سال بعد ہوئی، اس جنگ کا سبب بہت معمولی واقعہ ہوا کہ بنی کنانہ کا ایک شخص براض بن قیس بڑا عیار، چالاک، قاتل اور خونی واقع ہوا تھا۔ اس کی دغابازیوں اور بدکرداریوں سے تنگ آ کر اس کی قوم یعنی بنی کنانہ نے اسے اپنے ہاں سے نکال دیا تھا، اور اس سے کوئی علاقہ نہ رکھا تھا۔

اپنی قوم سے نکل کر یہ شخص نعمان بن المنذر کے پاس پہنچا جو شہنشاہ ایران کی طرف سے حیرہ اور عراق کا والی تھا۔

نعمان بن المنذر ہر سال عکاظ کے مشہور میلے میں فروخت کے لیے اونٹوں پر لاد کر بہت سا تجارتی سامان بھیجا کرتا تھا۔ اسے "لطیمہ" کہتے تھے۔
عکاظ ذی المجاز اور مجنہ عرب کے نہایت مشہور ومعروف میلے تھے جو سالانہ منعقد ہوا کرتے تھے۔ عرب ان میلوں میں نہایت کثرت کے ساتھ جمع ہوتے تھے، اور خرید وفروخت کرتے تھے۔ چونکہ عرب میں لوٹ مار اور قتل وغارت کا بازار ہر وقت گرم رہتا تھا۔ اس لئے یہ میلے ماہ حرام میں حج کے موقع پر لگا کرتے تھے۔ جب قتل وغارت ممنوع ہوتی تھی اور کوئی کسی سے مخاصمت نہ کرتا تھا، ہر شخص پوری آزادی اور امن کے ساتھ ان میلوں میں شامل ہوتا تھا، جو کچھ لڑائی جھگڑا ہوتا تھا، وہ ان میلوں کے بعد ہوا کرتا تھا۔

بدقسمتی سے ایک مرتبہ مشہور مفسد براض اور عروۃ الرحال نعمان کے دربار میں حاضر تھے کہ نعمان نے کہا:

"تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو بہادری کے ساتھ میرے لطیمہ کو عکاظ میں لے جائے اور اس کی حفاظت کا پورے طور پر ذمہ دار ہو۔ میں اس خدمت کا معقول معاوضہ دوں گا"۔

اس پر براض کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

"حضور! میں اپنی قوم بنی کنانہ کی طرف سے مال تجارت کے ان اونٹوں کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ لوگ نہ اس قافلے کو لوٹیں گے اور نہ مال تجارت کو نقصان پہنچائیں گے"۔

اس پر نعمان بن منذر نے کہا:

"مگر میں تو ایسے شخص کو چاہتا ہوں جو بنی کنانہ اور بنی قیس دونوں کا ذمہ لے"۔

عروۃ الرجال دربار میں موجود تھا۔ اس نے بگڑ کر کہا:

"ایک کتا جسے اس کی قوم نے ذلیل کر کے نکال دیا ہو، آپ کے مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ میرے پیارے آقا! میں آپ کے اونٹوں کی حفاظت کی پوری ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہوں۔ سارا مال میرے حوالے کیجئے اور اس

کی حفاظت کی طرف سے بالکل مطمئن رہئے"۔

عروۃ الرحال کی زبان سے یہ سن کر براض کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے شاہی آداب کا لحاظ نہ کرتے ہوئے طیش میں آ کر کہا:

"عروہ! کیا تو اس مال تجارت کی حفاظت کا بنی کنانہ کے مقابلے میں بھی ذمہ دار بنتا ہے؟"

عروۃ الرحال نے اسی غیظ وغضب کے ساتھ جواب دیا:

"بنی کنانہ پر منحصر نہیں، میں اسود واحمر اور عرب وعجم کے مقابلہ میں بادشاہ کے اونٹوں کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، میری ذمہ داری میں کسی شخص کی مجال نہیں ہوگی کہ اونٹوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے"۔

چونکہ عروۃ الرحال نے ہر قبیلے کے مقابلے میں اونٹوں کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اس لیے نعمان بن المنذر نے سارا مال تجارت اونٹوں پر لاد کر عروہ کے حوالے کر دیا، اور یہ اسے لے کر عکاظ روانہ ہوگیا۔

بھرے دربار میں اپنی اس ذلت اور ناکامی پر براض کو نہایت طیش آیا، اور اس نے اسی وقت سے اس امر کا پختہ ارادہ کرلیا کہ میں اپنی اس شکست کا انتقام عروہ کے خون سے لوں گا۔

اس ارادہ سے وہ نعمان کے اونٹوں کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ عروۃ الرحال نے اسے دیکھ لیا، مگر کچھ پرواہ نہ کی اور اپنا سفر جاری رکھا۔

حیرہ سے چل کر جب قافلہ وادی تیمن میں پہنچ کر مقیم ہوا جو حوالی فدک میں واقع ہے۔ تو وہاں براض نے اپنے تیر نکالے تاکہ اس سے عروہ کے قتل کی فال لے۔ اتفاق سے عروہ بھی ادھر سے گزرا، اس نے پوچھا:

"براض تو یہ فال کس لئے اور کس کے لئے نکال رہا ہے؟"

براض نے جواب دیا:

"تیرے قتل کا ارادہ ہے، اور اسی لیے ان تیروں سے فال دیکھ رہا ہوں۔ بول کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں یہ فال دیکھ لوں"۔

عروہ نے بے پروائی سے جواب دیا:

"چاہے فال دیکھ یا نہ دیکھ، مگر تیری یہ مجال کبھی نہیں ہو سکتی کہ تو میرے قتل کے لیے ہاتھ اٹھا سکے"۔

یہ سنتے ہی براض نے تلوار اٹھائی اور عروہ کی گردن اڑا دی۔

عروہ کو قتل ہوتے دیکھ کر اونٹوں کے محافظ ایسے گھبرائے کہ اونٹوں کو چھوڑ کر فوراً بھاگ گئے، اور براض اونٹوں کو لے کر خیبر چلا گیا۔

جب عروہ کے قتل کی خبر اس کی قوم یعنی قیس میں پہنچی تو عروہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے دو شخص اسد بن جوین اور سادر بن مالک خیبر پہنچے تاکہ جہاں براض، انہیں ملے وہ قتل کر ڈالیں، مگر بدقسمتی سے دونوں براض کو پہچانتے نہیں تھے۔

خیبر پہنچ کر جو شخص سب سے پہلے ان سے ملا، وہ اتفاق سے براض ہی تھا۔

انہوں نے اس سے براض کا پتہ پوچھا:

"وہ کہاں ملے گا؟"

براض نے ان دونوں سے پوچھا:

"آپ کو براض سے کیا کام ہے"۔

انہوں نے کہا:

"وہ ہمارے آدمی عروۃ الرحال کو مار کر آیا ہے، ہم اسے قتل کرنے آئے ہیں"۔

براض ان سے بڑے اخلاق سے پیش آیا، ان کو اپنے پاس ٹھہرایا، اور ان کی دعوت کا عمدہ انتظام کیا اور ان کے اونٹوں کو اچھی طرح باندھ دیا اور کہا:

"مجھے براض کا پتہ ہے، وہ جہاں رہتا ہے، تم میں جو زیادہ بہادر ہو وہ میرے ساتھ چلے اور براض کا کام تمام کر دے"۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص اپنی تلوار لے کر براض کے ساتھ ہولیا۔ براض اسے خیبر کے باہر ایک ویرانے میں لے گیا، اور ایک ٹوٹے پھوٹے مکان کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا:

"یہ ہے براض کا مکان، تم ذرا یہاں کھڑے رہو میں اندر جا کر دیکھ آؤں کہ

براض ہے یا نہیں"۔

مکان سے نکل کر اس نے کہا:

"براض موجود ہے اور سو رہا ہے۔ پس تم اندر جا کر اسے مار ڈالو، مگر ٹھہرو اپنی تلوار مجھے دکھاؤ کہ تیز ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ موقع پر دھوکہ دے جائے"۔

اس بہانہ سے اس نے تلوار لے کر اسی تلوار سے اس کا خاتمہ کر دیا، اور اس کی لاش کو پتھروں سے چھپا کر گھر چلا آیا، اور اس کے دوسرے ساتھی سے کہنے لگا:

"تیرا ساتھی تو بہت ہی بزدل ثابت ہوا، میں اسے براض کے مکان پر لے گیا اور وہ سو رہا تھا، میں نے کہا: "بڑا عمدہ موقع ہے، اسے سوتے میں مار ڈال"۔ مگر اس پر براض کی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ اسے قتل نہ کر سکا اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ میں نے ایسا بزدل آدمی آج تک نہیں دیکھا، اب صرف یہی شکل ہے کہ تم چلو اور براض کو سوتے میں قتل کر ڈالو"۔

ویرانہ میں پہنچ کر اس کا بھی یہی حشر ہوا، اور براض نے اسے بھی اس کے ساتھی کے پاس پہنچا دیا۔ جس کے بعد وہ اونٹوں کو لے کر مکہ چلا گیا۔ قریش اس وقت عکاظ میں گئے تھے۔ براض نے ایک شخص کو دس اونٹ دے کر کہا:

"تو عکاظ میں سردار قریش حرب بن امیہ اور میری قوم بنی کنانہ کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ براض نے عروۃ الرحال کو مار ڈالا ہے، اور تم لوگ بنی قیس سے ہوشیار رہنا"۔

جب حرب بن امیہ کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اس نے بڑے بڑے سردار ان قریش کو ایک جگہ جمع کیا اور کہا:

"اس قتل کا بدلہ بنی قیس ہم سے ضرور لینا چاہیں گے۔ پس مناسب یہی ہے کہ قریش اور بنی کنانہ کے جتنے آدمی یہاں عکاظ میں موجود ہیں سب فوراً مکہ واپس چلے جائیں، تاکہ بنی قیس کے قتل و غارت سے بچ جائیں"۔

پس قریش کے ان تمام آدمیوں نے جو عکاظ کے میلے میں آئے ہوئے تھے۔ مصلحت اور خیریت اسی میں سمجھی کہ جلد سے جلد عکاظ سے روانہ ہو جائیں۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد بنی قیس کے سردار ابو براعامر بن مالک کے پاس کہلا بھیجا:

''تہامہ اور نجد میں قریش کے خلاف ایک سخت فتنہ برپا ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کے قرار واقعی تدارک کے لیے ہمیں فوراً واپس جانے کی ضرورت ہے۔ آپ ہمیں اس کی اجازت دے دیجئے''۔

ابو برا کو ابھی تک اپنے آدمی کے قتل کی خبر نہیں ملی تھی، اس لیے اسے کچھ شبہ نہ ہوا، اور اس نے بخوشی اجازت دے دی۔ اس کارروائی کے بعد قریش کے چند بااثر عکاظ بازار میں پہنچے اور پکار کر انہوں نے اس بات کا اعلان کیا:

''مکہ میں ہمارے پیچھے ایک سخت حادثہ ہو گیا ہے، جس کے لیے ہمیں فوری طور پر مکہ پہنچنا چاہیے۔ اگر ہم یہاں رہے تو ممکن ہے فساد بڑھ جائے اور پھر اس کا تدارک مشکل ہو۔ اس لیے ہم مجبوراً جا رہے ہیں۔ آپ لوگ کچھ خیال نہ کریں''۔

اس کے بعد بہت پریشانی اور سراسیمگی کے ساتھ کنانہ اور قریش مکہ کی طرف بھاگے سارا دن تو خیریت سے گزر گیا، مگر سورج غروب ہونے کے بعد ابو برا کو عروۃ الرحال کے قتل کی خبر معلوم ہوئی، وہ سمجھ گیا کہ قریش نے یہاں سے بھاگنے کی یہ چال چلی ہے، وہ فوراً اپنی قوم کو ساتھ لے کر قریش اور کنانہ کے تعاقب میں تیزی سے روانہ ہوا، مقام نخلہ میں پہنچ کر قریش ان کو مل گئے، انہوں نے فوراً ان پر حملہ کر دیا، اور قریش کے بہت سے آدمی مار ڈالے، کیونکہ بنی قیس بڑے جوش اور غضب میں بھرے ہوئے تھے۔

اس مصیبت سے بچنے کے لیے قریش کو اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا سوائے اس کے کہ بھاگ کر حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں، جہاں عرب جاہلیت کے معاہدہ کے مطابق اور حرم کے تقدس کی خاطر کوئی شخص کسی کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔

جب قریش حرم میں داخل ہو گئے تو مجبوراً بنی قیس کو واپس جانا پڑا مگر یہ کہہ گئے:

''عروۃ الرحال کا خون ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ اس کا بدلہ ضرور لیا جائے گا۔ لہٰذا آئندہ سال ہمارے مقابلے کے لیے تیار ہو کر عکاظ میں آئیں''۔

واپس جا کر سارا سال بنی قیس عروۃ الرحال کا ماتم کرتے رہے، اور لوگوں کو اس

کے خون کے انتقام کے لیے برانگیختہ کرتے رہے۔ یہ تمام زمانہ انہوں نے زور وشور کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں گزارا۔

قریش بھی اپنے حریف کی جنگی تیاریوں سے غافل نہیں تھے۔ انہوں نے بکثرت ہتھیار لوگوں میں تقسیم کیے، چنانچہ ان کے مشہور سردار عبداللہ بن جدعان نے ایک سو آدمیوں کو پورے ہتھیار دیئے، اور قریش کے دوسرے سرداروں نے بھی ایسا ہی کیا۔

وقت مقررہ پر دونوں فریق میدان عکاظ میں پہنچ گئے۔ ہر ایک فریق کے مختلف گروہوں کا الگ الگ سردار تھا۔ الگ الگ سرداروں کے علاوہ دونوں فریقوں کا متفقہ سردار علیحدہ تھا۔ بنی قیس کا ابو براعامر بن مالک اور قریش کا حرب بن امیہ، کیونکہ عبد مناف میں وہ اس وقت سب سے بڑے مرتبہ کا شخص تھا، اور عمر میں سب سے بڑا تھا۔

میدان جنگ میں پہنچ کر حرب بن امیہ اور قریش کے بعض بڑے بڑے سرداروں نے اپنے آپ کو رسیوں سے باندھ لیا اور کہا:

''ہم میں سے کوئی شخص میدان سے نہیں ہٹے گا، یہاں تک کہ یا تو مارا جائے یا فتح پائے''۔

لڑائی شروع ہونے پر بنی قیس نے اس شدت سے حملہ کیا کہ قریش اور کنانہ کے بہت سے آدمی مارے گئے، بہت سے بھاگ گئے، مثلاً بنی زہرہ اور بنی عدی فراس فرار ہو گئے۔ مگر سردار لشکر حرب بن امیہ پامردی کے ساتھ میدان میں ڈٹا رہا، اور بہادری کے ساتھ لڑتا رہا، بنی عبد مناف اور قریش کے تمام قبائل بھی اپنی اپنی جگہ پر قائم رہے۔ صبح سے دوپہر تک برابر بنی قیس کا پلہ بھاری رہا، اور بظاہر یہ نظر آ رہا تھا کہ فتح بنی قیس کی ہوگی۔ مگر دوپہر کے بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ کنانہ اور قریش نے غیر معمولی جوش سے لڑنا شروع کیا اور لڑائی کا ہنگامہ بڑے زور شور سے گرم ہو گیا۔ قریش نے بڑی پھرتی اور تیزی کے ساتھ بنی قیس کے آدمیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس حملے کی تاب بنی قیس نہ لا سکے، اور جس کا

جدھر منہ آیا بھاگ کھڑا ہوا، اس بھگدڑ میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ یہ دیکھ کر مالک بن عوف کے چچا ابو اسید کو بڑا رحم آیا، اور اس نے بہ آواز بلند کہا:

"اے آل کنانہ اور اہل قریش! تم نے آج اپنی حد سے زیادہ آدمیوں کو قتل کرڈالا ہے، یہ نہایت افسوس کی بات ہے"۔

اس پر عبداللہ بن جدعان نے جواب دیا:

"جی ہاں، آپ نے ٹھیک کہا کہ ہم لوگ آدمیوں کو قتل کرنے میں نہایت چالاک اور لوگوں کے سرتن سے جدا کرنے میں نہایت بے باک ہیں"۔

جب سبیع بن ربیع نے دیکھا کہ شکست ہوگئی تو اس نے اپنے آپ کو رسی سے جکڑ لیا اور زمین پر لیٹ کر کہنے لگا:

"یا معشر بنی نصر! یا تو میرے ساتھ دشمن پر حملہ کرو، ورنہ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ، میں اب میدان جنگ سے کسی صورت میں نہیں ہٹ سکتا۔ یہ عزت اور آن کا سوال ہے۔ جس کے آگے جان کوئی چیز نہیں۔ پس آؤ اور عزت کے ساتھ میدان میں مرجاؤ"۔

سبیع کی یہ ولولہ انگیز تقریر سن کر بنی نصر جشم، سعد بن بکر، فہم اور عدوان کے قبائل بھاگتے ہوئے رک گئے، اور پلٹ پلٹ کر ایسی شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ قریش حیران رہ گئے۔

چونکہ اب صبح سے لڑتے لڑتے قریش اور کنانہ میں بھی مزید سکت لڑنے کی باقی نہ رہی تھی۔ اس لیے لڑائی روک کر دونوں فریق میں صلح کی بات چیت ہونے لگی۔ آخر اس شرط پر دونوں فریق متفق ہوگئے کہ دونوں فریق کے مقتولین کا شمار کیا جائے، جس فریق کے مقتول زیادہ ہوں۔ وہ قبیلہ مخالف قبیلہ سے ان زائد آدمیوں کا خون بہا وصول کرے۔

اس فیصلے کی تعمیل میں جب دونوں کے مقتولین کا شمار کیا، تو معلوم ہوا کہ بنی قیس کے بیس آدمی قریش اور کنانہ نے زیادہ مارے ہیں۔ مگر قریش کے پاس اس وقت اتنا روپیہ نہ تھا کہ بیس زائد آدمیوں کی قیمت ادا کر سکتے۔ اس لیے سردار قریش حرب بن امیہ نے اپنے بیٹے ابو سفیان کو بنی قیس کے پاس رہن رکھ دیا

اور کہا:

"جب ہم تمہارا تاوان ادا کردیں گے، اس وقت اپنے بیٹے کو چھڑالیں گے"۔
بعض قبائل کے دیگر رئیسوں نے بھی ایسا ہی کیا، اور بنی قیس کے پاس رہن رکھ دیا۔ اس فیصلہ کے بعد باہم ایک معاہدہ یہ ہوا کہ آئندہ کبھی براض اور عروۃ الرحال کے معاملہ کے متعلق فریقین میں سے کوئی شخص ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچائے گا، ازاں بعد دونوں فریق اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے، اور جو عداوت بغض اور کینہ اس واقعہ کی وجہ سے فریقین کے دلوں میں پیدا ہوگیا تھا، اسے دونوں نے اپنے دلوں سے دور کردیا۔"

یہ تفصیل التاریخ الکامل سلامہ ابی الحسن علی المعروف بہ ابن الاثیر الجزری سے لی گئی تھی۔
اس جنگ کی مزید تفصیل آگے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

حربِ فجار

میدان جنگ

بنو کنانہ کے سب قبائل نے اتفاق رائے سے اپنے تین سالار نامزد کر دیئے تھے۔ ایک پہلو میں عبداللہ بن جدعان، دوسرے پر کریز بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ تھا۔ حرب ابن امیہ کو اس لشکر کا سالار اعظم مقرر کیا گیا تھا۔

دوسری طرف بنو ہوازن سعود بن معتب ثقفی کی سرکردگی میں جمع ہو رہے تھے۔ دونوں طرف سے برابر کی چوٹ تھی۔ حرب ابن امیہ اپنی جنگی لیاقت، فہم و فراست اور شجاعت کی وجہ سے ایسا نامور تھا کہ دشمن بھی اس کے معترف تھے۔

دونوں لشکر مکہ کے قریب و جوار میں آمنے سامنے آئے، قریش کو اگرچہ حرمت کے مہینوں کے تقدس کا احساس تھا، اور وہ دل و جان سے یہ چاہتے تھے کہ ان مہینوں میں خونریزی سے اجتناب کیا جائے، مگر فریق مخالف کی آنکھوں میں خون برس رہا تھا۔ وہ اپنے انتقام کے جذبے کو قریش اور کنانہ کے خون سے بجھانا چاہتے تھے۔ یہ وہ شعلے تھے، جو خون کی قربانی مانگتے تھے۔

وہ حرمت والے مہینوں کے تقدس کو فراموش کر چکے تھے، انہوں نے اس کی قدر و قیمت کو بالائے طاق رکھ دیا تھا، بس وہ تو خون کی پیاس بجھانا چاہتے تھے، ان کی تلواریں نیاموں میں تڑپ رہی تھیں، وہ دشمن کے خون سے تر ہونا چاہتی تھیں۔

ایک فردِ واحد کے قصاص کی خاطر مہینوں کی حرمت اور انسان کی جانوں کو داؤ پر لگا دیا گیا تھا، جاہلیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے اس جنگ میں ہوازن کئی بار قریش کو حرم کعبہ تک دھکیل چکے تھے۔

حمزہ، عباس اور ابوطالب تینوں بھائی ایک ٹیلے کی اوٹ میں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ بنو ہوازن تیروں کی بارش برسا رہے تھے۔ بنو ہوازن کا قدر اندازی میں کوئی ثانی نہ تھا۔

قریش بھی جوابی کارروائی میں مصروف تھے۔ کبھی کبھی خون کے فوارے ابلتے اور زخموں کی تاب نہ لا کر مرنے والوں کی لاشیں زمین پر گر پڑتیں۔

اس جنگ میں بنو ہاشم کے پندرہ سالہ نوجوان محمد بن عبداللہ ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ہمرکاب تھے، ان کی نگاہیں دشمنوں کا تعاقب کرتیں، اور دل میں چچاؤں کی محبت دھڑک رہی تھی، وہ انسانی خون کی ارزانی کے متعلق سوچ رہے تھے۔

تیروں کی سنسناہٹ ان سے کچھ کہہ رہی تھی۔

"اے پیارے محمد ﷺ آپ نے بکریوں کی رفاقت میں پاسبانی کی تربیت حاصل کی ہے، تجارت کا تجربہ کر کے مشقت اور شیریں زبانی کا ذوق پا لیا ہے۔ جہدِ مسلسل کو پرکھ لیا ہے۔

لیکن اب ہماری سرسراہٹ تیروں اور تلواروں کی جھنکار زخمیوں کی چیخ و پکار بھی سنیے۔ فاتح کے جوش اور جذبے اور مفتوح کی ذلت و خواری بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ جہانبانی کی راہ میں حائل ہونے والی قوتوں کی سرکوبی کے لیے آپ ﷺ کو بارہا اس کی ضرورت پڑے گی۔

یہ تجربہ گاہ ہے اس کی پرپیچ راہوں سے گزرنے کا عملی مظاہرہ کیجیے۔"

محمد ﷺ کے لیے جنگ کا تجربہ نیا تھا۔ وہ ﷺ تو امن اور محبت کے پیامبر تھے۔ جنگ اور قتال سے انہیں نفرت تھی۔ وہ بھائی چارے کے قائل تھے۔ محبت اور خوشیاں بانٹنا چاہتے تھے یہ خون کی بو، یہ لاشوں کا تعفن، یہ زخمیوں کی چیخ و پکار، یہ سب کیا تھا۔ کیا زندگی کا مقصد یہی ہے۔

حضور ﷺ نے لڑائی میں شرکت نہیں کی تھی، البتہ بنو ہوازن کی طرف سے آنے والے تیروں کو جمع کرتے پھر وہ تیر اپنے چچاؤں کو دے دیتے۔ کبھی کبھی وہ اپنے چچاؤں کو ان کے ترکش

سے تیر نکال کر دیتے۔

محمد ﷺ کو اطمینان تھا کہ یہ جنگ وقتال ان کے قبیلے نے شروع نہیں کی، یہ جنگ تو زبردستی ان پر مسلط کی گئی تھی۔ ان کا قبیلہ تو دفاع کے لیے میدان جنگ میں اتر آیا تھا۔

محمد ﷺ جب اپنے چچاؤں کو کمانیں کھینچے دشمن کی تاک میں دیکھتے، وہ دیکھتے کہ ان کے بازوؤں کی مچھلیاں ابھر آتی ہیں، سانس کی تیزی سے سینے ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، چہروں پر سرخی عود کر آتی ہے۔

محمد ﷺ کو ایک عجیب سا احساس ہوتا۔

قدرت نے بچپن ہی سے ان کی ہر طرح کی تربیت شروع کر دی تھی۔ انہیں کل کو بار نبوت کو سنبھالنے کے لیے اس طرح اپنی قوم کے لوگوں سے جہاد کرنا تھا۔ انہیں شرک کی راہ سے ہٹا کر صراط مستقیم دکھانا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ جنگ کے رموز سیکھ رہے تھے میدان جنگ میں سپہ سالار کی حکمت عملی کیا ہونا چاہیے۔ جنگ کا نقشہ کس طرح ترتیب دینا چاہیے۔ یہ سب باتیں وہ سیکھ رہے تھے۔ اپنے ذہن کے حافظہ میں انہیں نقش کر رہے تھے۔

وہ بھی فنون حرب سیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے دل میں یہ خواہش چٹکیاں لے رہی تھی۔

"میں بھی فنون حرب کی مشق کروں گا۔"

محمد ﷺ کے چچا نے ان کے دل کی کیفیت بھانپ لی تھی۔ انہوں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:

"میرے پیارے بھتیجے! یہ جنگ ختم ہو جائے گی تو میں تمہیں سپاہی بنا دوں گا۔ تمہیں حرب کے تمام گر سکھا دوں گا۔ ماشاء اللہ تم جوان ہو، اور سپہ گری ہر جوان کا زیور ہے۔"

محمد ﷺ اپنے شفیق چچا کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اب ان میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا تھا۔ ان کے بازوؤں میں نئی قوت بھر گئی تھی۔ وہ اب بھاگ بھاگ کر تیر جمع کرنے لگے۔

جنگ اپنے عروج پر تھی، کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ لاشیں کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ ایک انسان کے قتل کے بدلے اتنی جانوں کو ضائع کیا جا رہا تھا۔

حضور ﷺ خوشی خوشی تیر جمع کر کے اپنے چچاؤں کو دینے لگے۔ اتنے میں ہوا کا ایک جھونکا سن سے گزر گیا۔ آپ ﷺ کو محسوس ہوا گویا کہہ رہا ہو:

''پیارے محمد ﷺ یہ درست ہے امن زندگی کی روح ہے۔ کسی کی جان کو تلف کرنا درست نہیں، لیکن جب طاغوت اپنے جور و ستم کے ہتھیار سجائے میدان میں اتر آئے اور مظلوموں کے خلاف سرگرم عمل ہو جائے تو اس ظلم کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ ظلم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا بھی ظلم ہے۔ ایسی طاغوتی طاقتوں سے نپٹنے کے لیے سپاہیانہ مہارت ضروری ہے۔ وہ شخص مظلوموں کی داد رسی کیسے کر سکتا ہے جو جنگ کے اصول و ضوابط سے نابلد ہو۔''

حضور ﷺ کے ذہن میں سوچ کے سوتے ابلنے لگے:

''ہاں، ہاں، مظلوموں کی مدد کے لیے سپاہیانہ مہارت ضروری ہے، اس کے لیے بدن میں طاقت ہونی چاہیے، بازوؤں میں سکت ہونی چاہیے، دل میں شجاعت کا عنصر موجود ہونا چاہیے، آلات حرب سے آگہی ہونا چاہیے۔ تبھی تو مظلوموں کی پکار پر لبیک کہا جا سکتا ہے ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔ طاغوتی طاقتوں سے ٹکرایا جا سکتا ہے۔ اگر قریش میں یہ صفات موجود نہ ہوتیں تو آج وہ بنو ہوازن کے لونڈی اور غلام ہوتے۔''

فطرت سرگوشیانہ انداز میں کہہ رہی تھی:

''پیارے محمد ﷺ آگے بڑھیے۔ میدان عمل کی طرف قدم اٹھائیے، اپنی قوتوں کا اندازہ کیجیے۔ آپ کو انتقام کی جگہ عفو و درگزر سے کام لینا ہوگا، جود و کرم کا علم بلند کرنا ہوگا۔ مظلوموں کی داد رسی کرنا ہوگی، تاکہ اولاد آدم سکون و اطمینان کا سانس لے سکیں۔

پیارے محمد ﷺ! حرب فجار آپ کو ایک پیغام دے رہی ہے۔ مظلوموں کی داد رسی کا، جود و کرم کا، عفو و درگزر کا، اس پیغام کو غور سے سنیے''

حلف الفضول

انسانی جانوں کو تلف کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ مگر حق کی خاطر کسی کو قتل کرنا باعث ثواب ہے۔ کفر و شرک کے اندھیرے مٹانے کے لیے تلوار سونت لینا گناہ تو نہیں۔ اللہ کی وحدانیت برقرار رکھنے کے لیے نبرد آزما ہونا معیوب نہیں۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفر کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جانا سب سے بڑا اعزاز ہے، اور یہ اعزاز حضور ﷺ کو حاصل ہونا تھا، انہوں نے کل کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے جنگ کرنا تھی۔

موت اس دار فانی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا، اسے ٹالا نہیں جا سکتا، موت کا ذائقہ ہر ذی روح نے چکھنا ہے۔ چاہے انسان ہو، یا حیوان، جانور ہو یا جنات، موت برحق ہے اور سب کا اس میں حصہ ہے۔ اس سے انکار کرنا کفر ہے، مگر کتنی پیاری ہے وہ زندگی، جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے گزرے، کتنی حسین ہے وہ موت جو اللہ کے دین کی سرفرازی کے لیے ہو۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ کی خاطر، اس کے دین کی خاطر، امن و سکون کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔

نواح مکہ میں موت کا کھیل کئی سالوں سے جاری تھا، حرب فجار نے بڑے بڑے سرکشوں کو خون میں نہلا کر رکھ دیا تھا، ان کی جبینیں خاک آلود ہو چکی تھیں، ہزاروں گھر تباہ ہو چکے تھے۔ سینکڑوں بچے یتیمی کا داغ لیے جی رہے تھے، کئی عورتیں اپنے سہاگوں سے محروم ہو چکی تھیں۔ ماؤں کی گود ویرانی کی تصویر بن گئی تھیں۔

اب دونوں فریقین میں لڑنے کی سکت باقی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ لڑائی رک جائے، اور وہ دوبارہ امن وسکون کی زندگی بسر کرنے لگیں۔

جنگ کے ہولناک منظر سے بڑے بڑے سنگدل اور شقی لرز اٹھے۔ ہر جگہ صلح و آشتی کی باتیں ہونے لگیں۔ اس جنگ کو ٹالنے کے لیے صلاح ومشورے کیے جانے لگے۔ دونوں طرف سے جنگ کا جوش وخروش کم ہو چکا تھا۔ اب وہ امن کے راستے پر چلنا چاہتے تھے۔ حرب فجار نے تو ان کی کمر ہی توڑ کر رکھ دی تھی۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟

اس لیے کہ یہ سب محمد ﷺ کی برکت تھی۔ آپ ﷺ نے اس جنگ میں حصہ تو لیا، مگر کسی کی جان پر ظلم نہ کیا۔ تیر نہیں چلایا، تلوار نہیں اٹھائی، بلکہ آپ ﷺ خلوص دل سے امن و آشتی کے داعی بنے ہوئے تھے۔

آخر دونوں فریقین نے باہم تصفیہ کے تحت حرب فجار کا خاتمہ کر دیا، پژمردہ چہروں پر رونق در آئی، زندگی دوبارہ مسکرانے لگی۔ جن چہروں پر کبھی خوف کے سائے منڈلاتے تھے، اب وہاں مسرت اور اطمینان کے دیئے روشن تھے۔ معصوم بچوں کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

مکہ کی پہلے والی رونق بحال ہو چکی تھی۔ ہر طرف زندگی کی چہل پہل تھی۔ لوگ اپنے روز مرہ کے کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔ بازار پر رونق تھے۔ نخلستانوں کی بہار لوٹ آئی تھی۔ جنگلوں، وادیوں اور چراگاہوں میں مویشیوں کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ بانسریوں کی آوازیں نغمہ سرا تھیں۔

مرجھائے ہوئے چہروں پر شادابی کھیل رہی تھی۔ شہر سے باہر بادیہ نشیں صحراؤں میں محو سفر تھے۔ زندگی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن تھی۔

اب حرف فجار کی داستان قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ لوگ یہ چاہتے تھے کہ آئندہ ایسی ہولناک تباہ کاریاں نہ ہوں، ان کی سوچوں کے دھارے کسی اور ہی سمت بہہ رہے تھے۔ وہ مستقل امن کے داعی تھے تاکہ آئندہ تلواریں نیاموں سے نہ نکلیں انہیں کسی کے خون میں نہلانے کے لیے صیقل نہ کرنا پڑے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا پائیدار امن قائم ہو کہ جنگ کے بادل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹ جائیں۔

انہی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ایک بار پھر جنگ کے آثار نمودار ہونے کی جھلک نظر آنے لگی، لوگ چونک اٹھے، اہل دل مضطرب ہو گئے۔

شہر زبید کا ایک تاجر اپنا سامان تجارت لے کر مکہ وارد ہوا تھا۔ اس نے اپنے سامان کی نمائش کی، اور عاص بن وائل سہمی سے اس کا سودا ہو گیا۔

عاص بن وائل سہمی نے کہا:

"میں دو دن بعد اس کی قیمت ادا کروں گا، اگر مناسب ہو تو سامان مجھے دے دو۔"

تاجر نے اسے بخوشی سامان دے دیا۔ دو ہی دن کی تو بات تھی، بھلا وہ کہاں بھاگا جاتا تھا۔

تاجر نے کہا:

"مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، مگر ایک بات یاد رہے کہ وعدہ خلافی نہ ہونے پائے، میرے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچانا۔"

عاص بن وائل سہمی نے مال اٹھاتے ہوئے کہا:

"ہم اشراف مکہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے، تم مطمئن رہو۔"

تاجر وہاں سے چلا گیا، جب دو دن بعد تاجر عاص بن وائل سہمی سے اپنی رقم کا تقاضا کرنے گیا تو عاص بن وائل سہمی نے مزید ایک دن کی مہلت طلب کی۔ تاجر نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا، آخر اسے ایک دن کی مہلت دینا پڑی۔ وہ عاص بن وائل سہمی کی یقین دہانی پر لوٹ گیا، اور حسب وعدہ پھر حاضر ہوا تو عاص بن وائل سہمی نے بہانہ سازی شروع کر دی۔ اب تو تاجر کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کے سائے منڈلانے لگے، اسے اس کی نیت میں فتور نظر آنے لگا۔ اس نے سختی سے پیسوں کا تقاضہ کیا، مگر عاص بن وائل سہمی لیت و لعل سے کام لینے لگا۔

تاجر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"تم نے تو کہا تھا کہ وعدہ خلافی کرنا ہمارا شیوہ نہیں اب تم یہ کیا کر رہے ہو؟ تم اپنے وعدہ کا کچھ تو پاس کرو۔ دیار غیر میں کسی تاجر سے یہ سلوک تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

یہ سن کر عاص بن وائل سہمی غصے میں آ گیا اس نے کڑکتے ہوئے کہا:

''یہاں سے دفع ہو جاؤ، ورنہ خون میں تمہاری لاش تڑپتی ہوئی نظر آئے گی۔''

تاجر پر تو مایوسی چھا گئی، اس کی تو دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ ایک غریب الوطن تاجر کو لوٹ لیا گیا تھا۔ اس دیار غیر میں تو اس کا کوئی ہمنوا بھی نہ تھا۔ اس کا کوئی بھی ہمدرد اور غم گسار نہ تھا۔ وہ جائے تو کہاں جائے، یہاں کون اس کی دادرسی کرے گا۔

''میں کہاں جاؤں، کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، کس سے انصاف طلب کروں۔''

وہ مایوسی کے عالم میں چلا جا رہا تھا۔ پھر زیر لب بڑبڑایا:

''مجھے روساء قریش کے پاس جانا چاہیے اپنی فریاد ان کے گوش گزار کرنا چاہیے وہ ضرور میری مدد کریں گے۔ شاید انہیں مجھ پر ترس آ جائے۔''

یہ سوچ کر زبیدی تاجر مختلف روساء قریش کے در پر گیا۔ اپنی بپتا سنائی، عاص بن وائل سہمی کا نام سن کر سب ہی خاموش ہو گئے تھے۔ عاص بن وائل سہمی سے کون کہے۔ کسی نے بھی اس کی دادرسی کی حامی نہ بھری۔

زبیدی تاجر مایوس ہو گیا، پھر اسے یاد آیا، اسی شہر میں اس کے کچھ حلیف بھی رہتے ہیں، کیوں نہ ان سے مدد لی جائے، وہ ضرور میری مدد کریں گے۔

یہ سوچ کر وہ اپنے حلیفوں عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب کے پاس اپنی فریاد لے کر گیا۔ مگر انہوں نے بھی اس کی دادرسی کی حامی نہ بھری۔ اب تو زبیدی تاجر بڑا مایوس ہوا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کرے تو کیا کرے۔

جب وہ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا تو جبل بوقبیس پر جا پہنچا۔ عربوں کے دستور کے مطابق اس نے اپنا گریبان چاک کیا، سر پر خاک آرائی کی اور وائے حسرت کا نعرہ لگا کر زور زور سے پکارنے لگا:

''یا معشر قریش۔ اے بنو ہاشم، اے خاندان عبدالمطلب تم تو اشراف مکہ میں سے ہو، کعبہ کے متولی ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہو، تمہارے شہر میں مجھ پر بڑا ظلم ہوا۔ میں لٹ گیا تباہ ہو گیا۔ کیا کوئی میری دادرسی نہ کرے گا، مجھے عاص بن وائل سہمی سے انصاف نہ دلائے گا، اس شخص نے تو مجھے لوٹ لیا ہے۔''

لوگوں کی سماعت سے یہ آواز ٹکرائی تو وہ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے کہ فریادی کون

ہے۔ مگر عاص کا نام سن کران کی ہمتیں پست ہونے لگیں۔ عاص سے ٹکر لینا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ مظلوم کی دادرسی کرنا بھی چاہیں تو نہ کرسکتے تھے۔

زبیدی تاجر اور زور زور سے دہائی دینے لگا:

''یا معشر قریش! کیا تمہاری غیرت کا جنازہ نکل گیا، اے خاندان بنو ہاشم تمہاری حمیت کیا ہوئی، کیا تم سب بھی عاص کی طرح فریبی ہو، دغا باز ہو، غریب تاجر کو لوٹ لینا تمہارا شیوہ ہے، کیا یہاں انصاف کی زبان نہیں سمجھی جاتی۔''

قریش کے چند سردار صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ فریاد سنی تو ان کا خون کھول اٹھا، اور وہ معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ فریادی نے ان کی حمیت و غیرت کو للکارا تھا۔ انہیں دھوکہ باز و دغا باز ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ عربوں کے خون پر شک کیا تھا۔ پھر بھلا قریش کیسے خاموش رہتے۔ اس طرح تو وہ بدنام ہوکر رہ جاتے۔ ان کی معیشت اور تجارت برباد ہوکر رہ جاتی۔ ان سرداران قریش میں حضور ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب بھی تھے۔ یہ فریاد سن کران کے خون کی گردش تیز ہوگئی تھی۔

انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر کہا:

''ہم بے غیرت نہیں ہیں، چلو اس کی فریاد سنیں۔''

سرداران قریش اپنی جگہ سے اٹھے، وہ فریادی کے پاس پہنچے، اس کی بپتا سننے کے بعد اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''تم گھبراؤ نہیں، ہم تمہارے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دیں گے۔ تم ہمارے مہمان ہو، تمہارے نقصان کی تلافی ضرور ہوگی۔ یہ خاندان بنو ہاشم کا قول ہے، یہ زبیر بن عبدالمطلب کا اقرار ہے۔ تم یہاں تنہا نہیں ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ جب تک تمہارے نقصان کی تلافی نہیں ہوجاتی، تم میرے مہمان ہو تمہارا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا۔''

یہ سن کر تاجر کی جان میں جان آئی، اس کی ڈھارس بندھ گئی، اور چہرے پر اطمینان کی چمک ابھر آئی۔ زبیر بن عبدالمطلب نے بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے اکابرین کو عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہونے کی دعوت دی۔ عبداللہ بن جدعان ان میں سب سے زیادہ

معمر تھا۔ سب اس کی عزت کرتے تھے۔

زبیر بن عبدالمطلب کی درخواست پر تمام اکابرین عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہو گئے، اور اس نئے فتنہ پر غور و خوض کرنے لگے۔ عاص بن وائل سہمی نے عربوں کی حمیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اپنا ایمان چند ٹکوں کے عوض داؤ پر لگا دیا تھا۔

ایک سردار نے کہا:

"اگر اس تاجر کی دادرسی نہ کی گئی، اس کے نقصان کی تلافی نہ ہوئی، تو ہماری ساکھ خاک میں مل جائے گی، لوگ ہم پر اعتماد کرنا چھوڑ دیں گے۔ ہماری تجارت برباد ہو جائے گی۔ ہم اوجِ ثریا سے خاک نشین ہو جائیں گے، ہماری عزت کیا ہوئی، اور عین ممکن ہے کہ حربِ فجار کا سلسلہ پھر شروع ہو جائے، ایک معمولی سی غلطی کے عوض پھر ہزاروں انسان خاک و خون میں لت پت ہو جائیں، ابھی تو حربِ فجار کی پہلی سسکیوں کی آواز کی بازگشت ہمارے کانوں میں سنائی دیتی ہے۔ ابھی ہم ان یتیموں کے چہروں کا دکھ اپنے دلوں سے نہیں نکال سکے جو اس ہولناکی اور تباہی کی وجہ سے پھیلے۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا، تاکہ آئندہ کسی کو ایسی جرات نہ ہو۔"

ایک دوسرے سردار نے کہا:

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں تلوار اٹھانے کے بجائے اس تاجر کے نقصان کی تلافی کرنا ہوگی۔"

یہ سن کر زبیر بن عبدالمطلب اپنی جگہ سے اٹھے اور بولے:

"تم سب معزز لوگ ہو، قریش کے اشراف میں سے ہو، اگر تم لوگ اس شخص کی دادرسی نہ کرو گے تو پھر کون کرے گا۔ اگر تم جیسے اہل الرائے بھی زبیدی تاجر کی حمایت کے لیے آگے نہ بڑھے تو پھر کون اس عقدہ کی گرہ کشائی کرے گا۔ زبیدی تاجر نے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔ ہمارے انصاف کو پرکھنا چاہا ہے۔"

اس پر عبداللہ بن جدعان نے کہا:

"بے شک یہ ہماری غیرت و حمیت کا معاملہ ہے۔ زبیدی تاجر نے ہماری

غیرت کو للکارا ہے۔ ہمارے انصاف کو بیدار کیا ہے۔ اس کی حمایت کے لیے اگر ہمیں اپنی تلواروں کو بھی کام میں لانا پڑے تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔ ہماری تلواریں مظلوموں کے ساتھ ہیں۔"

زبیر بن عبدالمطلب دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے اور پرزور لہجہ میں کہنے لگے:

"میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ زبیدی کی داد رسی تک محدود نہ رہے۔ بلکہ ایسا بندوبست کیا جائے کہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو کوئی کسی کی حق تلفی نہ کر سکے، کسی کے ساتھ دغا بازی نہ کر سکے۔ کسی کا حق غصب نہ کر سکے، اپنے کمینے پن کا ثبوت نہ دے پوری قوم کی حمیت کو داؤ پر نہ لگائے، ایسے کاموں کا سختی سے محاسبہ کیا جائے، اور یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے، جب ہماری جمعیت اکھٹی ہو، ہم میں اتحاد موجود ہو، اور پوری قوم اس دغا باز یا فریبی کے خلاف اٹھ کھڑی ہو، اور اس سے مظلوم کا حق دلا سکے۔

یا معشر قریش! آپ یقیناً بنو قطورا اور بنو جرہم کے حلف الفضول کو نہیں بھولے ہوں گے، جو اس شہر میں آج سے مدتوں پہلے وجود میں آیا تھا۔ ہمیں آج بھی ایسے ہی معاہدہ کی ضرورت ہے۔ یہ سب آپ جیسے صاحب الرائے لوگوں کے حسن تدبر سے ہی وجود میں آ سکتا ہے۔ کیا آپ اس بات میں میری حمایت کرتے ہیں۔

کیا ہوا اگر آج ہم میں فضل بن حارث، فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ موجود نہیں۔ ان کی یادگار یہ معاہدہ حلف الفضول تو موجود ہے۔ ہمیں اس معاہدہ کی تجدید کرنا ہوگی، مظلوم کا حق اسے دلانا ہوگا، ظالموں کے خلاف اپنی صفیں درست کرنا ہوں گی۔ اس معاہدہ کی شرائط سے ہم سب بخوبی آگاہ ہیں ان میں دوبارہ روح ڈالنا ہوگی، اسے حیات نو بخشنا ہوگی۔ اس کی برکات کا ہم سب کو علم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کے تن مردہ میں نئی روح پھونک دیں۔"

عبداللہ بن جدعان کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا، اس نے کہا:

"تم نے کیا خوب یاد دلایا، ہم تو اس معاہدہ کو بھولے بیٹھے تھے۔ ہم میں تو ایک

ایسی دستاویز موجود ہے۔ جس پر عمل کرنے سے ہم مظلوموں کو ظالموں سے ان کا حق دلوا سکتے ہیں۔ امن و امان کے لیے کوششیں کر سکتے ہیں۔ خدا کی قسم اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہو سکتی۔ میں اس کی بھرپور حمایت کرتا ہوں۔''

دوسرے سرداران قریش نے بھی اس کی تجدید کے لیے زور دیا۔

زبیر بن عبدالمطلب نے کہا:

''میری تجویز ہے کہ اس معاہدہ کو دوبارہ رقم کیا جائے، اس کی پشت پر پوری ایک جمعیت موجود ہو۔ جو اس کی حفاظت کرے۔ مجھے یقین واثق ہے کہ سب اس میں بصد شوق شمولیت اختیار کریں گے۔''

اس کے بعد زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر ان کی زیر نگرانی معاہدہ لکھا گیا، جس کا نام بدستور سابق حلف الفضول ہی رکھا گیا۔ اس معاہدہ کا حلف اٹھاتے ہوئے کہا:

''خدا کی قسم! ہم سب ایک ہاتھ بن جائیں گے، اور ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے، یہاں تک کہ ظالم مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے، جب تک سمندر اون کو تر کرتا ہے۔

جب تک حرا اور شبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں، اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔''

اس کے بعد مندرجہ ذیل شقیں اس معاہدہ کی روح قرار دی گئیں۔

(۱) ہم ایک دوسرے کی حق تلفی نہیں کریں گے۔

(۲) ہم قوی سے ضعیف اور مقیم سے مسافر کا حق دلوایا کریں گے۔

(۳) ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرتے رہیں گے۔

معاہدہ کی تحریر مکمل ہو چکی تھی، ہر شخص باری باری اس پر اپنی شہادت ثبت کر رہا تھا۔

جب یہ کام مکمل ہو گیا تو زبیر بن عبدالمطلب کہنے لگے:

''آپ کو مبارک ہو آپ نے اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے دین کو دوبارہ دوام بخشا ہے، اسے ایک نئی زندگی دی ہے، یہ کام پورا ہو چکا ہے۔ آؤ اب عاص بن وائل کی خبر لیں۔ اس سے مظلوم کا حق دلوائیں۔''

یہ سن کر عبداللہ بن جدعان چونک اٹھا، اور بولا۔

''ٹھہرو، ابھی نہیں، ابھی یہ کام مکمل نہیں ہوا۔''

زبیر بن عبدالمطلب حیرت سے پوچھنے لگے:

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہماری دانست میں تو یہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ مگر آپ کہہ رہے ہیں کہ ابھی نامکمل ہے۔ ہم کچھ سمجھے نہیں؟''

عبداللہ بن جدعان نے مسکرا کر زبیر بن عبدالمطلب کی طرف دیکھا، پھر ان کے لب ہلے:

''ہاں، ابھی یہ کام مکمل نہیں ہوا، ابھی ایک شخص کی شہادت باقی ہے۔ ایک معتبر شخص کی، اس کی شہادت کے بعد ہی وہ معاہدہ مکمل ہوگا۔ وہ شخص جو ہم میں سب سے زیادہ امن پسند، غریبوں کا ہمدرد، صلح جو اور وعدہ کا پابند ہے۔ اس کی شہادت کے بغیر یہ معاہدہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔''

زبیر بن عبدالمطلب حیرت سے عبداللہ بن جدعان کی طرف دیکھنے لگے، پھر بے تابی سے پوچھا:

''وہ شخص کون ہے۔ کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔ بنو ہاشم کے تمام معزز اشخاص تو یہاں موجود ہیں، باقی کون ہے آپ تو ہمیں حیران کیے دے رہے ہیں۔''

عبداللہ بن جدعان نے زبیر بن عبدالمطلب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''تمہارا بھتیجا محمد (ﷺ) جو عمر میں کم اور عقل میں ہم سب سے زیادہ ہے، گو کہ اس کی عمر ابھی پندرہ سولہ برس ہے' مگر وہ سنجیدگی و متانت حلم و بردباری، فہم و فراست، سوجھ بوجھ اور دور اندیشی میں ہم سب سے بڑھ کر ہے۔ ہم تو چراغ سحر ہیں، بجھنے کے قریب ہیں۔ محمد (ﷺ) جوان ہیں، عقل و دانش کی دولت سے مالا مال ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ حلف الفضول میں ضرور شمولیت اختیار کریں گے، اور ان کے شامل ہونے سے یہ معاہدہ سند کی حیثیت اختیار کر جائے گا تم فوراً اسے بلاؤ۔''

تھوڑی دیر بعد محمد بن عبداللہ ﷺ انتہائی باوقار انداز میں عبداللہ بن جدعان کی آواز پر چوپال میں داخل ہوئے، نپے تلے قدم، چہرے پر وقار اور سنجیدگی، سفید اجلے لباس میں موجود،

جسمِ اطہر سے مہک کی لپٹیں اٹھ رہی ہیں، سمن رو، سمن خو، سمن بو اور سمن سیما ہیں، لبوں پر ہلکا سا تبسم رقصاں ہے۔ مجمع کو سلام کرنے کے بعد سب سے مصافحہ کیا اور دھیمی چال سے چلتے چلتے ہوئے اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے پاس چٹائی پر آ کر بیٹھ گئے۔

عبداللہ بن جدعان نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

''محمد (ﷺ) ہم نے امن و امان برقرار رکھنے کے لیے حلف الفضول تحریر کیا ہے، اس پر آپ (ﷺ) کی شہادت درکار ہے۔''

یہ سن کر محمد ﷺ کا چہرہ انور فرطِ مسرت سے چمک اٹھا:

''میرے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی، کہ مجھے صلح اور امن کے لیے یاد کیا جائے، میں دل و جان سے حاضر ہوں۔''

اس پر آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو تھپکی دیتے ہوئے کہا:

''میرا بھتیجا صلح و امن کا پیامبر ہے۔ بنو ہاشم کو اس پر فخر ہے۔ عبداللہ کا یہ بیٹا اور عبدالمطلب کا لاڈلا محمد ﷺ اعلیٰ خوبیوں کا مالک ہے۔''

محمد ﷺ کی حلف الفضول پر شہادت لی گئی، پھر یہ سب عاص بن وائل سہمی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دروازے پر دستک دی تو عاص بن وائل سہمی باہر آیا۔

زبیر بن عبدالمطلب نے کہا:

''عاص تم زبیدی تاجر کی رقم اس کے حوالے کر دو، ہم اس کی داد رسی کے لیے آئے ہیں، اگر تم نے لیت و لعل سے کام لیا تو ہم سب تمہارے خلاف متحد ہو جائیں گے، اور اس زبیدی تاجر کو اس کا حق دلوا کر ہی دم لیں گے، خواہ اس کے لیے ہمیں قتل و غارت ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔''

عاص بن وائل سہمی موقع کی نزاکت کو بھانپ گیا، اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اب بہانہ سازی سے کام نہ چلے گا، زبیدی تاجر کو اس کا حق دینا پڑے گا، ورنہ یہ سب میرے خلاف متحد ہو جائیں گے وہ خاموشی سے گھر کے اندر چلا گیا، کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں زبیدی تاجر کو دینے کے لیے رقم موجود تھی، اس نے وہ رقم عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ میں تھما دی، عبداللہ

بن جدعان نے وہ رقم زبیر بن عبدالمطلب کے حوالے کی، جنہوں نے زبیدی تاجر کا حق اسے ادا کیا، اور پھر وہ سب خاموشی سے وہاں سے چل دیئے۔

حضور ﷺ اس معاہدہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر حاضر تھا جب حلف الفضول طے پایا، اس کے بدلے میں اگر کوئی مجھے سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کو تیار نہیں، اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔"

یہ معاہدہ مدتوں نافذ العمل رہا، جب کسی مظلوم نے اس معاہدہ کا واسطہ دے کر فریاد کی تو لوگ بے تامل تلواریں بے نیام کیے اس فریادی کی امداد کے لیے دوڑے آئے۔

بے شک حلف الفضول آپ ﷺ کی وجہ سے سدا بہار رہا۔ کیونکہ آپ ﷺ مجسمِ رحمت ہیں۔

یمن اور بحرین کے تجارتی سفر

روایات میں آتا ہے:

"جب حضور ﷺ کی عمر مبارک سترہ سال کی ہوئی تو ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب اور ایک روایت کے مطابق عباس بن عبدالمطلب نے تجارت کی غرض سے یمن کے سفر کا ارادہ کیا۔"

کاروباری سفر کے بارے میں حضور ﷺ کے چچا کا ارادہ پختہ ہوا تو وہ اپنے بھائی ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی:

"محمد (ﷺ) کو اس سفر میں ہمارے ساتھ بھیج دیں، کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے ہمیں بہت زیادہ فائدہ پہنچائے۔"

یہ وہ وقت تھا جب حضور ﷺ کی دیانت و فطانت کی دھاک سب پر بیٹھ چکی تھی۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی برکات اور عنایات کا بھی چرچا عام تھا۔ اسی لیے یمن جانے والے چچا کو پختہ یقین تھا کہ آپ ﷺ کی شمولیت سے ان کی تجارت خوب چمکے گی۔

ابو طالب نے بھائی کی درخواست قبول کر لی، اور حضور ﷺ کو ان کے ہمراہ تجارتی سفر پر جانے کی اجازت دے دی، یوں حضور ﷺ اپنے چچا کے ہمراہ یمن کے سفر پر تشریف لے گئے آپ ﷺ بے حد خوش تھے۔

دوران سفر بھی آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ سے متعلق متعدد غیر معمولی مشاہدات

کیے۔ جن سے انہیں حضور ﷺ کے تقویٰ و طہارت اور فہم و فراست کا خاصا اندازہ ہوگیا۔ یمن کا یہ تجارتی سفر بہت کامیاب رہا، اور چچا اور بھتیجا دونوں بخیریت واپس مکہ لوٹے۔

حضور ﷺ کو اب تجارت کا خاصا تجربہ ہو چکا تھا، آگے چل کر آپ ﷺ کو اپنی معاشی زندگی کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے اسے ہی ذریعہ روزگار چننا تھا۔

یمن کے اس سفر کے علاوہ آپ ﷺ کو چند ایک بار اور بھی ادھر جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی آپ ﷺ کو تجارت کے لیے دو مرتبہ یمن بھیجا۔ دونوں بار آپ ﷺ یمن کے مقام جرش تشریف لے گئے، یمن کے یہ دونوں سفر بے حد کامیاب رہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہر بار تضاد اونٹ آپ ﷺ کو بطور معاوضہ پیش کیا۔

احادیث نبوی ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ تجارت کے سلسلہ میں مغرب میں بحرین تک بھی تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں وہاں ایران کا فرمانروا منذر بن ساویٰ حکمران تھا۔

اس قسم کے تجارتی سفروں سے مختلف خطوں کے لوگوں سے آپ ﷺ کا کاروباری لین دین اور عمومی میل جول ہوتا رہا۔ آپ ﷺ وہاں کی معاشرت سے آگہی حاصل کرتے رہے، اور تجارتی اسرار و رموز مزید پختہ ہوتے چلے گئے۔

بعد کی نبوی زندگی میں بھی جب آپ ﷺ کے تاجر ساتھی آپ ﷺ کو نظر آ جاتے تو آپ ﷺ ان سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے، اور ان سے مل کر تجارت اور رفاقت کے گزرے دنوں کی یادوں کو تازہ کرتے۔

❁❁❁

محمد ﷺ کی عظمت و رفعت

مکہ کے میکدے ہر وقت بادہ خواروں سے بھرے ہوتے تھے، کوئی مے نوشی میں غرق ہوتا تو کوئی پلانے میں مصروف ہوتا۔ کوئی لڑکھڑا رہا ہوتا تو کوئی مستی میں جھوم رہا ہوتا۔ کوئی بہک رہا ہوتا تو کوئی بے سدھ پڑا ہوتا۔ یہاں بڑوں بڑوں کی پگڑیاں اچھلتیں اور داڑھیاں نوچی جاتیں۔ قہقہے اور بے ہنگم شور ہوتا۔ نشے میں دھت عم دختر کے گداز جسموں کے قصے سر عام سنائے جاتے۔

کہیں ساغر چل رہے ہوتے تو کہیں خم پڑے ہوتے۔ کہیں قلقل و مینا کی صدائیں بلند ہوتیں تو کہیں شیشہ و سبو کی چھنکار سنائی دیتی۔

رندوں کا یہ ہجوم دن کو کم اور رات کو اپنے پورے شباب پر ہوتا۔ کیونکہ اشراف اور تقدس مآب چہرے بھی رات کی تاریکیوں میں اپنے شرافت کے لبادے اتار کر آتے، اور خوب جی بھر کر انگور کی بیٹی سے دل بہلاتے۔ یہاں امراء اور روساء بھی مے نوشی میں مصروف نظر آتے، نوجوان اور بوڑھے بھی اس سے شغف رکھتے۔ وہ نوجوان بھی نظر آتے جن کی مسیں بھی بھیگی نہ ہوتیں۔ ہر شخص میکدے سے اپنا حصہ وصول کر کے رہتا۔ ہر شخص میکدہ کا دروازہ وا ہونے کا منتظر رہتا۔

یہ وہ ماحول تھا، یہ وہ زمانہ تھا جس میں محمد ﷺ پروان چڑھ رہے تھے۔ مگر آج تک آپ ﷺ نے اس کی طرف نظر التفات نہ کی، آپ ﷺ کبھی بھی مے خانہ کے قریب سے بھی نہ گزرے۔ میکدہ حیران تھا کہ وہ کیسا نوجوان ہے، جو میری دید سے محروم ہے۔ یہ نوجوان دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔ اسے نہ تو جام و مینا سے کوئی سروکار تھا، اور نہ ہی ایسی محفلوں کو یہ اچھا

سمجھتا تھا۔

محمد ﷺ مے خواروں کی دنیا میں رہتے ہوئے بھی ان خرافات سے کوسوں دور تھے۔ مگر شراب کی بھٹیاں موجود تھیں، لوگ مے نوشی سے اپنا دامن آلودہ کرتے، مگر محمد ﷺ کا دامن ان آلودگیوں سے ہمیشہ پاک و مبرا رہا۔

مکہ کے قحبہ خانے اپنی سج دھج سے موجود تھے، کنیزیں اور بیسوا عورتیں لوگوں کے جذبات برانگیختہ کرتیں، انہیں دعوت نظارہ دیتیں، اپنی طرف مائل کرتیں، اور لوگ گناہ کے اس اندھے کنوئیں میں گرتے چلے جاتے۔ وہ اسے گناہ نہ سمجھتے تھے بلکہ اسے اپنی بہادری اور عزت کی علامت سمجھتے اس میں گر کے برائیوں اور گناہوں سے لت پت ہو جاتے، نجاست میں گرتے چلے جاتے، مگر ان کا ضمیر انہیں ملامت نہ کرتا۔

وہ اس بات پر تفاخر محسوس کرتے، امیر ہو یا غریب یہاں ننگ و ناموس لٹا کر بھی نازاں رہتا، انہیں ان برائیوں سے روکنے والا کوئی نہ تھا، انہیں اس راستے سے منع کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہاں جنس کا کاروبار عروج پر ہوتا، کوئی جسم فروخت کرتا تو کوئی اس جنس کا خریدار نظر آتا دونوں میں سے کوئی بھی ندامت محسوس نہ کرتا۔

وہ اسے بھی تجارت ہی سمجھتے اور کہتے:

''یہ بھی تجارت ہے، اس میں گناہ کی کیا بات ہے۔''

دلالوں نے اس کاروبار کو تقویت دے رکھی تھی، وہ بڑے فخر سے یہ کام کرتے، وہ مدتوں سے نوجوانوں کو اس گناہ کی دلدل کی طرف آتے دیکھتے۔ انہیں ٹھوکریں کھاتے دیکھتے، شاید ہی مکہ کا کوئی نوجوان اس سے محفوظ ہو۔ انہوں نے لوگوں کو یہاں رات کی سیاہی میں آتے دیکھا۔ مگر ایک نوجوان تھا۔ جو اس سے مبرا و پاک تھا۔ جس کا دامن شبنم کی طرح پاکیزہ تھا۔ جس کی حیا و عفت کے لوگ شاہد تھے۔

یہ نوجوان محمد ﷺ تھے، وہ اس منڈی میں بھی نکھری ہوئی چاندنی کی طرح تھے، جس کی پاکبازی کی لوگ قسمیں کھاتے تھے۔ جن کی حیاء عورتوں کو بھی مات کرتی تھی۔ جن کی عفت کی قسمیں اپنے اور غیر سب ہی کھاتے تھے۔ جو اپنے وقت کے پاکباز نوجوان تھے۔

مکہ کے قمار بازی کے اڈے بھی ہمہ وقت سرگرم عمل رہتے۔ جواریوں کی ٹولیاں آتیں،

سارا سارا دن بلکہ ساری ساری رات تک جوا کھیلتیں، شرطیں لگتیں، دنگا فساد ہوتا۔ کبھی کبھی تو تلواریں نیاموں سے نکل نکل آتیں۔ جیتنے والے نشے کے خمار میں بدمست ہوتے، اور ہارنے والے فساد برپا کر دیتے، یہاں نوجوان اور بوڑھے سب ہی چلے آتے تھے۔ جن کی میس بھیگی ہیں وہ بھی ہوائے شوق میں چلے آتے۔

اگرچہ قمار بازی عربوں کی نس نس میں رچ بس چکی ہے۔ یہ عربوں کی روح حیات ہے۔ جگہ جگہ اس کے اڈے قائم تھے۔ مگر محمد ﷺ قمار بازی کی ابجد سے بھی واقف نہیں، انہیں یہ سب کچھ ناپسند ہے۔ وہ عربوں پر حیران ہیں کہ وہ کن لغویات کا شکار ہو چکے ہیں۔

مکہ میں فرصت اوقات گزارنے کے لیے تفریح گاہیں بھی موجود ہیں، جن میں دن کو خوش گپیوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے تو رات کو شعر گوئی اور داستان گوئی عروج پر نظر آتی ہے۔ شعرو شاعری اور رقص وسرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ عیش و نشاط کی یہ محفلیں ہمہ وقت گرم رہتی ہیں۔ ایسی محفلیں عربوں کی جان ہیں۔ وہ پروانہ وار ان محفلوں میں کھنچے چلے آتے ہیں ہر طرف ہاہو کا شور سنائی دیتا ہے۔ یہاں ہر عمر کے لوگ آتے ہیں۔ امیر وغریب بھی کھنچے چلے آتے ہیں۔ مکہ کے رئیس بھی ان محفلوں میں غرق نظر آتے ہیں اور وہ طبقہ بھی جو دن بھر مزدوری کر کے چور چور ہو چکا ہوتا ہے۔ ان محفلوں میں درآتا ہے، یہاں بے فکرے اور آزاد منش لوگ ڈیرے ڈالے رکھتے ہیں۔ لطف انداز ہوتے ہیں، یہاں دیوی دیوتاؤں کے پجاری بھی نظر آتے ہیں، ہر شخص یہاں چلا آتا ہے، مگر محمد ﷺ ان محفلوں سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

بھرے بازار میں طرح طرح کے فتنے جنم لیتے ہیں، کہیں کسی کی پگڑی اچھالی جارہی ہے، تو کہیں آتش انتقام کے شعلوں سے تلواریں مچل مچل اٹھتی ہیں، عشق و محبت کے فسانے سنائے جاتے ہیں۔ شیطان نے جگہ جگہ اپنے پھندے پھیلا رکھے ہیں، اور لوگ شیطان کے جال میں الجھے چلے جاتے ہیں نوجوان ہو یا بوڑھا ہر ایک کا دامن داغدار ہے۔ احساس ندامت مفقود ہے، ضمیر کو تھپکیاں دے دے کر سلا دیا گیا ہے، ننگ وناموس کے احساس سے عاری ہیں۔

یادہ گوئی اور لغو باتوں سے زبانوں کو آلودہ کیا جاتا ہے۔ ہر نوجوان عشق و محبت کے ہنگاموں میں گرفتار ہے۔ نظروں کے تیر چلائے جاتے ہیں، دارو گیر اور حسن وعشق کے ہنگامے برپا ہیں نازنینوں کی عشوہ طرازیاں ہیں۔ نوجوان ان پھندوں میں الجھتے چلے جاتے ہیں۔

مگر ان میں ایک نوجوان ایسا ہے جس کی آنکھ کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئی، جس نے کبھی لغوبات نہیں کی، یادہ گوئی سے کام نہیں لیا، اپنی عفت کے دامن کو ان لغویات سے بچا کر رکھا جو ہر ایک گناہ سے مبرا و پاک ہے، جس کے اخلاق کے لوگ گرویدہ ہیں۔ جس کی دیانت و ایمانداری کی قسمیں کھائی جاتی ہیں، جو اس ماحول میں رہتے ہوئے بھی اس ماحول سے ناآشنا ہے جس کی آنکھ نے آج تک برائیوں کی طرف نہیں دیکھا، جس کا اخلاق اتنا ارفع واعلیٰ ہے کہ لوگ اسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اس کے شبنم کی طرح پاک دامن کی قسمیں کھائی جاتی ہیں جو اعلیٰ اوصاف کا مالک ہے۔

یہ بیس سالہ نوجوان محمد ﷺ ، جو چاندنی سے بھی زیادہ پاکیزہ اور پھولوں سے بڑھ کر معصوم ہیں، جس پر مکہ ناز کرتا ہے، جس کا ہر سانس اس کی پاکیزگی کا شاہد ہے، پورا مکہ آپ ﷺ کے شرم وحیا کی گواہی دیتا ہے، صبح جسے دیکھ کر مسکراتی ہے، اور رات جس کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتی ہے۔ ہوائیں جس کی عصمت کی امین ہیں۔ جو کلیوں سے زیادہ بے داغ اور شبنم سے بڑھ کر پاکیزہ ہے۔

یہ ہیں آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لعل، جگر گوشہ عبداللہ، عبدالمطلب کے لاڈلے اور ابوطالب کے چہیتے محمد ﷺ ، خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ، دنیا کے ملجاؤ ماویٰ یہ ہیں، جن کے سر پر نبوت کا تاج سجنا ہے، رحمت اللعالمین کے منصب پر فائز ہونا ہے۔ عفوودرگزر سے کام لینا ہے، صادق وامین کا لقب پانا ہے۔

یہ ہیں وہ محمد ﷺ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تخلیق کیا، جس کے لیے یہ زمین وآسمان بنائے، طرح طرح کی نعمتیں پیدا کیں، جو فخر انبیاء ہیں، جو سردار انبیاء ہیں، جو سرور کونین ہیں، جو جنت کے سردار ہیں، جو اپنوں اور بے گانوں کا غم کھانے والے ہیں، جو شفقت، محبت اور رحم وکرم کی تصویر ہیں۔

یہ ہیں محمد ﷺ ، جن کی نوجوانی مشعل راہ ہے، جن کا اخلاق کمال اوج ثریا ہے، جن کے دل میں یتیموں اور مسکینوں کی محبت کے چراغ روشن ہیں، جو پوری کائنات کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں۔

یہ وہ ہیں جو آنے والے وقتوں میں اپنے دشمنوں سے بھی عفوودرگزر سے کام لینے

والے ہیں، ان کے لیے بھی دست دعا ہیں۔ اپنی امت کے غم خوار ہیں، اپنی امت کے شافع ہیں، جو ساقی کوثر ہیں جن کی شفاعت کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا۔

مگر افسوس صد افسوس کہ مکہ کے یہ مکین ان کی عظمت و رفعت سے ناآشنا ہیں، وہ خدا کے دین سے راہ گم کردہ ہیں، جو صراط مستقیم سے محروم ہیں، جو شرک و بت پرستی کی دلدل میں دھنس چکے ہیں، جو پتھر کے بے جان ٹکڑوں کو خدا بنائے بیٹھے ہیں۔ ان سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔ کتنے نادان ہیں یہ لوگ کہ محمد ﷺ کی عظمت سے ناآشنا ہیں۔

ربِ کعبہ کی تلاش

محمد ﷺ کوہ بوقبیس پر تشریف فرما ہیں۔ لوگ خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے کچھ نیم برہنہ تھے، اور کچھ مادر زاد عریاں۔ عورتیں بھی تقریباً لباس کی قید سے آزاد تھیں، عرب اس بات کو معیوب نہ سمجھتے تھے، وہ فخریہ انداز میں عریاں ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے، اساف و نائلہ کے بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے، اور اسے بھی تفاخر کی علامت سمجھتے۔ کفر کی ظلمت چاروں اطراف چھائی ہوئی تھی۔ لوگوں کے شعور مردہ ہو چکے تھے۔ وہ پتھروں کے بے جان خداؤں کے آگے اپنی پیشانیوں کو رگڑتے، اپنی جبین نیاز ان کے آگے جھکاتے، وہ پتھروں کے ان بے جان ٹکڑوں کو خدا کا درجہ دیتے۔

کفر پوری طرح ان پر غالب آچکا تھا، روشنی کی کوئی کرن بھی نہ ان تک پہنچ پا رہی تھی۔ چاروں اطراف ظلمت ہی ظلمت تھی۔ اندھے اعتقادوں کی چادر تنی ہوئی تھی۔ وہ اپنے تراشیدہ ان خداؤں سے اس قدر ڈرتے کہ انکی گھگھی بندھ جاتی، ان کے خوف سے ان کے جسم لرزہ بر اندام ہو جاتے، ان کی شان میں گستاخی کرنا تو در کنار ایسا سوچنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتے۔

لوگ اساف و نائلہ کے آگے سجدہ ریز ہوتے۔ کوئی غلاف کعبہ سے چمٹا ہوا تھا تو کوئی زم زم کے سامنے ہے۔ کچھ لوگ حطیم اور مقام ابراہیم میں موجود تھے۔ کہیں قربانیاں کی جا رہی تھیں، تو کہیں مجاور، پجاری اور مہنت لوگوں سے نذرانے وصول کر کے اپنی جیبوں کو بھاری کر رہے تھے۔ یہ سب لوگ اندھے اعتقاد کے خوفناک گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ ان سے

شعور اور ضمیر کی دولت چھن چکی تھی، آنکھوں کے سامنے غفلت و سرکشی کے پردے تنے ہوئے تھے۔ وہ اپنے معبودِ حقیقی کو بھول کر پتھروں کے آگے سجدہ ریز تھے۔ انہیں خدا کا درجہ دے رکھا تھا، وہ جو خود محتاج تھے، جو اپنی مرضی سے جنبش تک نہ کر سکتے تھے۔ وہ جنہیں انسانی ہاتھوں نے خود تراشا تھا۔

وہ ایک خدا کو بھول چکے تھے، اور اپنے لیے ان گنت خدا تراش لیے تھے۔ ہر قبیلہ کا اپنا اپنا خدا تھا۔ کسی سے وہ بارش کے لیے دعا کرتے، کوئی ان کا روزی رساں تھا۔ کوئی ان کا حاجت رواں تھا۔ کوئی ان کے دکھ درد دور کرتا تھا۔ کوئی انہیں مال مہیا کرتا تھا، کوئی انہیں اولاد کی دولت سے نوازتا تھا، یہ تھیں ان کی سوچیں، انتہائی پست اور گھٹیا سوچیں، عقل و شعور سے عاری لوگ صراط مستقیم کو بھول چکے تھے۔ یہ پتھر کے ٹکڑے جن کی کوئی وقعت نہیں۔ خدا کیسے ہو سکتے تھے۔ خدا تو بس ایک ہے، وہ یکتا و تنہا ہے۔ اس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی ساجھی، وہ زمین و آسمان کا اکیلا مالک ہے، سورج اسی کے حکم سے مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اور اسی کے اشارے پر مغرب میں اپنا مکھڑا چھپا لیتا ہے۔ موسم اس کے تابع فرمان ہیں، ہواؤں کو وہی مقرر کرتا ہے، بادلوں سے وہی مینہ برساتا ہے۔ زمین کے سینے کو چیر کر نباتات، پھل اور سبزیاں وہی پیدا کرتا ہے۔ زمین کے سینے پر پانی کی نہریں اور چشمے وہی بہاتا اور پیدا کرتا ہے۔ ان مویشیوں کا مالک وہی ہے۔ انسان کو عدم سے وجود میں وہی لایا، اسے ہر شے کا علم ہے، انسان کے لیے نعمتیں اس نے پیدا کی ہیں، زندگی اور موت پر وہی قادر ہے، روز جزا کا وہی مالک ہے۔ انسان کو دوبارہ زندہ کرنے کا اختیار بھی اس کے پاس ہے، انسان اس کی کون کون سی نعمت سے انکار کرے گا، کون کون سے نعمت کو جھٹلائے گا۔

ان سب باتوں کے باوجود وہ کفر کی ولدل میں اپنی گردنوں تک دھنس چکے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں، جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، جن کے پیروں میں انگاروں میں جلتے ہوئے جوتے ہوں گے، جن کی کھالیں آتش جہنم میں سلگ سلگ اٹھیں گی، جو جہنم کا ایندھن بنیں گے جنہیں گرزوں سے پیٹا جائے گا، گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا، جن کا ایک ایک لمحہ جہنم کی آگ میں جھلستا ہوا بسر ہوگا، یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہیں۔ ان پر ہی اللہ کا قہر نازل ہوگا۔

یہ لوگ خدا کو بھول چکے تھے، مگر اس کے گھر میں طواف و سعی کرتے، وہ اسی کو حق

جانتے، وہ پتھر کے ان ٹکڑوں کو خدا مانتے، یا پھر کچھ ایسے تھے جو اللہ کے وجود سے انکاری تو نہ تھے، مگر وہ کہتے تھے کہ یہ بت اللہ سے ان کی قربت کا ذریعہ ہیں، یہ اللہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہیں یہ اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں، کتنی غلط سوچ تھی ان کی، کس قدر غفلت کا شکار تھے، لوگ جو برے اور بھلے کی تمیز کرنا نہ جانتے تھے جو حق و باطل کے فرق کو نہ سمجھتے تھے۔

اللہ کی عبادت کی صورتیں کس قدر مسخ ہو چکی تھیں، وہ اللہ کے گھر میں کھل کر شرک کرتے، علی الاعلان شرک کرتے، ڈنکے کی چوٹ پر شرک کرتے، انہیں کوئی سمجھانے والا نہ تھا، کوئی سیدھا راستہ دکھانے والا نہ تھا، کوئی اللہ کی وحدانیت کی طرف پکارنے والا نہ تھا۔ کوئی انہیں آخرت کے عذاب سے آگاہ کرنے والا نہ تھا۔

محمد ﷺ اہل مکہ کی ان گمراہیوں سے نالاں تھے۔ وہ دل میں ان پر کڑھتے، انہیں یہ جہالت و گندگی دیکھ کر کراہت ہوتی، وہ شرک سے کوسوں دور بھاگتے۔ وہ حیران ہوتے کہ یہ عقل و شعور رکھنے والے لوگ بھی کس قدر پست ہو چکے ہیں کہ پتھر کے ان بے جان ٹکڑوں کو خدا سمجھ کر ان کے آگے اپنی پیشانیوں کو گرد آلود کرتے ہیں، وہ پتھر کی ان مورتیوں سے خوف کھاتے ہیں، ان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ پتھر کے یہ مجسمے، بولنے سمجھنے، چلنے اور سننے کی طاقت سے محروم ہیں، یہ بھلا کسی کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

محمد ﷺ کو حج، طواف وسعی اور قیام منیٰ کے لیے بارہا کہا گیا، لیکن آپ ﷺ ان لوگوں کی خرافات کی وجہ سے ان سے ہمیشہ دور رہے۔ انہیں برہنگی سے نفرت ہے بتوں کے سامنے سر جھکانے سے صاف انکار ہے، اور بتوں کے استھانوں پر دی گئی نذر و نیاز اور قربانی کے گوشت سے متنفر ہیں۔

محمد ﷺ رب کعبہ کی جستجو میں ہیں، وہ اسے پانے کی لگن دل میں بسائے ہوئے ہیں، وہ صراط مستقیم کے لیے کوشاں ہیں، اسی لیے وہ طواف، سعی اور قیام منیٰ میں خود اپنی مرضی پر عمل کرتے ہیں، وہ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں کرتے۔

محمد ﷺ طواف میں مصروف ہیں، ان کی سماعت سے ایک آواز ٹکرائی، انہوں نے دیکھا ایک شخص دیوار کعبہ سے ٹیک لگائے کہہ رہا ہے:

”یا معشر قریش! تم میں آج میرے سوا دین ابراہیمی پر کوئی شخص نہیں۔“

محمد ﷺ چونک پڑتے ہیں۔

''دین ابراہیمی، معمار کعبہ کا دین، یقیناً یہی سچا راستہ ہوسکتا ہے اس کے بغیر رب کعبہ تک رسائی ناممکن ہے۔''

محمد ﷺ بوڑھے کے پاس آ کر پوچھتے ہیں:

''عم محترم! کیا آپ دین ابراہیمی سے آگاہ ہیں؟''

''ہاں، دین ابراہیمی ان پتھر کے ٹکڑوں کی عبادت کا دین نہیں ہے، وہ تو سچا دین ہے وہ رب کعبہ کی پرستش کرنا سکھاتا ہے، وہ شرک سے پاک ہے، مگر افسوس صد افسوس مجھے اس پرستش کا طریقہ نہیں آتا۔''

یہ کہہ کر وہ بوڑھا زمین پر ہتھیلیاں ٹیک کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ اپنے ان دیکھے خدا کے آگے اپنی پیشانی رکھ دیتا ہے۔ وہ اسے پانے کی جستجو میں مگن ہے۔ سیدھے راستے پر چلنے کے لیے تڑپ رہا ہے، مگر اسے راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔

وہ بوڑھا سجدہ کرتا ہے، اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

''اے میرے معبود! اے رب کعبہ، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تیری عبادت کیسے کروں، میں ان بتوں سے بیزار ہوں، میرا دل تیری طرف ہی مائل ہے، اے میرے رب میں کیا کروں، کس سے پوچھوں، کیسے تیری عبادت کروں، تو میری رہنمائی فرما۔''

وہ بوڑھا سجدہ سے سر اٹھا کر محمد ﷺ کی طرف دیکھتا ہے پھر کہتا ہے:

''لوگ شرک کی دلدل میں اتر چکے ہیں یہ اصل راستے سے بھٹک گئے ہیں، انہوں نے رب کعبہ کو صاحب اولاد بنالیا ہے، ان کے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرلی ہیں، لیکن میں رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، وہ ان سب سے بے نیاز ہے۔ کاش مجھے اس کی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا تاکہ میں اسے راضی کرسکتا۔''

محمد ﷺ یہ سن کر خوشی محسوس کرتے ہیں، وہ بھی رب کعبہ کی تلاش و جستجو میں ہیں، وہ بھی ان بتوں سے بیزار ہیں۔ وہ بھی اپنے خدا کو پالینا چاہتے ہیں، انہیں اس بوڑھے کی باتوں سے تسکین سی ہو جاتی ہے۔

یہ بوڑھا زید بن عمرو بن نفیل ہے، جو بتوں کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے، لوگوں کو اس کا احساس دلاتا ہے، لیکن صدیوں سے بت پرستی پر جمی ہوئی قوم اس کی باتیں سن کر بھڑک اٹھتی ہے۔

زید بن عمرو بن نفیل وہی شخص ہیں جو لڑکیوں کو زندہ در گور ہونے سے بچا لیتے ہیں، اور جو شخص اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتا، اسے کہتے:

"ٹھہر جا، اسے قتل نہ کر، میں اس کے بار کا کفیل ہوں۔"

پھر وہ لڑکی کو لے لیتے، اس کی پرورش کرتے، جب وہ ٹوٹی پھوٹی بات کرنے لگتی تو اس کے باپ سے کہتے:

"اگر تو چاہے تو میں تجھے اس لڑکی کو واپس کر دوں، اگر تو چاہے تو میں اس کے بار میں تیری کفالت کروں۔"

عمرو بن زید بن نفیل کی وفات حضور ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل تعمیر کعبہ کے وقت ہوئی، موت کے وقت کہہ رہے تھے:

"میں دین ابراہیم پر قائم ہوں۔"

آپ کو کوہ حرا کے دامن میں دفن کیا گیا۔

عمرو بن زید بن نفیل کی قوم ان سے عاجز آ چکی تھی، آپ کا چچا خطاب بن نفیل ان کی پٹائی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ عمرو بن نفیل پٹتے جاتے اور دردناک لہجہ میں یہ اشعار کہتے:

"رب ایک ہونا چاہیے یا سیکڑوں رب بنا لیے جائیں۔ میں ایسے مذہب پر کیسے چلوں، جبکہ مسائل حیات کئی معبودوں میں بانٹ دیئے گئے ہیں۔

میں نے لات و عزیٰ سب کو ترک کر دیا ہے، اور مضبوط اور صبر کیش شخصیات ہی ایسا کرتی ہیں۔ سو تم اللہ ہی کے تقویٰ کی حفاظت کرو۔ جب تک اس صفت کو قائم رکھو گے کبھی گھاٹے میں نہ پڑو گے۔

مگر ہاں، اب میں رب رحمٰن کا عبادت گزار ہوں تا کہ وہ بخشش فرمانے والا آقا میرے گناہوں کو معاف کر دے۔"

زید بن عمرو بن نفیل کے علاوہ ورقہ بن نوفل، عثمان بن حارث اور عبید بن جحش دین براہیمی کے متلاشی تھے۔ شرک کی ظلمت میں یہ چار جگنو تھے جو اپنی مشعلیں لیے تلاش راہ حق میں

سرگرداں تھے، ان کی آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں، لیکن رب کعبہ کی رسائی کی راہ ابھی تک دور اور مستور تھی۔ شرک کے غبار میں منزل کا نشان نہ تھا، وہ نشان منزل کے تعین کے لیے ہمہ وقت کوشاں و سرگرداں رہتے، اپنے حقیقی معبود کی تلاش و جستجو میں تھے۔ وہ رب جو اس تمام کائنات کا خالق و مالک تھا۔ جو تمام ذی روح کو رزق فراہم کرتا تھا۔ جس کے قبضہ قدرت میں موت وحیات تھی۔ جو ہواؤں پر قادر تھا۔ جو بارش کا حاکم تھا۔ جو جن وانس کا معبود تھا، جس نے اس کائنات میں زندگی کو رواں دواں کیا تھا، جو جنت و دوزخ کا مالک تھا۔

مگر اس مالک تک کیسے پہنچا جائے، اسے کیسے تلاش کیا جائے، اس کی عبادت کیسے کی جائے، اس کی نعمتوں کا شکر کیسے ادا کیا جائے، آخر کوئی تو راستہ ہوگا، اس معبود تک رسائی کا وہ راستہ ہے کہاں' اسے کیسے تلاش کیا جائے، وہ اس بات کا شعور وادراک نہ رکھتے تھے۔

اسی تلاش وجستجو میں عبید بن جحش اور ورقہ بن نوفل تو عیسائی ہوگئے، کیونکہ یہ دونوں عمر رسیدہ تھے، لیکن محمد ﷺ تو جوان ہیں، انہیں بھی دین ابراہیمی کی جستجو ہے وہ بھی اس مالک وخالق کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں، انہیں پتھر کے ان خداؤں سے سخت نفرت تھی، جنہیں قریش مکہ اپنا خدا بنا بیٹھے تھے اور انہیں کو اپنا حاجت روا سمجھتے تھے۔ انہیں سے اپنی مرادیں مانگتے تھے۔

ہر طرف کفر وشرک کی جہالت تھی، ہر طرف ظلمت کا راج تھا، پورا معاشرہ جہالت میں غرق ہو چکا تھا۔

عہدِ جوانی

فکرِ معاش

اب آپ ﷺ عمر کے اس حصہ میں پہنچ گئے تھے۔ جب معاشی جدوجہد کے دروازے کھولنے پڑتے ہیں۔ قریش فطرتاً تجارت پسند تھے، مکہ تو وادی غیر ذی زرع تھا اس لیے قریش کے تمام خاندان بڑے بڑے سرمائی یا گرمائی سفروں پر قافلہ کی شکل میں جاتے، ہر شخص کا مال تجارت، سرمایہ یا وہ خود بطور محافظ کے اس میں شریک ہوتا۔

قیاس ہے کہ حضور ﷺ کے والد نے جو سرمایہ چھوڑا تھا وہ اسی طرح شریک تجارت تھا۔ آپ ﷺ جوان ہوئے تو معیشت کا بھی دروازہ کھٹکھٹایا۔ ان دنوں آپ ﷺ نے مختلف تجارتی میلوں میں شرکت کی غرض سے نجد، یمن، بحرین اور شام کے سفر کیے۔ ہر بار دیانت، امانت، معاملہ فہمی اور خوش اسلوبی سے کام انجام دیا۔

آپ ﷺ بازار عکاظ میں بھی تجارت کرتے تھے۔ یہاں لاکھوں کا کاروبار ہوتا تھا، مکہ کی کھالیں، کھجوریں اور ایسی ہی کئی چیزیں دکانوں پر بجی رہتیں۔ شام اور یمن کے برتن پارچاجات، سونا چاندی، اسلحہ اور اناج بھی ڈھیروں میں موجود ہوتا، یہاں خرید وفروخت زوروں پر ہوتی۔

اس بازار میں حکیم بن حزام کی دکان تھی۔ یہیں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نظر آتے، اور ابولہب بھی رقم گننے اور مال فروخت کرنے میں محو ہوتا۔ عتبہ بن ربیعہ بھی بج

دھج سے اپنی دکان پر بیٹھا ہوتا۔ قریش کے نامور تاجر اپنی اپنی دکانیں سجائے بیٹھتے۔

یہاں لوگ دور دراز سے خرید وفروخت کے لیے آتے۔ اسی بازار میں محمد ﷺ بھی کاروبار کرتے، اس وقت وہ بائیس سال کے خوبرو جوان تھے، ہمیشہ صاف ستھرے لباس میں مستعد نظر آتے، آپ ﷺ گاہکوں کو مال کی خوبیاں بتانے پر ہی اکتفا نہ کرتے بلکہ اگر مال میں کوئی خرابی ہوتی تو انہیں بھی صاف صاف بتاتے۔

محمد ﷺ کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی۔ وہ دوسرے دکانداروں کی طرح محض پیسہ کمانے میں مصروف نہ رہتے، بلکہ انہیں اپنے پیسوں سے زیادہ گاہک کا مفاد عزیز ہوتا۔ محمد ﷺ زبان کے سچے اور سودے کے کھرے تھے، ان کی زبان میں بلا کی مٹھاس پائی جاتی تھی۔ ہمیشہ نرم لہجے میں گفتگو فرماتے، گاہک مطمئن ہو کر سودا خریدتا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کا سامان ہمیشہ جلد فروخت ہو جاتا، دوسرے دکانداروں کے کاروبار کا زیادہ تر دارومدار سودی لین دین پر تھا۔ انہیں اصل سے زیادہ سود عزیز تھا، اور وہ منافع بھی بہت زیادہ کماتے۔

اس بھرے بازار میں صرف ایک تاجر ایسا تھا جسے سود سے نفرت تھی، جس کا نام لینا بھی اسے گوارہ نہ تھا۔ جو سود سے کوسوں دور تھا، جبکہ محمد ﷺ کے چچا سود کی وجہ سے لکھ پتی ہو گئے تھے۔

محمد ﷺ کو تجارت کرتے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ اب وہ صادق اور امین کے نام سے مشہور تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کا سرمایہ اپنے چچاؤں کے مقابلے میں بہت کم تھا، حالانکہ ان کا مال بہت زیادہ اور جلد ہی فروخت ہو جاتا تھا، پھر سرمایہ کی قلت کیوں؟

ان کے چچا حمزہ، عباس اور ابولہب لکھ پتی ہو چکے تھے، دولت ان پر ہن کی طرح برس رہی تھی، اور وہ دونوں ہاتھوں سے روپیہ سمیٹ رہے تھے۔ پھر کیا بات تھی کہ محمد ﷺ ہنوز بے زر تہی دست تھے۔

بنی مخزوم کے ولید بن مغیرہ اور ہشام ترقی کرتے کرتے بہت بڑے سرمایہ دار بن چکے تھے۔ بنو امیہ کے عفان بن ابوالعاص اور ابوسفیان بن حرب کی دولت کا کوئی شمار نہ تھا۔ عبدشمس کے عتبہ اور شیبہ لاکھوں میں کھیل رہے تھے۔ بنی تمیم کے ابوقحافہ اور انکے بیٹے ابوبکر کی دکانیں چمک اٹھی تھیں، لیکن محمد ﷺ کے ہاں دولت کی ریل پیل نہ تھی۔ حالانکہ گاہک خریداری کے لیے سب سے پہلے ان کے پاس آتے تھے۔

لوگ چہ میگوئیاں کرتے، آخر ایک دن عتبہ محمد ﷺ کے پیچھے روانہ گیا، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر محمد ﷺ کیا کرتے ہیں۔ وہ روزانہ تھیلیاں بھر بھر کرلے جاتے ہیں وہ تھیلیاں کیا ہوئیں۔ ان تھیلیوں میں کیا ہوتا ہے۔ ایک تجسس تھا جو اس کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا۔ آخر ایک دن وہ دبے پاؤں محمد ﷺ کے تعاقب میں چل ہی پڑا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ محمد ﷺ کے ہاتھ میں اناج اور سکوں کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہیں، کسی میں اناج تھا تو کسی میں دن بھر کے منافع کی رقم تھی۔

محمد ﷺ چلتے ہوئے ایک مکان کے قریب رکے، دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک بڑھیا باہر نکلی، عتبہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا بے ساختہ اس کے لب ہلے:

”اوہ یہ تو قیس کا گھر ہے جو حرب فجار میں ہلاک ہو گیا تھا یہاں تو اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور بوڑھی ماں رہتی ہے۔“

اب محمد ﷺ آگے بڑھے۔

محمد ﷺ چلتے ہوئے ایک گلی میں داخل ہوئے، اس گلی میں ایک بوڑھا اپاج رہتا تھا۔ محمد ﷺ نے ایک دروازے کے قریب رک کر دستک دی، کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک اپاج بوڑھا باہر نکلا۔ محمد ﷺ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک عود آئی تھی۔ اس بوڑھے کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، چہرے کی ہڈیاں بھوک کی وجہ سے ابھر آئی تھیں، چہرہ زرد ہو رہا تھا اور ہاتھوں میں رعشہ تھا۔

عتبہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ محمد ﷺ نے مصافحہ کرنے کے بعد ایک تھیلی اس کی طرف بڑھا دی۔ بوڑھے نے محمد ﷺ کو دعائیں دی۔ اب محمد ﷺ آگے چل دیئے۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک چوک سے آگے گزرے، یہاں چند بچے کھیل رہے تھے۔ دھول سے ان کے چہرے اور لباس آلودہ ہو چکے تھے۔ وہ محمد ﷺ کو دیکھتے ہی لپکے، کوئی ان کی ٹانگوں سے چمٹ گیا، کسی نے عبا کا دامن تھام لیا تھا۔ محمد ﷺ کو دیکھتے ہی بچوں کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

عتبہ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ یہ سب تو مفلس و قلاش والدین کی اولاد تھے۔ جو انہیں دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے دے سکتے تھے۔

محمد ﷺ کسی بچے کو چوم رہے تھے، کسی کے گال تھپتھپا رہے تھے تو کسی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر رہے تھے۔ عتبہ کو ہمیشہ سے ایسے بچوں سے گھن آتی تھی، مگر محمد ﷺ تو ان پر بڑی

شفقت نچھاور کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے سب بچوں میں باری باری تھیلیاں تقسیم کیں، بچے شور مچاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔

محمد ﷺ کا چہرہ بچوں کو خوش دیکھ کر دمک اٹھا، اور لبوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ آ گئی، عتبہ کی زبان گنگ ہو چکی تھی، وہ کوئی بات کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے محمد (ﷺ) ان غریبوں میں اپنی دولت لٹاتا پھر رہا ہے۔ اپنی محنت کی کمائی کو ان لوگوں پر خرچ کر رہا ہے، شکر ہے کہ ابوطالب کا بھتیجا دولت کی قدر نہیں جانتا، وہ بے دریغ اپنی دولت کو سنگریزوں کی طرح لٹا رہا ہے، بیواؤں اور یتیموں پر خرچ کر رہا ہے۔ اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرتا تو بے شک آج وہ مکہ کا سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوتا۔ اس کی دولت کا کوئی حساب نہ ہوتا، اور یہ نوعمری میں بہت زیادہ مالدار ہوتا۔"

محمد ﷺ کا دل تو دوسروں کے لیے دھڑکتا ہے، انہیں دولت سے پیار نہ تھا، انہیں تو انسانوں سے محبت تھی۔ وہ دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتے ان کی مدد کرتے۔

ایفائے عہد

عبداللہ ابن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں:

"میں نے آپ ﷺ سے تجارتی معاہدہ کیا، بات طے نہ ہونے پائی تھی کہ مجھے ایک ضروری کام یاد آیا، میں نے آپ ﷺ سے کہا:

"آپ (ﷺ) یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔"

کاروبار کی مصروفیات بعض اوقات انسان کو اس قدر محو کر دیتی ہیں کہ وہ اپنے گردوپیش سے بے خبر ہو جاتا ہے، میں بھی اس کیفیت سے دوچار ہو گیا، مجھے محمد (ﷺ) سے کیے ہوئے وعدہ کا خیال تک نہ رہا، اس واقعہ کو یکسر بھول گیا، اور اس عالم میں تین دن گزر گئے، ایک روز ذرا فراغت ہوئی تو کتاب ماضی کے اوراق الٹنے لگے اور مجھے یاد آ گیا، میں چونک اٹھا:

"میں نے تو محمد (ﷺ) سے سودا کیا تھا، کچھ دیر بعد واپس آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا تھا، آج تین دن گزر چکے ہیں، میں اس کو بالکل ہی بھول گیا ہوں۔"

یہ سوچ کر میں بازار عکاظ کی طرف روانہ ہوا، میری رفتار میں تیزی آ گئی، مقررہ جگہ پر جا کر دیکھا تو محمد (ﷺ) بدستور وہاں موجود تھے۔ ندامت سے میرا سر جھک گیا، پیشانی عرق آلود ہوگئی، میں نے آگے بڑھ کر ایک مجرم کی طرح کہا: محمد (ﷺ) مجھے بے احد افسوس ہے میں وقت پر نہ پہنچ سکا، دراصل میں اس معاملہ کو یکسر بھول چکا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔"

حضور ﷺ نے ملائمت سے فرمایا:

"عبداللہ! تم نے مجھے بڑی تکلیف دی، میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں اور تمہارے انتظار میں ہوں۔"

عبداللہ کا سر جھک گیا، اور بمشکل تمام اس نے کہا:

"پیارے محمد (ﷺ) تم کتنے اچھے ہو، لوگ سچ کہتے ہیں، تم واقعی امین اور صادق ہو۔"

عبداللہ محمد ﷺ کی صداقت کا نقیب بن چکا تھا، اور یہ آواز کوچہ و بازار سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی۔

الصادق

قیس بن السائب مخزومی کہتے ہیں:

"میں نے زمانہ جاہلیت میں محمد بن عبداللہ ﷺ سے بہتر ساتھی، ساجھی کوئی نہیں پایا۔ اگر ہم آپ ﷺ کا مال تجارت لے کر جاتے تو واپسی پر آپ ﷺ ہمارا استقبال کرتے اور خیر و عافیت پوچھ کر چلے جاتے، بعد میں جب ہم حساب دیتے تو اس پر قطعی تکرار یا حجت نہ فرماتے، ہم جو کہتے اس کو مان لیتے۔ دوسرے شرکائے تجارت پہلے نفع و نقصان کی بات کرتے، مال و منال پر اصرار کرتے۔"

الامین

"اس کے برعکس اگر آپ ﷺ تجارتی سفر سے لوٹتے تو جب تک پائی پائی بے باک نہ کرتے گھر کی راہ نہ لیتے۔ مال خرید کر لاتے تو ہمارے حوالے کرتے۔"

اہل و عیال کی خیریت دریافت کرتے۔"

سائب ابن ابی سائب ایک اور شریک تجارت فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کی تعریف کی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

سائب نے بھی آپ ﷺ کے معاملہ کے صاف تاجر کی حیثیت سے تصدیق کی، قریش کے ایک بڑے سوداگر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ ﷺ کے شریک کاروبار تھے۔ وہ کبھی کبھی تجارتی سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے۔ وہ شروع ہی سے آپ ﷺ کی کاروباری صداقت و امانت کے بڑے گرویدہ تھے۔ آپ ﷺ کے حسن معاملہ کی دور دور تک شہرت تھی۔ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تجارت میں شرکت خوشی سے قبول کرتے۔ راست بازی اور صفائی معاملہ کی وجہ سے آپ ﷺ "الامین" کے لقب سے یاد کیے جاتے۔

❁❁❁

خدیجہؓ کا مالِ تجارت

شہر کی گنجان آبادی میں زیادہ تر تاجر اور امراء سکونت پذیر تھے۔ ان کے مکانات دوسروں سے عمدہ، خوبصورت اور کشادہ تھے۔ دولت کی ریل پیل تھی، اس لیے لونڈی اور غلاموں کی بھی کثرت تھی۔ اسی آبادی میں ایک بلند و بالا حویلی سب سے بڑھ کر اپنی الگ ہی شان دکھا رہی تھی۔

یہ حویلی مکہ کی سب سے مالدار خاتون خدیجہ بن خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تھی۔
حضرت خدیجہ بن خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں دولت کی فراوانی تھی، اسی حویلی کے اندر گھوڑوں کے لیے اصطبل اور اونٹوں کے لیے شتر خانے تھے۔ جن میں لاتعداد اونٹ، گدھے اور گھوڑے موجود تھے۔ اسی حویلی میں لاتعداد گودام تھے۔ جو اجناس سے بھرے ہوئے تھے۔
حویلی میں ہر طرف گہما گہمی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال تجارت مختلف قافلوں کی صورت میں جاتا، اور ڈھیروں منافع کما کر واپس آتا۔ دولت کی اس کثرت کے باوجود ان کی زندگی تنہا تھی۔ یکے بعد دیگرے ان کے دو خاوند انہیں داغ مفارقت دے چکے تھے۔
خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک کامیاب تاجرہ ہونے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھیں۔ عفت و پاکدامنی کے باعث اس عہد جاہلیت میں ''طاہرہ'' کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ رحمدلی، غریب پروری اور سخاوت آپ کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ اہل مکہ کے تجارتی وفد میں آپ کا مال تجارت آپ کے ملازموں اور نمائندوں کی سپردگی میں بیرون

ملک جاتا رہتا۔

اس بار شام کے لیے آپ کے قافلہ تجارت کی تیاری شروع ہوئی، انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو بلوا بھیجا، اس وقت وہ آپ کے حضور مؤدب کھڑا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میسرہ سے پوچھا:

''شام کی طرف جانے والا قافلہ کب روانہ ہوگا؟''

میسرہ نے ہاتھ باندھے باندھے جواب دیا:

''مالکن حضور، ہفتہ عشرہ تک روانہ ہو جائے گا۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا:

''تم نے سامان تجارت فراہم کرلیا ہے؟''

میسرہ انتہائی وفادار غلام تھا، اس نے کہا:

''مالکن آپ فکر نہ کریں، میں نے ساری تیاریاں مکمل کرلی ہیں، یہاں سے جو مال شام جائے گا وہ بھی تیار ہے اور شام میں جس مال کی خریداری کرنا ہے، میں نے اس کی بھی فہرست بنا رکھی ہے، بس قافلہ روانہ ہونے کی دیر ہے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میسرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

''میسرہ میرا خیال ہے اس بار تمہارے ساتھ کسی نئے نمائندے کو بھیجوں، تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟''

میسرہ تو اپنی مالکن کا وفادار تھا، اس نے جواب دیا:

''جیسے آپ کی مرضی۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''میں کافی عرصہ سے ابوطالب کے بھتیجے محمد (ﷺ) کے متعلق سن رہی ہوں، اس کی دیانت اور امانت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا ہے۔ لوگ انہیں صادق اور امین کے لقب سے پکارتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہتر رہے گا۔''

میسرہ نے کہا:

''مالکن آپ درست کہہ رہی ہیں۔ وہ ایک کامیاب تاجر ہیں، ہمیشہ سچ اور

کھری بات کہنے کے عادی ہیں، اور انہوں نے منافع بھی ہمیشہ دوسروں سے زیادہ کمایا ہے، ان کی شیریں گفتاری اور اعلیٰ اخلاق کے سبب لوگ ان کے گرویدہ ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"میں چاہتی ہوں اس بار انہیں مال تجارت دے کر تمہارے ساتھ ملک شام روانہ کروں، تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

میسرہ بھی محمد ﷺ کا گرویدہ تھا، فوراً بول اٹھا:

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں، ہمیں ایسے ہی امانتدار اور دیانتدار شخص کی ضرورت تھی، اب ہمیں اس معاملے میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"تم جاؤ اور انہیں میرا پیغام پہنچا دو، اگر وہ رضا مند ہو جائیں تو انہیں میرے پاس لے آؤ تاکہ اس سلسلہ میں بات پکی کرلی جائے۔"

میسرہ سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بنی مخزوم کی معزز فرد اور تاجرہ تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح عتیق بن عایذ بن عبداللہ مخزومی سے ہوا، لیکن عتیق جلد ہی راہی ملک عدم ہوئے، اس پاکباز خاتون کے لیے بڑے بڑے سرداروں نے شادی کی درخواست کی، لیکن آپ کے والد خویلد بن اسد نے بنی تیمم کے ایک شریف نوجوان ابو ہالہ بن زرارہ سے آپ کا بیاہ کر دیا، جن سے ہالہ، حارث اور ہند تین بیٹے پیدا ہوئے، لیکن ابو ہالہ بھی جلد ہی داغ مفارقت دے گئے اور یہ معزز خاتون دوبارہ بیوہ ہوگئیں۔ ابھی وہ اس صدمہ سے سنبھلے بھی نہ پائی تھیں کہ آپ کے والد بھی انتقال کر گئے، اور وہ دوہرے غم میں مبتلا ہوگئیں۔

رفیق حیات کی موت کا غم کیا کم تھا کہ یہ پاکباز خاتون اس کو بھلا دیتی لیکن باپ کی موت نے اس زخم کو اور گہرا کر دیا۔ اس لیے طبیعت پر سنجیدگی چھا گئی، اس لیے باوجود اچھی صحت اور مناسب عمر ہونے کے انہوں نے شادی کے ہر پیغام کو ٹھکرا دیا، اور اپنا وقت شادی کے بجائے

بیواؤں، یتیموں اور محتاجوں کی دستگیری کی طرف مبذول کر دی، ان کی پاکدامنی، عفت اور شفقت کی وجہ سے لوگ انہیں طاہرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ وہ اپنا مال تجارت میں لگاتیں۔ اس سے جو منافع ہوتا وہ اس منافع کا بیشتر حصہ مساکین کی امداد پر خرچ کر دیتیں۔

میسرہ ان کا وفادار اور زیرک غلام تھا، جو تجارت کرنے والے ملازمین اور نمائندوں کی نگرانی کرتا۔

محمد ﷺ بھی مال تجارت شام لے جایا کرتے تھے، کبھی وہ یمن کا چکر لگاتے۔ وہ بھی اپنے منافع کا زیادہ حصہ غربا، مساکین، بیواؤں اور یتیموں پر خرچ کرتے، آپ ﷺ کی امانت اور دیانت کا شہرہ اس پاکباز خاتون نے کئی بار سنا تھا، اور اب ان کا ارادہ تھا کہ آپ ﷺ ان کا مال تجارت لے کر شام جائیں، اسی لیے انہوں نے مشورہ کے لیے میسرہ کو طلب کیا تھا۔

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی کنیزوں سے بات چیت میں مصروف تھیں کہ میسرہ نے محمد ﷺ کی آمد کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ کو اندر بلایا گیا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا، ایک باوقار اور خوبصورت نوجوان نہایت صاف ستھرے لباس میں ملبوس آرہا ہے۔ چہرے پر متانت و سنجیدگی تھی، پیشانی سے ایک نور ہویدا ہو رہا تھا۔ چال میں وقار تھی، چہرے پر حیا کے آثار تھے۔

محمد ﷺ نے سلام کے بعد گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

”آپ نے مجھے یاد کیا ہے۔“

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

”ہاں! میں چاہتی ہوں کہ آپ (ﷺ) میرا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں، اور وہاں سے ضروری سامان خرید کر مکہ آئیں۔ آپ (ﷺ) کو اس کا معقول معاوضہ دیا جائے گا، اور معاوضہ بھی دوسروں سے زیادہ ملے گا، میں نے آپ (ﷺ) کی دیانت و امانت کا شہرہ سن رکھا ہے، مجھے عرصے سے ایسے ہی کسی شخص کی تلاش تھی، آپ (ﷺ) کی ذہانت و فطانت کے لوگ قائل ہیں اور آپ (ﷺ) کی تجارت کے اصولوں سے بھی لوگ آگاہ ہیں۔“

محمد ﷺ نے انتہائی متانت سے جواب دیا:

"مجھے منظور ہے۔ یہ میرے لیے باعث مسرت ہے کہ میں آپ جیسی خاتون کا
مال تجارت لے کر جاؤں۔"

خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"آپ (ﷺ) کے ساتھ میرا غلام میسرہ بھی رہنمائی کے لیے موجود ہوگا۔"

پھر خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میسرہ سے کہا:

"تم ان (ﷺ) کے ساتھ جاؤ گے اب تیاری شروع کر دو تا کہ قافلہ اپنے وقت
پر روانہ ہو سکے، اور ہاں تم ان (ﷺ) کا خاص خیال رکھنا انہیں سفر میں کوئی
تکلیف نہ ہونے پائے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محمد ﷺ کی شیریں بیانی سے بے حد متاثر ہوئی تھیں۔
اس عمر میں یہ حیا، شرینی، شرافت، وقار، متانت، انہوں نے یہ باتیں آج تک کسی نمائندے میں
نہ پائی تھیں۔ یہ نوجوان کس قدر نفاست پسند، سادہ اور فہیم تھا۔

شام کا سفرِ تجارت

جب حضور ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال ہوئی تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا، اس ضمن میں روایات میں آتا ہے:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد ایک شریف اور پاکباز مالدار خاتون تھیں۔ اپنا مال تجارت دے کر لوگوں کو بھیجتیں، تجارت میں شرکت بھی کر لیتیں اور شرکاء کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیتیں، خود قریش کے لوگ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو محمد ﷺ کی سچائی، دیانت داری اور امانتداری کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کو بلوا بھیجا اور درخواست کی:

"آپ ﷺ میرا مال تجارت لے کر میرے غلام میسرہ کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ آپ ﷺ کو دوسرے تاجروں سے زیادہ معاوضہ دوں گی۔"

حضور ﷺ نے ابوطالب کے مشورہ سے اس بات کو قبول فرما لیا، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا غلام میسرہ اور ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکیم کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔ خزیمہ کو اس سفر کے دوران حضور ﷺ سے بہت زیادہ محبت ہوگئی، وہ آپ ﷺ کو بہت دوست رکھتا تھا، اور سفر کے دوران ایک لحہ کے لیے بھی وہ حضور ﷺ کو خود سے دور نہ رکھتا تھا۔ شام

کے اس سفر تجارت میں اس نے حضور ﷺ سے بہت سی خلاف عادات چیزیں مشاہدہ کیں۔ یہ دیکھ کر اس کی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔"

اس دلچسپ تاریخی سفر کے پس منظر سے متعلق تین مختلف روایات موجود ہیں۔

ایک روایت تو یہ ہے:

(۱) جب ابوطالب نے سنا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی تجارت میں معاوضہ پر شرکت کے لیے کسی معقول، محنتی، دیانتدار اور شریف تاجر کی تلاش میں ہیں، تو انہوں نے فوراً اپنے بھتیجے محمد ﷺ سے کہا:

"ہمارے پاس تو اپنے کاروبار کے لیے سرمایہ موجود نہیں ہے، اس لیے تم اس نیک تاجر خاتون سے ملو، ممکن ہے کہ ان سے تمہارا کاروباری معاملہ طے پا جائے۔"

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے چچا کے مشورہ پر عمل کیا اور کامیاب ہو گئے۔

دوسری روایت یوں ہے:

(۲) ابوطالب نے حضور ﷺ سے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کاروباری بات چیت کروں؟"

آپ ﷺ رضامند ہو گئے، ابوطالب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

"آپ دوسروں کو دو اونٹوں کے معاوضہ پر اجیر مقرر کرتی ہیں، اگر آپ میرے بھتیجے کو اجرت کی شرط پر مال تجارت دے کر سفر پر بھیجنا چاہیں تو میں اس کے لیے چار اونٹوں سے کم معاوضہ پر راضی نہ ہوں گا۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً رضامندی ظاہر کر دی، چنانچہ ابوطالب گھر لوٹے اور حضور ﷺ سے فرمایا:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ یہ سلسلہ معاش ہے، جس کا بندوبست خدا نے تمہارے لیے گھر بیٹھے ہی کر دیا ہے۔"

تیسری روایت زیادہ معروف اور مستند ہے وہ یہ ہے:

(۳) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضور ﷺ کی صداقت، دیانت اور کاروباری محاسن کا شہرہ سن رکھا تھا۔ انہوں نے خود ہی آپ ﷺ کو بلوا بھیجا اور درخواست کی۔

"آپ (ﷺ) میرا مال تجارت لے کر بطور میرِ کارواں شام جائیں، میں دوسرے تاجروں کو جتنا معاوضہ دیتی ہوں، آپ ﷺ کو اس سے زیادہ معاوضہ دوں گی۔"

حضور ﷺ نے چچا سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیشکش قبول فرمالی۔"

سفر کا پروگرام طے پا گیا، سامان تجارت اونٹوں پر لاد دیا گیا، ایک عظیم میرِ کارواں کی قیادت میں یہ تاریخی قافلہ شام کی جانب رواں دواں ہوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے وفادار غلام میسرہ اور اپنے عزیز خزیمہ بن حکیم کو آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ میسرہ ان کا ایک خاص وفادار، معتمد اور ذہین ملازم تھا۔

خزیمہ بن حکیم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریبی عزیز تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہ دونوں خصوصی معتمد آپ ﷺ کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے قافلہ کے ساتھ بھیج دیئے گئے، انہیں یہ بھی تاکید تھی:

"دورانِ سفر اور منزل مقصود پر پہنچ کر بھی تمام کاروباری لین دین پر کڑی نگاہ رکھیں، اور مکہ واپس پہنچنے پر مکمل روداد پیش کریں۔"

ان دونوں نے سارے سفر کے دوران نگرانی اور مشاہدہ کے فرائض کمال احتیاط اور ہنر مندی سے انجام دیئے۔ حضور ﷺ کے قرب سے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں آپ ﷺ کے بلند اخلاق و کردار کے معترف ہو گئے، یہاں تک کہ انہیں حضور ﷺ سے اس قدر انس و عقیدت پیدا ہو گئی کہ وہ پل بھر بھی آپ ﷺ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ دونوں آپ ﷺ کی دیکھ بھال اور آرام و آسائش کا ہر لمحہ خیال رکھتے تھے۔ شرکت سفر کے مختلف مراحل میں حضور ﷺ کی مسلسل رفاقت و صحبت سے انہیں آپ ﷺ سے حقیقی محبت ہو چکی تھی۔

یہ تجارتی قافلہ بھی اسی راستے سے گزرا جس سے حضور ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ

آج سے بارہ برس پہلے گزرے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک بار پھر وادی القریٰ، سرزمین مدین اور دیارِ ثمود دیکھے، ان مشہور مقامات کو ایک بار پھر ان کے تاریخی تناظر میں دیکھنے سے آپ ﷺ کے دل و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں دبے ہوئے خیالات کے وہ تمام نقوش ابھر آئے جو پہلے سفر میں آپ ﷺ کے سامنے آئے تھے۔

آپ ﷺ کو مختلف مذاہب اور مسالک کے لوگوں سے ملنے جلنے کا مزید اتفاق ہوا۔ ان لوگوں سے مذہب، زندگی، روحانیت، عبادت اور آخرت ایسے موضوعات پر بحث و مباحثہ ہوتے رہے۔ ان مذاکرات میں آپ ﷺ نے دوسروں کی باتیں غور سے سننے کے ساتھ ساتھ اپنے موقف بھی کھل کر پیش کیے، ایسے مشاہدات، تجربات، مذاکرات اور مباحث بھی آپ ﷺ کے لیے بے حد مسرت اور طمانیت کے ساماں فراہم کرتے رہے۔ ان سے میسرہ، خزیمہ اور کارواں کے دیگر شرکاء بھی خوب محظوظ و مستفید ہوئے۔

شام کے اس تاریخی تجارتی سفر کے واقعات بھی بے حد دلچسپ اور خیال افروز ہیں۔

راستے میں ایک جگہ قافلے کے دو اونٹ بہت زیادہ تھک کر بدحال ہو گئے اور سفر کرنے سے عاجز آ گئے، ان اونٹوں کی حالت اس قدر خراب تھی کہ وہ سفر کرنے کے قابل نہ تھے۔ میسرہ نے اس بات کی اطلاع حضور ﷺ کو دی۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اونٹوں کے منہ پر رکھے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں اونٹوں میں اس قدر ہمت اور چستی آ گئی کہ وہ قافلے کے باقی اونٹوں سے تیز اور آگے آگے چلنے لگے۔ تمام کارواں یہ دیکھ کر ششدرہ رہ گیا۔

خزیمہ اور میسرہ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، انہوں نے اسے حضور ﷺ کی برکت سمجھا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے:

”محمد (ﷺ) کی شان بڑی اونچی ہے۔“

خزیمہ اور میسرہ نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ جب دوپہر کے وقت دھوپ تیز ہو جاتی اور حدت بڑھ جاتی تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کرتے چلے جاتے، اور یوں آپ ﷺ ان کی چھاؤں میں دھوپ سے بالکل محفوظ رہتے۔

اس طرح ایک اور معجزہ بھی اس سفر میں دیکھنے میں آیا۔

آپ ﷺ تھوڑے سے کھانے کو اپنے دست مبارک سے چھوتے تو اس میں اللہ تعالیٰ بڑی برکت نازل فرما دیتے، اور وہ کھانا کئی لوگوں کے لیے کفایت کرتا۔

قافلہ چلتا ہوا بصریٰ اور شام کی سرحد پر پہنچا، اس نے بحیرہ راہب کے کلیسا کے قریب قیام کیا، درخت کے نیچے ڈیرے ڈال دیئے۔ جہاں حضور ﷺ پہلے شامی سفر میں اترے تھے۔

بحیرا راہب کا انتقال ہو چکا تھا، اور اس کی جگہ اس کا نائب نسطورا کام کر رہا تھا۔

آپ ﷺ کلیسا کے سامنے پرانے درخت کے نیچے اترے، یہ سرسبز و شاداب درخت اب بالکل سوکھا ہوا تھا۔ جونہی آپ ﷺ اس درخت کے نیچے آئے، وہ درخت سرسبز و شاداب ہو گیا، اس پر پھل لگ گئے، اس درخت کے گرد اگرد زمین پر بھی سبزہ اگ آیا تھا۔

نسطورا راہب کلیسا کی چھت پر بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، وہ بھاگتا ہوا سیدھا حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا:

"میں آپ (ﷺ) کو لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں۔ بتایئے آپ (ﷺ) کا نام کیا ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"دور ہٹو مجھ سے! کیونکہ عربوں کی گفتگو میں مجھ پر یہی بات سب سے زیادہ مکروہ اور ناگوار ہے۔"

نسطورا اپنے ہاتھ میں ایک مقدس کتاب تھامے ہوئے تھا۔ وہ کبھی حضور ﷺ کی طرف دیکھتا اور کبھی کتاب کی طرف۔

وہ کہتا جاتا تھا:

"قسم ہے اس خدا کی! جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی، یہ وہی نبی آخر الزماں (ﷺ) ہیں جن کی بشارت کتب مقدسہ میں موجود ہے۔"

خزیمہ بن حکیم یہ سب باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ اس نے سمجھا کہ شاید یہ راہب حضور ﷺ کے ساتھ کوئی مکر کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے تلوار کھینچ لی، اور قافلے میں موجود لوگوں کو آواز دے کر پکارا۔

قافلے میں موجود قریش خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے پوچھا:

"اے خزیمہ! کیا بات ہے؟"

خزیمہ نے راہب کی شکایت کی، اس پر تمام اہل قافلہ راہب کی طرف لپکا، راہب نسطورا ڈر کر کلیسا میں آ گیا، اور اندر سے دروازہ بند کر لیا، پھر کلیسا کی چھت پر چڑھا اور پکار کر کہنے لگا:

"اے قافلے والو! کیوں مجھ سے ڈرتے ہو خدا کی قسم میرے نزدیک کوئی قافلہ تم سے زیادہ پیارا اس جگہ پر نہیں اترا، اور میں اس مقدس کتاب میں اسی طرح لکھا ہوا دیکھتا ہوں کہ جس شخص نے اس درخت کے نیچے قیام کیا ہے وہ اللہ کا رسول اور خاتم الانبیاء ﷺ ہے، جو شخص اس کی فرمانبرداری کرے گا نجات پائے گا اور جو شخص آپ ﷺ سے دشمنی کرے گا وہ ہلاکت میں پڑے گا۔"

یہ باتیں کر کے نسطورا راہب نے حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دے کر قریب بلایا، اور ان سے پوچھا:

"تجھے ان سے کس قسم کی نسبت ہے۔"

حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"میں ان ﷺ کا خدمت گار ہوں۔"

پھر حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹوں کا عاجز رہ جانا، اور حضور ﷺ کے دست مبارک چھونے کی برکت سے قوت حاصل کرنا بتایا تو راہب نے کہا:

"اے خزیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! میں ایک راز تیرے سپرد کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ تم اسے پوشیدہ رکھو گے۔"

حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"مجھے قبول ہے۔"

اس پر نسطورا نے کہا:

"اس مقدس کتاب میں اس طرح لکھا ہوا ہے کہ یہ شخص تمام شہروں پر قبضہ حاصل کر لے گا، اور تمام لوگوں پر فتح حاصل کرے گا، اور کوئی بھی شخص ان (ﷺ) کی بزرگی کی انتہا کو نہیں جانتا۔

اے خزیمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے بہت سے دشمن ہیں، اور ان کے زیادہ تر دشمن یہودی ہیں۔"

جب حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہب سے یہ باتیں سنیں تو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور کہا:

”میں چند صفات آپ ﷺ میں دیکھتا ہوں، جو دوسروں میں نہیں ہیں، مجھے یقین ہے کہ جو پیغمبر ﷺ تہامہ میں مبعوث ہوں گے، وہ آپ ﷺ ہی ہیں، میں لوگوں کو آپ ﷺ سے عجیب محبت کرتے دیکھتا ہوں، میں بھی آپ ﷺ کے دوست کو دوست رکھتا ہوں، اور آپ ﷺ کے دشمن کو دشمن خیال کرتا ہوں، میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں اور آپ ﷺ کا مددگار ہوں، جب آپ ﷺ کا معاملہ ظاہر ہوگا تو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دوں گا۔“

روایت میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت خزیمہ بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

اسی طرح نسطورا راہب نے میسرہ غلام کو بھی بلایا، اور اس سے بھی حضور ﷺ کی بعض نشانیاں پوچھیں، اور ایک ایک سوال کا ان سے جواب سنا۔

میسرہ نے راہب کو بہت سی باتیں بتائیں، جو اس سفر کے دوران اس نے مشاہدہ کی تھیں۔ مثلاً پرندوں کا آپ ﷺ کے سر مبارک پر سایہ فگن ہونا، اور آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے کھانے میں برکت ہونا۔

یہ سن کر نسطورا راہب نے کہا:

”میں بڑی مدت سے ان ﷺ کے انتظار میں یہاں پر وقت گزار رہا ہوں۔

اب اے میسرہ! تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جدا نہ ہونا، اور اس سفر میں ان کے ساتھ رہنا، اور شام مت جانا کیونکہ وہاں پر ان ﷺ کے دشمن بہت زیادہ ہیں۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ نبی آخر الزماں ﷺ ہیں کاش کہ میں ان ﷺ کے زمانہ بعثت کے وقت زندہ رہوں، اور ان ﷺ کی اطاعت کروں۔“

اسی سفر کے دوران ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک یہودی سے معاملہ کرنے لگے، اس معاملہ میں بحث شروع ہوگئی، یہودی کہنے لگا:

”میں تجھے لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں تاکہ تیری سچائی کا علم ہوجائے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا:

”میں ہرگز لات وعزیٰ کی قسم نہیں کھاؤں گا، کیونکہ میں ان سے زیادہ کسی اور کو دشمن نہیں سمجھتا، جب میں ان کے پاس سے گزرتا ہوں تو اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔“

یہودی نے کہا:

”تمہاری بات ٹھیک ہی ہے۔“

اس کے بعد اس یہودی نے میسرہ سے علیحدگی میں کہا:

”اے میسرہ! خدا کی قسم! تمہارا یہ ساتھی آخری نبی ﷺ ہے۔“

میسرہ اور حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کام میں مصلحت دیکھی کہ سامان تجارت کو بصریٰ میں فروخت کر دیں، اور شام کی طرف روانگی کو موقوف کر دیں۔

چنانچہ حضور ﷺ نے اپنا مالِ تجارت بصریٰ میں فروخت کیا، اور دوسروں سے دوگنا منافع حاصل ہوا، اہلِ قافلہ کو بھی ان کی برکت سے خاصا فائدہ ہوا، پھر مکہ مکرمہ کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔

میسرہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی تھا، روایات میں آتا ہے:

”جب دوپہر کا وقت ہوتا، اور گرمی شدت اختیار کر جاتی تو میسرہ دیکھا کرتا کہ دھوپ سے بچاؤ کے لیے دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے رہتے تھے، اور آپ ﷺ اونٹ پر بیٹھے چلے جاتے تھے۔“

جب آپ ﷺ کی سواری مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی تو دوپہر کا وقت تھا، اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی سہیلیوں کے ہمراہ اپنے گھر کے بالا خانہ میں بیٹھی تھیں، انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے سر مبارک پر دو فرشتے سایہ فگن ہیں۔

حضور ﷺ تجارت کے اس سفر میں بہت زیادہ منافع کما کر واپس ہوئے، اور جو مال وہاں سے خرید کر لائے، اس کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فروخت کیا تو اس سے دوگنا یا اس کے قریب ہوگیا، اس کامیاب سفر سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت خوش اور متاثر ہوئیں۔

❁❁❁

صاحب خلق عظیم

مکہ سے شام ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔ قافلے کو گئے تقریباً اڑھائی ماہ گزر چکے تھے۔ ایک دن جبکہ دن ڈھلے ابھی تھوڑی دیر گزری تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی حویلی کے بالاخانہ میں آئیں، اور شام کی طرف جانے والی رہگور کی طرف لاشعوری طور پر نظریں گاڑیں۔ انہیں دور سے ایک شتر سوار آتا دکھائی دیا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگیں۔ اونٹ کی رفتار بہت تیز تھی۔ سوار نہایت مضبوطی سے اس پر جما بیٹھا تھا۔ جوں جوں سوار قریب آتا جا رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شک یقین میں تبدیل ہوتا گیا۔

"اوہ۔ یہ تو محمد (ﷺ) ہیں ان کا چہرہ طویل سفر کے باوجود کس قدر پرسکون اور شگفتہ دکھائی دے رہا ہے۔ سفر کی تھکان تک کا شائبہ نہیں۔"

وہ بالاخانہ سے نیچے اتر آئیں۔ اتنے میں محمد ﷺ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے اونٹ کو شتر خانہ میں بٹھایا، اور ایک کنیز کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجوائی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دوران خود ہی ادھر آ پہنچیں۔

"آپ (ﷺ) آ گئے۔"

محمد ﷺ نے جواب دیا:

"ہاں، اللہ کا شکر ہے کہ قافلہ بھی بخیر و عافیت واپس آ رہا ہے۔ بس ابھی کچھ ہی دم میں پہنچنے والا ہے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

آپ (ﷺ) کچھ دیر ستالیں، پھر آپ ﷺ کو گھر جانے کی اجازت ہوگی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے کنیز کو شربت لانے کو کہا۔ کچھ ہی دیر میں کنیز شربت لے کر حاضر ہوگئی۔ حضور ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کٹورا تھام کر بسم اللہ کہہ کر شربت پینا شروع کیا۔ وہ تھوڑا تھوڑا وقفہ دے کر شربت پی رہے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے اس باوقار انداز سے بے حد متاثر ہوئیں شربت پی چکنے کے بعد محمد ﷺ نے کہا:

"اگر آپ کہیں تو خرید وفروخت کا حساب ابھی پیش کر دوں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"نہیں، اتنی جلدی کی کوئی بات نہیں، پہلے آپ (ﷺ) اپنے عزیزوں سے مل لیں، وہ آپ ﷺ کے لیے فراش راہ ہیں۔"

محمد ﷺ تشکر کے بعد اپنے گھر کی طرف چل دیتے ہیں۔

سہ پہر ہونے کو تھی کہ میسرہ قافلہ لے کر پہنچ گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لونڈی اور غلام اپنی مالکن کے حکم پر قافلہ کے استقبال کے لیے کھلے میدان میں جمع ہوگئے۔ اونٹوں کی ایک قطار قافلہ سے جدا ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حویلی کی طرف آرہی تھی۔ ان پر سامان لدا ہوا تھا سامنے والے اونٹ پر میسرہ سوار تھا۔ اونٹوں کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حویلی کے سامنے بٹھا دیا گیا، لونڈی اور غلام اونٹوں سے سامان اتار کر گوداموں میں تہ در تہ لگانے لگے۔

غروب آفتاب سے پہلے پہلے تمام سامان گوداموں میں منتقل کر دیا گیا، اور اونٹ شتر خانہ میں داخل کر دیئے گئے۔

شام گہری ہو چکی تھی۔ گھر پہنچ کر میسرہ کی تھکن بھی شگفتگی میں بدل چکی تھی۔ اب وہ چاق و چوبند دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ستانے اور کھانے سے فارغ ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور مودبانہ سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا:

"مالکن مبارک ہو، قافلہ بخیر و عافیت پہنچ چکا ہے۔"

یہ کہہ کر میسرہ چٹائی پر بیٹھ گیا۔

پھر میسرہ کہنے لگا:

"مالکن مجھے مدتوں سے آپ کی خدمت کا شرف حاصل ہے، اور اس عرصہ میں طرح طرح کے گماشتوں، ملازموں اور تجار گاہکوں اور انسانوں سے واسطہ پڑا ہے میں نے اس سفر میں عجیب وغریب مشاہدات کا لطف اٹھایا ہے گونا گوں تجربات اپنے دام میں سمیٹے ہیں۔ فیوض و برکات کے نظارے دیکھے ہیں۔ میں نے محمد (ﷺ) کی رفاقت میں جو کچھ دیکھا ہے، وہ بہت ہی عجیب تر ہے میں نے محمد (ﷺ) کو سفر میں بے حد پرسکون دیکھا ہے، تھکن کے آثار ان (ﷺ) کے چہرے پر کبھی ہویدا نہیں ہوئے۔ ہمیشہ ان (ﷺ) کے چہرے پر ایک شگفتگی دیکھی ہے۔ایک وقار دیکھا ہے، ایک جلال دیکھا ہے۔ وہ (ﷺ) حزن وملال سے مبرا ہیں، ان (ﷺ) کا دل اندوہ وفکر سے پاک ہے انہوں (ﷺ) نے گاہکوں کے جھگڑوں میں ہمیشہ حلم و بردباری کا ثبوت دیا ہے ان (ﷺ) کی خاموشی میں وقار اور گفتگو میں دلکشی ہے۔ ان (ﷺ) کی باتیں شیریں کی طرح ہیں، جو دل میں اتر جاتی ہیں، بات کرتے ہیں تو اک لطف کا احساس ہوتا ہے۔ میں نے سفر وحضر میں لوگوں کو مذاق کرتے دیکھا ہے، قہقہے لگاتے دیکھا ہے مگر محمد (ﷺ) کو ہمیشہ خاموش اور پرسکون دیکھا ہے انہوں (ﷺ) نے اپنے لبوں سے کبھی کوئی فضول بات نہیں نکالی۔ ہمیشہ بروقت و برمحل گفتگو کی ہے وہ فہم و فراست کے پیکر ہیں۔ لوگ ان (ﷺ) کو صادق اور امین کے نام سے پکارتے ہیں۔

میں نے ستاروں کو ان (ﷺ) کی دید کا مشتاق پایا ہے، چاند کو ان (ﷺ) کے لیے بے قرار دیکھا ہے، وہ (ﷺ) جس اونٹ پر سوار ہوتے ہیں، اس کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ جو سودا کرتے ہیں اس میں دوسروں سے زیادہ منافع ہوتا ہے ان (ﷺ) کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے اور جاگنے میں ایک وقار ہے۔ ایسی بات میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی، ان (ﷺ) کی تدبیر میں پہاڑوں کی رفعت اور ان کی سوچ میں صحراؤں کی وسعت اور کردار میں گل تر کی

نفاست ہے۔ آپ اپنی تجارت آئندہ کے لیے ان (ﷺ) کے حوالے کر دیں، کاروبار چمک اٹھے گا۔"

میسرہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچے اور کنیزیں دم سادھے میسرہ کی باتیں سن رہے تھے۔

اس سکوت کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے توڑا۔

"محمد (ﷺ) بہت خوبیوں کے مالک ہیں، اب تم ان (ﷺ) کے ساتھ یمن جانے کی تیاری کرو۔ نئے چاند کے پہلے عشرہ میں روانگی ہو گی۔"

میسرہ نے کہا:

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر، اگر اجازت ہو تو ایک نہایت دلچسپ واقعہ بیان کروں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے قرار ہو گئیں اور کہہ اٹھیں:

"ہاں...... ہاں...... فوراً بیان کرو۔"

میسرہ نے کہا:

"جب ہم بصریٰ پہنچے اور ایک درخت کے سایہ تلے ٹھہرے تو اس کلیسا کے راہب نسطورا نے مجھے بلا کر پوچھا:

"یہ کون ہیں؟"

میں نے کہا:

"بنو ہاشم کے گھرانے کے ایک شریف النفس انسان ہیں۔"

نسطورا نے کہا:

"اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں ٹھہرتا۔"

"پھر اس نے مجھ سے محمد (ﷺ) کی آنکھوں کی سرخی کے بارے میں پوچھا اور جب میں نے بتایا:

"ان (ﷺ) کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔"

تو وہ بولا:

"یقیناً یہ (ﷺ) نبی آخر الزمان (ﷺ) ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیرت سے میسرہ کی باتیں سن رہی تھیں۔

دوسرے دن محمد ﷺ تشریف لائے خرید وفروخت کا حساب دیا، اور اپنا معاوضہ لے کر رخصت ہونے لگے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"یا محمد (ﷺ)! اب آپ (ﷺ) یمن جانے کے لیے تیار رہیں۔ اگلے چاند کے پہلے عشرہ میں روانگی ہوگی۔"

نہالِ تمنا

وہ منظر جو آنکھوں سے دیکھا، وہ حالات جو میسرہ سے سنے، ایک بیوہ کی زندگی میں نہال تمنا نے سر اٹھایا۔ تمنا تڑپ بن گئی، اس دولت مند بیوہ کو عرب کے کئی نامور رئیسوں نے پیام دیا تھا۔ پے در پے حوادث نے زندگی بدمزہ کر دی تھی، باپ خویلد بن اسد نے بہترین تجارتی کاروبار اور بہت کچھ نقد وجنس چھوڑا تھا۔ انہوں نے بھی تجارت جاری رکھی۔ اجرت یا شراکت پر تاجروں کے ہمراہ اپنا مال تجارت بھی روانہ کرتیں۔ اوائل عمر میں مشہور عیسائی عالم اور چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل سے منسوب تھیں لیکن بیاہ نہ ہو سکا۔

ان کا پہلا نکاح پندرہ سال کی عمر میں عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا' ان سے ایک بیٹی پیدا ہوئیں' یہ بھی ایمان لائیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکیس سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں' تو دوسرا نکاح ہند بن بناش سے ہوا' جو ابوہالہ کے نام سے مشہور تھے ان سے تین بچے ہالہ ہند اور طاہرہ ہوئے جو حضور ﷺ پر ایمان لائے' یہ شوہر بھی انتقال کر گئے۔

ان پیہم حادثات نے دل برداشتہ کر دیا۔ دولت کے ساتھ ساتھ اللہ نے حسن، سلیقہ، عفت اور ذہانت بھی عطا کی تھی۔ اس بگڑے معاشرے میں بھی "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔

برسوں بعد اس ستودہ صفات، خوش خصال نے الصادق اور الامین ﷺ کو دیکھا تو دل کی مرجھائی ہوئی کلی پھر کھلنے لگی، آخر خود ہی اپنی ایک سہیلی نفیسہ بن منیہ کے ذریعے آپ ﷺ کی خدمت میں پاکیزہ تمناؤں کا پیام بھیجا۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ یہ وہ ہستی ہے، جس کے جذبات کا بے قابو ہونا تو درکنار ان ﷺ کے خیال کا دامن بھی آلودگیوں کو نہ چھوا تھا، جوانی شبنم کی طرح کثافتوں سے مبرا تھی۔

محمد ﷺ سامان تجارت لے کر شام اور یمن جاتے اور ہر بار پہلے سے چند در چند منافع

لے کر لوٹتے۔ان کے تجارتی قافلوں نے مکہ میں ہلچل ڈال دی تھیں میسرہ کے کام میں اضافہ ہوگیا تھا، زید گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگا تھا۔محمد ﷺ کا معاوضہ بڑھ جانے کی وجہ سے ابوطالب کے رزق میں کشادگی آ گئی تھی۔

محمد ﷺ مکہ کے محتاجوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کو نہیں بھولے تھے۔ وہ ان کی دل کھول کر امداد کرتے۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے، پہلے سے کہیں زیادہ ان کی دستگیری فرماتے۔محمد ﷺ کا ذاتی اثاثہ نقد وجنس کے بجائے صدق وصفا تھا۔

انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کاروبار سنبھالے دو برس گزر چکے تھے۔ان کی عمر پچیس برس تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چالیس برس کی تھیں۔

جب سے محمد ﷺ ان کے کاروبار میں شریک ہوئے تھے، وہ اکثر ان کے متعلق سوچتیں اور پھر خود ہی مسکرا دیتیں۔

محمد ﷺ کے آ جانے سے ان کے کاروبار کو فروغ حاصل ہوا تھا، کاروبار دن بدن بڑھنے لگا تھا۔ دولت کی پہلے سے کہیں زیادہ ریل پیل تھی۔ مصروفیات بڑھ چکی تھیں، چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ خوش ہوتیں، مگر عتیق اور ابو ہالہ کی تصویریں ہر وقت انہیں چشم تصور میں دکھائی دیتیں، وہ اور زیادہ مغموم ہو جاتیں، اس سے پیشتر تو یوں کبھی نہ ہوا تھا۔ وہ اس سے پیشتر انہیں کبھی یوں کثرت سے یاد نہ آئے تھے۔اب احساس تنہائی شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔زندگی میں ایک خلا پیدا ہو گیا تھا۔

ان کے لختِ جگر ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔دولت کی فراوانی تھی، مکہ سے باہر بھی لوگ انہیں طاہرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔عزت واحترام ان کے لیے موجود تھا۔

وہ اداس مغموم بیٹھی تھیں کہ ان کی سہیلی نفیسہ بنت منیہ آ گئیں، وہ انہیں یوں اداس دیکھ کر بولیں:

”خیر تو ہے آج آپ بہت اداس اور مغموم ہیں“۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مختصر سا جواب دیا:

”کوئی خاص بات نہیں“۔

”کوئی بات ہے تو جو آپ کے دل کے اندر چھپی بیٹھی ہے میں نے آپ کو یوں غور وفکر میں ڈوبے پہلے کبھی نہیں دیکھا، ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے“۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نفیسہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"کوئی خاص بات نہیں، یوں تو اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے، مگر پھر بھی زندگی میں ایک خلا سا محسوس کرتی ہوں، یوں جیسے بھری دنیا میں تنہا ہوں، کوئی پُرسان حال نہ ہو۔ اب مجھے مال ودولت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی"۔

نفیسہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"بہن! عورت فطرتاً کمزور ہے، وہ ہمیشہ کسی نہ کسی سہارے کی تلاش میں رہتی ہے، جو حصار کی طرف اسے اپنے دامن میں چھپالے، یہ درست ہے کہ دولت بڑی چیز ہے مگر دولت سے خوشیاں نہیں خریدی جاسکتیں۔ اللہ نے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ اگر ایک جزو کی بھی کمی ہو جائے تو زندگی ویران اور پھیکی ہو جاتی ہے، تنہائی کا احساس شدت اختیار کر جاتا ہے، پھر زندگی میں خلا کا محسوس کرنا کوئی عجیب بات نہیں ہے، اگر آپ محسوس نہ کریں تو ایک بات کہوں"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نفیسہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"ہاں...... ہاں...... کہو، اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے، تم تو میری عزیز ترین سہیلی ہو"۔

نفیسہ نے کہا:

"آپ شادی کر لیجیے، آپ کی ویران زندگی میں بہار آجائے گی"۔

اس سے پہلے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کوئی جواب دیتیں کہ اتنے میں میسرہ اندر داخل ہوا، اور دست بستہ عرض کیا:

"مالکن! یمن جانے والا قافلہ تیار کھڑا ہے۔ محمد (ﷺ) بھی آگئے ہیں، آپ اجازت دیں تو ہم روانہ ہو جائیں"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا:

"جاؤ، خدا تمہارا حامی وناصر ہو"۔

✿✿✿

ازدواجی زندگی

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی سہیلی نفیسہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔

نفیسہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا:

''میں نے آپ کو تنہائی دور کرنے کا مشورہ دیا تھا، کیا آپ نے اس کے متعلق کچھ سوچا؟''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''نفیسہ تم میری مخلص ہو، مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے ہمیشہ ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتی ہو، میں نے تمہارے مشورے پر خوب غور کیا۔ بے شک تمہارا مشورہ درست ہے۔''

یہ کہہ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہوگئیں، نفیسہ منتظر تھی کہ آپ کوئی بات کریں پھر وہ خود ہی بول اٹھی:

''آپ طاہرہ کے لقب سے مشہور ہیں، مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ کو پیام بھیج چکے ہیں، مگر آپ تو سب کے پیغام ٹھکرا چکی ہیں، آپ کو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے، آپ مجھے اپنے دل کی بات بتائیں۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''میری اور اس (ﷺ) کی عمروں میں بہت تضاد ہے، میں چالیس سال کی

ہونے کو آئی ہوں، اور وہ (ﷺ) اپنی عمر کی پچیس بہاریں دیکھ چکے ہیں، وہ (ﷺ) عمر میں بے شک مجھ سے چھوٹے ہیں مگر حسن و جمال میں کہیں بڑھ کر ہیں۔ وہ (ﷺ) اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں، ان کی شخصیت محبت و شفقت کا پیکر ہے۔ مکہ میں ان سے بڑھ کر کوئی بہتر انسان نہیں۔ بھلا وہ کیسے تین بچوں کی ماں کو قبول کریں گے۔"

نفیسہ یہ سن کر مسکرا اٹھی:

"آپ کا انتخاب واقعی لاجواب ہے۔ میں سب سمجھ گئی ہوں، آپ کا اشارہ ابوطالب کے بھتیجے محمد (ﷺ) کی طرف ہے۔ وہ ایک پاکباز نوجوان ہیں، انتہائی ہمدرد اور غم گسار انسان، دوسروں کی مدد کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ آپ اچھی ہی امید رکھیں۔"

نفیسہ نے محمد ﷺ سے بات کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

نفیسہ محمد ﷺ سے بات چیت کے لیے روانہ ہوگئی، حسن اتفاق تھا کہ یہ ملاقات حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کے باہر ہوگئی۔

نفیسہ نے سلسلہ جنبانی کرتے ہوئے کہا:

"اے محمد (ﷺ)! آپ (ﷺ) نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔"

محمد ﷺ نے جواب دیا:

"میرے پاس مال و دولت ہی کہاں ہے کہ اس کی فکر کروں۔"

نفیسہ نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

"سامان بھی ہو جائے گا، حسن و جمال اور مال و زر بھی ساتھ ہو، تو آپ ﷺ قبول فرمائیں گے۔"

محمد ﷺ نے جواب دیا:

"مجھے کسی کے مال و زر سے کوئی غرض نہیں۔"

پھر کچھ توقف کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا:

"وہ کون ہے؟"

نفیسہ نے کہا:

"خدیجہ بنت خویلد۔"

محمد ﷺ حیران رہ گئے، ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، اس لیے نفیسہ کی زبانی یہ سن کر انہیں سخت تعجب ہوا۔

محمد ﷺ نے کہا:

"وہ میرے ساتھ کیوں نکاح کریں گی۔"

نفیسہ نے کہا:

"اسے مجھ پر چھوڑ دیجئے، آپ (ﷺ) صرف ہاں کردیں۔"

محمد ﷺ نے کہا:

"مجھے اس سلسلے میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر میں آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔"

نفیسہ نے خوشی سے کہا:

"ہاں، ہاں آپ (ﷺ) ان سے مشورہ کرلیں، میں آپ (ﷺ) سے کل مل لوں گی۔"

قرانِ السعدین

آپ ﷺ نے اپنے ہم عمر چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگاہ کیا۔ انہوں نے اس پر مسرت کا اظہار کیا، اور اہلِ خاندان سے مشورہ کے بعد خود جا کر نسبت پکی کردی۔

ابوطالب نے کہا:

"بھتیجے! بے شک خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مالدار خاتون ہیں، اور لوگ انہیں طاہرہ کے لقب سے پکارتے ہیں، لیکن آپ ﷺ صادق اور امین ہیں، لوگ آپ ﷺ کی دیانتداری کے معترف ہیں آپ (ﷺ) بہت دور اندیش اور فہیم وفراس ہیں، خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی طرف سے شادی کا پیغام آپ (ﷺ) کی خوبیوں کا اعتراف ہے۔ خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے بڑے

بڑے سرداروں کے پیغام ٹھکرا دیئے۔ مگر ایک بات ہے۔"

یہ کہہ کر ابوطالب خاموش ہو گئے۔

محمد ﷺ نے اپنے پیارے چچا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"اے چچا! کیا بات ہے، آپ کچھ کہتے کہتے رک گئے ہیں؟"

ابوطالب نے کہا:

"خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ (ﷺ) سے پندرہ برس بڑی ہیں، اور پھر ان کے تین بچے بھی ہیں، اور ان کے پہلے دو شوہر فوت ہو چکے ہیں۔"

محمد ﷺ نے کہا:

"چچا محترم! اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں نے انہیں فہم و فراست، عفت و حیا بردبار اور سمجھ دار پایا ہے۔"

ابوطالب نے خوشی سے کہا:

"اگر آپ (ﷺ) راضی ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔"

شام کو ابوطالب نے ابولہب، حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ہاں بلوایا، اور انہیں اس رشتے کے بارے میں بتلایا۔ سب ہی نے اس پر مسرت کا اظہار کیا۔ پھر نفیسہ کو اس کی اطلاع دی گئی، اور دوسرے دن ابوطالب اپنے بھائیوں کو لے کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا عمرو بن اسد کے پاس جا پہنچے۔ انہیں محمد ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا جسے انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا۔

حضرت محمد ﷺ کی ایک پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے بیاہی گئی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب سے ان کے چچا عمرو بن اسد اور محمد ﷺ کے ساتھ ابوطالب، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رؤسائے مضر اور سرداران قریش شریک عقد تھے۔ مہر بہ اختلاف روایات ۲۰ اونٹ، ۴۰۰ دینار یا ۵۰۰ درہم باندھا گیا۔

ابوطالب نے خطبہ نکاح میں فرمایا:

"سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کھیتی سعد کی نسل اور معضر کے عنصر سے کیا اپنے گھر کا پاسباں اور حرم کا پیشوا بنایا، اور ہمارے لیے ایسا گھر بنایا کہ ہر طرف سے لوگ اس کی زیارت کی نیت لے آتے ہیں، ایسا حرم عنایت فرمایا کہ جو شخص وہاں آ جائے امان میں ہو جاتا ہے، اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا۔

امابعد یہ میرے بھائی کا بیٹا محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہے، ان کی ہمسری قریش کا کوئی دوسرا شخص نہیں کرسکتا، مگر یہ کہ وہ افضل رہے گا، البتہ مال و دولت اس کے پاس کم ہے، مگر مال و دولت ڈھلتی چھاؤں اور آنی جانی چیز ہے۔ محمد (ﷺ) وہ شخص ہے جس کی قرابت و یگانگت سے تم لوگ اچھی طرح واقف ہو، وہ خویلد کی بیٹی خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتے ہیں، اور اللہ کی قسم ان کی شان عظیم اور مرتبہ شاندار ہے۔"

اس کے جواب میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی اور کتب سماوی کے مشہور عالم ورقہ ابن نوفل نے خطبہ دیا:

"الحمد للہ! جس نے ہمیں ویسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے ذکر کیا، اور ہمیں وہ تمام فضیلتیں عطا فرمائیں جنہیں آپ نے بیان کیا لہٰذا ہم سب لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں، اور آپ (ﷺ) تمام فضائل کے اہل ہیں، کوئی گروہ آپ (ﷺ) کے فضائل کا انکار نہیں کرسکتا، اور کوئی شخص آپ (ﷺ) کے افتخار و مشرف کا انکار نہیں کرسکتا، بے شک ہم نے نہایت رغبت سے آپ (ﷺ) کے ساتھ شامل ہونے اور ملنے کو پسند کیا ہے۔

پس اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی زوجیت میں دیا۔ چار سو مثقال طلائی مہر یا دینار کے عوض۔

اس کی تصدیق حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا عمرو بن اسد نے کی۔ اس کے بعد طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امین قریش ﷺ کی شریک حیات بنیں۔

اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۴۰ سال بتائی جاتی ہے۔

انتخاب لاجواب

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا طاہرہ تھیں، اور محمد ﷺ صادق و امین ﷺ، دونوں کا انتخاب لاجواب، ان کی جلوت ہی نہیں خلوت بھی حیا اور عفت سے معمور تھی۔ ازدواجی زندگی میں دونوں کے تعلقات محبت کے سریلے راگ اور نسیم سحر کی سبک روی کی طرح خوشگوار تھے، اللہ تعالیٰ نے بظاہر بے مال وزر کو مال ومنال کا مالک بنایا دیا تھا، دولت دنیا، رشتہ و پیوند، راحت جان اور سکون قلب کیا تھا جو عطا نہ ہوا۔ ایک طرف خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں تو دوسری طرف محمد ﷺ تھے۔ جن کی شرافت رحمت ہی رحمت تھی، وہ وفا شعار و فرض شناس، یہ وفا شعار و ادا شناس گھر کا نمونہ جنت۔

شادی کے چند روز بعد بنی ہاشم کے محلہ میں گزار کر محمد ﷺ سوق عطارین کے پیچھے دار خزیمہ میں مستقل قیام کے لیے اٹھ آئے، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان تھا۔ بیوی نے محترم شوہر کی خدمت کے لیے ایک پندرہ سالہ نوجوان پیش کیا۔ جس کا نام زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سہ پہر کا وقت تھا، چند نفوس پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ اپنی منزل کی طرف محو سفر تھا، اس قافلہ میں قبیلہ کلب کے حارث بن شرجیل کی بیوی سعدیٰ بنت ثعلبہ اپنے آٹھ سالہ بچے زید کے ہمراہ سفر کر رہی تھی۔ سعدیٰ بنت ثعلبہ کا تعلق قبیلہ طے کی شاخ بنی معن سے تھا۔ جب یہ قافلہ ایک گھاٹی سے گزرا تو چند رہزن اس قافلہ پر حملہ آور ہوئے اور انہیں سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر ہی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اس افراتفری کے عالم میں سعدیٰ بنت ثعلبہ بے ہوش ہوگئی۔ جب انہیں ہوش آیا تو ان کی متاع عزیز لٹ چکی تھی۔ رہزن مال وسامان کے ساتھ ان کے لخت جگر زید کو بھی لے گئے تھے ماں کی دنیا اندھیر ہوگئی اور وہ شدت غم سے دوبارہ بے ہوش ہوگئی۔

ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے، جب ہوش آیا تو بیٹے کے غم میں رونے اور

چیخنے چلانے لگیں۔

"ہائے میرا بیٹا، ہائے میرا زید، ڈاکو میری آنکھوں کے نور کو بھی ساتھ لے گئے،
آہ میری دنیا اندھیر ہوگئی، میں کیا کروں، کہاں جاؤں، میں حارث کو کیا منہ
دکھاؤں گی۔"

اہل قافلہ والے کہتے:

"سعدیٰ صبر کرو، اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں، بے شک تم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا
ہے، زید کے ساتھ ڈاکو اور بھی کئی لوگوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

دکھیاری ماں کو چین کہاں تھا، قرار کہاں تھا، وہ روتی دھوتی چیختی چلاتی قافلہ کے ہمراہ اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔

یہ رہزن قیس بن جسر کے آدمی تھے جو ان غلاموں کو بازار عکاظ میں فروخت کے لیے لے گئے یہ ظالم لوگ بے گناہوں، کمزوروں اور مسافروں پر حملے کر کے ان کا مال واسباب لوٹ لیتے، عورتوں اور مردوں کو لونڈی اور غلام بنا کر منڈیوں میں فروخت کر دیتے۔ اس ظلم کے خلاف وقتاً فوقتاً آوازیں بھی بلند ہوتیں، مگر اس کے انسداد کے لیے کوئی مناسب طریقہ موجود نہ تھا۔

خریدار ان سے من مانے کام لیتے، مردوں کو غلام بنا کر بھاری مشقت لی جاتی، ان سے جیسا چاہتے سلوک کرتے۔ عورتوں کو قحبہ گری کے کام پر لگایا جاتا، ان کی کمائی سے خریدار مالا مال ہو جاتے بعض خوبصورت عورتوں کو گانے اور ناچنے کی تربیت دی جاتی تاکہ ان کی کمائی میں اضافہ ہو۔

بازار عکاظ میں لونڈی اور غلاموں کی خریداری ہو رہی تھی۔ خریداروں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی شامل تھے۔ انہوں نے زید ابن حارثہ کو خرید لیا، اور گھر لا کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کر دیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس معصوم بچے سے انتہائی شفقت فرماتیں، کیونکہ ان کے سینے میں بھی ماں کا دل دھڑکتا تھا، وہ زید کو دیکھ کر آہ بھرتیں اور کہتیں:

"آہ! یہ بھی کسی ماں کا دلارا ہے، کسی ماں کی آنکھوں کا نور ہے، کسی ماں کے
دل کا قرار ہے، بے چاری اس کے غم میں کس قدر گھل رہی ہوگی۔"

زید کو اس گھر میں ماں کا پیار مل گیا تھا۔

محمد ﷺ کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زید کو ہبہ کر دیا تھا، ان کی صاف ستھری عادتوں کو دیکھ کر محمد ﷺ جو رحمت عالم ﷺ تھے ان سے انتہائی شفقت کا اظہار فرماتے۔

محمد ﷺ کے رفقاء

دوست زندگی کی اہم ضرورت ہوتے ہیں، سچا اور مخلص دوست تو کسی سرمایہ سے کم نہیں ہوتا، اس کے بغیر زندگی بے کیف رہتی ہے۔ دوست دسترخوان پر محبت کے پھول برساتا ہے، تختہ دار پر ساتھ کھڑا ہوتا ہے، مصیبت میں اپنے دوست کے لیے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔

محمد ﷺ بھی دوستوں سے مستثنیٰ نہیں تھے، مگر ان کے دوستوں کی فہرست میں مکہ کے شریروں میں سے کس کا نام شامل نہ تھا، بلکہ ان کے دوست مکہ کے اشراف میں سے تھے، جو آپ ﷺ کی طرح اعلیٰ کردار و اخلاق کے مالک تھے۔

آپ ﷺ کے جگری دوستوں میں ابوقحافہ کے فرزند ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ ضماد بن ثعلبہ ازدی تھے، جو طبابت اور جراحت کا کام کرتے تھے۔ قیس بن سائب مخزومی تھے، جو تجارت کے کاروبار میں آپ ﷺ کے شریک رہے تھے۔

یہ سب مکہ کے اشراف تھے، ان سے محمد ﷺ کی بے تکلفی تھی۔

اکثر اوقات فرصت میں آپ ﷺ ان دوستوں کے ساتھ سیر کے لیے چلے جاتے، تیر اندازی اور شہسواری کے مقابلے دیکھتے، کشتیوں سے لطف اندوز ہوتے، تجارت میں لین دین کرتے، سیر و سیاحت کی باتیں ہوتیں، محتاجوں اور مساکین کے تذکرے ہوتے، لیکن یا وہ گوئی ہرزہ سرائی مخول اور ٹھٹھے سے ان سب کا دامن آلودہ نہ ہوا تھا۔

یہ دوستی بھی الفت اور مودت کا سرچشمہ تھا، جس کے تذکرے مکہ کی محفلوں میں اکثر و بیشتر ہوا کرتے۔

❁❁❁

عائلی زندگی

حضور ﷺ کا پہلا نکاح

حضور ﷺ کا پہلا نکاح مکہ مکرمہ کی انتہائی پاکباز اور طاہرہ خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد سے ہوا۔ جن کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آپ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم سے مل جاتا ہے۔

اس نکاح کی خواہش، آرزو یا پیام حضور ﷺ کی طرف سے نہیں، بلکہ خود سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے دیا گیا، جسے حضور ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے مشورہ اور اجازت سے قبول فرمالیا، نکاح کے وقت حضور ﷺ کی عمر پچیس سال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگرچہ بڑھاپے میں قدم رکھ چکی تھیں، نیز دو شوہروں، ابو ہالہ ہند بن نباش بن زرارہ اور عتیق بن عایذ مخزومی کی بیوگی کا صدمہ جھیل چکی تھیں، اس لیے روساء و شرفاء مکہ کی جانب سے پیغامات نکاح کے باوجود تیسری مرتبہ عقد نکاح پر رضا مند نہیں ہو رہی تھیں، مگر حضور ﷺ کو اپنا تجارتی سامان دے کر آپ ﷺ کی مادی و روحانی برکات امانت و دیانت، بلند ہمتی، حرص و لالچ سے مبرا، دنیا طلبی سے دور اور پاکیزہ سیرت و اخلاق کا بالواسطہ اور بلاواسطہ مشاہدہ و تجربہ کرلیا تو اس ذہین و فطین، دانا اور دور اندیش خاتون کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اب اس امین و دیانتدار شریک کار کو مستقل ''شریک حیات'' اور ''رفیق حیات'' بنایا جائے۔

ادھر اللہ رب العزت نے ازل سے ان کے لیے اپنے محبوب ﷺ کی زوجیت کی عظیم سعادت مقدر فرما رکھی تھی، چنانچہ جب انہوں نے اس کی تحریک کی تو اللہ رب العزت نے ان کی یہ آرزو پوری فرما دی، اور یوں جن دو پاکیزہ روحوں اور ذاتوں میں اب تک صرف کاروبار کی حد تک شراکت تھی، اب وہ قدرت کے ازلی فیصلہ:

الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات

"پاکیزہ عورتیں ہی پاکباز مردوں کے لیے اور پاکباز مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔"

یہ قدرت کا فیصلہ ہے، اور اس فیصلہ کے مطابق انتہائی سادگی اور اپنے بزرگوں کی موجودگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا و آخرت میں شراکت اور رفاقت کے مستقل بندھن میں بندھ گئے۔

یہ شادی کتنی بابرکت ثابت ہوئی، میاں بیوی کے درمیان عمروں کے اتنے تفاوت کے باوجود کتنے مثالی تعلقات تھے، ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ایک انتہائی حسین وجمیل حسب ونسب میں بلند ترین اور سیرت وکردار میں لاثانی اور اہل مکہ کی آنکھوں کا تارا نوجوان اگر عرب کے کسی بھی خاندان میں پیغام نکاح بھجواتا تو کیا لوگ اپنی دوشیزائیں اس کے عقد نکاح میں دینا اپنی سعادت تصور نہ کرتے۔

مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس ہاشمی نوجوان ﷺ نے پچیس سال کی عمر تک تو کسی غیر محرم کو بری نظر سے دیکھا اور نہ کبھی شادی کی خواہش ظاہر کی۔ جب ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ سے خود اس کی خواہش پر شادی ہوگئی تو اس کی زندگی تک دوسری شادی کا نام نہ لیا۔ حالانکہ عرب معاشرہ میں کئی کئی شادیاں کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ یہ شرفاء کا عام معمول تھا، ایسے معاشرے میں آپ ﷺ نے پچیس سال تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مثالی زندگی بسر کی۔ اس طویل عرصہ میں مالی آسودگی اور تمام ممکنہ سہولیات کے باوجود کوئی ایسی مثال اور واقعہ نہیں ملتا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت

ازدواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھم میں سے پہلی زوجہ محترمہ جنہیں حضور ﷺ کے عقد میں آنے کی سعادت حاصل ہوئی، وہ ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلوص و محبت، ذہانت و فطانت اور اپنے شوہر نامدار ﷺ کے لیے حد درجہ ایثار و فدویت کے سبب حضور ﷺ جس طرح غائبانہ ان کی تعظیم و تکریم فرماتے، جس طرح برملا ان کی تعریف کرتے اور محبت کا اظہار فرماتے تھے اس کی مثال نہیں ملتی، اور حقیقت یہ ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واقعی اس اعزاز و اکرام اور محبت و عظمت کی مستحق تھیں۔ انہوں نے نکاح کے بعد اپنا تن من دھن حضور ﷺ پر نثار کر دیا۔

زندگی کا تمام اثاثہ سارا اندوختہ تمام مال و دولت تمام سرمایہ کاروبار اور گھر بار حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو محبت دی، دولت دی اور انہی سے حضور ﷺ کو اللہ نے اولاد بھی دی سوائے صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساری اولاد نبوی ﷺ آپ کے بطن مبارک سے ہی تھی۔

ایک معاصر نے بڑے خوبصورت پیرائے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، لکھتے ہیں۔

> ''یہ کوئی مبالغہ نہیں، حقیقت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی مخلص، وفادار، وفاشعار، نیک طینت، متحمل مزاج، دانا بینا اور ہمدرد رفیق بیوی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، رہنمایان عظام میں سے کسی ایک نبی اور کسی ایک راہنما کو نصیب نہیں ہوئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر لحاظ سے یکتا اور منفرد خاتون تھیں، ان کے حالات کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ پیدا ہی اس لیے ہوئی تھیں کہ سیدنا کون و مکان ﷺ کی جوانی کی رفیق بنیں تاکہ امر نبوت کا مقدس بوجھ جب حضور ﷺ کے مبارک شانوں پر رکھا جائے تو وہ حضور ﷺ کی ہر طرح مدد کریں، اور ایک سچے اور وفادار رفیق کی طرح ان کی دل جوئی فرمائیں، اور ان کو کسی طرح محسوس نہ ہونے دیں کہ وہ اس دنیا میں تنہا ہیں، اور ساری دنیا ان کی مخالف ہے، گو ان دونوں کی عمروں میں خاصا تفاوت تھا، رسول اللہ ﷺ پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چالیس سال کی تھیں، مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غیر معمولی صلاحیتوں، ذہنی سربلندیوں اور محبت و خلوص نے ان کی عمر کا تفاوت دور کر ڈالا، اور زندگی کا یہ

دور جو نکاح کے بعد شروع ہوا، رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا اہم دور ہے۔ اسی دور میں حضور ﷺ نے تمام ذہنی رفعتیں حاصل کیں۔"

اس مقدس رشتہ ازدواج پر علامہ محمد علی صابونی نے بڑا خوبصورت تبصرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی اصابت رائے اور ذہانت و فطانت کی وجہ سے منتخب کیا تھا۔ حضور ﷺ کی ان سے شادی ایک حکیمانہ شادی تھی، اور اس میں توفیق خداوندی شامل تھی۔ یہ عقل کی شادی تھی۔ عمر کا فرق اس رشتے کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ اس لیے نہ بن سکا کہ اس شادی کا مقصد تقضائے شہوت نہیں تھا، بلکہ یہ شادی عظیم انسانی مقاصد کی خاطر عمل میں آئی تھی، حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسالت کا بارگراں اٹھانے اور تبلیغ کی کٹھن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تیار کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لیے اس پاکباز، عفت مآب، فطین اور عقل مند خاتون کے ساتھ زندگی گزارنا آسان بنا دیا تاکہ وہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں آپ ﷺ کی مدد کرسکیں۔ یہی وہ خوش قسمت خاتون ہیں جن کو عورتوں میں سب سے پہلے قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔"

یہ حقیقت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفا شعاری، ایثار، غم خواری، خلوص ومحبت اور بلند شخصیت کے اثرات آپ ﷺ کے دل ودماغ پر اس طرح مرتسم ہوئے کہ زمانہ انہیں مٹا نہ سکا۔ کہنے کو تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پچیس برس آپ ﷺ کی دنیا میں رہیں، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے دل کی دنیا میں ہمیشہ رہیں۔ ان کی خدمت اسلام اور محبت رسول اللہ ﷺ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، خدا کی اس پاک بندی نے جس خلوص کے ساتھ ایک پاکیزہ جیون ساتھی کی آرزو کی تھی، اپنے آخر دم تک اسے اس خلوص وخوبی کے ساتھ نبھایا کہ دیکھنے والوں کے دل بے ساختہ درود وسلام کا ورد کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کی وفات کے بعد بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے ان کا تذکرہ اس انداز میں فرماتے تھے کہ انہیں رشک آتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہہ دیا:

"اللہ نے جب ان سے بہتر بیویاں آپ ﷺ کو عنایت فرما دی ہیں تو آپ ﷺ ان کا اتنا ذکر کیوں کرتے ہیں؟"

حضور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ اندازِ تکلم پسند نہ آیا اور ناراض ہو کر فرمایا:

"اللہ کی قسم! ان کا نعم البدل مجھے نہیں مل سکا۔ جب ساری دنیا میری تکذیب کر رہی تھی تو اس نے میری تصدیق کی۔ جب سارے لوگ مجھے مال سے محروم کر دینے پر تلے ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے ذاتی مال سے میری غم خواری کی۔ اللہ نے مجھے اولاد انہیں سے عطا فرمائی۔ جبکہ دوسری تمام بیویوں کو اللہ نے اس شرف سے محروم رکھا۔"

ایک اور روایت میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"ازواج النبی ﷺ میں جتنی غیرت مجھے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر آتی تھی کسی دوسری پر نہیں آتی تھی۔ نبی کریم ﷺ اکثر ان کا ذکر فرماتے، جب کبھی کوئی بکری ذبح فرماتے، اس کا گوشت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو بھجواتے، بعض اوقات میں سوتاپے کی غیرت سے جب یہ کہتی کہ گویا دنیا میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا کوئی عورت ہی نہ تھی! تو آپ ﷺ فرماتے! "ہاں" اور پھر ان کی خوبیاں گننا شروع کر دیتے اور فرماتے: "اللہ نے مجھے ان سے اولاد بھی دی۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور ﷺ کی جملہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کی غلام اور جاں نثار تھیں۔ انہوں نے دنیوی مال و دولت اور عیش پسندی کو چھوڑ کر آپ ﷺ کی کریم اور فقیر ذات کو اختیار کیے رکھا، مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو پچیس سال کی عمر میں جو آسودگی اور ذہنی سکون اور ازدواجی خلوص عطا کیا تھا وہ اپنی مثال آپ تھا، حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس ارشادِ خداوندی کا عملی نمونہ تھیں۔

"اور ہم نے تمہارے واسطے پیدا کر دیں، بیویاں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو

اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کو مالی تفکرات اور بچوں سے مستغنی کر دیا۔ یہ اللہ رب العزت کا حضور ﷺ کی ذات پر بہت بڑا انعام تھا۔ جسے اس نے کوئی پندرہ بیس سال بعد یاد بھی دلایا:

وَوَجَدَکَ عَآئِلاً فَاَغْنٰی

"اور اس نے آپ ﷺ کو نادار پایا تو غنی کر دیا" (سورہ الضحیٰ: ۸)

خدیجہؓ کا اخلاص و محبت

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پچیس سال تک اپنے شوہر نامدار ﷺ کو جو آسودگی جو ذہنی سکون اور جو ازدواجی خلوص پیش کیا تھا، اور جس طرح خوشی اور غمی میں آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا، ازدواج کی دنیا میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس خلوص و محبت کو زندگی بھر نہ بھلا سکے تھے۔ اعلان نبوت سے چند سال قبل بار رسالت اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے اور کائنات میں غور وفکر کی خاطر جب اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کے قلب مبارک میں خلوت نشینی کی محبت ڈال دی، اور اس مقصد کے لیے کئی کئی دن اور بعض اوقات مہینہ مہینہ تک آپ ﷺ غار حرا میں تشریف لے جاتے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس راہ میں رکاوٹ نہ بنیں، بلکہ آپ ﷺ کے لیے بڑے خلوص اور محبت سے توشہ اور کھانے پینے کا سامان تیار کر کے بھجواتیں۔

حضور ﷺ کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایثار و قربانی آپ کے مشن میں آپ ﷺ کی بھرپور معاونت اور دل وجان سے ان کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام اور ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

"سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں، آپ ﷺ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے اس کی تصدیق کی۔ نبوت میں آپ ﷺ کی تقویت کا ذریعہ بنیں۔ تمام مومنوں میں سب سے پہلے ایمان لے آئیں۔ اللہ کریم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایمان و تصدیق اور ان کے محبت بھرے رویہ سے اپنے پیغمبر ﷺ کا بہت سا بوجھ ہلکا کر دیا۔ حضور ﷺ نے

مشرکین اور منکرین رسالت ﷺ کی طرف سے تکذیب یا اپنے حق میں جب بھی کوئی ناپسندیدہ بات سنی اور آپ ﷺ رنجیدہ خاطر ہوکر گھر تشریف لائے تو اللہ نے سیدہ کے ذریعے اِس حزن وملال اور غم کو کافور فرما دیا۔ وہ آپ ﷺ کی تائید وتثبیت فرماتیں۔ غموں میں تخفیف کا ذریعہ بنتیں۔ تمام باتوں میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتیں، اور لوگوں کے معاملہ کو آپ ﷺ پر ہلکا فرماتیں۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔"

اولاد کے ساتھ محبت وشفقت

سیرت نگاروں اور مورخین اور علمائے انساب کی صراحت کے مطابق حضور ﷺ بذات خود ماشاء اللہ تین صاحبزادوں سیدنا قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چار صاحبزادیوں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی باپ تھے۔

جن میں صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام کے سوا ساری اولاد، بیٹے اور بیٹیاں اول الاسلام، محسنہ اسلام ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے تھے، پھر اس اولاد میں آپ ﷺ کے تینوں صاحبزادے بہ تقاضائے الٰہی بچپن ہی میں راہی جنت ہوئے۔ مگر آپ ﷺ کی چاروں صاحبزادیاں جوان ہوئیں، اسلام لائیں، ان کی شادیاں ہوئیں۔

حضور ﷺ نے ایک مہربان وشفیق باپ ہونے کی حیثیت سے امت کے لیے اولاد کے معاملہ میں مثالی نمونہ چھوڑا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی چھوٹی اولاد اور بچوں کے ساتھ بھرپور اور بے مثال پیار فرما کر اس راہبانہ اور جاہلانہ تصور کی عملی طور پر نفی فرمائی کہ اولاد یا اولاد کے ساتھ پیار قرب الٰہی میں مانع یا بڑے لوگوں کے لیے خلاف تہذیب اور خلاف ادب ہے۔

چنانچہ صحیحین اور متعدد کتب احادیث وسِیَر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ آنکھوں دیکھا واقعہ منقول ہے:

"ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کا بوسہ لیا، تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس ایک بدوی اقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا، یہ دیکھ کر اقرع نے کہا:

"میرے دس بیٹے ہیں، میں نے کبھی اس طرح کسی کا بوسہ نہیں لیا۔"

حضور ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا:

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

ایک روایت میں ہے:

"آپ ﷺ نے بچوں کے بوسہ پر اس تعجب انگیز سوال پر فرمایا:

"اگر اللہ کریم نے تیرے دل سے رحمت کا جذبہ چھین لیا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

حضور ﷺ کے گھریلو خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی انتہائی محبت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا، جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے بچوں پر رحمت و شفقت کرنے والا ہو۔"

امام بخاری اور امام سیوطی نے لکھا ہے:

"آپ ﷺ اپنے اہل وعیال پر سب سے زیادہ شفقت فرمانے والے تھے۔"

دور جاہلیت میں عرب کے بعض لوگوں کی درندگی، جہالت، بے رحمی اور سنگ دلی کا یہ عالم تھا کہ اپنی سگی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، قرآن مجید نے سورہ التکویر میں دور جاہلیت کے اس انسانیت سوز عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ

"اور جب زندہ درگور کر دی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے قتل کی گئی۔" (سورہ التکویر: ۸، ۹)

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور ﷺ کی شادی کے دوسرے سال جبکہ آپ ﷺ کی عمر ستائیسویں منزل میں تھی، حضرت قاسم تولد ہوئے۔ ان کی نسبت سے ہی آپ ﷺ ابوالقاسم کنیت فرماتے تھے۔ جو کہ آپ ﷺ کو [illegible] محبوب تھی پاؤں پاؤں چلنے لگے کہ انتقال فرما گئے۔ حضور ﷺ کی اولاد میں قاسم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے پیدا ہوئے، اور سب سے پہلے فوت ہو جانے والے ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور ﷺ کی عمر مبارک تیس سال تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں، یہ بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ ہی ایمان لائیں۔

ان کی شادی خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہوئی جو مکہ کے متمول تاجروں میں سے تھے۔ ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سگی بہن تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماں کی طرح سگھڑ، نیک خو اور شوہر کی خدمت گزار بیوی تھیں، ابو العاص ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں اب بچوں کی وجہ سے بے حد رونق تھی۔ اس گھر میں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ہند بن ابی ہالہ تھے، رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، یہیں سب کی پرورش ہو رہی تھی، لیکن عرب کے دستور کے مطابق کمسنی ہی میں لڑکیوں کی منگنی کر دی گئی تھی۔

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منگنی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہالہ کے بیٹے ابو العاص سے ہوئی تھی، رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے کر دیا گیا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی آٹھ نو سال کی تھیں، لیکن ان کی ہونے والی ساس ہالہ بنت خویلد نے اپنی بہن خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کی شادی کے لیے بار بار تقاضا شروع کر دیا۔ عربوں میں یوں بھی کمسنی میں شادی کا رواج ہے۔ لڑکیاں چھوٹی عمر میں ہی بالغ ہو جاتی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کچھ عرصہ سے ٹالتی چلی آ رہی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہالہ سے کہا:

"میری بیٹی ابھی چھوٹی ہے، وہ ننھی سی گڑیا ہے، جب ذرا بڑی ہو جائے گی تو شادی کر دیں گے۔"

یہ سن کر ہالہ نے کہا:

"آپا! ہمیں گڑیا ہی تو چاہیے، میں اسے اپنی گھر کی رونق بناؤں گی۔"

یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

"مجھے انکار تو نہیں، میں ابوالقاسم ﷺ سے بات کرلوں، پھر کوئی حتمی فیصلہ کروں گی۔"

ہالہ نے کہا:

"ہاں...... ہاں، تم ان ﷺ سے بات کرلو، اگر آپ کہیں تو میں خود ان سے درخواست کروں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں آج کے لیے ٹال دیا۔ پھر جب محمد ﷺ گھر آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے بات کی۔ محمد ﷺ نے رضا مندی کا اظہار فرما دیا۔

دوسرے دن ہالہ سے شادی کا دن طے کر کے تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد امین قریش محمد ﷺ تھے، اور والدہ رئیسہ قریش حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ اس لیے دعوتوں کا انتظام کیا جا رہا تھا۔

پھر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوالعاص سے بیاہ دی گئیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔ جب حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ بعثت کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ اپنی والدہ کے ساتھ ہی داخل اسلام ہوئیں۔

ان کا نکاح حضور ﷺ کے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا، لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی، اور دوسری بیٹی ام کلثوم کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔

جس دن حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رخصتی ہوئی تھی۔ اسی دن ابولہب کی بیوی ام جمیل نے ابولہب سے کہا:

"اسی مجلس میں رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور ام کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی کی تاریخ مقرر کرلو، پھر ایسا اچھا موقع نہیں ملے گا۔"

ابولہب اپنے بھتیجے محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"بھتیجے! اچھا ہوا تم نے زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی کا فرض ادا کر دیا۔

اب ہمیں بتاؤ عتبہ اور عتیبہ کو کس دن لے کر آئیں۔"

محمد ﷺ نے کہا:

"چچا مجھے کچھ وقت دیجئے، ابھی تو بچیاں بہت ہی کمسن ہیں۔"

ابولہب نے کہا:

"بچیاں تو سسرال میں ہی جا کر جوان ہوتی ہیں۔ پھر میرا گھر تو ان کا اپنا گھر ہے۔"

محمد ﷺ نے کہا:

"ہم مشورہ کر کے آپ کو جواب دیں گے۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو یہی ابولہب آپ ﷺ کے دشمنوں کی صفوں میں سرفہرست تھا۔ آخر اس نے دباؤ ڈال کر اپنے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دے۔

اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ کا نام بعض نے آمنہ لکھا ہے۔ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کنیت تھی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح آپ بھی ابولہب کے چھوٹے بیٹے عتیبہ کے نکاح میں تھیں، اعلان نبوت اور سورہ لہب کے نزول کے بعد ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے بیٹوں پر دباؤ ڈال کر رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوا دی۔

عتیبہ نے طلاق دیتے ہوئے حضور ﷺ سے گستاخی بھی کی۔ حملہ آور ہوا، اور رخ انور پر تھوکنے کی ناپاک جسارت بھی کی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما دے۔"

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابولہب اپنے اس بیٹے کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر گیا۔ راستے میں ایک رات ایسی جگہ پڑاؤ کرنا پڑا۔ جہاں درندے تھے۔ ابولہب کو معاً حضور ﷺ کی

بات یاد آئی، چنانچہ سب لوگوں کے سامان کا ڈھیر کیا اور اس پر عتیبہ کو سلا دیا، اطراف حلقہ بنا کر وہ لوگ اس کی حفاظت کرنے لگے۔ نیند غالب آ گئی تو ایک شیر آیا، اس نے کسی کو کوئی گزند نہ پہنچائی، البتہ عتیبہ پر حملہ کر کے اسے چیر پھاڑ دیا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہی ایمان لائیں۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب زہرا تھا۔ جس سال قریش نے تعمیر کعبہ کی۔ حضور ﷺ کی عمر اس وقت ۳۵ برس تھی۔ آپ اس سال پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے طبیعت میں متانت سادگی اور سنجیدگی تھی۔ اکثر اپنی والدہ ہی کے پاس بیٹھی رہتیں۔ صورت اور سیرت میں اپنے جلیل القدر باپ کے مشابہ تھیں۔

عقبہ ابن معیط نے جب حالت سجدہ میں حضور ﷺ پر اونٹ کی تازہ اوجھ رکھی دی تو آپ ہی نے اسے گرایا تھا۔

جنگ بدر کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے مجبور کرنے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی، آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرضی دریافت کی۔ وہ خاموش رہیں۔ جو حیادار لڑکیوں کا طریق ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

"تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ ہے؟"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ایک گھوڑے اور زرہ کے سوا کچھ نہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"گھوڑا تو مجاہد کے لیے ضروری ہے، البتہ زرہ فروخت کر دو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ ۴۸۰ درہم میں خریدی بعد میں یہی زرہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحفہ میں پیش کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ رقم حضور ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بازار سے خوشبو خرید کر لانے کا حکم دیا۔ عقد کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ساڑھے پندرہ سال تھی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکیس برس کے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا:

''اے فاطمہ! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی ہے۔''

دیگر اولاد جو بعثت کے بعد تولد ہوئیں

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعثت کے بعد پیدا ہوئے، بعض کا خیال یہ ہے کہ طیب و طاہر ان ہی کے القاب تھے۔ اس نام کے حضور ﷺ کے کوئی صاحبزادے نہیں تھے۔ بچپن ہی میں انتقال ہوگیا، مشہور دشمن رسولِ خدا عاص بن وائل سہمی نے جب یہ خبر سنی تو حرم کعبہ میں بنی قریش کی محفلوں میں جا کر خوشی سے اعلان کیا تھا۔

''محمد ﷺ ابتر (یعنی بریدہ نسل ہوگئے)

اس پر تسلی دیتے ہوئے اللہ رب العزت نے سورہ کوثر نازل فرمائی، اور آپ ﷺ کو خیر کثیر کے عطا کیے جانے کی بشارت دی۔

ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ۸ ھ میں مدینہ کی قریبی بستی میں پیدا ہوئے، یہ حضور ﷺ کی سب سے آخری اولاد تھی۔ آپ ﷺ نے عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کیے اور بچہ کا سر منڈوایا، بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ فرمائی اور بال زمین میں دفن کر دیئے گئے بچے کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''ابراہیم کی ماں کو ان کے لڑکے نے آزاد کرا دیا۔''

حضرت ماریہؓ ملکِ یمین تھیں۔ حضرت ام بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے کو دودھ پلایا۔ پھر ابوسیف نامی لوہار کی بیوی ام سیف کے سپرد ہوئے۔ اس خدمت کے عوض ان کو ایک نخلستان عطا فرمایا۔ پیدائش کے اٹھارہ ماہ بعد ایام شیر خوارگی ہی میں انتقال ہوا۔

یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے حضور ﷺ کی گود ہی میں تھے کہ دم اکھڑ گیا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ بھی روتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ تو رحمت ہے۔''

آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی اور قبرستان بقیع میں دفن فرمایا۔ ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور قبر پر نشانی رکھی۔ جس دن وفات ہوئی اس دن سورج گرہن لگا، لوگوں نے کہا:

''یہ ابراہیم کی موت کا باعث ہے۔''

آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا:

''آفتاب کسی کی موت و حیات کے باعث نہیں گہناتا۔''

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ

محمد ﷺ کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہبہ کر دیا تھا، اور حضور ﷺ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے حد محبت و شفقت فرماتے۔

حج کا زمانہ تھا، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر سولہ برس ہو چکی تھی۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ یکا یک ان کی نظریں اٹھیں انہوں نے چند آدمیوں کو دیکھا، جو ان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہ صورتیں جانی پہچانی لگ رہی تھیں۔ ذہن پر ہلکے سے دھندلے سے خاکے تھے۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں غور سے دیکھ رہے تھے۔

وہ جانے پہچانے لوگ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بڑھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی چند قدم آگے بڑھے، جب آمنا سامنا ہوا تو ان میں ایک آدمی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لپٹ گیا۔

دوسرے آدمی نے بے ساختہ کہا:

''اوہ یہ تو حارث کا بیٹا زید ہے، جنہیں رہزنوں نے غلام بنا لیا تھا۔''

یہ قبیلہ بنی کلب کے لوگ اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقربا میں سے تھے، انہوں نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تمام داستان سنی تو متحیر رہ گئے۔

ان میں سے ایک آدمی نے کہا:

"زید تمہاری جدائی میں تمہارے والدین کا برا حال ہے، تمہارا باپ تمہاری جدائی میں اشعار پڑھتا رہتا ہے:

(۱) میں زید پر رویا، اور مجھے معلوم نہیں کہ اسے کیا ہوا۔

کیا وہ زندہ ہے جس کی امید کی جائے، یا اسے موت آ گئی۔

(۲) واللہ مجھے معلوم نہیں، اگرچہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔

کیا تجھے زمین کھا گئی یا پہاڑ نگل گیا ہے۔

(۳) اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو کسی وقت مجھے واپس بھی ملے گا۔

اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا تو دنیا بھر کے بدلے تیری واپسی کو کافی سمجھتا۔

(۴) آفتاب اپنے طلوع کے وقت مجھے زید کی یاد دلاتا ہے۔

اور اس کی یاد آ جاتی ہے جب شب کی تاریکی پھیلتی ہے۔

(۵) ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔

آہ۔ میرا غم واندوہ کس قدر طویل ہے۔

(۶) میں اس کی تلاش میں اونٹ پر سوار ہو کر روئے زمین کا چپہ چپہ چھان ماروں گا۔

اور میری تلاش کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اونٹ نہ تھک جائے

(۷) میری زندگی باقی رہے یا موت آ جائے۔

ہر شخص فانی ہے اگرچہ امید اسے دھوکہ دیتی ہے۔"

یہ اشعار سن کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رقت طاری ہو گئی، پھر جب جذبات کا تلاطم کچھ مدھم پڑا تو کہنے لگے:

(۱) "میری قوم کو خبر پہنچا دو اگرچہ میں دور ہوں۔

کہ میں بیت اللہ میں مشعر الحرام کے پاس مقیم ہوں۔

(۲) اس غم سے باز رہو جس نے تمہیں نڈھال کر دیا ہے۔

اور میری تلاش میں روئے زمین کو اونٹوں سے نہ روندو۔

(۳) کیونکہ بحمد اللہ میں شریف خاندان میں ہوں۔
ایسا شریف خاندان جو نسلاً بعد نسل بزرگ رہتا چلا آیا ہے۔"

اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ نبوت کی طرف لوٹ آئے، اور قبیلہ بنوکلب کے یہ لوگ اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

جب زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر منزلیں مارتے ہوئے مکہ مکرمہ آئے، اور انہوں نے محمد ﷺ کے متعلق دریافت کیا، انہیں بتایا گیا کہ محمد ﷺ بیت اللہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ وہ فوراً بیت اللہ شریف پہنچے، اور یہ نورانی چہرہ دیکھ کر ان پر امید وانبساط کی لہر دوڑ گئی۔

حارث بن شرجیل نے عرض کیا:

"اے فرزند عبداللہ و مطلب! اور چراغ کاشانہ ہاشم آپ (ﷺ) قوم کے نور نظر اور فخر قریش کے لخت جگر ہیں۔ آپ ﷺ اہل حرم ہیں۔ رب کعبہ کے ہمسایہ اور بیت اللہ کے پاسبان۔ آپ ﷺ غم زدوں کا غم دور کرنے والے اور اسیروں کو کھانا کھلانے والے ہیں۔

ہمارا بیٹا زید آپ (ﷺ) کے پاس ہے۔ ہم آپ (ﷺ) سے اپنے بیٹے کی آزادی کے لیے التجا کرتے ہیں۔ زید کے بغیر ہمارا رو رو کر برا حال ہو گیا ہے۔ اس کی ماں بہت غم زدہ ہے۔ آپ (ﷺ) ہم پر نیکی کیجئے، اور اس کے زر فدیہ میں آپ (ﷺ) جو چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ (ﷺ) ہمارا بیٹا ہمیں لوٹا دیں۔"

محمد ﷺ نے انتہائی متانت اور ملائمت سے کہا:

"کیا تم اس کی آزادی کے علاوہ کسی اور صورت پر بھی راضی ہو؟"

حارث نے حیرت سے پوچھا:

"اے سردار قریش! وہ صورت کیا ہو سکتی ہے؟"

محمد ﷺ نے فرمایا:

"میں زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بلاتا ہوں، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کا کوئی فدیہ نہ لوں گا، اگر اس نے انکار کر دیا تو آپ اصرار نہیں کریں گے۔"

حارث بن شرجیل نے کہا:

"یہ تو آپ (ﷺ) نے بڑے انصاف کی بات کی ہے۔ ہمیں منظور ہے اگر زید آپ (ﷺ) کے پاس رہنا چاہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا، اور اگر وہ ہمارے ساتھ جانا چاہے تو آپ (ﷺ) اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔"

حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت اللہ شریف میں بلوایا اور کہا:

"زید! ان دونوں کو جانتے ہو؟"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"جی ہاں! یہ میرے والد اور چچا ہیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم ان کو بھی جانتے ہو، اور مجھے بھی جانتے ہو، تمہیں مکمل آزادی ہے۔ تم اگر چاہو تو ان کے ساتھ جا سکتے ہو، اور اگر میرے پاس رہنا چاہو تو میرے ساتھ رہو۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"آقا ﷺ! میں آپ ﷺ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"

یہ انوکھی بات سن کر حارث بن شرجیل اور کعب بن شرجیل دونوں دنگ رہ گئے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زید ایسی بات کہے گا، وہ تو یہ سوچ بیٹھے تھے کہ زید خوشی خوشی ان کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ مگر یہاں تو معاملہ اس کے برعکس نکلا، زید آزادی پر غلامی کو ترجیح دے رہا تھا۔ وہ سات سال تک بیٹے کی جدائی میں تڑپتے رہے تھے، اب لختِ جگر نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ حیرت سے زید کی طرف دیکھنے لگے۔

زید کے اس دوٹوک فیصلے کو سن کر حارث اور کعب کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی، اور حارث تاسف اور طیش کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر کہنے لگا:

"زید! یہ تم کیا کہہ رہے ہو، کیا تمہیں آزادی پسند نہیں، کیا تم اپنے والدین کے

ساتھ نہیں رہنا چاہتے، ہم برسوں تمہاری جدائی میں روئے ہیں، تڑپے ہیں۔
تمہاری جدائی کے غم سے ہمارا سینہ پھٹا جاتا تھا، ہماری آنکھیں ہر وقت اشکبار رہتی تھیں۔ اب تم ملے ہو تو ہمارے ساتھ جانے سے انکار کر رہے ہو، تم اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنے کو ترجیح دے رہے ہو۔"

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"یہ غیر نہیں ہیں یہ میرے اپنے ہیں۔ میں نے آقا ﷺ میں جو اوصاف دیکھے ہیں، اب میں دنیا میں کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ میں انہی (ﷺ) کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، اور انہی (ﷺ) کے ساتھ رہوں گا۔"

حارث بن شرجیل کی نگاہوں سے پردہ ہٹ گیا، اس نے غلام اور آقا دونوں کا بغور جائزہ لیا۔ یہ دیکھ کر کہ اس بات میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے، اور زید ایک اچھے انسان کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے رہا ہے۔ تو وہ مطمئن ہو گیا۔

حارث بن شرجیل نے کہا:

"بیٹے مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم ایک اچھے انسان کے پاس رہ رہے ہو۔
تمہاری خوشی میں ہی میری خوشی ہے۔"

محمد ﷺ زید کی وفاداری پر بے حد مسرور ہوئے، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر حجر اسود کے پاس کھڑے ہو گئے، پھر حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! گواہ رہنا زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آج سے آزاد ہے، یہ میرا بیٹا ہے
اور میں اس کا باپ یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا۔"

حاضرین اس انوکھے اعلان کو سن کر بھونچکا رہ گئے۔ یہ سرزمین عرب پر اپنی نوعیت کا عجب ترین واقعہ تھا رہزن قافلوں کو لوٹ کر غلام بنا لیتے۔ انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح منڈیوں میں فروخت کیا جاتا، آقا اپنے مظلوم غلاموں پر بے انتہا ظلم و تشدد کرتے، ان کی ہمت سے زیادہ ان سے مشقت لیتے، انہیں انسانوں کی طرح رہنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔

لیکن ایک آقا اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے۔ نہ صرف آزاد کر رہا ہے۔ بلکہ اسے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اسے اپنا وارث قرار دیا ہے۔ اور خود کو اس کا وارث۔

بیٹا باپ کا دامن چھوڑ کر اپنے آقا کا دامن تھام رہا ہے اور آقا اعلان کرتا ہے:

"یہ غلام نہیں میرا بیٹا ہے۔"

حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور چچا خوشی خوشی اپنے وطن لوٹ گئے۔

زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دن سے زید بن محمد ﷺ کہلانے لگے۔ تا ایں کہ اللہ نے منع فرمایا۔

یہ وہ واحد اور منفرد صحابی ہیں جن کا نام اللہ کی آخری کتاب میں آیا ہے۔

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت

محمد ﷺ کی عمر مبارک سینتیسویں منزل میں تھی۔

مکہ ایک بار پھر شدید قحط سالی کی لپیٹ میں آ گیا۔ خشک سالی نے زبوں حالی پیدا کر دی۔ لوگ اناج کے لیے ترسنے لگے۔ چارہ سوکھ چکا تھا، جانور چارے کے لیے پریشان تھے۔ دودھ، اناج اور گھاس کی قلت ہو چکی تھی، لوگ فاقوں سے مر رہے تھے۔ بڑے بڑے سرمایہ دار پریشان ہو گئے، کاروبار تباہ ہو چکے تھے، لیکن سود خوروں کی چاندی تھی۔

مفلوک الحال اور غریب بھاری شرح پر سود لینے پر مجبور تھے۔ قیمتیں آسمان کو چھو رہی تھیں، اور ذخیرہ اندوز بھاؤ چڑھ جانے کی امید میں غلہ گوداموں میں ڈھیر کرنے لگے۔ گراں فروش من مانی قیمتیں وصول کر رہے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں ہمدردی کی جگہ سختی بڑھ رہی تھی۔

اس وقت مکہ کے تمام مہاجن انتہائی کبر و نخوت کے ساتھ کاروبار چلا رہے تھے۔

مگر محمد ﷺ کا در ہر شخص کے لیے کھلا تھا، ان کی فراخ دلی، دریا دلی اور سخاوت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی، یہاں بھوکوں کو کھانا ملتا تھا، محتاجوں کی امداد کی جاتی تھی۔ بیرون ملک سے غلہ منگوا کر مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سخاوت و ہمدردی میں حضور ﷺ کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں۔ ان کی دولت کا بیشتر حصہ خیرات میں خرچ ہو رہا تھا، اس سخاوت و دریا دلی کی وجہ سے بہت سے لوگ موت کے منہ میں جانے سے بچ گئے تھے۔

وہ در محمد ﷺ پر روتے ہوئے آتے اور ہنستے ہوئے لوٹتے، خالی جھولی آتے اور

جھولیاں بھر کر جاتے۔ پورے مکہ میں ان کی فیاضی کی دھوم مچ چکی تھی۔

محمد ﷺ کے پیارے چچا ابوطالب بھی اس قحط کی لپیٹ میں آچکے تھے، وہ بے حد پریشان تھے۔ ان کی مالی حالت تو پہلے ہی بہت کمزور تھی، اب تو بالکل دگرگوں ہوگئی تھی، وہ کثیر العیال تھے۔ انہیں تنگدستی اور عسرت نے نڈھال کر دیا تھا۔

محمد ﷺ کو ان کی یہ حالت دیکھ کر بے حد دکھ ہوتا تھا۔ حضور ﷺ کے دوسرے چچا عباس بنو ہاشم کے رئیس تھے، اور نہایت خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔

محمد ﷺ ایک دن ان سے کہنے لگے:

"عم محترم! قحط سالی کی وجہ سے چچا ابوطالب کی حالت انتہائی نازک ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی مدد کریں، آپ ان کا ایک بیٹا اپنے گھر لے جائیں، اور ایک کو میں اپنی کفالت میں لے لیتا ہوں، اس طرح ان کا بوجھ قدرے کم ہو جائے گا۔"

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"بھتیجے! تمہاری تجویز تو بہت عمدہ ہے۔ میں اس سے متفق ہوں۔"

محمد ﷺ نے کہا:

"علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو میں گھر لے جاتا ہوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"ہاں ٹھیک رہے گا، تم علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو گھر لے جاؤ، میں جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنے ہاں لے جاتا ہوں۔"

دونوں ابو طالب کے پاس گئے اور انہیں سارا ماجرا سنا کر دونوں لڑکوں کو لے لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو محمد ﷺ کے پاس آ گئے اور جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچ گئے۔ یوں ابوطالب کی پریشانیوں میں کمی آ گئی، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محمد ﷺ کی کفالت میں آ گئے۔

تعمیرِ نو کعبہ

حرم کی تعمیرِ نو

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ طوفان نوح میں وہ بنیاد غرق ہوگئی، ایک زمانہ کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے اس کی پرانی بنیاد پر دوبارہ تعمیر کی۔ اس کے بعد قوم عمالقہ پھر بنو جرہم اور اب بنی قریش نے اس کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا۔

شہر مکہ میں محمد ﷺ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ گھر پورے تزک و احتشام اور عقیدت کا مرکز تھا۔ یہ گھر اہل عرب کی امیدوں کا مرجع اور امن کا منبع تھا اگرچہ دین ابراہیمی شرک کی نجاست سے دھندلا گیا تھا، اور اللہ کے گھر میں تین سو ساٹھ بت نصب کر دیئے گئے تھے، جن کی مختلف قبائل عبادت کرتے۔

ہر سرکش قبیلہ یہاں آ کر ان بتوں کے آگے سر جھکاتا، ہر ظالم ان بتوں کی ہیبت سے لرزتا، خانہ کعبہ کے چاروں اطراف پہاڑ تھے، اور یہ درمیان میں قلب کی مانند تھا، جب کبھی زور کی بارش ہوتی تو پہاڑوں سے پانی بہہ کر شہر میں داخل ہو جاتا، جس سے سیلاب کی صورت پیدا ہو جاتی۔ اس طرح کئی بار سیلاب آئے، جن سے اس کی چار دیواری کو نقصان پہنچا۔

سیلاب نے اسے کمزور کر دیا تھا۔ مکہ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی وادی ہے اور خانہ کعبہ نشیبی مقام پر واقع ہے۔ جہاں بارش ہوئی اور پانی کا ریلا اللہ کے گھر کا طواف

کرنے لگتا ہے۔ اس سیلِ سبک سیر سے خانہ خدا کو محفوظ کرنے کے لیے ایک سردار عامر الجادر نے کعبہ کے اطراف ایک دیوار کا احاطہ بنا دیا، پھر شکست و ریخت نے اپنا عمل دکھایا۔ پہلے قوم عمالقہ اور پھر بنو جرہم نے اس کی دیوار اونچی کی۔

اب قریش کو خیال آیا کہ سارا عرب دور دراز سے اپنی دبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار اس کی زیارت کے لیے آتا ہے۔ اس گھر کے مالک کے سوا لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں۔ صرف دو ان سلی چادروں سے ستر پوشی کرتے ہیں، اور اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے قدم قدم پر پکارتے ہیں:

''اے رب کعبہ! تیرا بندہ حاضر ہے، تیرا بندہ حاضر ہے۔''

اس پر چڑھی نذر و نیاز سے قریش کی آمدنی ہوتی تھی۔ کعبہ کے اندر ہی ایک کنواں سا بنا تھا۔ جس میں چڑھاوے کے زر و جواہر رکھے جاتے۔

یہ عمارت بھی خوب تھی نہ اس پر کوئی چھت تھی۔ نہ دروازہ نہ کھڑکی، بس قد آدم کے برابر ایک چار دیواری تھی، جسے پتھروں اور گارے سے چن دیا گیا تھا۔ دیکھنے میں سادہ مگر پر جلال تھی، اگرچہ اسے عمارت نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ مسقف نہیں تھی۔

کعبہ کے اندر جو زر و جواہر کا کنواں تھا، کہیں سے ایک سانپ آ کر اس پر بیٹھ گیا، کوئی قریب جاتا تو پھنکارنے لگتا۔

محمد ﷺ اپنی عمر مبارک کی سینتیسویں منزل میں تھے۔ مکہ میں زبردست بارشوں کی وجہ سے اب شدید سیلاب آ گیا تھا۔ جس نے کعبہ کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے تھے۔ اس کی بنیادیں متزلزل ہو گئی تھیں۔ شہر کی کئی عمارتیں بھی منہدم ہو چکی تھیں، لیکن اہل شہر کو اس سے بڑھ کر کعبہ کی مرمت کا خیال دامن گیر تھا، کیونکہ دیواروں کی مخدوش حالت میں طواف کرنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا، اور ان کے گر جانے سے جو خطرات پیدا ہو سکتے تھے، ہر شخص ان سے خوف زدہ تھا۔

اہل مکہ کے نزدیک اس وقت سب سے اہم مسئلہ کعبہ کی مرمت کا تھا، کیونکہ اس کی وجہ سے پورے عرب میں ان کی قیادت و سیادت مضبوط تھی۔ یہ ان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔ ان کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ اسی کی برکت سے ان کے قافلے محفوظ رہتے تھے۔ یہ لوگ اس کے خدمت گار اور پاسبان تھے۔

اگر یہ دیواریں منہدم ہو گئیں تو پھر کیا ہوگا، ان کے رعب و جلال کی تمام عمارت اس کی

برکت سے قائم تھی۔ وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے، اس کی مرمت کے بارے میں منصوبے بنانے لگے۔ اسے از سرِ نو تعمیر کرنے کے لیے اس کا گرایا جانا ضروری تھا، تاکہ بنیادوں تک کو مضبوط بنایا جاسکے، کیونکہ سیلاب نے تو اس کی بنیادیں تک ہلا کر رکھ دی تھیں۔

سوال یہ تھا کہ اسے گرائے گا کون؟

پرانی عمارت کا ڈھانا بڑا نازک مسئلہ تھا، ہاتھیوں والے ابرہہ کا انجام دیکھنے والی آنکھیں ابھی ان میں موجود تھیں، ابرہہ جو اس عظیم گھر کو ڈھانے کے لیے ساٹھ ہزار کا لشکر اور ہاتھی لایا تھا، اس کا کیا انجام ہوا، یہ ابھی تک ان کے حافظہ میں تازہ تھا۔ وہ اس چار دیواری کو منہدم کرنے سے خوف زدہ تھے، وہ ڈر رہے تھے کہ کہیں انہیں بھی غضب الٰہی نہ آ گھیرے۔ ان کی نیت نیک تھی، اور وہ اللہ کا گھر بنانے کی خاطر ڈھا رہے تھے۔ ایک بگاڑ میں سو بناؤ تھے۔

اس کے باوجود کوئی بھی یہ ہمت نہ پا رہا تھا کہ اسے ڈھانے کے لیے کدال اٹھائے۔

وہ اللہ کا مقدس گھر تھا، اگر اسے ڈھا دیا گیا تو اللہ جو اس گھر کا مالک تھا، ناراض ہو جائے گا، پھر ان پر کوئی نہ کوئی عذاب ضرور آئے گا۔

ہر شخص حیران تھا، عقل عاجز تھی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔

انہی دنوں ایک رومی جہاز طوفان کی زد میں آ کر شعیبہ (بندرگاہ جدہ کا پرانا نام) کی گودی سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا، قریش کو اطلاع ملی تو آفت زدوں کی خبر گیری اور تباہ شدہ جہاز کے تختے تعمیر کعبہ کی نیت سے خرید لیے، تاکہ ان سے کعبہ کی چھت ڈالی جائے۔

ان بچنے والوں میں ایک مصری معمار باقوم بھی تھا۔ اس نے خود کو اس کام کے لیے پیش کر دیا، اور ان کے ساتھ مکہ آ گیا۔ ادھر مکہ میں ایک قبطی نجار (بڑھئی) بھی موجود تھا۔ شعیبہ سے سامان لاد کر مکہ لائے تو اب بڑا مسئلہ اندھے کنواں کا خطرناک سانپ تھا۔ محض اتفاق کہ وہ کعبہ کی دیوار پر بیٹھا دھوپ کھا رہا تھا کہ ایک عقاب اڑتا ہوا آیا اور جھپٹ کر لے گیا۔ قریش نے اسے تائید غیبی سمجھا۔

قریش نے اعلان کیا:

”اللہ کے اس گھر کی تعمیر میں اپنی پاک کمائی لگائیں، سود، لوٹ مار، زور زبردستی سے ہتھیایا ہوا مال ہرگز ہرگز اس کام میں نہ لگائیں۔“

جب سرمایہ جمع ہوگیا تو تمام خاندانوں نے اس مقدس گھر کی تعمیر کا کام تقسیم کرلیا۔
دروازے والی دیوار کی تعمیر بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے ذمہ ہوئی۔ حجر اسود اور رکن یمانی کی درمیانی دیوار بنی مخزوم اور بنی تمیم کے حصہ میں آئی۔ پچھلی دیوار اٹھانے والے بنی سہم اور بنی جمح قرار پائے، حطیم یا حجر والا رخ بنی عبدالدار، بنی اسد اور بنی عدی نے مل کر بنانا طے کیا۔

اب انہدام کا وقت قریب آ گیا تھا۔ لوگ پھر سے لرز اٹھے۔ حالانکہ ان کا مقصد کعبہ کی تعمیر نو تھا انہوں نے قربانیاں دیں، دعائیں مانگیں، التجائیں کیں کہ رب کعبہ انہیں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ اتنے میں کدالیں آ گئیں۔ پھاوڑے جمع ہو گئے، لیکن کسی میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا، لوگ خاموش کھڑے تھے۔ وہ جو اللہ کے باغی تھے، اللہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اللہ سے سرکشی کرنے والوں کی گردنیں اس گھر کے سامنے جھکی ہوئی تھیں۔

حرم میں لوگوں کا ہجوم تھا، پھاوڑے موجود تھے، کدالیں پڑی ہوئی تھیں، مگر ہمت کسی میں نہ تھی سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے، کافی دیر گزر گئی، اب ولید بن مغیرہ نے لرزتے ہاتھوں سے کدال پکڑی اور کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

"اے رب کعبہ! ہمارا ارادہ نیک ہے، ہم تیرے گھر کو دوبارہ بنانا چاہتے ہیں تو ہماری مدد کر اور ہمیں عذاب سے بچا۔"

یہ کہہ کر اس نے ضرب لگائی، کچھ حصہ منہدم ہوگیا، پھر رک گیا کہ دیکھیں کوئی آفت تو نہیں آتی، دیوار کے منہدم ہوتے ہی لوگ دہشت زدہ ہو گئے، خوف و ہراس سے ان کے چہرے پیلے پڑ گئے، انہیں خدشہ تھا کہ ولید ابھی کسی نہ کسی عذاب کی لپیٹ میں آ جائے گا۔

رات گزر گئی، کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔

ولید کو سلامت دیکھ کر جیسے لوگوں کو جوش آ گیا، وہ اپنی اپنی کدالیں اور پھاوڑے لیے دیواریں گرانے لگیں۔ بنیادیں کھودنے لگے، تو کچھ گہرائی پر انہیں سبز رنگ کے دو بڑے بڑے پتھر دکھائی دیئے جو چٹانوں کی مانند ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ انہوں نے پھاوڑوں سے انہیں مار مار کر توڑنا چاہا، لیکن ناکام رہے۔ پھر ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لیے جب کدالوں سے زور لگایا تو شہر میں زلزلے کی کیفیت طاری ہوگئی۔

خانہ کعبہ ناف زمین ہے۔ شاید ان پتھروں سے زمین کا توازن بگڑ رہا ہو۔ شاید اسی لیے انہیں ہلاتے وقت زلزلے کے آثار پیدا ہوئے۔ جب کسی چیز کا توازن بگڑ جاتا ہے تو وہ کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ رہی ہو۔ (اللہ بہتر جانتا ہے)

جب زلزلے کے آثار نمودار ہوئے تو لوگ خوف زدہ ہو گئے اور اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا، اور بنیادوں کی گہرائی کو ان پتھروں تک محدود کر دیا گیا۔

اب ہر قبیلہ اپنے اپنے حصے کی دیوار اپنے جمع کردہ پتھروں سے چننے لگا۔ مصری معمار نے اپنی فنکاری دکھائی، اور اشیاء کی کمی کے باعث کعبہ کا کچھ حصہ نیم دائرہ کی شکل میں بغیر چھت کے چھوڑ دیا گیا۔ اس کو حطیم یا حجر کہتے ہیں۔ یہ حصہ قسم کھانے، حلف اٹھانے اور معاہدہ کرنے کے وقت کام آتا۔ چونکہ کعبہ صرف پیر اور جمعرات اور خاص خاص مواقع پر کھولا جاتا، ورنہ بند رکھا جاتا تھا۔ جب چھت بنانے کی نوبت آئی تو پندرہ شہتیر پر چھت قائم کی گئی۔ اس کی بنیاد سات ستونوں پر استوار کی گئی۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ محمد ﷺ بھی پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

دیواریں اس حد تک پہنچیں۔ جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو ہر قبیلہ کی انا نے سر اٹھایا۔ یہ اعزاز وہ تنہا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مارنے مرنے پر تل گئے۔ باہمی نزاع کا انتہائی خطرناک مقام آ گیا۔ تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں۔

دعوے کی شدت کے اظہار کے لیے ایک پیالے میں خون بھرا اور اس میں انگلیاں ڈبو کر چاٹنے لگے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو گئی تو تعمیر کا کام چار پانچ روز کے لیے رک گیا۔ قبائل کے سرداروں میں اس اعزاز کو حاصل کرنے کی کشمکش بڑھتی چلی گئی، اس کے اختتام کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ پانچ دن گزر چکے تھے، اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بنی عبدالدار اور بنی عدی نے گٹھ جوڑ کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس شرف کو کسی حالت میں دوسروں کے حوالے نہیں کریں گے۔

لوگ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ مگر اب نفرت و عداوت کا شکار ہو کر رہ گئے تھے، اور حد تو یہ تھی کہ عین حرم میں تلواریں بھی چمکنے لگی تھیں۔

اب صورت حال نے قریش کے معمر ترین سردار ابو امیہ بن مغیرہ کو پریشان کر دیا۔ سوچتے سوچتے اس کے دماغ میں ایک تجویز آئی۔ اس نے کہا:

"یا معشر قریش! تم نے چند روز پہلے جس اتفاق اور اخوت کا ثبوت دیا تھا۔ اسے برباد نہ کرو۔ اس طرح تم تباہ ہو جاؤ گے۔"

اس پر مجمع پکار اٹھا:

"تم ہی بتاؤ، پھر ہم کیا کریں؟"

ابو امیہ بن مغیرہ نے کہا:

"اگر تم میری بات مان لو تو ہم سب اس خون خرابے سے بھی بچ سکتے ہیں۔"

پھر ابو امیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا:

"اس کام کو اللہ ہی پر چھوڑ دو کل صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو اسے اپنا ثالث مان لو۔"

سب نے اس سے اتفاق کیا۔ تمام قبائل کے سردار اور امراء جمع ہو گئے، اور سب کی نظریں بنی شیبہ پر جم گئیں۔

ادھر صفا کی پہاڑیوں کے پیچھے سے مہر منور جھانکا، اور ادھر باب بنی شیبہ سے ماہ ہاشمی طلوع ہوا، بے اختیار نقارہ خلق گونجا:

"یہ تو امین (ﷺ) آرہا ہے، یہ تو امین آرہا ہے، ہم اس (ﷺ) سے راضی ہیں۔"

ابو امیہ بن مغیرہ نے محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

"یا محمد (ﷺ) حجر اسود کو مقررہ مقام پر نصب کرنے کے سلسلہ میں زبردست نزاع پیدا ہو چکی ہے، ہر قبیلہ اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے قتل وغارت پر تل گیا ہے۔ میں نے اس خون خرابے کو روکنے اور اس کا حل نکالنے کے لیے تجویز پیش کی تھی کہ باب الصفا سے جو قریشی ان سب سے پہلے داخل ہوگا۔ وہی ہمارا حکم ہوگا۔ اس وقت سب سے پہلے آپ ﷺ اندر آئے ہیں۔ لہٰذا اس کا فیصلہ کریں۔ ہم سب آپ ﷺ کا حکم ماننے کے پابند ہیں۔"

محمد ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

''کیا آپ لوگ میرا فیصلہ تسلیم کریں گے؟''

مجمع نے جواب دیا:

''بے شک آپ (ﷺ) صادق وامین ہیں۔ ہمیں آپ (ﷺ) کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔ آپ (ﷺ) یقیناً انصاف کریں گے۔''

آپ ﷺ نے کندھے سے ردائے مبارک اتاری، اور صادق وامین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود اس کے درمیان رکھا۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تمام قبائل اپنی بڑی بڑی جماعتوں میں سے ایک ایک نمائندہ چن لیں۔''

پہلی بڑی جماعت نے بنی عبد مناف میں عتبہ بن ربیعہ، دوسری نے ابوزمعہ تیسری نے ابوحذیفہ بن مغیرہ اور چوتھی نے قیس بن عدی کو اپنا نمائندہ چن لیا۔

اب محمد ﷺ نے فرمایا:

''ہر قبیلے کا سردار اس چادر کو تھام لے۔''

ہر قبیلے کے سردار نے چادر کا ایک ایک کونہ تھام لیا۔

اب محمد ﷺ نے کہا:

''اس چادر کو تھام کر مقررہ مقام تک لے چلو۔''

یہ نمائندے چادر کا کونہ تھامے ہوئے جب دیوار کعبہ کے پاس اس جگہ پہنچ گئے جہاں حجر اسود کو نصب کرنا مقصود تھا، تو مجسمِ دعائے خلیل نے تعمیرِ خلیل میں تکمیلی پتھر یعنی حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے نصب کیا۔

فراست امین ﷺ نے خانہ جنگی کے لیے خون میں ڈوبی ہوئی انگلیوں میں ردائے الفت تھما دی اور یوں بحسن وخوبی کٹھن مرحلہ طے ہوا۔

محمد ﷺ نے حجر اسود مقررہ مقام پر نصب کیا تو مجمع میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، تلواریں میانوں میں چلی گئیں۔ نفرت کی آگ سرد ہو گئی، ہر قبیلہ اپنی نمائندگی پر شاداں وفرحاں تھا۔

کعبہ کی تعمیر چند دنوں میں مکمل ہو گئی، کیونکہ اب کوئی پیچیدہ مسئلہ باقی نہ رہا تھا۔ کعبہ کے ستونوں پر چھت ڈال دی گئی، اور اندر داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ رکھ دیا گیا۔ جس کے پاس ہی ہبل کا بت تھا اور عمارت کی کرسی اتنی اونچی رکھی گئی کہ زینہ لگانا پڑے۔

بتوں کی خدائی

کعبہ کی تعمیر نو ہوئی تو مشرکانہ دماغوں نے حسن کاری کے طریقے سوچے، عمارت کے اندر انبیاء کرام علیہم والسلام والصلوٰۃ کی تصویریں بنائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تیروں سے فال نکالتے دکھایا گیا۔ بیرونی آرائش وزیبائش کے لیے ۳۶۰ بت رکھے گئے۔ ان پر چڑھاوے اور نذرونیاز کے انبار لگتے۔

اسی دور جہالت کا ایک واقعہ ایک غلام صحابی نے دور اسلام میں سنایا:

"میرا مالک بڑے جتن سے میرے ذریعے مکھن اور دودھ کا چڑھاوا ایک بت کے سامنے رکھتا اور مجھے تاکید کرتا۔"

"خبردار، کھاپی نہ لینا ورنہ بتوں کی لعنت سے بچ نہ سکو گے۔"

وہ صحابی کہتے ہیں:

"میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا، جونہی وہ چیزیں بت کے سامنے رکھی جاتیں کہیں سے ایک کتا آتا۔ دودھ مکھن چٹ کرتا، اور پھر ٹانگ اٹھا کر بت پر پیشاب کرتا اور پھر ادھر ادھر ہو جاتا۔"

ایک قبیلہ نے پتھر کے بجائے آٹے کا قد آدم بت بنایا۔ معبود بنا کر اس کی پوجا کی۔ قحط سالی آئی تو کاٹ کاٹ کر ہضم کر گئے۔ ایک قبیلہ نے لکڑی کا بت تراشا، بہت قد آور، سردیوں کے دن آئے تو مسافر چوری سے اسے کاٹ کاٹ کر چولہوں کا ایندھن بناتے۔

بنو جرہم کی شہوت پرستی کو وہ بزرگی عطا کی گئی کہ خانہ کعبہ کے مجرم بھی دیوتا بنا دیئے گئے، نائلہ بنت دیک ایک حسین عورت نیم عریاں لباس میں نمائش حسن کے ساتھ طواف کرتی تھی ایک مستانہ ہجوم اس کے تعاقب میں ہوتا۔ ایک نوجوان سردار اساف بن نبعی بھی نائلہ کے شیدائیوں میں سے تھا۔ ایک دن جبکہ وہ طواف کر رہی تھی۔ اساف بے خود ہو کر دست درازی سے بھی آگے بڑھ گیا۔ شراب میں بدمست بنو جرہم حرم کعبہ کی بے حرمتی پر احتجاج کی بجائے اساف و نائلہ کے حسن وعشق کی داستان فخریہ بیان کرنے لگے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے بت بنائے اور مظہر عشق ومحبت قرار دے کر پرستش کرنے لگے، یہ چاہ زمزم کے کنارے نصب تھے۔ صادق وامین ﷺ جیسی فہم وفراست والی ہستی بندگان خدا کی ان حرکتوں کو دیکھتی تو حیا سے سر جھکا لیتی۔ ان ہنگامہ

آرائیوں سے بچنے کے لیے تنہائی کو دامن کا سہارا لیتی۔ مکہ کی چند سعید فطرتوں کو متوجہ کرتی۔

مکہ کی سعید روحیں

ان چند لوگوں میں جو اس فکری ہم آہنگی میں آپ ﷺ کے شریک صحبت تھے۔ ان میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ بنی تمیم کا یہ سلیم الطبع شخص اس وقت قریب ہوا، جبکہ وہ اٹھارہ سال کا تھا اور آپ ﷺ بیس سال کے۔ دونوں بیس سال تک اپنی قوم کی بدنصیبی کم نگہی اور ذلت پر افسوس کرتے رہے۔

حکیم ابن حزام بھی قریش کے معزز لوگوں میں سے تھے، وہ عمر میں آپ ﷺ سے پانچ سال بڑے تھے، لیکن فکری ہم آہنگی نے ایک دوسرے کو رشتہ محبت میں استوار کر دیا تھا۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے تھے، اور فتح مکہ کے بعد دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔

اس عہد جاہلیت کے ایک دوست قبیلہ ازدشنوأۃ کے ضماد بن ثعلبہ تھے۔ طب اور جراحی ان کا پیشہ تھا۔ اعلان نبوت کے بعد جب قریش نے آپ ﷺ کو مجنوں مشہور کر دیا تو وہ آپ ﷺ سے ملنے آئے تا کہ علاج کریں۔

اس نے پوچھا:

"آپ ﷺ کو کیا تکلیف ہے؟"

جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے آیات قرآنی سنائیں۔ ان کی تاثیر سے ایمان لے آئے۔

صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس زمانے کے ملنے والے ہیں۔ یہ سب بت پرستوں کی حرکتوں پر کڑھتے تھے۔ قریبی رشتہ داروں میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ ابن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو الصادق اور الامین ﷺ کی پاک سیرت اور باتوں کی خوشبو سے اثر لے رہے تھے، اور ہم خیال اور ہم فکر تھے۔

سرورِ کشورِ رسالت ﷺ

تنہائی کوہ و دمن

اشرف المخلوقات انسان کا بتوں کے سامنے اس درجہ گرنا آپ ﷺ سے دیکھا نہ گیا۔ ہمیشہ ایک فکر دامن گیر رہتی۔

"کیا انسان اسی لیے پیدا کیا گیا ہے، کیا جبین نیاز اسی آستانہ کے لیے بنی ہے؟"

طبیعت تنہائی کی طرف مائل ہونے لگی۔ شریک حیات آپ ﷺ کے مزاج کو سمجھتی تھیں۔ آخر اپنی مضطرب اور بے چین فطرت کی آسودگی کے لیے کوہ و دمن میں نکل جانے لگے۔ شہر اور اس کے ہنگاموں سے دور۔

ایک دن خیالات میں کھوئے ہوئے تین میل دور نکل آئے تو سامنے جبل نور تھا۔ اس پر چڑھنے لگے تو اس غار تک پہنچ گئے، جہاں رمضان کے مہینے میں آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں پہنچے تو طبیعت نے زیست کا مزہ پایا۔ اضطراب نے سکون کا دامن تھاما۔ حرا نے فکر کی راہیں کھول دیں۔ پرسکون فضاؤں نے معبود حقیقی کی طرف متوجہ کیا۔

غار قدرتا کعبہ رخ ہے۔ یہاں بیٹھے تو اس انداز سے جیسے ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں۔ نگاہیں قلب کی جانب۔ قلب مالک حقیقی سے لو لگائے ہوئے۔ محدثین نے اس انداز عبادت کو "تحنث" کا نام دیا ہے۔ یہ تنہائی بہت راس آئی۔ صبح سے شام ہو جاتی۔ گھر لوٹتے بیوی سے فرمایا:

"سکون قلب کا سامان ہو گیا ہے۔ کچھ دنوں کے لیے زادِ راہ ستو اور چھاگل میں

پانی دے دو۔“

اب تو حرا کی خلوتیں تسکینِ قلب کا باعث ہیں، اور پھر یہ معمول بن گیا، دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہونے لگے۔ یہ عبادت تحنث پانچ سالوں پر محیط ہے۔

بعض انبیاء کرام علیہم السلام و الصلوٰۃ کی زندگیوں میں پہاڑوں کی بڑی اہمیت ہے۔ توبہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کی ملاقات جبل رحمت پر ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری۔ کوہ صفا و مروہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام، ہاجرہ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے خاص نسبت ہے، کوہ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام، کوہ زیتون حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جبل نور و جبل ثور حضرت محمد ﷺ کے لیے اہم ہیں۔

جبلِ نور

مکہ سے تین میل کے فاصلے پر جبل نور (روشنی کا پہاڑ) جو شمال مشرق میں منیٰ و عرفات کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر سڑک سے چند فرلانگ پر ہے۔ زمانہ قدیم میں اسے جبل حرا کہتے تھے۔ یہ پہاڑ ایک ریتلے میدان کے درمیان میں واقع ہے۔ جو تقریباً دو ہزار فٹ اونچا ہے۔ اس کے چاروں اطراف میلوں تک نگاہوں کو روکنے والی کوئی چیز نہیں۔ بہت بڑا بنجر ٹیلا جس میں بہت سی گھاٹیوں نے شگاف ڈال دیئے ہیں۔ دور دور تک نہ کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہے اور نہ سایہ دار درخت، نہ کوئی سوتا اور نہ کوئی چشمہ۔ زمانہ جاہلیت میں رات کے وقت حجاج کی رہنمائی کے لیے اس کی چوٹی پر روشنی کی جاتی تھی کہ عرفات سے آنے والے راستہ پاسکیں۔ دن میں انوکھی وضع قطع کی بنا پر دور سے ہی پہچان لیا جاتا ہے۔

غارِ حرا

غار حرا چٹانوں کے گر جانے سے بنا ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے چکردار چڑھائی ہے۔ قدرتی طور پر زینے جیسے بن گئے ہیں۔ چوٹی کے قریب بالائی حصہ ہموار ہے، اور باقی آدھا سوسوا سو فٹ اوپر اٹھا ہوا ہے۔ ہموار حصے پر ٹیلے کے کنارے دو بڑی سلیں، قدرتی طور پر اوپر سے مل گئی ہیں، جس سے خیمے کی سی شکل کا غار بن گیا ہے۔ غار مستطیل شکل کا ہے اور قدرتاً کعبہ رخ ہے اندر سے تقریباً چار گز لمبا پونے دو گز چوڑا، اور اتنا اونچا ہے کہ ایک آدمی آسانی سے کھڑا ہو کر نماز اد

کرسکتا ہے۔ فرش قدرتاً مسطح ہے جس پر آرام سے پاؤں پھیلا کر سویا جاسکتا ہے۔ سلوں کے ملنے سے قدرتی طور پر دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔

پرسکوں شیریں مقالی

فضا گرد و غبار سے پاک ہو تو جبل حرا سے سمندر بھی دکھائی دیتا ہے۔ جو تقریباً پینتالیس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ دن ہو یا رات یہاں ایک ملکوتی سکون کی فضا رہتی ہے۔ جویائے حق کے لیے یہ مقام جنت فکر و نظر ہے۔ ہمہ وقت نظروں کے سامنے بیت اللہ جس کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ یہاں تین چیزیں جمع ہوگئی ہیں۔ فکر کے لیے خلوت، نظر کے لیے کعبہ اور عبادت کے لیے سکون۔

نورٌ علیٰ نور

حرا کے لفظی معانی ہیں تلاش و جستجو کا غار۔ اسم بامسمّیٰ اس کی فضیلتیں بے حد و بے شمار یہی وہ جگہ ہے جو امام الانبیاء ﷺ اور خاتم النبیین ﷺ کی عبادت گاہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے ۶۱۰ سال بعد زمین و آسمان کا دوبارہ ربط وحی کے ذریعہ قائم ہوا تھا۔ یہیں خیر البشر ﷺ اور سید الملائک علیہ السلام کا پہلا معانقہ ہوا تھا۔ چودہ صدیوں سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی حرا اس کیف آگیں منظر کا شاہد ہے جس کا لطف اس نے برسوں پہلے اٹھایا ہے۔

دل مضطر کا سکون خلوت کدہ حرا میں تھا۔ یہیں بشارت نبوت ملی۔ پیر کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ۔ یہ روز اور یہ مہینہ حیات نبوی ﷺ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان ہی مبارک ساعتوں میں ولادت ہوئی نبوت ملی۔ ہجرت کی اور سفر آخرت اختیار کیا۔ زماں و مکان کا یہ پیمانہ کن کن برکتوں کا حامل ہے۔

رویائے صادق (سچے خواب) کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح ۲۳ سالہ دور نبوت کا چھیالیسواں حصہ چھ ماہ بنتا ہے۔ اس زمانے میں جو نوید نبوت کے بعد شروع ہوتا ہے، حضور ﷺ کثرت سے خواب دیکھا کرتے۔

مژدۂ نبوت

معتکف حرا کی زندگی کا چالیسواں سال تھا کہ سچے خواب نظر آنے لگے۔ جو نیند کی

حالت میں دیکھتے وہ سپیدیٔ سحر کی طرح ظہور پذیر ہوتے۔ آپ ﷺ پر حقیقت کھلنے لگی اور تاریکی کے پردے تار تار ہونے لگے۔ برسوں کی عبادت و ریاضت سے روشنی پھوٹنے لگی۔ کچھ دنوں تک آپ ﷺ کو ایک آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر ایک روشنی دکھائی دیتی رہی اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دل کہتا، کچھ ہونے والا ہے۔ ذہن کسی انجانی سطح کی طرف بلند ہو رہا تھا، ہر لمحہ پردہ غیب سے کسی نمود کا منتظر رہنے لگا۔ یوں لگتا جیسے کوہ و دمن کی تنہائی غارِ حرا میں محصور ہو گئی۔ غور و فکر انہماک و استغراق کی کیفیت اوج کمال پر پہنچ گئی۔ نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھنے لگیں جبین نیاز بار بار سجدہ ریز ہونے لگی۔

معتبر احادیث کی کتب میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا:

"نبوت سے چند دن پیشتر میں جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتا، وہ کہتا:

"السلام علیک یا رسول اللہ (ﷺ)"

محمد ﷺ کی عمر اتالیس سال سے زائد ہو چکی تھی۔ وہ اپنی بیٹیوں، زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادیوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی دودھ پیتی بچی تھیں۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمسن تھے۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان تھے۔ تجارت کا کاروبار کارندوں کے سپرد تھا۔ تنگ دستی وفکر نہیں رہی تھی۔

محمد ﷺ غارِ حرا میں تحنث کی حالت میں ہیں، دل میں اپنے معبود کو پا لینے کی تڑپ ہے۔ کائنات کے سربستہ رازوں سے آشنا ہونے کی تڑپ اب ہر روز بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کی سوچ کے تین مختلف نقطے، خالق، مخلوق اور مقصود ہیں۔ جنہیں سمجھنے کے لیے مکمل تنہائی اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ سوچ کا یہ سیمابی دھارا لحظہ بہ لحظہ تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ روح کا یہ ملکوتی اور مقدس اضطراب محبوبِ حقیقی تک پہنچنے کے لیے سمندِ شوق کو مہمیز لگا رہا تھا، اور روح پکار پکار کر کہہ رہی تھی:

"اے معبودِ حقیقی تو کہاں ہے۔ کیوں اپنے چہرے سے نقاب نہیں الٹ دیتا۔
کیوں اپنے جمالِ جہاں آراء سے ان تاریکیوں کو دور نہیں کرتا جن سے میں مضطرب ہوں۔"

مکہ شب کی سیاہی کے دبیز پردوں میں مستور تھا، تاہم ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں مختلف

جگہوں پر نظر آتی تھیں۔ اگرچہ آدھی رات ہونے کو آئی تھی تاہم چوپالوں میں رقص، سرود کی محفلیں ابھی تک اپنے جوبن پر تھیں۔

محمد ﷺ اولاد آدم کا غم سینے میں دبائے اندھیری راتوں میں اسی طرح اپنے خالق ومالک سے ہدایت کے طالب رہتے۔ ہر روز، روز امید اور ہر شب، شب نوید کا یقین ہے۔ تاہم بے تابی اور بے قراری ہر لحظہ بڑھتی جارہی ہے۔ کیونکہ محبت کے اس آتش فشاں کے انفجار کا وقت اب قریب آپہنچا ہے۔

قمری سال سے عمر مبارک چالیس سال ایک دن ہوئی تو ۹ ربیع الاول ۴۱ھ میلادی (بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء) پیر کی شام غار حرا کی خلوتیں جگمگا اٹھیں۔ غار حرا کے اندھیرے میں یکایک روشنی ہوئی۔ روح الامین امرِ حق کے ساتھ ظاہر ہوئے۔

آپ ﷺ چونک اٹھے۔

سامنے فرشتہ موجود تھا۔ آپ ﷺ اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے فرشتہ کہتا ہے:

> ”محمد ﷺ! بشارت قبول ہو۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔“

جبرائیل علیہ السلام، اللہ کا کلام انبیاء کرام علیہم السلام والصلوٰۃ تک پہنچانے پر مامور تھے۔ جبرائیل امین کے لیے ناموس اکبر، روح القدس، روح الامین اور فرشتہ اور بعض جگہ قرآن میں صرف روح کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔

اعلانِ نبوت

یہ نوید اور یہ واقعہ اتنا غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ آپ ﷺ اس عظیم اور غیر معمولی تجربے سے گھبراہٹ محسوس کرنے لگے۔ آپ ﷺ کو اس سے پہلے کبھی گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ ﷺ نبی بنائے جانے والے ہیں۔

اس انوکھے تجربے اور احساس ذمہ داری نے جسم پر کپکپی طاری کر دی، گردن اور کندھوں کے درمیان کا گوشت پھڑپھڑانے لگا، کانپتے اور لرزتے آپ ﷺ حرا کی خلوتوں سے

باہر نکلے تیزی سے جبل نور سے اترنے لگے۔ پہاڑ کے وسط میں پہنچے تو ایک ندا آئی:

"اے محمد ﷺ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔"

آپ ﷺ نے سر اٹھا کر دیکھا تو جبرائیل علیہ السلام آسمان کے کنارے پر ایک آدم کی شکل میں کھڑے ہیں۔ ان کے دونوں قدم آسمان کے افق پر ہیں۔ جس حصہ آسمان پر نظر پڑتی ہے، جبرائیل علیہ السلام موجود ہیں، اور زبان پر وہی بشارت۔

"اے محمد ﷺ! آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔"

آسمان کی رفعتوں سے چار وانگ عالم کی وسعتوں میں اس اعلان کے بعد جبرائیل علیہ السلام نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد قلب محمد ﷺ جلال الٰہی سے لبریز ہو گیا۔

پہلی گواہی

تجربہ جو حادثہ کے برابر تھا۔ گھبراہٹ اور اضطراب جو دل پر چھایا ہوا تھا۔ اس کیفیت میں گھر پہنچے تو شریک زندگی سے فرمایا:

"زملونی زملونی۔"

"مجھے چادر اوڑھا دو۔ مجھے چادر اوڑھا دو۔"

جاں نثار رفیقہ حیات نے لرزتے ہاتھوں سے جلدی جلدی ایک پلنگ پر بستر بچھایا، اور حضور ﷺ کے لیٹ جانے پر انہیں کمبل اوڑھا دیا۔

کچھ دیر بعد حضور ﷺ کی طبیعت سنبھل گئی، انہوں نے روئے مبارک سے کپڑا سرکا دیا، اور فرمایا:

"خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔"

رفیق حیات نے جان مضطرب پر تسکین کا مینہ برسایا:

"آپ ﷺ کو ڈر کس بات کا، آپ ﷺ خوش ہو جائیے، اللہ تعالیٰ کبھی آپ ﷺ کو رسوا نہ کرے گا۔

"اللہ کبھی آپ ﷺ کو اندوہ گیں نہ کرے گا، میں دیکھتی ہوں آپ ﷺ اقرباء

سے نیک سلوک کرتے ہیں، ناتوانوں، بے کسوں اور غرباء کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ﷺ صادق القول ہیں۔ بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کو اپنی کمائی دیتے ہیں مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں، نیک کاموں میں مدد دیتے ہیں، مصائب میں حق کے معاون و مددگار ہیں۔ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔"

نور نبوت سے منور چہرے کو دیکھنے، بار نبوت سے گرانبار قلب کو ٹٹولنے کے بعد خلوت و جلوت کی شریک زندگی، محرم راز کی وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کی ربانی شہادت پر انسانی تصدیق تاریخ کا ایسا بے مثل صداقت نامہ ہے، دہلیز نبوت پر قدم رکھنے پر بیوی کی جانب سے عطا ہوا۔ بیوی سے بڑھ کر اور کون خاوند کے مزاج کا واقف کار ہو سکتا ہے۔

❁❁❁

بعثت کی شہادتیں

طالب خیر

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

"ایک دن میں صحن کعبہ میں جویائے حق زید بن عمرو بن نفیل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں امیہ بن ابی الصلت ان کے پاس یہ کہتے ہوئے آیا:

"اے طالب خیر تمہارا کیا حال ہے؟ کیا تم اپنا مقصود پا گئے؟"

زید بن عمرو بن نفیل نے کہا:

"نہیں، تلاش و جستجو جاری ہے۔"

پھر انہوں نے ایک شعر پڑھا:

"تمام ادیان قیامت کے دن بجز اس دین کے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور سوائے ملت حنیف کے ہلاک ہو جائیں گے۔"

یہ شعر سن کر امیہ بن ابی الصلت نے پوچھا:

"اچھا یہ تو بتاؤ یہ رسول (ﷺ) جن کا انتظار ہے، اہل فلسطین میں سے ہوں گے یا ہم میں سے؟"

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی نبی کے مبعوث ہونے کا ذکر سنا۔ محفل برخواست

ہوئی تو سیدھا ورقہ ابن نوفل کے گھر پہنچا، جو آسمانی کتابوں کا عالم اور صاحب بصیرت معمر نصرانی راہب تھا، میں نے ساری گفتگو دہرائی، کچھ سوچ کر جواب دیا:

''تمام اہل کتاب اور علماء دین متفق ہیں کہ نبی منتظر (ﷺ) عرب کے اعلیٰ خاندان ہی سے ہوگا، میں ان کے نسب سے واقف ہوں۔ تمہاری قوم مطلوبہ معیار پر پوری اترتی ہے۔''

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

''وہ نبی کیا پیغام لائیں گے؟''

ورقہ ابن نوفل نے کہا:

''جو اللہ تعالیٰ حکم دے گا، وہی بیان کریں گے، اور وہ کبھی ظلم کی بات نہیں کریں گے، حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔''

مژدہ

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اس واقعہ کے چند دن بعد میں تجارتی سفر پر یمن گیا وہاں قبیلہ ازد کے ایک شیخ کا مہمان ہوا، جو کتب سماویہ کا ماہر تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا:

''میرا خیال ہے تم سرزمین حرم کے باشندے ہو۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا:

اس سماویہ کتب کے عالم نے کہا:

''جہاں تک میں سمجھتا ہوں قریشی ہو۔''

میں نے اس کی بھی تصدیق کی۔

اب اس عالم نے کہا:

''پھر تو تم یقیناً بنی تمیم سے ہو۔''

میں نے اپنا نسب بتایا:

''تمیم بن مرہ کے خاندان سے ہوں۔''

وہ عالم خوشی سے گویا ہوا۔

''بس اب صرف ایک نشانی دیکھنی باقی ہے۔ ذرا اپنا پیٹ تو دکھاؤ۔''

میں نے کہا:

''آخر کیا بات ہے، جب تک تم حقیقت نہیں بتاؤ گے تمہاری بات مان کر نہ دوں گا۔''

اس عالم نے جواب دیا:

''میرا علم اور آسمانی کتابیں کہتی ہیں کہ سرزمین حرم میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کے معین اور مددگار دو شخص ہوں گے۔ ایک ادھیڑ اور ایک جوان، ادھیڑ کا حلیہ تم سے ملتا جلتا ہے، اس کے پیٹ پر سیاہ تل اور بائیں ران پر ایک خاص نشان ہوگا۔ جوان وہ تو خطروں میں بے خوف گھسنے والا اور مشکلوں کا حل کرنے والا ہوگا۔ (اشارہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھا)

اب اپنا پیٹ تو دکھا دو۔''

میں نے کپڑا ہٹایا تو ادھر ادھر دیکھا، پھر کہہ اٹھا:

''رب کعبہ کی قسم! تم ہی وہ آدمی ہو جس کی آسمانی کتابیں خبر دے رہی ہیں، تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اس ہدایت سے انحراف نہ کرنا، صراط مستقیم کو مضبوطی سے پکڑنا۔ ان نبی (ﷺ) سے بے رخی نہ برتنا۔''

''یہ باتیں میرے لوح دل پر نقش ہو گئیں، جب آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو میں بلا تردد ایمان لے آیا۔''

تحفہ

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''جب تجارتی مصروفیات سے فارغ ہوا تو رخصتی ملاقات کے لیے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے بڑی لجاجت سے کہا:

''اب جبکہ تم حرم کو واپس جا رہے ہو میرا ایک کام کر دو۔''

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

"بتلایئے۔ کیا کام ہے؟"

شیخ نے کہا:

"میں نے نبی آخر الزماں ﷺ کی شان میں چند اشعار کہے ہیں۔ انہیں یاد کر کے ان کی خدمت میں پہنچا دو۔"

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

"میں نے اشعار حفظ کر لیے اور مکہ کی جانب چل پڑا، طواف کعبہ کے بعد جب اپنے گھر پہنچا، میری آمد کی خبر پا کر شیبہ، ربیعہ، ابو جہل، عقبہ بن ابی معیط اور ابوالبختری ملنے آئے، میں نے اس غیر متوقع آمد پر بے اختیار پوچھا:

"کیا بات ہے؟ کوئی غیر معمولی واقعہ تو نہیں ہوا؟"

وہ کہنے لگے:

"ہاں، ایک غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہے۔ اس لیے تو آئے ہیں۔ عبدالمطلب کا یتیم پوتا دعویٰ کر رہا ہے، کہ میں اللہ کا رسول (ﷺ) ہوں، ہم بڑی بے چینی سے تمہارے منتظر تھے۔ ورنہ کبھی کے ایک رائے قائم کر چکے ہوتے۔ اب تم آگئے ہو تو تمہارا مشورہ درکار ہے۔"

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

"میں نے انہیں باتوں میں لگا کر خوبصورتی سے ٹال دیا۔"

معدنِ حق و صداقت

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں:

"جب وہ لوگ چلے گئے تو میں حکیم بن حزام سے ملنے گیا۔ جو حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے ہیں، کچھ دیر گزری تو ان کی ایک باندی باہر سے آئی اور کہنے لگی:

"اے حکیم! آج تمہاری پھوپھی کہتی پھر رہی ہیں کہ ان کے شوہر ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں۔"

یہ سنتا تھا کہ میں وہاں سے کھسک گیا، اور سوقِ عطاریں کے پیچھے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر دار خزیمہ آیا۔ اس ہستی سے ملنے کے لیے جس سے پچھلے اٹھائیس سالوں میں دن کے اجالوں اور رات کی تاریکیوں میں بارہا مل چکا تھا لیکن آج چہرہ انور پر نظر پڑی تو بات ہی کچھ اور تھی' اور نورِ نبوت سے مستنیر، لمسِ جبرائیل علیہ السلام سے مشکبو جمیل الشیم، شفیع الامم، صاحب جود و کرم، نگاہیں چار ہوئیں تو سر سے بلائیں لیتی ہوئیں پابوسی کا شرف حاصل کرنے لگیں۔ قدموں پر نظریں جم کر رہ گئیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام مخلوقات کی طرف اپنا رسول بنایا ہے۔ تم مجھ پر ایمان لے آؤ، یمن کا وہ شیخ جس سے تم مل کر آئے ہو میری دلیل نبوت ہے۔"

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"یمن میں تو بہت سے شیخ ہیں جن سے ملاقات ہوئی۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"وہ شیخ جس نے اشعار کا تحفہ بھیجا ہے۔"

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"آپ ﷺ کو اس بات کی خبر کس نے دی؟"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جبرائیل علیہ السلام، وہ معزز فرشتہ جو انبیاء کے پاس وحی لاتا ہے۔"

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ آپ ﷺ ہمیشہ ہی سے معدن حق و صداقت ہیں اپنا دست حق بڑھائیے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ."

خوبیٔ قسمت

امیہ بن ابی الصلت طائف میں رہتا تھا۔ قبیلہ ثقیف کے ابوالصلت عبداللہ بن زمعہ کا بیٹا تھا۔ زمانہ جاہلیت کا شاعر تھا مگر توحید باری کا قائل تھا۔ کلام میں زاہدانہ رنگ تھا۔ کہا جاتا ہے:

"اس نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ خطوط کی ابتداء باسمِکَ اللّٰھُمَ سے کیا کریں۔"

شام کے یہود و نصاریٰ سے اس نے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کی خبر سن رکھی تھی۔ یہ بھی جانتا تھا کہ ان ﷺ کا ظہور عرب میں ہوگا، ابوسفیان جب تجارت پر جاتے تو اس سے اکثر اس موضوع پر گفتگو کرتا اور خاص طور پر ابوسفیان کے خسر عتبہ بن ربیعہ کے اخلاق واطوار کے بارے میں پوچھا کرتا۔ ایک بار اس نے عتبہ کی عمر کے بارے میں سوال کیا۔

ابوسفیان نے بتایا:

"وہ سن رسیدہ ہے۔"

جب ابوسفیان نے اس غیر معمولی دلچسپی کا سبب پوچھا تو اس نے بھید کھولا:

"میں نے اہل کتاب سے سنا ہے کہ عرب میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ میں ہی ہوں، جب اہل علم سے تبادلہ خیال ہوا تو انہوں نے بتایا کہ وہ بنی عبد مناف سے ہوگا، اس کنبہ میں عتبہ بن ربیعہ سے زیادہ کسی کو منصب نبوت کا اہل نہ پایا، لیکن تم کہتے ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہے، وہ پیغمبر چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوگا، لہٰذا اس کے بارے میں میرا گمان غلط نکلا۔"

اَنا کا خول

حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد جب ابوسفیان کی ملاقات ہوئی تو ازراہ مذاق کہا:

"اے امیہ! تجھے جس پیغمبر کا انتظار تھا وہ ظاہر ہوگیا۔"

امیہ نے کہا:

"پھر تو وہ برحق ہے، اس کی پیروی کرو۔"

جب پلٹ کر اس سے یہی سوال کیا گیا تو کہنے لگا:

"میں اپنے قبیلے والوں سے یہی کہتا رہا کہ وہ میں ہی ہوں اب کس منہ سے اپنی

بات سے پھر جاؤں۔ اگر تو نے اس کی مخالفت کی تو میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ بکری کی طرح گردن میں رسی ڈال کر لوگ تجھے ان کی خدمت میں لے جائیں گے، اور جو چاہے گا، تیرے بارے میں حکم دے گا۔"

لب بام رہ گیا

کہتے ہیں کہ کسی موقع پر امیہ بن ابی الصلت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کی شان میں قصیدہ پڑھا اور مدح سرائی کی۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے سورہ طٰہٰ پڑھ کر سنائی، بے اختیار بول اٹھا:

"یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"مجھ پر ایمان لے آؤ اور صراط مستقیم اختیار کرو۔"

امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

"میں کوئی کام اپنے بھائی بندوں سے پوچھے بغیر نہیں کرتا۔ مشورہ کے بعد بہت جلد لوٹ آؤں گا۔"

گھوڑے پر سوار ہو کر بجائے وطن کے شام کی طرف روانہ ہوا۔ ایک بہت مشہور گرجا میں پہنچا اور وہاں عبادت میں مشغول ہوا، راہبوں سے صورت حال بیان کی۔ ان میں سے بڑے پادری نے اپنے ساتھ آنے کو کہا:

ایک کمرے میں لے گیا۔ جہاں دیواروں پر انبیاء علیہم السلام والصلوٰۃ کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا:

ان میں سے وہ کون ہے جس سے تو مل کر آیا ہے؟"

امیہ بن ابی الصلت نے شبیہ کی طرف اشارہ کیا۔ پادری نے کہا:

"فوراً لوٹ کر جا اور ان پر ایمان لے آ۔ یہی خاتم النبیین (ﷺ) ہیں۔"

کچھ مدت بعد جب وہ حجاز لوٹا تو غزوہ بدر واقع ہو چکا تھا۔ جس میں قریش کے نامی گرامی سردار مارے جا چکے تھے۔ اس نے سوچا اگر حضور ﷺ نبی ہوتے تو اپنی قوم کے اشراف کو قتل نہ کرتے۔ پھر اس نے ان کا مرثیہ لکھا اور طائف کی طرف چل دیا۔

دل کی نافرمانی

اس کے بعد وہ ایک امیر الحج کے پاس گیا، اور مدح وستائش اور عیش وعشرت میں زندگی بسر کرنے لگا۔ ایک وقت جبکہ وہ شراب نوشی میں مصروف تھے کہ کہیں سے ایک کوا آیا اور کائیں کائیں کرنے لگا۔ اس کی آواز سن کر امیہ بن ابی الصلت کا رنگ اڑ گیا۔

امیر نے پوچھا:

''کیا بات ہے؟''

امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

''اگر کوا سچ کہتا ہے تو دور جام مجھ تک پہنچنے سے پہلے پروانہ اجل آجائے گا۔''

کوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے امیر نے اسے اپنا ساغر پیش کیا، ساتھ والے نے پیالہ لے کر بڑھایا ہی تھا کہ امیہ بن ابی الصلت فرش پر گر پڑا۔ اس کا طائر جاں قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔

حضرت عمر بن شرید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

میں نے اپنے والد سے سنا ہے، وہ کہتے تھے:

''ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھ کر جارہا تھا، راستہ میں امیہ بن ابی الصلت کے شعر آپ ﷺ کو سنائے۔ جب کوئی شعر پڑھتا۔ آپ ﷺ فرماتے:

''ہاں اور سناؤ۔''

یہاں تک کہ میں نے سو شعر سنائے۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''اس کا دل تو ایمان لایا، مگر اس نے دل کی نافرمانی کی۔''

غائبانہ تصدیق

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''یمن میں ایک حمیری عشکلان بن ابی العوالم میرا شناسا تھا۔ جب میں تجارت

کے لیے وہاں جاتا تو اس کے گھر قیام کرتا اس سے ملاقات ضرور کرتا۔ وہ بہت ضعیف اور نیک خو تھا۔ وہ ہر بار مجھ سے سوال کرتا:

''تمہارے پاس کوئی ایسی شخصیت پیدا ہوئی ہے جسے شرف اور بزرگی حاصل ہو، یا اس نے تمہارے دین کی مخالفت کی ہو؟''

میں ہر بار اس کا نفی میں جواب دیتا، اب کی بار جب میں اس سے ملنے گیا تو اسے بہت ناتواں اور بیمار پایا۔ مجھے دیکھ کر بڑا خوش ہوا، اور پوچھا:

''ذرا اپنا حسب نسب تو بیان کرو۔''

میں نے تفصیل بتائی تو اس نے کہا:

''میں تجھے ایک بشارت دیتا ہوں جو تیری تجارت سے بہتر ہے۔ پچھلے مہینے اللہ نے تمہارے درمیان ایک نبی مبعوث فرمایا ہے۔ اسے تمام مخلوق پر فضیلت بخشی ہے۔ اس پر کتاب بھی نازل فرمائی ہے۔ وہ بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے۔ ہمیشہ سچ کہتا ہے۔''

میں نے بڑے تعجب سے پوچھا:

''وہ قریش کے کس قبیلے کا ہے؟''

عشکلان نے کہا:

''وہ بنی ہاشم سے ہے، اور رات دن تم اس کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو۔ اے عبدالرحمٰن! فوراً واپس جاؤ اور اس کے دست حق کو تھام لو۔ اس کی صداقت کی گواہی دو۔ اس کی مدد اور نصرت میں پیچھے نہ رہو۔ میں نے ان کی شان میں کچھ شعر کہے ہیں، ان کی خدمت میں پہنچا دو۔''

''میں بلندیوں والے اللہ کی گواہی دیتا ہوں جو رات کو صبح سے پیدا کرنے والا ہے۔ رب موسیٰ کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ بے شک بطحا والوں کی طرف رسول ہو کر آئے ہیں۔ آپ ﷺ اس بادشاہ کے سامنے میرے بھی شفیع ہو جائیں جو مخلوق کی اصلاح کی طرف دعوت دیتا ہے۔''

حقیقی بھائی بند

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ سن کر مجھ سے یمن میں ٹھہرا نہ گیا، اپنا کام جلدی نمٹا کر مکہ کی راہ لی اور سیدھا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچا۔ حمیری کی باتیں انہیں سنائیں اور اس کی بشارت کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتایا:

"وہ درست کہتا ہے تم فوراً حضور ﷺ سے ملو اور ایمان لے آؤ۔"

"میں جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو تبسم کے ساتھ فرمایا:

"میں ایسا چہرہ دیکھتا ہوں جس سے مجھے بھلائی کی امید ہے۔"

میں نے پوچھا:

"وہ کون ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو جس کا پیغام لایا ہے، وہ حمیری جس میں مومنوں کے سے خواص ہیں۔"

یہ سن کر میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور ایمان سے بہرہ ور ہوا۔

آپ ﷺ نے مشکلان بن ابی العوالم کی باتیں اور اشعار سن کر فرمایا:

"ہوسکتا ہے وہ مجھ پر دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لانے والا ہو، اور میرا زمانہ دیکھے بغیر میری تصدیق کرنے والا ہو، یہی میرے حقیقی بھائی بند ہیں۔"

جنات کا ایمان

ایک دن حضور ﷺ مسجد قبا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی شتر سوار آیا، اور آپ ﷺ کو نبوت کی مبارک باد دی، اور عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! کئی سال پہلے کی بات ہے کہ میں چند لوگوں کے ساتھ حضر موت کے علاقہ میں سفر کر رہا تھا۔ ہم چاندنی رات میں راستہ بھول کر ایک پر خطر وادی میں داخل ہوئے، اتنے میں گریہ وزاری اور آہ و بکا کا ایک شور برپا ہوا۔ ساتھ ہی ایک آواز آئی:

"بخدا! قیامت نزدیک آگئی ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ آخری پیغمبر (ﷺ) مبعوث ہو چکا ہے۔ سعید لوگ آپ ﷺ کی اطاعت کریں گے، جو مخالفت کریں گے وہ

بد بخت ہوں گے۔"

ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے، تم کون ہو اور یہ شور کیسا ہے؟"

جواب ملا:

"میں مشکلان جن ہوں، اور یہ جنوں کی آواز ہے جو پیغمبر قریش ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔"

اس کے بعد سلسلہ کلام منقطع ہو گیا۔ صبح ہوئی تو ہم صحرا میں آئے اور سفر جاری رکھا۔ اتنے میں ہم نے دور ایک شخص کو دیکھا۔ میں نے اپنے ہم سفروں کو وہیں ٹھہرایا اور گھوڑا دوڑا کر وہیں پہنچا۔ دیکھا ایک خمیدہ کمر بوڑھا زمین کھود رہا ہے۔ اسے دیکھ کر ہیبت طاری ہو گئی بڑی مشکل سے میں نے کہا:

"راستہ بھول گیا ہوں کچھ کھانے پینے کو ہو تو دو۔"

اس بوڑھے نے کہا:

نہ میرا گھر ہے اور نہ کوئی سامان خورد ونوش، البتہ تم آگے پہاڑ کے فلاں غار سے گزر جاؤ تو راستہ پا جاؤ گے۔"

میں نے پوچھا:

"تم کون ہو، اور کیا کر رہے ہو؟"

اس خمیدہ کمر بوڑھے نے جواب دیا:

"میرا نام عبد کلال بن یغوث الحمیری ہے، میں قبیلہ ماذن میں ٹھہرا ہوا ہوں، ان میں ایک بوڑھا ہے جو میری عمر پندرہ سو سال بتاتا ہے۔ اس نے مجھے خبر دی ہے کہ قوم عاد کا ایک دریا اس وادی میں بہتا تھا جو اب بند ہو گیا ہے۔ میں تین سو سال سے زمین کھود رہا ہوں تاکہ اس دریا کو ڈھونڈ نکالوں۔ البتہ ایک تختی ملی ہے۔ ذرا اس کو پڑھ کر بتاؤ تو کیا لکھا ہے؟"

اس پر قوم عاد اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی مذمت تھی۔

جائے عبرت سرائے فانی

پھر وہ بوڑھا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک جگہ لے گیا، جہاں سونے کے تخت پر ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکھا تھا۔

شداد بن عادہ ستونوں والا بیس ہزار سال جیا، ہزار بیاہ کیے، ہزار شہر بسائے، ہزار خزانوں کا مالک بنا، ہزار لشکروں کو شکست دی، میں نے مشرق و مغرب پر حکومت کی، لیکن میرے لیے دنیا باقی رہی اور نہ میں دنیا کے لیے رہ سکا، خبردار ہو جاؤ اور دنیا کے لیے مغرور مت بنو۔"

ظہور کی خوشخبری

پھر وہ بوڑھا مجھے ایک پتھر کی طرف لے گیا، اس کے نیچے سے ایک صحیفہ نکالا اور کہا:

"اسے پڑھو۔"

اس صحیفہ میں حضور ﷺ کے ظہور کی خوشخبری اور اطاعت کی تاکید لکھی تھی۔ چلتے ہوئے میں نے اسے قسم دے کر پوچھا:

"بتا تیری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟"

وہ خمیدہ کمر بوڑھا کہنے لگا:

"میں گھاس کھاتا ہوں اور بارش کا پانی پیتا ہوں۔"

اس واقعہ کے دو سال تک میں حضر موت میں مقیم رہا، واپس لوٹتے ہوئے جب دوبارہ اس مقام سے گزرا تو وہاں ایک نہر بہتی دیکھی، علاقہ کو سرسبز و شاداب پایا، ایک قبر کے گرد عورتوں کو بیٹھا دیکھا، میں نے پوچھا:

"عبد کلال بن یغوث کا کیا حال ہے؟"

جواب ملا:

"یہ قبر اسی کی ہے۔"

کتبہ قبر پر چند شعر کندہ تھے۔ میں نے یہ اشعار حضور ﷺ کو سنائے، اسے سن کر آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے، اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ عبدکلال بن یغوث بن سرج پر رحم کرے، اس کا حشر امت واحد کی طرح ہوگا۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے ایک امت ہیں۔

یہ واقعہ بیان کرنے والے دیہاتی صحابی حضرت عبداللہ خفاف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

سیلِ نور

حضرت عمرو بن مرث الجنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

"ایام جاہلیت میں ایک بار میں زیارت کعبہ کے ارادہ سے مکہ گیا، ایک رات خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ سے ایک سیل نور نکلا جس سے یثرب کے پہاڑ نظر آئے۔ نور میں سے ایک آواز آ رہی تھی:

"ظلمت و تیرگی چھٹ گئی۔ ہر طرف روشنی چھا گئی، اے لوگو! سن لو خاتم الانبیاء ﷺ دنیا میں مبعوث ہو گئے۔"

"اس کے بعد نور کا ایک اور دھارا بلند ہوا جس سے حیرہ و مدائن کے محلات دکھائی دیئے۔ اس دفعہ نور سے کوئی پکار رہا تھا۔

"اسلام ظاہر ہو گیا، بت ٹوٹ گئے، بیگانے شیر وشکر ہو گئے۔"

"میں خواب سے بیدار ہوا تو دل سہما ہوا تھا۔ واپس ہو کر میں نے اپنی قوم سے کہا:

"بخدا کوئی نئی بات مکہ میں ہونے والی ہے۔"

اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے اپنے گاؤں میں سنا کہ احمد ﷺ کے نام کے ایک شخص نے اعلان نبوت فرمایا ہے۔ یہ سن کر میں ان ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنا خواب انہیں سنایا، اور ان سے ایمان کی دولت لے کر اپنے گاؤں لوٹ گیا۔"

حلیہ اور نشانیاں

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"جن دنوں حضور ﷺ کی بعثت ہوئی میں طائف کے نجاروں کی ایک جماعت کے ساتھ اسکندریہ گیا ہوا تھا۔ وہاں میں سب سے بڑے پادری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بڑا نیک اور خدا رسیدہ انسان تھا، میں نے اس سے پوچھا:

''کیا انبیاء میں کوئی پیغمبر آنا ابھی باقی ہے۔''

اس نے جواب دیا:

''ہاں، ابھی ایک رسول (ﷺ) آئے گا، اور وہی خاتم الانبیاء (ﷺ) ہوگا۔''

پھر اس پادری نے کہا:

''میں تمہیں ان کی نشانیاں بتلاتا ہوں، ان کا حلیہ کتابوں میں کچھ یوں لکھا ہے:

''وہ نہ زیادہ دراز قد ہوگا، اور نہ کوتاہ قامت۔ اس کا رنگ نہ زیادہ سفید ہوگا، اور نہ بالکل سیاہ۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ہوگی اور اس کے بال لمبے ہوں گے، وہ کمر میں پٹکا باندھے گا اور شمشیر بکف ہوگا۔ وہ کسی سے خائف نہیں ہوگا۔ وہ اپنے نفس سے بھی جہاد کرے گا۔ اس ﷺ کے اصحاب اس ﷺ پر جانیں نثار کریں گے، اور وہ اسے ﷺ ماں باپ آل اولاد سے زیادہ عزیز رکھیں گے۔ اس کی سرزمین لق و دوق صحرا ہوگی، جہاں گھاس بھی نہیں اگتی، وہ دین ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرے گا۔ وہ ایک حرم سے مہاجرت کرکے دوسرے حرم میں رحلت کرے گا۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا:

''ذرا ان ﷺ کی صفات کچھ اور تفصیل سے بیان کرو۔''

اسکندریہ کے اسقف نے مزید کہا:

''ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہے، لیکن وہ تمام انسانوں کے لیے ہوگا، تمام روئے زمین اس کے لیے مسجد ہوگی، جب پانی میسر نہ ہوگا تو تیمم کرکے نماز ادا کرے گا۔''

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

''جب میں ایمان لایا تو یہ باتیں حضور ﷺ کو بتائیں۔ آپ ﷺ سن کر بہت خوش ہوئے، اور اسے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سنانے کا حکم دیا۔ میں نے کئی لوگوں کو یہ واقعات سنائے۔''

حسرتِ دید

حضور اکرم ﷺ کے بعثت کی خبر جب اکثم بن صیفی کو ملی تو آپ ﷺ کے دیدار کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ رخت سفر باندھا تو اس کے قبیلے کے لوگ آ کر اس سے کہنے لگے:

"تو قوم کا سردار اور بزرگ ہے، اپنے مقام سے نہ گر ہمیں ذلیل نہ کیجیو۔"

اس نے سفر ملتوی کر دیا، اور دو آدمیوں کو آپ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے روانہ کیا۔ جب وہ لوٹے اور آپ ﷺ کے حسب نسب، اقوال اور اخلاق کے بارے میں اسے بتایا تو اس نے اپنی قوم کو سب سے پہلے ایمان لانے کی وصیت کی۔ اس کے چند دنوں کے بعد وہ وفات پا گیا۔

صبح کی شام

حضرت سفیان ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"بعثت سے کچھ عرصہ قبل میں ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام گیا، رات بھر سفر کرنے کے بعد زرقا اور معاون کے درمیان ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ صبح سویرے اچانک ایک آواز سنائی دی:

"اے سونے والو جاگو سونے کا وقت نہیں ہے۔"

میں نے دیکھا زمین و آسمان کے درمیان ایک سوار پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

"اے لوگو! احمد مرسل ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے، تمام شیاطین کو بہت دور بھگا دیا ہے۔"

میں فطرتاً نڈر او دلیر تھا لیکن یہ آواز سن کر سہم گیا، سفر سے مکہ لوٹا تو پتہ چلا کہ قریش اور بنی عبدالمطلب میں اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ کیونکہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک نبی مبعوث ہوئے ہیں، اور ان کا اسم گرامی احمد ﷺ ہے۔"

بتوں کا اقرارِ حق

عمان کے قریہ سمایا میں عتیرہ نامی ایک بت تھا، اس کا مجاور ماذن بن عضوبہ تھا۔ ایک رات جب اس کے آگے قربانی ہوئی تو ایک آواز آئی:

''اے ماذن! خیر ظاہر اور غالب ہوگیا، شر پوشیدہ اور ذلیل ہوگیا، قبیلہ مضر سے ایک نبی ﷺ مبعوث ہوگئے ہیں، اب پتھر سے تراشے ہوئے معبود کو چھوڑ اور جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جا۔''

میں نے بت کے اندر سے یہ آواز سنی تو خوف زدہ ہوگیا۔

کچھ دن بعد پھر اس پر بھینٹ چڑھائی، بت نے صدا دی۔

''اے ماذن! میری بات غور سے سن جاہل نہ بن، حق کے ساتھ رسول ﷺ مبعوث ہوگئے ہیں، ان پر ایمان لائے گا تو آگ سے محفوظ ہو جائے گا۔''

ماذن بن عضوبہ کہتے ہیں:

''میں نے سوچا شاید قدرت میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتی ہے۔ ان ہی دنوں حجاز سے ایک آدمی ادھر آنکلا، میں نے اس سے پوچھا:

''تمہاری طرف کوئی بات تو ظاہر نہیں ہوئی؟''

اس نے کہا:

''ہاں محمد (ﷺ) بن عبداللہ نبی ہوئے ہیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلا رہے ہیں۔''

میں نے بت کو اپنے ہاتھوں پاش پاش کر دیا۔ سواری لی اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مالا مال ہوا۔''

نورِ ہدایت

ایک بار قبیلہ خثعم کے لوگ بت کے اطراف جمع تھے۔ اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کا اس سے مطالبہ کرر ہے تھے، ناگاہ ایک آواز کانوں میں آئی:

''اے لوگو! تم عقل سے عاری محض ڈھانچے ہو۔ احکام کو بتوں کو طرف منسوب کرتے ہو۔ قریب میں اللہ کے رسول ﷺ کی ذات موجود ہیں۔ جو مخلوق کے سردار ہیں، عدل وانصاف کرتے ہیں، ان سے نور ہدایت اور دین حق کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ وہ بلد الحرام میں علانیہ دعوت حق دے رہے ہیں۔''

ہم سب گھبرا کر وہاں سے اٹھے۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ بہت دنوں بعد ہمیں معلوم ہوا کہ حق کا یہ علم بردار بلد الحرام سے یثرب ہجرت کر گیا ہے ہم

میں سے اکثر مدینہ حاضر ہوئے اور حق کی گواہی دی۔"

بوانہ بت کی گواہی

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"بعثت نبوی ﷺ سے ایک ماہ قبل ہم بوانہ بت پر اونٹ ذبح کررہے تھے۔ بت کے اندر سے ایک آواز آئی کوئی چلا چلا کر کہہ رہا تھا:

"عجیب بات ہے سنو، آسمانوں سے وحی کی چوری بند ہوگئی، جنوں پر شہاب ثاقب برستے ہیں، یہ نبی مکی ﷺ کی برکت ہے، ان نبی تہامی ﷺ کا نام نامی احمد ﷺ ہے ان ﷺ کا دارالہجرت مدینہ ہوگا۔"

یہ آواز سن کر سب کے سب دم بخود اور مجسمہ حیرت بن گئے۔"

غیبی ندا سے گواہی

حضرت خویلد ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

"ہم سب اپنے قبیلہ کے بت کے آگے بیٹھے تھے، اتنے میں کسی کی چیخ و پکار اور فریاد سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا:

"جنات کا آسمان پر جاکر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننا اور پھر آکر کاہنوں کو بتانے کا سلسلہ ختم ہوگیا، اب ان پر آگ کے گولے برستے ہیں، یہ سب کچھ اس لیے کہ صاحب لولاک ﷺ کا مکہ میں ظہور ہو چکا ہے۔ وہ نماز، روزہ، نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیں گے مدینہ ان کی ہجرت گاہ ہوگی۔"

غضباء کا شہسوار

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

"وقت مرگ میرے باپ مرداس نے وصیت کی کہ قبیلہ سلیم کے ضمار (بت کا نام) کی تعظیم میں کمی نہ کرنا، میں نے عزت و برکت کی خاطر اسے گھر ہی میں نصب کرلیا، ہر روز اس پر نذر چڑھاتا، جب خاتم الانبیاء ﷺ مبعوث ہوئے تو آدھی رات کو ایک خوفناک آواز سے میرا گھر گونج اٹھا، گھبرا کر میں پناہ لینے کے

لیے ضمار کے پاس دوڑا۔ آواز اس کے اندر سے نکل رہی تھی' اور کہہ رہا تھا:

"سب ہلاک ہوئے بجز ان کے جو اہل مسجد ہیں، ضمار بھی ہلاک ہو گیا، جس کی عبادت محمد رسول برحق ﷺ پر نزول کتاب سے پہلے کی جاتی تھی۔"

میں نے اس واقعہ کو سینہ میں راز کی طرح دفن کر دیا۔ جب غزوہ خندق میں تمام قبائل عرب مدینہ سے ذلیل وخوار ہو کر لوٹے تو میں نے سوتے میں ایک آواز سنی۔

"منگل کی رات کو نازل ہونے والا نور غضباء اونٹنی کے شہسوار کے پاس ہے۔"

اب مجھ پر حقیقت ظاہر ہو گئی، فوراً بارگاہ رسالت ﷺ میں پہنچا اور شہسوار غضباء کا ہمرکاب ہو گیا۔

سواع کا انجام

قبیلہ ہذیل، سلیم اور بنو ظفر کا معبود سواع نامی بت تھا، جو معلٰی کے مقام پر نصب تھا۔ بنو ظفر نے قبیلہ سلیم کی طرف سے ہدیہ پیش کرنے راشد بن عبدربہ کو بھیجا۔ جب سفر کر کے فجر کے وقت سواع کے قریب جا پہنچا تو اس کے قریب کے بت سے آواز آئی:

"اولاد عبدالمطلب سے نبی کا ظہور ہو چکا ہے، وہ بتوں کے لیے ذبیحہ اور قربانی سے منع کرتے ہیں، سود خوری اور زنا کو حرام کہتے ہیں۔ آسمان پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔"

دوسرے بت نے کہا:

"نبی برحق ﷺ کے مبعوث ہونے پر ضمار ترک کر دیا گیا۔"

تیسرے بت نے صدا دی:

"اس قریشی النسل نبی ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بعد نبوت و ہدایت سنبھال لی۔ وہ گزری ہوئی اقوام کے حالات بتاتے ہیں، اور آنے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں۔"

حضرت راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

اتنے میں کہیں سے دو لومڑیاں آئیں، ہدایا کو کھایا، ارد گرد کو چاٹا اور سواع پر چڑھ کر پیشاب کر دیا اور میں بے اختیار چیخ اٹھا:

''کیا وہ رب ہو سکتا ہے، جس کے سر پر لومڑیاں سوار ہوں، یقیناً وہ بڑی ذلت سے دوچار ہوا۔''

بعثت کی نوید

امیر المومنین حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یمن کے ایک ذی حیثیت شخص تھے ملنے آئے، یہ پہلے کہانت کا پیشہ کرتے تھے، ایک جن ان کے تابع تھا۔ جس نے انہیں بعثت کی نوید سنائی۔

امیر المومنین حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ذرا وہ واقعہ اپنی زبان سے سناؤ۔''

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''میں ایک رات سویا ہوا تھا، کسی نے مجھے پاؤں کی ٹھوکر سے جگا دیا اور کہا:

''لوی بن غالب کی اولاد سے ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اس کی عبادت کا حکم دیتے ہیں، تم میں ذرا بھی عقل وفہم ہے تو کہانت کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

میں نے کوئی توجہ نہ دی، دوسری رات پھر یہی ہوا، اب بھی میں نے سنی ان سنی کر دی۔ تیسری رات وہ جن پھر آیا اور ٹھوکر لگا کر کہا:

''میں نے تجھے بارہا متوجہ کیا کہ غفلت چھوڑ، تمام جن تلاش حق میں مکہ کی طرف جا چکے ہیں تو کہیں پیچھے نہ رہ جائے۔''

دامنِ نبوت

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں:

''صبح ہوتے ہی میں نے اونٹنی پر پالان رکھا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر گئے ہیں، میں نے رخ مدینہ کی طرف کر دیا، مسجد کے دروازے پر اونٹنی باندھ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض پرداز ہوا:

''میری گزارش سن لیجئے۔''

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا:

''اسے قریب لاؤ۔''

میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے تو یہ بتا، تیرے تابع جن نے تجھے کیا بتایا۔''

''میں نے تمام سرگزشت سنائی، اور آپ ﷺ کی شان میں قیصدہ پڑھا، جس کا آخری شعر تھا:

''اے سب رسولوں سے افضل و اکرام! آپ ﷺ اس دن میرے شفیع بننا۔ جب آپ ﷺ کے سوا کسی کی سفارش نہ ہوگی، آپ ﷺ کے علاوہ کوئی سواد بن قارب کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔''

اس ایمان افروز قصیدہ کو پڑھ کر میں آپ ﷺ کے دست حق پر ایمان لے آیا۔ اب آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے چودھویں کے چاند کی مانند دمکنے لگا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے گلے لگایا اور پوچھا:

''کیا اب بھی وہ جن تمہارے پاس آتا ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''جب سے تلاوت کلام اللہ شروع کی ہے، وہ نہیں آتا، سچ تو یہ ہے کہ جنوں کو حاضر کرنے کے لیے پڑھے جانے والے کلمات کے عوض قرآن مجید اور فرقان حمید کیسا اچھا بدل ہے۔''

پناہ سے معذوری

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں علاقہ شام میں سفر کر رہا تھا، ایک رات ایک جگہ ٹھہرا تو جاہلیت کے طریقہ کے مطابق جنوں کی پناہ طلب کی، جب لیٹنے لگا تو ناگاہ ایک ندا آئی:

''پناہ چاہتے ہو تو اللہ سے مانگو، جن کسی کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ رسول امین ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے، ہم نے تو مقام حجون میں ان کے پیچھے نماز ادا کی

ہے۔ اب جنوں اور شیطانوں کے مکروفریب کا جال ٹوٹ گیا، اب ان پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے۔ فوراً اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں جا اور ان کے حلقہ غلامی میں داخل ہو جا۔"

میں نے ساری رات آنکھوں میں بسر کر دی۔ صبح "دیر ایوب" میں ایک راہب کے پاس گیا اور سارا معاملہ کہہ سنایا۔ اس نے کہا:

"یہ خبر بالکل سچی ہے، حرم مکہ میں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔"

میں ممکنہ جلدی سے نکلا اور بخت و سعادت سے آپ ﷺ کی بارگاہ میں رسائی نصیب ہوئی، اور خاتم النبیین ﷺ کے دست حق پر ایمان لے آیا۔"

ندائے غیب

حضرت خزیم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ سناتے ہوئے عرض کیا:

"میں اپنے مویشیوں کی تلاش میں ابرقِ غراف پہنچا، رات آئی تو حسب روایت بلند آواز سے کہا:

"میں وادی کے اس عظمت والے جن کی شریر جنوں سے پناہ لیتا ہوں۔"

ناگاہ ایک غیبی آواز گونجی:

"اے جوان! اللہ ذوالجلال کی پناہ لے جو سب کا مالک ہے۔"

میں نے کہا:

"مجھے راہ نجات اور سبیل ارشاد کی خبر دے۔"

ندا آئی:

"وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، جو خیرات و فیوض کے مالک ہیں نجات کے راستے کی طرف بلاتے ہیں، نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے منع کرتے ہیں۔"

اے امیر المومنین! اس آواز نے مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے دامن سے وابستہ کر دیا۔"

❁❁❁

منصب نبوت

پہلی وحی

مکہ۔شہر خوباں، شب کی سیاہی کے دبیز پردوں میں مستور تھا، تمام ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں مختلف جگہوں پر روشن نظر آرہی تھیں۔رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔اس کے باوجود چوپالوں میں رقص وسرود کی محفلیں اپنے پورے شباب پر تھیں۔ساغرو مینا کے دور چل رہے تھے، لوگ عیش ونشاط میں مصروف تھے۔بلکہ گناہ کی اس دلدل میں گردن تک دھنس چکے تھے۔قمار بازی کے اڈوں میں بازیاں اپنے عروج پر تھیں۔قحبہ خانوں میں ابلیس محو رقص تھا۔

مفاسد کے ان سرچشموں سے ذرا ہٹ کر دن کے تھکے ماندے گڈریئے نیند کے نشے میں مست سو رہے تھے۔

سرزمین عرب کے اس مرکزی شہر کی ہر رات ایسی ہی ہوتی تھی۔

لیکن مکہ کی ان دلفریبیوں سے تین میل دور جبل نور کی انتہائی بلندی سے ذرا نیچے ایک غار میں آدھی رات کی ان خوفناک گھڑیوں میں رنج وراحت سے بے نیاز کوئی سربسجود تھا۔تنہائی اور خاموشی ہر طرف محیط تھی۔وہ یکہ وتنہا اس سنسان اور ویران غار میں محو تحنث تھے۔

یہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لال اور جگر گوشہ عبداللہ، محمد بن عبداللہ ﷺ تھے، جو شہر مکہ کی رونق سے دور تنہائی میں اپنے رب سے لو لگائے بیٹھے تھے۔جنہیں مکہ کی ان دلفریبیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، جو اہل مکہ کے اس شور وشغف کو انتہائی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتے۔

وہ کفر میں رہتے ہوئے بھی کفر سے کوسوں دور تھے، ان کے دل کے اندر نور جگمگا رہا تھا۔

یہ وہ نور تھا، جس نے ایک دن تمام مکہ، تمام نجد و حجاز اور تمام دنیا کو ظلمت سے نکال کر منور کرنا تھا، یہ وہ نور تھا جس نے کفر و شرک کے بتوں کو پارہ پارہ کرنا تھا، یہ وہ نور تھا جس کے لیے ارض و سما منتظر تھے۔

محمد ﷺ اس اندھیری غار سے خالق اکبر کے جمال جہاں آراء کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے، یہاں انہوں نے چھ ماہ قبل اپنے مالک اور خالق اپنے معبود حقیقی کے پیامبر جبرائیل امین کو دیکھا تھا، جو انہیں رسالت کی خوشخبری دے کر چلے گئے تھے، اور ان کے انتظار میں محمد ﷺ اس غار میں گوشہ نشین تھے۔

محمد ﷺ شاہد حقیقی کے نامہ و پیام کے منتظر تھے۔ محمد ﷺ اولاد آدم کی گمراہی کا غم سینے میں دبائے اندھیری راتوں میں اپنے خالق و مالک سے ان کی ہدایت کے طالب رہتے ہیں، ہر روز، روز اُمید اور ہر شب، شب نوید کا یقین ہے، تاہم بے قراری لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی ہے۔ کیونکہ محبت کے اس کوہ آتش فشاں کے انفجار کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔

آج ۱۸ رمضان المبارک بمطابق ۱۷ اگست ۶۱۰ء جمعہ کی شب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے اور انسانیت کے عظیم ترین محسن محمد ﷺ رب العزت کی بارگاہ میں غار حرا میں سربسجود ہیں۔ اتنے میں سرسراہٹ سی ہوئی۔ آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے جبرائیل امین کو موجود پایا۔

وہی جبرائیل امین جو خالق اکبر کے فرستادہ ہیں، جن کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس گئی تھیں۔ جن کی زبانی محبوب ازلی کا پیغام سننے کے لیے سخت بے تابی تھی، جن کا انتظار کرتے کرتے چھ ماہ گزر چکے تھے۔ آج وہ جبرئیل امین آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ اللہ رب العزت کا پیغام لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی پہلی وحی آپ ﷺ کی طرف لے کر آئے تھے۔ نبوت کا تاج آپ ﷺ کے سر پر سجانے کے لیے آئے تھے۔

جبرئیل امین کے ہاتھ میں ایک سبز ریشمی کپڑا تھا، جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ ناموسِ اکبر نے کہا:

”اقراء“

آپ ﷺ نے جواب دیا:

''ما انا بقاری۔''

''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

اس پر جبرائیل امین نے آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا یہاں تک کہ قوت برداشت جواب دینے لگی۔ ادھر ملکوتی نور جسد بشری کو منور کرنے لگا، کچھ دیر بعد علیحدہ کیا تو پھر جبرائیل امین نے کہا:

''اقراء'' (پڑھیئے)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے پڑھنا نہیں آتا۔''

تیسری بار جب خوب بھینچا تو آپ ﷺ کو قوت محسوس ہوئی، اب جو فرشتے نے کہا:

''اقراء''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا پڑھوں؟''

جبرائیل امین نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o

اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ o

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o

''پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ

جس نے پیدا کیا

جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی

پڑھو، اور تمہارا رب تو بہت عزت والا ہے

جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا

انسان کو وہ علم دیا، جس کو وہ نہ جانتا تھا۔ (سورہ العلق: ۱ تا ۵)

فرشتہ کا پڑھایا ہوا زبان پر جاری ہو گیا۔ لوح دل پر نقش ہو گیا، غنچہء دل نسیم وحی سے کھل اٹھا، اللہ کا پاک نام اس کا برگزیدہ کلام جو سارے علوم کی شاہ کلید ہے، ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے، اس کے سامنے تخلیق انسان کی حقیقت بیان کر دی گئی، جو رہتی دنیا تک عبد ومعبود کے رشتے کو جوڑنے آیا تھا، وحی اولیں کے نور سے غار حرا جگمگا اٹھا، جبل نور کے بخت نے یاوری کی۔ نورٌ علیٰ نور بن گیا۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین فرشتے نے اس کے محبوب ترین بندے کو رسالت کی بشارت دے دی تھی وہ مژدہ جانفزا تھا جس کے انتظار میں ارض وسماء کا ذرہ ذرہ اول سے اب تک بے تاب تھا۔

نزول وحی کی گھڑیاں گزر گئیں۔ نزول قرآن کا آغاز ہو چکا، اور اب جبل نور کے اس حصہ پر جو اوپر اٹھا ہوا تھا۔ جبرئیل امین نے ایک چٹان پر اپنا پر مارا تو پانی کا چشمہ ابلنے لگا، جس سے پہلے فرشتے نے وضو کیا، پھر محبوب خدا ﷺ نے وضو کیا۔ اب جبرائیل امین امام ہیں اور محمد ﷺ مقتدی۔

یہ پہلی نماز ہے، اور اس کے ساتھ ہی فجر اور عصر کی دو دو رکعتیں فرض ہو گئیں۔

اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھائے ۶۱۰ سال گزر چکے تھے۔

اس کے بعد جبرائیل امین آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر گئے، اور حامل وحی رشد و ہدایت کا آفتاب حرا سے طلوع ہوا۔

جبرائیل امین جا چکے تھے۔ محمد ﷺ پر اضطراب کی ایک شدید کیفیت طاری تھی۔ وہ اس عالم میں گھر کی طرف چل دیئے۔

بشارت

منصب نبوت سے گرانبار مہبط وحی محمد بن عبداللہ ﷺ اپنے گھر لوٹے تو شریک حیات نے دل جوئی میں آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ بیان کیے۔ تسلی دی۔

"اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہر آفت سے محفوظ رکھے گا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جان ہے، آپ ﷺ بے شک اس کے نبی ہیں، بشارت ہو کہ اللہ آپ ﷺ کے ساتھ سوائے خیر کے اور کچھ نہیں کرے گا، جو منصب آپ ﷺ کے پاس آیا ہے، وہ حق ہے یقیناً آپ ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔"

انہیں بے اختیار پندرہ سال پہلے کے وہ دن یاد آئے، جب دوپہر کے وقت آپ ﷺ سفر شام سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال لے کر لوٹے تھے۔ اس وقت دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ فگن تھے۔ نسطورا راہب کی باتیں جو میسرہ نے سنائی تھیں، اور جن کا تذکرہ اس زمانے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے چچا زاد بھائی کتب آسمانی کے عالم ورقہ ابن نوفل سے کیا تھا۔ تفصیل سن کر کہا:

"اگر واقعہ سچا ہے تو محمد ﷺ اس امت کے نبی ہوں گے آسمانی کتابیں کہتی ہیں کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔"

تھوڑی دیر مراقبہ کے بعد کچھ شعر پڑھے۔

نذرانۂ عقیدت

(۱) "میں نے اپنی تمام تر توجہ اس کی جانب مبذول کر رکھی ہے جو پتھریلی، نشیبی، اونچی زمینوں اور ہموار میدانوں میں رہنے والوں میں سے بہترین ہے۔

(۲) احمد بن عبداللہ ﷺ پتھریلی زمین کی وادیوں کے جملہ رہنے والوں کی طرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔

(۳) ان کے بارے میں میرا گمان ہے کہ عنقریب وہ صداقت کے ساتھ مبعوث کیے جائیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دو بندوں ہود اور صالح کو مبعوث فرمایا۔

(۴) جس طرح موسیٰ اور ابراہیم کو مبعوث کیا گیا یہاں تک کہ اس کے محاسن محامد واضح ہو جائیں گے۔

(۵) قبیلہ لوی کے جوان اور بوڑھے سردار بحیثیت مجموعی اس کا اتباع کریں گے۔

(۶) کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب لوگ اس کا زمانہ پائیں گے۔

میں اس کے لیے محبت کی بشارت دینے والا ہوں۔

(۷) ورنہ اے خدیجہ! جان لے کہ میں اب تمہاری اس زمین سے آخرت کی طویل اور وسیع زمین کی طرف سفر کرنے والا ہوں۔"

کتب آسمانی کے عالم ورقہ ابن نوفل کی ان بشارتوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں اس دولت لازوال کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی تمنا پیدا کی تھی۔

چراغِ حرم

برسوں پہلے خواب کی تعبیر مل رہی تھی۔ جبل نور کے غار حرا سے منصب نبوت پر فائز ہو کر چراغ حرم "دار خزیمہ" کو منور کرنے لگا' تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں تشفی کرنی چاہی۔ سردار مکہ عتبہ بن ربیعہ کا ایک نصرانی غلام عداس تھا۔ جو طائف میں اس کے باغوں کا نگران تھا وہ اصل میں نینوا کا رہنے والا تھا۔ جہاں حضرت یونس علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اتفاق سے وہ ان دنوں مکہ میں تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے پاس گئیں اور فرمایا:

"مجھے ذرا جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں کچھ بتانا۔"

عداس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام سنتے ہی کہا:

"قُدُّوس قُدُّوس"

"یعنی سبحان اللہ ان بت پرستوں کی سرزمین میں جبرائیل علیہ السلام کا ذکر وہ تو امین ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے مابین سفیر ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے خلوت نشین ہیں۔"

بینا نابینا

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر ورقہ ابن نوفل کے پاس گئیں، جو توریت اور انجیل کے عالم تھے۔ وہ ان کی عبرانی زبان میں کتابت کرتے تھے۔ انجیل کو سریانی زبان میں لکھا کرتے

تھے۔ اس کا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے، زمانہ جاہلیت میں بت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانیت اختیار کر گئے تھے، اب بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے۔ بینائی بھی جاتی رہی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے پوچھا:

''مجھے جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں کچھ بتایئے۔''

ورقہ ابن نوفل نے کہا:

''کون، قدوس، قدوس''

ایک دوسری روایت کے بموجب سبوح سبوح۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

''ہاں! میرے شوہر کہتے ہیں ان پر جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے ہیں۔''

اور اس کی کیفیت بھی بتلاتے ہیں۔

یہ سن کر ورقہ ابن نوفل نے کہا:

''اگر جبرائیل علیہ السلام! اس زمین پر اترے ہیں تو اللہ تعالیٰ بہت خیر و برکت نازل کرے گا، تم سچ کہتی ہوں تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا۔

اے خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! یہ وہی ناموس اکبر ہے، جو ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوا تھا۔

نمودِ نبوت

ایک روایت یہ بھی ہے:

''حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مہبط وحی ﷺ کو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ورقہ ابن نوفل کے پاس روانہ کیا۔ حضور ﷺ نے تفصیل بتائی، یہ بھی فرمایا:

''جب تنہا رہتا ہوں تو یا محمد (ﷺ) یا محمد (ﷺ) کی ندا سنتا ہوں، ادھر ادھر دیکھتا ہوں تو کوئی دکھائی نہیں دیتا اور گھبرا کر بھاگنے لگتا ہوں۔''

ورقہ ابن نوفل نے کہا:

''اب جب کہ ایسی صدا آئے تو اپنی جگہ قائم رہیے اور آواز پر دھیان دیجئے جو

کچھ سنائی دے مجھے آ کر بتائیے۔"

ایک بار خلوت میں وہی آواز سنائی دی، کہنے والے نے کہا:

"یا محمد (ﷺ)!

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

اس کے بعد اس نے کہا:

"پڑھیے"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ اٰمِیْنَ

ترجمہ:۔"ہر قسم کی تعریفیں اللہ کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔ (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم کو سیدھے راستے پر چلا ایسے راستے پر جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔ نہ اُن کے راستے پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کے راستے پر۔"

یہ پڑھا کر وہ غائب ہو گیا۔

آپ ﷺ نے ورقہ ابن نوفل سے سارا حال بیان فرمایا:

ورقہ ابن نوفل نے کہا:

"آپ ﷺ کو مبارک ہو، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی نبی ہیں جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے دی ہے۔"

آرزوئے نصرت

دوسری روایت یہ ہے:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اپنے ساتھ لے کر گئیں، اور عرض کیا:

"آپ ﷺ سارا واقعہ خود اپنی زبان سے بیان فرمایئے: ورقہ ابن نوفل نے

جب آپ ﷺ کا کلام سنا تو سنتے ہی حق کا یقین آ گیا۔"

بخاری اور مسلم میں ہے:

ورقہ ابن نوفل نے کہا:

"آپ ﷺ کو بشارت ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی ہیں جن کی حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ مثل موسیٰ علیہ السلام کے نبی مرسل ہیں، اور آپ ﷺ کو عنقریب اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم کیا جائے گا۔"

ورقہ ابن نوفل نے مزید کہا:

"یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں آپ ﷺ کے زمانہ رسالت میں قوی اور توانا ہوتا۔ اے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی۔"

حضور ﷺ نے بے اختیار پوچھا:

"کیا وہ مجھے نکال دیں گے۔"

ورقہ ابن نوفل نے کہا:

"ہاں، ہر اس شخص سے جو آپ ﷺ جیسی چیز لے کر آیا ہمیشہ دشمنی کی گئی، اگر مجھے آپ ﷺ کا وہ زمانہ نصیب ہوا تو ہر طرح آپ ﷺ کی مدد کروں گا۔"

جب نبی مرسل ﷺ ورقہ ابن نوفل سے رخصت ہونے لگے، تو چلتے وقت انہوں نے آپ ﷺ کے سر اقدس کو بوسہ دیا۔

پہلی وحی کے نزول کے ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ کو اپنے منصب و مقام کا علم ہو چکا تھا۔ ورقہ ابن نوفل کے پاس آپ ﷺ کا تشریف لے جانا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش کے احترام کے ساتھ ساتھ تبلیغ کے آغاز کا مرحلہ بھی تھا۔ جس کے لیے قدرت نے ورقہ ابن نوفل کو ابتدائی کڑی بنایا۔

منصب نبوت کے علم کے بعد تصدیق کرنے والوں کی ضرورت تھی۔ یہ سعادت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ورقہ ابن نوفل کے حصہ میں آئی۔ ورقہ ابن نوفل نے تصدیق بھی کی

اور جذبہ نصرت کی آرزو بھی۔

نبوت کا پہلا قصیدہ

اس ملاقات کے بعد ورقہ ابن نوفل نے آپ ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ بھی کہا:

(۱) خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے مختلف اوصاف معلوم کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ وہی نبی (ﷺ) ہیں جن کا مجھے عرصہ دراز سے انتظار تھا۔

(۲) مجھے یہی امید تھی کہ یہ نبی (ﷺ) مکہ یا مدینہ میں مبعوث ہوں گے، اب تمہاری بات سن کر مجھے یقین ہوگیا ہے۔

(۳) بات یہ ہے کہ محمد (ﷺ) اپنی قوم کا سربراہ ہوگا اور اپنے مخالفین پر محبت سے غالب آئے گا۔

(۴) شہروں میں ہدایت کا نور اور روشنی پھیل جائے گی اور مخلوق کو اضطراب کے بجائے سکون نصیب ہوگا۔

(۵) ان (ﷺ) سے لڑائی کرنے والے خائب و خاسر اور صلح و صفائی رکھنے والے فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں گے۔

(۶) اے کاش! مجھے وہ وقت نصیب ہو جب ان (ﷺ) کی قوم ان (ﷺ) کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گی تو میں انہیں ان (ﷺ) کے مقام سے آگاہ کروں گا اور معتمد علیہ ثابت ہوں گا۔

(۷) میں ضرور اس دین میں شامل ہو جاؤں گا جسے قریش خواہ پسند کریں یا نہ کریں اور چیخ چیخ کر مکہ سر پر اٹھالیں گے۔

(۸) جس بات کو تمام قریش ناپسند کرتے ہوئے پستی میں گر جائیں گے مجھے امید ہے اسے اختیار کر کے عرش والے تک رسائی حاصل کی جاسکے گی۔

(۹) اگر یہ باقی رہے اور میں بھی باقی رہا تو ہم یقیناً ایسے امور ملاحظہ کریں گے جن کی وجہ سے کافروں کو نالہ و شیون کرنا پڑے گا۔

(۱۰) اور اگر میں چل بسا تو ہر نوجوان کو بالآخر ایسے امور کا سامنا کرنا پڑے گا جو

اس کی وفات پر منتج ہوں گے۔"

اس کے چند دن بعد ورقہ ابن نوفل کی وفات ہوگئی، چونکہ انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی نیز آرزوئے نصرت بھی، اس لیے اکثر آپ کو صحابی کے مرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں۔

ورقہ ابن نوفل کی رحلت کے بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں دریافت کیا:

آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے ان کو خواب میں سفید لباس پہنے دیکھا ہے، اور یہ ایمان کی علامت ہے۔"

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے قسیس (عیسائی دانش مند، حکیم یا پیشوائے دین یہاں مراد ورقہ ابن نوفل) کو جنت میں دیکھا کہ سبز لباس پہنے ہیں، اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی تھی۔"

حق کے متلاشی

اس ملاقات کو زیادہ دن نہیں گزرے کہ ورقہ ابن نوفل نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ مکہ کے اس حلقہ کے بیٹھنے والوں میں سے ایک تھے، جو علماء یہود و نصاریٰ کی صحبت سے استفادہ کر کے بت پرستی اور دین جاہلیت سے بیزار رسول آخریں ﷺ کے ظہور کے منتظر تھے ان ہی میں مکہ کے زید بن عمرو بن نفیل حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا، عثمان بن حریث اور عبیدہ بن جحش ہیں۔

معلم کتاب وحکمت

جبل نور کے غار حرا میں الصادق الامین ﷺ لیکن ایک امی پر پہلی وحی کا نزول ہوا۔ حکم آیا پڑھنے کا، اس کے لیے جو حرف ناشناس تھا۔ سید الملائک علیہ السلام نے پڑھا۔ سید البشر ﷺ نے سنا اور دہرایا۔ امی ﷺ کو علم سمع کے ذریعے عطا ہوا۔ تمام عمر اس طرح دریائے علم بہتا رہا۔ لوح وقلم سے نابلد معلم کتاب وحکمت بن گیا۔ وحی اول نے انسان کا درجہ کتنا بلند کر دیا، امی ذات اقدس کو جو پہلا حکم دیا گیا وہ ہے "اقراء" اس سے علم اور نبوت کے رشتہ کا بھی پتہ چلتا ہے اور

انسان کو اپنے مقصد حیات کا صحیح علم بھی ہوتا ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدیٰ کا

اقراء سامی لفظ ہے قرا عربی میں بولنا ہے نہ کہ لکھی ہوئی چیز کا پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ہونے والے رسول ﷺ پڑھے لکھے نہیں ہیں، لیکن فرشتے نے رسمی نوشتہ پڑھنے پر مجبور کیا۔ اقراء باسم ربک کے معنی وہی ہیں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہیں۔ بعض سورتوں میں قل اور اقل بھی بولنے کے معنی میں آئے ہیں۔

رَبِّ آقا پالن ہار۔ ترقی کی منزل کی طرف لے جانے والا۔

خَلَقَ عدم سے وجود میں لانا۔ پیدا کرنا۔

اِلْاِنْسَانَ انس ومحبت کا پیکر، پہلی وحی میں جسے انسان کہا گیا اسے بعد میں آدم کے نام سے یاد کیا گیا۔

عَلَقٍ جما ہوا خون جس سے انسان رحم مادر میں پرورش پا کر جنم لیتا ہے۔

اُلاَکْرَامُ نہایت ہی کریم آقا۔ اس سے پہلے صرف عادل اللہ کا تصور تھا۔ اکرم کا نہ تھا۔

عَلَّمَ حقیقی علم دینے والا اللہ ہے۔ جس کو یہاں علم کہا گیا۔ بعد میں اسے کتاب وحکمت کا نام دیا گیا۔

قَلَمِ ذریعہ، علم، حقیقی ذریعہ علم تو عقل، تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ جو قلم کے ذریعہ محفوظ ہو جاتا ہے، قلم ہاتھ کی زبان ہے، دل کا یہ ایلچی بھیدوں کا ظاہر کرنے اور نشانیوں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ نبی قلم الٰہی ہے۔

عَلَّمَ اِلْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ثابت ہے کہ اللہ ہی نے علم کا راستہ دکھایا ہے، ہبوط آدم یعنی آدم وحوا کا جنت سے سرزمین پر بھیجا جانا علم کا پھل کھانے کی وجہ سے نہیں ہوا۔ بلکہ قبل از وقت علم حاصل کرنے کی خواہش نفسانی نے انہیں یہ دن دکھائے۔

اُمّی کا سینہ نزول وحی اول کے ساتھ ہی علم کا گنجینہ بن گیا۔ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات سے محمد بن عبداللہ ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے، اور سورہ المدثر کی ابتدائی سات آیات سے رسالت کی ابتداء ہوتی ہے۔

محمد ﷺ نبوت کا تاج سر پر سجائے غار حرا سے باہر آتے ہیں۔ انہیں چاروں طرف کفرو شرک کے اندھیرے دکھائی دیتے ہیں۔ اب انہیں اللہ کا پیغام دنیا میں عام کرنا تھا، ظلمت کو نور میں بدلنا تھا، حق کو باطل پر غالب کرنا تھا۔

یہ بڑا مشکل کام تھا۔ لوگ تو شرک و کفر کی دلدل میں دھنس چکے تھے۔ وہ تو پتھر کے بے جان ٹکڑوں کو ہی اپنا معبود حقیقی سمجھ بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کے دلوں سے ان بتوں کو نکال کر پاش پاش کرنا تھا۔ ان کے دلوں میں ایمان کی شمعیں روشن کرنا تھیں۔

اور یہ کتنا مشکل کام تھا، اور پھر آنے والے وقت نے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ بڑا ہی مشکل اور کٹھن کام تھا۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ تو اندھیروں کو مٹا کر روشنی کو غالب کرنے والے تھے۔

اب ہر طرف اللہ کا نام گونجنے والا تھا۔

کتابیات

آ

۱۔ آفتابِ نبوت ﷺ

ا

۲۔ الرسول (ﷺ)
۳۔ الوفاء
۴۔ انوارِ محمدیہ (ﷺ)
۵۔ الرحیق المختوم
۶۔ اعلام النسائی عالمی العرب
۷۔ دارالاسلام
۸۔ اسد الغابہ
۹۔ النبی الاطہر (ﷺ)
۱۰۔ المشاہدہ
۱۱۔ ارمانِ سرحدی
۱۲۔ اسوۃ الرسول (ﷺ)
۱۳۔ الوارث
۱۴۔ العطور المجموعہ
۱۵۔ ابنِ احجر
۱۶۔ الاصابہ
۱۷۔ اصح السیرہ
۱۸۔ استیعاب
۱۹۔ ابونعیم
۲۰۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا
۲۱۔ ابن قیم الجوزی
۲۲۔ انسانِ کامل (ﷺ)
۲۳۔ اسوۂ حسنہ
۲۴۔ ابن عساکر
۲۵۔ الخصائص الکبریٰ
۲۶۔ انوارِ جمالِ مصطفیٰ (ﷺ)
۲۷۔ احمد بن حنبل
۲۸۔ احمد قسطلانی
۲۹۔ ابن ہشام
۳۰۔ ابوداؤد

۳۱۔ النبی الخاتم (ﷺ)
۳۲۔ انساب الاشراف
۳۳۔ الفتح الربانی
۳۴۔ ابن عبدالبر
۳۵۔ ابن کثیر
۳۶۔ الفقہ الاکبر
۳۷۔ الادب المفرد
۳۸۔ الشمائل الشریف
۳۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ
۴۰۔ ازالۃ الخفاء
۴۱۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ب

۴۲۔ بچوں کے رسول (ﷺ)

پ

۴۳۔ پیارے رسول ﷺ کی پیاری زندگی
۴۴۔ پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ
۴۵۔ پیغمبرِ اعظم ﷺ کے تاریخی سفر
۴۶۔ پیارے نبی ﷺ کے پیارے سفر مبارک
۴۷۔ پیغمبرِ انسانیت (ﷺ)
۴۸۔ پیغمبرؐ صاحب کے متعلق چند مفید باتیں

ت

۴۹۔ تاجدارِ عالم ﷺ کے والدین
۵۰۔ تذکارِ صحابیاتؓ
۵۱۔ تاجدارِ حرم (ﷺ)
۵۲۔ تب تابِ جاودانہ
۵۳۔ تواریخ حبیب الٰہ
۵۴۔ تاجدارِ مدینہ ﷺ کا بچپن
۵۵۔ تاریخ الانبیاء
۵۶۔ تاریخ ارض القرآن
۵۷۔ تاریخ مکہ
۵۸۔ تاریخ ادب عربی
۵۹۔ ترتیل شعراء
۶۰۔ تاریخ حرمین شریفین
۶۱۔ ترمذی شریف
۶۲۔ تفسیرِ مظہری
۶۳۔ تاریخ الخمیس
۶۴۔ تاریخ الاسلام والمسلمین
۶۵۔ تفہیم القرآن
۶۶۔ تاریخ اسلام
۶۷۔ تفسیرِ فتح الباری

ج

۶۸۔ جنات النعیم فی ذکر نبی کریم ﷺ
۶۹۔ جمالِ مصطفیٰ (ﷺ)
۷۰۔ جرنیل صحابہؓ
۷۱۔ جزیرۃ العرب
۷۲۔ جواہر اسرۃ

ح

۷۳۔ حرا کا آفتاب (ﷺ)

۷۴۔ حبیب خدا (ﷺ)

۷۵۔ حضرت محمد ﷺ ولادت سے نزول وحی تک

۷۶۔ حیات طیبہ ﷺ میں پیر کے دن کی اہمیت

۷۷۔ حیات رسالت مآب ﷺ

۷۸۔ حیات رسول ﷺ کے دس دن

۷۹۔ حمائل شریف

۸۰۔ حیاتِ رسول (ﷺ)

۸۱۔ حضور پُر نور (ﷺ)

خ

۸۲۔ خصائص الصغریٰ

۸۳۔ خیر البشر (ﷺ)

۸۴۔ خاتم النبیین (ﷺ)

۸۵۔ خطباتِ بہاولپور

۸۶۔ خطباتِ مدراس

د

۸۷۔ دائی حلیمہؓ اور ان کی سرسبز و شاداب وادی

۸۸۔ دُرِ یتیم (ﷺ)

۸۹۔ درود شریف

۹۰۔ دلائل البیہقی

۹۱۔ دلائل النبوت

۹۲۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ

۹۳۔ داستانِ اسلام

ذ

۹۴۔ ذکر حبیب (ﷺ)

۹۵۔ ذکر جمیل (ﷺ)

ر

۹۶۔ رحمت اللعالمین (ﷺ)

۹۷۔ رسولِ عربی (ﷺ)

۹۸۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

۹۹۔ رسول نمبر

۱۰۰۔ روضہ الانف

۱۰۱۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیاستِ خارجہ

۱۰۲۔ رحمت اللعالمین ﷺ کے والدین

۱۰۳۔ روحِ اطہر (ﷺ)

۱۰۴۔ رسالت مآب (ﷺ)

۱۰۵۔ رسولِ عربی ﷺ اور عصرِ جدید

۱۰۶۔ رسول اللہ ﷺ اور شعر (نقوش رسول نمبر

۱۰۷۔ روضۃ الاحباب

۱۰۸۔ رسولِ رحمت (ﷺ)

س

۱۰۹۔ سیرت المصطفیٰ (ج۔۱)

۱۱۰۔ سیرت محمدیہ (ﷺ)

۱۱۱۔ سیرت رسول (ﷺ)

۱۱۲۔ سیرت الحلبیہ

۱۱۳۔ سیرت سید المرسلین (ﷺ)
۱۱۴۔ سیرت احمد مجتبیٰ (ﷺ)
۱۱۵۔ سیرت حلانیہ
۱۱۶۔ سیرت طیبہ (ﷺ)
۱۱۷۔ سیرت النبی ﷺ کامل (ج۔۱)
۱۱۸۔ سیر الصحابیاتؓ
۱۱۹۔ سیرت دحلانیہ
۱۲۰۔ سرورِ کائنات (ﷺ)
۱۲۱۔ سیرۃ رسول ﷺ من القرآن
۱۲۲۔ سرور القلوب بذکر محبوب (ﷺ)
۱۲۳۔ سرورِ عالم ﷺ کے سفر مبارک
۱۲۴۔ سیرت حبیب (ﷺ)
۱۲۵۔ سوانح عبد المطلب
۱۲۶۔ سیرت سید الشہداء حضرت حمزہؓ
۱۲۷۔ سید انسانیت (ﷺ)
۱۲۸۔ سنن ابنِ ماجہ
۱۲۹۔ سیوطی
۱۳۰۔ سیرت مصطفیٰ (ﷺ)
۱۳۱۔ سیرت سرورِ عالم (ﷺ)
۱۳۲۔ سیرت النبی ﷺ (ج۔۱)
۱۳۳۔ سیرت النبی ﷺ (ج۔۵)
۱۳۴۔ سیرت سید الانبیاء
۱۳۵۔ سیرت ابن اسحاق
۱۳۶۔ سورہ الحج
۱۳۷۔ سبل الہدیٰ
۱۳۸۔ سیرت النبی (ﷺ)
۱۳۹۔ سورہ البقرہ
۱۴۰۔ سیرت المختار
۱۴۱۔ سورہ آلِ عمران
۱۴۲۔ سیرت الرسول (ﷺ)
۱۴۳۔ سفر نامہ ارض القرآن

ش

۱۴۴۔ شجرۂ رسول مقبول (ﷺ)
۱۴۵۔ شعاعِ سیرت (ﷺ)
۱۴۶۔ شہدائے عہدِ نبوی (ﷺ)
۱۴۷۔ شرح ہمزیہ
۱۴۸۔ شواہد النبوت
۱۴۹۔ شمائل ترمذی

ص

۱۵۰۔ صحابیاتؓ
۱۵۱۔ صحیح مسلم شریف
۱۵۲۔ صحیح بخاری
۱۵۳۔ صدیق اکبر

ض

۱۵۴۔ ضیائے حرم
۱۵۵۔ ضیاء النبی ﷺ (ج۔۱)

۱۵۶۔ضیاء النبی ﷺ (ج۔۵)

ط

۱۵۷۔طبقاتِ ابن سعد

ظ

۱۵۸۔ظہورِ قدسی

ع

۱۵۹۔عرب کا چاند
۱۶۰۔عہدِ نبوی ﷺ کے نادر واقعات
۱۶۱۔عہدِ نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی
۱۶۲۔عیون الاثر
۱۶۳۔عمر فاروقؓ

غ

۱۶۴۔غلامانِ محمد
۱۶۵۔غزوات النبی (ﷺ)
۱۶۶۔غلافِ کعبہ کی تاریخ

ف

۱۶۷۔فروغِ ابدیت
۱۶۸۔فصاحتِ نبوی (ﷺ)

ق

۱۶۹۔قصص القرآن

ک

۱۷۰۔کتاب المعارف
۱۷۱۔کتاب الاطعمہ
۱۷۲۔کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ (ﷺ)
۱۷۳۔کنز العمال

م

۱۷۴۔محمد رسول اللہ (ﷺ)
۱۷۵۔مہک
۱۷۶۔مختصر سیرت رسول (ﷺ)
۱۷۷۔مدارج النبوت
۱۷۸۔معجم، قبائل العرب
۱۷۹۔معارج النبوت (ج۔۱)
۱۸۰۔میلاد نامہ اور رسول ﷺ بیتی
۱۸۱۔مواہب الدنیہ
۱۸۲۔میلاد النبی (ﷺ)
۱۸۳۔محسنِ اعدا
۱۸۴۔معجزاتِ مصطفیٰ (ﷺ)
۱۸۵۔معجزات رسول ﷺ کا انسائیکلوپیڈیا
۱۸۶۔معجزاتِ نبوی (ﷺ)
۱۸۷۔مستدرک حاکم
۱۸۸۔معجم اوسط طبرانی
۱۸۹۔مومن کے ماہ وسال
۱۹۰۔معارف القرآن
۱۹۱۔محمد سرورِ عالم (ﷺ)
۱۹۲۔محمد عربی (ﷺ)

ن

۱۹۳۔ نبی رحمت (ﷺ)

۱۹۴۔ نبی ﷺ کا شانہ نبوت میں

۱۹۵۔ نقوش (ج۔۲)

۱۹۶۔ نقوش (ج۔۵)

۱۹۷۔ نامور خواتینِ اسلام

۱۹۸۔ نذرانہء عقیدت بحضور سرور کونین (ﷺ)

۱۹۹۔ نور البصر فی سیرۃ خیر البشر (ﷺ)

۲۰۰۔ روزنامہ نوائے وقت کراچی

۲۰۱۔ نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی

۲۰۲۔ نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی

و

۲۰۳۔ والدین مصطفیٰ (ﷺ)

ہ

۲۰۴۔ ہادیٔ کونین (ﷺ)

۲۰۵۔ ہمارے حضور (ﷺ)

۲۰۶۔ ہادیٔ عالم (ﷺ)

ادارے کی دیگر اسلامی کتب

علم و عرفان پبلشرز
34۔ اردو بازار، لاہور، فون: 7232336، فیکس: 7352332